خطباتِ حکیم الاُمتؒ 32 جلدوںؒ سے منتخب الہامی جواہراتؒ

جواہراتِ حکیم الاُمت

از افادات

حکیم الاُمت مجدد الملت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
و دیگر اکابرین

جمع و ترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
خلیفہ مجاز
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد ۱
عقائد... نماز... حج
رمضان... روزہ
زکوٰۃ... سیرۃ النبی ﷺ

جلد ۲
علم و عرفان
شریعت کے اسرار و رموز
حکمت و معرفت کا منتخب گنجینہ

جلد ۳
تصوف... اخلاق
باطنی تزکیہ کا دستور العمل
تصوف کی اصلاحات
کی تشریحات

جلد ۴
اتباعِ سنت
حقوق العباد... فقہی مسائل
معاملات... آخرت
سیاست
تعویذات و عملیات
لطائف و ظرائف
معاشرت

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان

خطباتِ حکیم الامتؒ 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

جواہراتِ حکیم الامتؒ ۱

عقائد... نماز... حج... زکوٰۃ... رمضان... آخرت، سیرۃ النبیؐ... اتباعِ سنت
تصوف... علم و عرفان... اوراد و وظائف... فقہی مسائل... اخلاق... معاملات... سیاست
حقوق العباد... معاشرت... عملیات و تعویذات... لطائف و ظرائف

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
و دیگر اکابرین

جمع و ترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
خلیفۂ مجاز
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اِدارہ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

جواہرِ حکیم الامت

تاریخ اشاعت.................. ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

ناشر.......................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت ۔۔۔۔۔فیصل فدا پرنٹنگ پریس ملتان فون 061-4570046

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ...چوک فوارہ...ملتان — اسلامی کتاب گھر...خیابان سرسید روڈ...راولپنڈی

ادارہ اسلامیات.........انارکلی.......لاہور — دارالاشاعت.....اُردو بازار.......کراچی

مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور — مکتبۃ القرآن.....بنوری ٹاؤن...........کراچی

مکتبہ رحمانیہ......اُردو بازار.......لاہور — مکتبہ دارالاخلاص...قصہ خوانی بازار.....پشاور

مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ.............کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BL1 3NE, (U.K.)

عرض ناشر

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے خواص وعوام کی دینی ضروریات پر کثیر تعداد میں کتب تصنیف فرمائیں حتی کہ آپ کو ''سیوطی وقت'' کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ تصانیف کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر ووعظ کے ملکہ سے بھی خوب نوازا اور سفر وحضر میں مواعظ کا سلسلہ جاری رہا۔ نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی آپ کے مواعظ وملفوظات کی تاثیر زندہ جاوید ہے کہ ہر پڑھنے والا یہی پکار اٹھتا ہے کہ علوم ومعارف اور ظاہر وباطن کی اصلاح پر مشتمل یہ مواعظ وملفوظات کسبی نہیں بلکہ الہامی ہیں کہ ''از دل خیزد بردل ریزد'' کا حسی آئینہ ہیں۔ خطبات وملفوظات حکیم الامت کی افادیت اوران کے بارہ میں اکابر کے تاثرات تیسری جلد کے شروع میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام مواعظ جو کہ تقریباً 350 ہیں اور 32 ضخیم جلدوں پر محیط ہیں۔ عصر حاضر کی مصروفیات کے پیش نظر اہل علم اور خواص حضرات اور عامۃ المسلمین کا ان سے استفادہ کرنا مشکل ہے، جبکہ ان مواعظ میں بیسیوں عنوانات پر علم وحکمت کے ہزاروں موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ (خلیفہ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے بندہ کی درخواست پر مواعظ کی 32 جلدوں سے منتخب جواہرات کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ اہم عنوانات کے تحت ان کی تقسیم بھی فرمادی۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

نیز ہر جوہر کے آخر میں وعظ کا نام اور جلد نمبر بھی دے دیا گیا ہے تا کہ بآسانی مراجعت کی جاسکے۔ مواعظ سے ماخوذ ''جواہرات حکیم الامت'' کا یہ نافع سلسلہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات کی 30 جلدوں کے جواہرات بھی زیر ترتیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ حسب سابق ادارہ کے اس جدید اشاعتی سلسلہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہمیں تمام مراحل میں اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ دورِ حاضر میں تمام شرور وفتن سے حفاظت کا یہی ایک مضبوط قلعہ اور سہارا ہے۔ والسلام

محمد اسحٰق غفرلہٗ ذیقعدہ 1431ھ بمطابق اکتوبر 2010ء

کلماتِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! اخی فی اللہ، برادر محترم حضرت الحاج حافظ محمد اسحٰق صاحب ملتانی مدظلہ کے ارشاد کے مطابق خطبات وملفوظات حکیم الامتؒ کو مختلف عنوانات کے تحت علیحدہ کر دیا، تا کہ ہر موضوع پر علیحدہ جلدیں شائع کر دی جائیں باوجود تقریباً روزانہ بلاناغہ اس امر کو سرانجام دینے میں علالت اور ضعف کے سبب دو سال لگ گئے آج بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وخوبی یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الحمدللہ طیبا مبارکا فیہ

حق سبحانہ وتعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر زادِ آخرت وسرمایہ نجات بنادیں اور ان کی اشاعت کے اسباب فرما کر ناشر اور ناچیز کیلئے صدقہ جاریہ بنادیں آمین

ان جلدوں میں مواعظ سے بفضلہ سبحانہ وتعالیٰ اتنا علمی وعملی مواد جمع ہو گیا ہے کہ قارئین حضرات اور علماء ومشائخ نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی مطالعہ کے بعد اپنے علم میں اضافہ اور ترقی محسوس کریں گے اور عمل کیلئے جذبہ ذوق وشوق پائیں گے۔ حضرات مشائخ اپنی مجالس میں انہیں اجتماعی طور پر سنیں تو ازحد نفع ہوگا۔

فقط والسلام خیر ختام دعاؤں کا ازحد محتاج

بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء

Mohammad Rafi Usmani

Mufti & President Darul Uloom Karachi Pakistan
Ex Member Council of Islamic Ideology Pakistan

محمد رفیع عثمانی

رئیس الجامعۃ لدار العلوم کراتشی و المفتی بہا
عضو مجلس نظریاتی اسلامی پاکستان سابقاً

التاریخ: ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۲۰۰۸

الرقم:

عزیز محترم جناب محمد اقبال قریشی صاحب
وجناب حافظ محمد اسحاق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خیر وعافیت کے ساتھ رکھے۔

گرامی نامہ سے یہ معلوم ہو کر بہت مسرت ہوئی کہ خطبات حکیم الامت میں جو خطبات آئے ہیں، ان میں سے منتخب خطبات کو مبوّب کر کے ’’جواہرات حکیم الامت‘‘ کے نام سے چار جلدوں میں شائع کیا جارہا ہے۔

ان شاء اللہ اس سے طالبین کو ہر موضوع سے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات تلاش کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔ امید ظن غالب کے درجہ میں یہ ہے کہ اس انتخاب میں بھی پچھلی تالیفات کی طرح اس بات کا التزام کیا جائے گا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اور عبارتوں میں ادنیٰ تغیر نہ ہو۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کا آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ لوگوں کو اس سے خوب خوب فائدہ پہنچے اور اسے آپ حضرات کیلئے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

والسلام

(محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ)

رئیس الجامعہ دار العلوم کراچی

JUSTICE MUHAMMAD TAQI USMANI

محمد تقي العثماني

Member Shariat appellate Bench
Supreme Court of Pakistan
Deputy Chairman Islamic Fiqh Academy (OIC) Jeddah
Vice President Darul-Uloom Karachi-14 Pakistan.

قاضي بمجلس التمييز الشرعي للمحكمة العليا باكستان
نائب رئيس، مجمع الفقه الإسلامي بجدة
نائب رئيس: دار العلوم كراتشي ١٤ باكستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاء اللہ آپ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے علوم کو پھیلانے کی بڑی سعادت حاصل کی ہے، البتہ میں یہ بات کہہ چکا ہوں کہ کسی کتاب پر اسے دیکھے بغیر لکھنا دیانت کے خلاف ہے، لہٰذا صرف فہرست دیکھ کر لکھنا مناسب نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ بندہ کی تقریظ کے اشتہار کے بغیر شائع کر دیں۔ آپ کا نام ہی کافی ہے۔

والسلام

بندہ

[signature]

١١-١١-١٤٢٣ھ

فہرست مضامین

حج

رمضان المبارک اور روزہ

عَقائِد

- ایمان باللہ، رسالت
- دیگر ضروریات دین
- ان کے متعلق اسلامی عقائد ونظریات
- دین میں عقائد کی اہمیت وضرورت

شان جلال و جمال

حق تعالیٰ کی دو شانیں ہیں ایک جلال ایک جمال۔ جمال لطف و رحمت وغیرہ ہے اور جلال وہ جسے آپ سختی وقہر سمجھتے ہیں۔ عاشق یہ چاہے گا کہ دونوں کو پہچانوں بغیر اس کے اسے صبر نہیں آتا۔ کیونکہ ایک رخ کی معرفت تھی دوسرے کی نہ تھی۔

یہی راز ہے آدم علیہ السلام کے جنت سے اخراج میں۔ یعنی جب وہ جنت میں تھے انہیں صفت محسن منعم وکریم کی بدرجہ عین الیقین معرفت تھی اور عادل منتقم عفو، تواب، رحیم، رؤف کی معرفت بدرجہ علم الیقین تو تھی مگر بدرجہ عین الیقین نہ تھی۔ حق تعالیٰ کو ان کی معرفت کو مکمل کرنا مقصود تھا۔ اس کے لئے سامان یہ ہوا کہ ممانعت کے بعد بوسوسہ شیطان گیہوں کا دانہ کھالیا۔ گو اس کا بھی انہیں ثواب ملا۔ کیونکہ یہ ان کی اجتہادی خطا تھی۔ ارشاد ہوا جنت سے باہر ہو جاؤ اس وقت انہیں عادل منتقم کی معرفت ہوئی اس کے بعد توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوئی تو تواب کی معرفت ہوئی پھر معاف ہو گیا تو عفو کی معرفت ہوئی پھر رحمت خاصہ متوجہ ہوئی تو رؤف رحیم کی معرفت ہوئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کی معرفت اور ان کا عین الیقین کے درجہ تک مکمل نہ ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں سے ان کے معارف اور کمالات بڑھائے جاتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار آیا۔ ابن مسعودؓ سے فرمایا مجھ کو بہ نسبت تم لوگوں کے دوگنا بخار ہوتا ہے اور اجر بھی دوگنا ہوتا ہے چونکہ ان کو معرفت کامل بلکہ اکمل عطا ہوتی ہے اسلئے ان کے لئے بیماری بھی سب سے بڑھ کر ہونی چاہئے۔ صحت بھی اوروں سے بڑھ کر بیماری بھی اوروں سے بڑھ کر۔ یہی شان ہے انبیاء و صلحاء کی اور اسی مشاہدہ کی بدولت انہیں بلا میں اس قدر مسرت ہوتی ہے کہ آپ کو انعام میں بھی نہیں ہوتی۔

نفي الحديث اللهم لا عيش الا عيش الاخرة (الامتحان ج ۹)

حقیقت ایمان

ایمان ہر وقت فرض ہے اور مومن ہر وقت مومن ہے اس کی کوئی ساعت ایمان سے خالی نہیں حالانکہ ایمان کی حقیقت تصدیق بالقلب ہے اب اگر دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اس تصدیق کا ہر وقت استحضار رہے تو ظاہر ہے کہ ہر وقت اس کا استحضار نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ دوام کے کوئی اور معنی بھی ہیں پس سمجھو کہ دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ایک بار تصدیق کا استحضار کر کے پھر اس کی ضد کا استحضار نہ ہو جب تک ضد کا استحضار نہ ہوگا اس وقت تک اس استحضار کو باقی سمجھا جائے گا اور یہ شخص ہر ساعت میں مومن ہے یہ تو شرعی مثال ہے جس سے دوام کے یہ معنی معلوم ہوئے اور محسوسات میں بھی اس کی چند مثالیں ہیں مثلاً مشی فعل اختیاری ہے اور ہر قدم کا اٹھانا فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری مسبوق بالقصد ہوتا ہے مگر کیا ہر قصد جدید ہوتا ہے ہرگز نہیں اگر ایسا ہو تو مشی دشوار ہو جائے لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ ابتداء میں جو ایک بار قصد کیا ہے وہی آخیر تک مستمر ہے علی ہذا ستار بجانے والے کا ہر نقرہ فعل اختیاری مسبوق بالقصد ہے مگر یہاں بھی ہر نقرہ پر قصد جدید نہیں ہوسکتا ورنہ ستار بجانا دشوار ہو جائے گا اور یقیناً خراب بجے گا پس یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ ایک ہی قصد آخیر تک مستمر ہے غرض شرعیات سے اور محسوسات سے ہر طریقہ سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ ایک ہی مستمر ہوسکتا ہے اب سمجھئے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی ہے اور اس وقت دل میں ارادہ ہے کہ ظہر بھی پڑھوں گا تو اس کا یہ قصد مستمر کیوں نہ ہوگا گو درمیان میں استحضار نہ رہے اب صوفی صاحب سن لیں کہ دوام صلوۃ صورت صلوۃ میں بھی ہوسکتا ہے یعنی صلوۃ کے ساتھ خاص نہیں۔ (الرابطہ ج۱۱)

توحید کامل

اسلام کی خوبی دیکھئے کہ اس میں توحید ایسی کامل ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کی توحید ایسی کامل نہیں چنانچہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اسلام میں حرام ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے فارس وروم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرمت کو کس عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا۔ جس سے اس فعل کی لغویت بخوبی ظاہر ہوگئی۔ فرمایا یہ تو بتلاؤ اگر تم میرے مرنے کے بعد میری قبر پر گذرو تو کیا میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے۔ حضرات صحابہ کیسے سلیم العقل تھے۔ جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر اب ہی کیوں سجدہ کرتے ہو۔ خوب سمجھ لو کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے اور اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں (حضور نے اس جواب میں بتلا دیا کہ جو چیز فانی ہے اور اس کے ظہور فنا کے بعد تم اس کو سجدہ کرنا گوارا نہیں کرتے۔ وہ اس وقت بھی سجدہ کے قابل نہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی فانی ہے۔ حضرات صحابہ سلیم العقل تھے۔ اور بات کو سمجھ گئے کہ مرنے کے بعد انسان سجدہ کے قابل نہیں ۱۲ جامع اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو کہتے حضور ہم تو آپ کی قبر کو ایک بار کیا چار مرتبہ سجدہ کریں گے۔ اس واقعہ سے اسلام کی توحید کا کامل ہونا معلوم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اشاعت اسلام سے اپنی تعظیم کرانا نہ تھا کیونکہ جو شخص بڑا بننا چاہتا ہے وہ تو خود اس کی کوشش کیا کرتا ہے کہ لوگ میرے سامنے جھکیں مگر حضور کی یہ حالت ہے کہ لوگ از خود آپ کو سجدہ کرنا چاہتے تھے اور آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ اپنا فانی ہونا ان پر ظاہر کر دیا۔

مگر پھر بھی بعض جہلاء و کفر کا حضور پر یہ اعتراض ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) بڑا بننا چاہتے تھے اور دلیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضور نے حج کے موقعہ پر ایک صحابی کو اپنے موئے مبارک دیئے تھے کہ مسلمانوں میں ان کو تقسیم کر دو۔ اس پر وہ جاہل لکھتا ہے کہ دیکھئے حضور نے اپنے بال اس لئے تقسیم کرائے تا کہ لوگ ان کو تبرک سمجھ کر تعظیم سے رکھیں تو گویا آپ نے بڑا بننا چاہا۔

استغفر اللہ! یہ آج کل کی فہم و عقل ہے۔ افسوس اس شخص کو عبادت و محبت کے مقتضی میں بھی فرق معلوم نہیں۔ واقعی کفار کو محبت و عشق کا چرکہ نہیں لگا۔ اسی واسطے وہ ایسے واقعات کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو جواب بھی نہ دیا جاوے اور یہ کہہ دیا جاوے۔

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی   بگذارتا بمیرد در رنج خود پرستی

عشق کے بھید مدعی کے سامنے مت کہو، اسکو چھوڑ دو تا کہ غرور اور گھمنڈ میں مر جائے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

مغفرت خداوندی

ابوداؤد کی حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد اور ایک فاسق کا۔ عابد تو دن رات عبادت میں رہتا اور یہ دن رات گناہ اور فسق وفجور میں رہتا تھا وہ عابد اس کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ تو یہ حرکتیں چھوڑ دے اس نے کہا کہ میاں تم اپنے کام میں لگو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں جانوں میرا خدا جانے۔ غرض ایسا فاسق تھا کہ نصیحت سے بھی باز نہ آتا تھا۔ ایک روز عابد نے اس کو کسی برے عمل میں دیکھا تو غصہ میں آ کر کہا کہ تجھے خدا تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ دعوے کا لفظ تھا۔ اس کے بعد دونوں کی موت آ گئی حکم ہوا کہ عابد کو دوزخ میں لے جاؤ اور فاسق کو جنت میں لے جاؤ اور عابد سے کہا گیا کہ کیا میری رحمت تیرے اختیار میں بھی جو تو نے میرے بندہ پر قطعی حکم لگا دیا کہ تجھ کو خدا تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا اب ہم تجھ کو دوزخ میں لے جاتے ہیں اور اس کو جنت میں اگر تجھ سے ہو سکے تو روک لے۔

یاد رکھو! جو شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہو یعنی زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہو تو وہ اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک کسی ایسی بات کا انکار نہ کرے جو ضروریات دین میں سے ہے مثلاً نماز کے فرض ہونے کا انکار کرے یا روزہ کی فرضیت کا انکار کرے یا اور جو چیزیں ضروریات دین سے ہیں ان میں کسی کا انکار کر لے تب تو البتہ اسلام سے خروج ہوتا ہے اور جو ضروریات کا انکار نہ کرے، ہاں عمل میں سستی کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے اس پر ایسا سخت حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ بالکل اسلام سے خارج ہو گیا اور ابد الآباد کیلئے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا آخر کفر سے پہلے گناہ کا مرتبہ بھی تو ہے اور اس میں دو درجے ہیں صغیرہ اور کبیرہ۔ اہل حق کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے بھی خروج عن الاسلام نہیں ہوتا اور اس پر خلود فی النار نہ ہوگا اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ شفاعت اہل کبائر کو پہنچے گی۔ بڑے سے بڑا کبیرہ بھی اگر کوئی کرے اور ساری عمر کرتا رہے اور کبھی اس پر نادم بھی نہ ہو، نہ توبہ کرے اور مرتے وقت بھی توبہ نصیب نہ ہو تب بھی اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کو خلود فی النار نہ ہوگا چاہے اس کو ہزار برس تک دوزخ میں رہنا پڑے اور گناہوں کی سزا میں چاہے کیسا ہی سخت سے سخت عذاب بھگتنا پڑے مگر کبھی نہ کبھی دوزخ میں سے ضرور نکال لیا جاوے گا۔ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

عقائد اصل ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رأ ی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہٖ فمن لم یستطع فبلسانہ فمن لم یستطع فبقلبہ و ذٰلک اضعف الایمان (او کما قال) (الصحیح لمسلم : ۴۹)

کہ جو کوئی تم میں سے امر منکر کو دیکھے۔تو اس کو ہاتھ سے مٹائے۔یا زبان سے یا دل سے۔یہ مقتضا ہے امر منکر کا شرعاً۔پھر یہ کیا غضب ہے کہ ہم لوگ امرِ منکر کو دیکھ کر نہ ہاتھ سے روکتے ہیں، نہ زبان سے، نہ دل سے نفرت کی جاتی ہے۔بلکہ اعمال میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ وہی بشاشت ہے، وہی دوستی ہے۔جیسے کامل الایمان کے ساتھ ہوتی ہے۔گویا آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے وکیل و مختار ہیں۔کہ جس چیز کو چاہیں معاف کردیں، اور جس منکر سے چاہیں قطع نظر کرلیں۔تو بات یہ ہے۔کہ لوگوں نے عقائد کی اہمیت سمجھنے میں غلطی کی ہے۔وہ یہ سمجھ گئے کہ اہمیت عقائد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد اصلاح اعمال کی ضرورت ہی نہیں اور یہ بالکل غلط ہے۔اس لئے اس اعتبار خاص سے اعمال زیادہ مہتم بالشان ہوگئے ہیں۔اس واسطے یہاں کلام کو تواصی بالاعمال کے ذکر پر ختم کیا گیا۔تاکہ اس طرز خاص سے مخاطب کو معلوم ہو جائے۔کہ گو اعمال عقائد سے ذکر میں مؤخر ہیں۔مگر ختم کلام پر مذکور ہونے سے ان کی اہمیت بھی مطلوب ہے اور وہ بھی مہتم بالشان ہیں۔سو یہ اتنی تو ضروری چیز ،مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اعمال کی طرف سے ہم بہت بے فکر ہیں۔اس میں شک نہیں کہ عقائد اصل ہیں اور اعمال فروع ۔۔(التواصی بالصبر ج ۱۳)

تکمیل عقائد

عقائد کی تعلیم سے تکمیل اعمال بھی مقصود ہے۔یعنی عقائد کی تعلیم اس لئے بھی کی گئی ہے۔کہ ان سے اعمال میں کام لیا جائے۔اس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

مَآ اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ.

ترجمہ:تم کو جو کچھ بھی مصیبت ارضی یا سماوی پہنچتی ہے۔وہ سب مقدر ہو چکی ہے۔قبل ازیں

کہ مصیبت کو پیدا کریں۔(اور چونکہ خدا تعالیٰ کا علم کامل ہے۔ اس لئے) بے شک یہ بات خدا کے لئے آسان ہے۔(کہ وہ ظہور سے پہلے مصائب وغیرہ کو مقدر کردیں) اس کے بعد فرماتے ہیں:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ

(یہ مضمون تم کو اس لئے بتلایا گیا) تا کہ تم کسی فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو اور حاصل شدہ پر اتراؤ نہیں، یہ تعلیل ہے یا ماسبق کی۔ جس کا تعلق اخبرنا کم بذلک مقدر سے ہے۔ یعنی ہم نے تم کو اس مسئلہ کی تعلیم اس لئے کی۔ تا کہ تم مغموم نہ ہو اور اتراؤ نہیں۔ اب غور کے قابل یہ امر ہے۔ کہ لام کے غایت کے واسطے لایا جاتا ہے اور اوپر مسئلہ تقدیر کا ذکر ہے۔ تو اس کی علت وغایت دوسری آیت میں بتلائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تم کو مسئلہ تقدیر اس لئے تعلیم کیا ہے۔ کہ جب تم اس کے معتقد ہوگے۔ تو تم کو حزن وفرح نہ ہوگا اور مسئلہ تقدیر کا یہ اثر مشاہد ہے۔ جو لوگ تقدیر کے معتقد ہیں۔ وہ مصائب وحوادث میں منکرین تقدیر سے زیادہ مستقل اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ تو اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ مسئلہ تقدیر کا ثمرہ ایک عمل بھی ہے۔ یعنی حصول تفویض وتوکل اور اس کا عمل ہونا ظاہر ہے۔ پس عقائد ہر چند کہ خود بھی مقصود ہیں۔ مگر ان کو تکمیل عمل میں بھی بڑا دخل ہے اور یہ دخل مطلوب بھی ہے۔ جیسا کہ آیت میں لکیلا تاسوا (تا کہ تم غم نہ کرو) سے مستفاد ہوتا ہے۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

تعلیم توحید اور اعمال

توحید کی تعلیم خود بھی مقصود ہے اور اس سے اعمال کی تکمیل بھی مقصود ہے کیونکہ جس شخص پر جس قدر توحید کا غلبہ ہوگا۔ اتنا ہی اس کے اعمال مکمل ہوں گے اس کی نماز دوسروں کی نماز سے اکمل اس کی زکوٰۃ وروزہ دوسروں کی زکوٰۃ وروزہ سے افضل ہوگی۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں:

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا — واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(دھوکہ مت کھاؤ کہ توحید خدا اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کا نام ہے نہ کہ ایک کہنے کا)

اور شیخ شیراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

موحد چہ برپائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش بنا شد زکس — ہمیں ست بنیاد توحید و بس

(موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں اس کو بجز خدا کے کسی سے امید وخوف نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے) (التواصی بالصبر ج ۱۳)

نزول خداوندی

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے۔ کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے۔ تو حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ اور اس نزول نسبت کی اجمالی عقیدہ کافی ہے۔ کیونکہ ہم کو نہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کنہ معلوم نہ صفات کی نہ ذات کی۔ پس جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔

ہاں اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اخبار متواترہ یا قرآن سے ثابت ہوں۔ وہ تو قطعی ہیں۔ دوسرے وہ جو اخبار آحاد صحیحہ سے ثابت ہوں۔ وہ ظنی ہیں۔ قسم اول کا اعتقاد فرض اور ثانی کا واجب ہے۔ اول کا انکار کفر اور ثانی کا انکار فسق ہے۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

عقائد اور اعمال

اور عقائد کا تکمیل اعمال میں دخیل ہونا اس طرح ہے کہ مثلاً دو شخص فرض کیجئے۔ جنہوں نے راستہ میں بادشاہ کو دیکھا۔ جن میں ایک تو بادشاہ کو پہچانتا ہے۔ ایک نہیں پہچانتا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کو دیکھنے کے بعد دونوں کی حالت میں بین فرق ہوگا۔ جو شخص بادشاہ کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ وہ تو فوراً آداب و تعظیم بجالائے گا۔ اور پوری طرح خدمت وطاعت کے لئے آمادہ ہو جائے گا اور جو اس کو معمولی آدمی سمجھتا ہے وہ اس طرح آمادہ نہ ہوگا۔ پس شریعت نے جو عقائد ہم کو تعلیم کئے ہیں۔ ان سے ایک تو مقصود یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اپنے دل میں جماؤ۔ دوسرا مقصود یہ ہے کہ اس عظمت کے مقتضا سے عمل میں کام لو۔ تو اب اعمال کو غیر مہتم بالشان سمجھنا کتنا بڑا غضب ہے۔ جن مقدمہ اور آلہ تکمیل عقائد کو بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے مقدمات اتنے معظم ہیں۔ وہ خود کتنا معظم ہوگا۔ گو من وجہ سہی۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

وہ قاعدہ کلیہ میں نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ کتابیں زیادہ دیکھنے کی مجھے عادت نہیں۔ اگر کسی کو وسعت نظر کا شوق ہو۔ ان کو یہ شوق مبارک ہو۔ ہمیں تو حق تعالیٰ نے اساتذہ ہی ایسے دیئے تھے۔ جنہوں نے بہت سی کتب سے مستغنی کر دیا۔ کیسا ہی اشکال ہو۔ ان کی چند باتوں سے جو یاد ہیں۔ رفع ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ”شارع نے جو اعمال کے فضائل بیان کئے ہیں۔ وہ گویا خواص اعمال ہیں اور خواص اشیاء کا ظہور عقلاً ارتفاع موانع سے مشروط ہوتا ہے۔“

اس کی ایسی مثال ہے جیسے طبیب ادویات کی خاصیت بیان کرے، تو ہر عاقل اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے۔ کہ اگر اس کے مخالف کوئی مضر چیز نہ کھائی جائے تو یہ نفع ظاہر ہوگا۔ پس اگر کوئی خمیرہ گاؤں زبان عنبری پر دو تولہ سنکھیا بھی کھالے اور مرجائے۔ تو اس سے خمیرہ کے خواص غلط نہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح لا الہ الا اللہ دل سے کہنے اور اس پر مستقیم رہنے کی بھی خاصیت ہے۔ کہ اس سے ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ بشارت سنائی جاتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے منافی کوئی کام نہ کرے۔ مثلاً لا الہ الا اللہ کے بعد ان اللّٰہ ثالث ثلٰثۃ یا المسیح ابن اللّٰہ (اللہ تین میں کا تیسرا یا حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں) وغیرہ نہ کہے۔ اگر کلمۂ ایمان کے بعد کلمہ کفر بھی کہہ دے گا تو اس کی وہی مثال ہوگی جیسے خمیرہ کے بعد سنکھیا کھالے۔

ایمان کے منافی امور

منافی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو پورا منافی ہو۔ جیسے کلمہ ایمان کا مقابلہ کلمہ کفر ہے۔ یہ تو مبطل خاصیت ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ کی خاصیت کو بالکل باطل و زائل کر دے گا اور ایک وہ جو پورا منافی نہ ہو۔ بلکہ فی الجملہ منافی ہو۔ جیسے کفر کے علاوہ اور معاصی ہیں۔ ان سے کلمہ ایمان کی خاصیت باطل تو نہیں ہوتی۔ مگر کمزور ہو جاتی ہے۔ نفع دیر میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے خمیرہ گاؤزبان کے ساتھ کھٹائی اور تیل اور گڑ اور سرکہ اور بینگن بھی کھائے جائیں۔ کہ ان اشیاء سے خمیرہ کی قوت کمزور ہو جائے گی اور نفع دیر میں ظاہر ہوگا۔

اس تقریر سے ایک اور شبہ کا جواب معلوم ہوگیا۔ وہ یہ کہ میں نے جو اوپر کہا تھا۔ کہ یہ فضائل خواص اعمال ہیں اور خواص کا ظہور رفع موانع کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ اس پر کسی کو یہ شبہ ہوسکتا ہے۔ کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موانع اور مضرات کو بھی پیش کیا تھا۔ کہ یا رسول اللّٰہ و ان زنی وان سرق. (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ وہ زنا کرے اور اگر چہ وہ چوری کرے)

مگر حضور صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے ان کو مضر نہیں مانا۔ یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو کوئی لا الٰہ الا اللّٰہ کا معتقد ہو کر مرجائے و ھو لا یشرک باللّٰہ اس حال میں کہ وہ شرک نہ کرتا ہو۔ تو یہ شخص جنت میں جائے گا۔ اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! چاہے اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وان زنی وان سرق.

ہاں اگر چہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان خواص کا ظہور بد پرہیزی سے بچنے کے ساتھ مقید نہیں۔

تقریر گزشتہ سے یہ اشکال اس طرح حل ہوا۔ کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے۔ کہ زنا وسرقہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی خاصیت کے لئے مبطل نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کو مبطل سمجھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کر دی۔ رہا یہ کہ یہ اعمال کسی درجہ میں بھی لا الٰہ الا اللّٰہ کی خاصیت کے منافی اور مضر نہیں۔ یہ اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زنا وسرقہ وغیرہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی خاصیت کے لئے مضعف اور اس کے ظہور کے لئے مؤخر ہیں۔ یعنی ایسا شخص جنت میں تو ایمان کی برکت سے چلا جاوے گا۔ مگر دیر میں جائے گا۔ یا یہ کہا جائے۔ کہ ایمان کی خاصیت تو اب بھی وہی باقی ہے۔ مگر مفرد جب دوسرے اجزاء سے مرکب ہو جاتا ہے تو مرکب کا مزاج دوسرا ہو جاتا ہے۔ پس اگر ایمان اعمال صالحہ کے ساتھ مرکب ہوا تو اس وقت مجموعہ کا مزاج اور ہوگا۔ اس وقت ایمان کی خاصیت تیز اور قوی ہوگی کیوں کہ یہ اجزاء لا الٰہ الا اللّٰہ کے مناسب ہیں اور اگر اعمال سیئہ سے مرکب ہوا تو مجموعہ کا مزاج دوسرا ہوگا۔ یا یہ کہا جائے کہ خاصیت تو اب بھی وہی باقی ہے۔ مگر عارض وموانع کی وجہ سے دیر ہو جائے گی۔ پس اب یہ دعویٰ محقق ہو گیا۔ کہ یہاں جس فضیلت اور استقامت کا ذکر ہے۔ وہ مطلق استقامت علی الایمان ہی کی فضیلت ہے۔ خواہ کسی درجہ کی ہو۔ (الاستقامت ج ۱۳)

ایمان اور عقائد

سب سے زیادہ ضروری ایمان ہے اس میں اس قدر سہولت ہے کہ عمر بھر میں ایک بار کلمہ شریف کا اعتقاد کر لینا اور زبان سے کہہ لینا کافی ہے تکرار استحضار و اظہار کی نجات مطلقہ کے لئے ضرورت نہیں صرف اتنا ضروری ہے کہ ایک مرتبہ دل سے اس کا اعتقاد و اظہار کر کے کسی وقت اس کی ضد کا اعتقاد و اظہار نہ ہو باقی ہر وقت اس اعتقاد کا استحضار و تکرار اظہار تکمیل ایمان تو ہے جس سے درجات میں ترقی ہوگی باقی نجات مطلقہ کا موقوف علیہ نہیں اور اگر کسی کو عمر بھر میں ایک بار بھی زبان سے اس اظہار کی قدرت نہ ملی ہو تو دل میں تصدیق کر لینا ہی کافی ہے۔ (جمال الجلیل ج ۱۴)

شائبہ شرک

افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ کچھ دنوں سے ہماری جماعت کے اندر بھی ایک شائبہ شرک کا آ چلا ہے کہ خطوط میں بامداد اللہ اور ہوالرشید لکھتے ہیں اگر اس سے حضرت حاجی صاحب اور حضرت مولانا گنگوہی کے نام سے استعانت و تیمن مقصود نہیں تو اس کی کیا وجہ کہ بعون اللہ اور ہواللہ کو چھوڑ کر امداد اور رشید کا لفظ اختیار کیا گیا کیا اللہ کا نام رشید ہی رہ گیا اور بھی تو بہت سے اسماء ہیں مگر اُن میں پیر کے نام کی طرف کیونکر اشارہ ہوتا بس یہی شائبہ شرک ہے گو شرک نہ ہو اور اسی کے قریب ایک مرض یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ اپنے نام کے ساتھ رشیدی قاسمی خلیلی محمودی لکھنے لگے اور بعض کوڑی ہو کر اپنے کو اشرفی لکھتے ہیں اس میں شائبہ شرک تو نہیں مگر تحزب ہے اور پارٹی بندی ہے اور حنفی شافعی لکھنے میں جو حکمت ہے وہ یہاں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں تو اہل زیغ یعنی مدعیان اجتہاد سے احتراز مقصود ہے یہاں کس سے احتراز مقصود ہے کیا اس جماعت میں بھی تمہارے نزدیک کوئی صاحب زیغ ہے؟ جس سے امتیاز کا قصد کیا جاتا ہے البتہ اس کا مضائقہ نہ تھا کہ یہ سب کے سب اپنے کو امدادی لکھا کریں تو اس میں یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ سلسلہ اہل بدعت سے احتراز مقصود ہے کیونکہ اس زمانہ میں صوفیہ کے جس قدر سلاسل ہیں قریب قریب سب بدعات میں مبتلا ہیں۔ صرف حاجی صاحب کا سلسلہ ہی ایسا ہے جو اتباع سنت کے ساتھ ممتاز ہے (جمال الخلیل ج ۱۴)

جواب وہی ہے جو میں سب کو ابھی بتلا رہا تھا تو میں خود اس سے کیوں نہ کام لوں یعنی لا اعلم کہ ہم کو اس کا جواب معلوم نہیں۔ (جمال الخلیل ج ۱۴)

مسئلہ قدر

میں اپنے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں کہ صوفیہ اہل اسرار کی کتابیں ہرگز نہ دیکھیں کیونکہ اس میں خود بلا کو سر لینا ہے اور میں نے تو ایک خاص ضرورت سے اس کتاب کو دیکھا تھا کہ ان صوفی پر سے لوگوں کا اعتراضات کا رفع کرنا مقصود تھا مگر اتفاق سے بلا قصد کے ایک جگہ مسئلہ قدر کے متعلق کچھ مضمون نظر پڑ گیا بس قیامت آ گئی اور ایمان پر خطرہ ہو گیا پھر جب تک میں شبہات کے جوابوں میں غور کرتا رہا پریشانی بڑھتی رہی آخر کار نجات جو ہوئی تو اسی بات سے ہوئی کہ ہم کیا جانیں ہمارا علم ہی کیا ہے ہم جانتے ہی کیا ہیں پھر ہم اس مسئلہ میں غور ہی کیوں کریں۔

واللہ اس وقت قدر ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امر کی کہ مسئلہ قدر میں غور نہ کرو خدا ناس کرے اُن ظالموں کا جو اس ارشاد کی قدر نہیں کرتے اور اسلام پر شبہ کرتے ہیں کہ مسئلہ قدر پر جو اشکالات پڑتے ہیں اُن کا جواب اسلام میں ہے ہی نہیں اس لئے غور کرنے اور گفتگو کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے ارے احمق سارے جوابوں کے بعد بھی تسلی اسی سے ہوگی کہ یوں کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے۔ (جمال الخلیل ج ۱۴)

درجات توحید

توحید مطلوب کے مختلف درجات میں ایک توحید اعتقادی ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات و صفات میں واحد و یکتا سمجھنا اس درجہ کا عنوان **لا معبود الا اللّٰہ** ہے اور بحمد اللہ یہ درجہ توحید کا سب مسلمانوں کو حاصل ہے اس کا مقابل شرک اعتقادی ہے اس شرک سے تو سب مسلمان محفوظ ہیں اور ایک توحید قصدی ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا واحد سمجھے کہ بجز حق تعالیٰ کے کسی چیز کو مقصود و مطلوب نہ بنائے اس درجہ کا عنوان **لا مقصود الا اللّٰہ** ہے۔

اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور اس درجہ توحید کا مقابل شرک قصدی ہے یعنی غیر حق کو مطلوب و مقصود بنانا اور اسی شرک کا ایک فرد ریاء بھی ہے اور یہ دونوں درجے توحید کے مطلوب ہیں اور ایک تیسرا درجہ اور ہے مگر وہ توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں ہے گو عام طور پر لوگ اس کو توحید ہی کا درجہ سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے بلکہ وہ ان درجات توحید کا ذریعہ اور سبب ہے کہ اُس سے ان درجات مطلوبہ کے حصول و کمال میں سہولت ہو جاتی ہے۔ وہ خود مقصود نہیں۔ اُس کا نام توحید وجودی ہے یعنی حق تعالیٰ کو وجود میں واحد و یکتا سمجھنا جس کا اثر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کے وجود کا اثر اس کی طبیعت پر نہ ہو جس سے خوف یا رجاء متاثر ہو جائے بلکہ بجز وجود حق کے سب کے وجود سے قطع نظر ہو جائے اور یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود اس قابل نہیں جس سے خوف و رجاء کو متعلق کیا جائے جیسے کوئی شخص کلکٹر صاحب کا مقرب ہو جائے تو اب وہ باورچی اور سپاہی اور خانساماں سے متاثر نہ ہوگا۔ اب اس پر خانساماں اور سپاہی کا وہ اثر نہیں ہوتا جو پہلے تھا کہ ان سب سے ڈرتا تھا اور ان کی خوشامد کرتا تھا اب وہ بجز کلکٹر کے کسی ماتحت سے نہ ڈرے گا۔ نہ کسی کی خوشامد کرے گا۔ اسی کو شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد نہ کس | ہمیں است بنیاد و توحید بس

(موحد کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں امید و خوف اس کے سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے) (ارضاء الحق ج ۱۵)

حقیقت وحدت الوجود

اس توحید کا عنوان **لا موجود الی اللہ** ہے اسی کو وحدت الوجود کہتے ہیں مگر یہ شرعاً نہ مامور بہ ہے اور نہ اس کو توحید کہا گیا ہے نہ اس کے عدم کو شرک کہا گیا ہے جیسے ریاء کو شرک کہا گیا ہے۔ اسی لئے اس کو توحید کا درجہ سمجھنا غلط ہے۔ باقی اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں مطلب یہ ہے کہ شرعاً جو توحید مطلوب و مامور بہ ہے وہ دو ہی درجے ہیں ایک درجہ ایمان میں دوسرا درجہ عمل میں توحید وجودی توحید مامور بہ نہیں ہے ہاں توحید مطلوب کی معین ضرور ہے کہ اس سے توحید اعتقادی و توحید قصدی کا حصول و کمال سہل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں کہ اس کے بغیر توحید کامل ہی نہ ہو سکے نہیں نہیں توحید اس کے بغیر کامل بھی ہو سکتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ نصوص پر عمل کرنے سے کوئی صوفی ہی نہ ہو حالانکہ تصوف کچھ اسی پر موقوف نہیں۔ میں تو یہ ضرور کہوں گا کہ غیر صوفی مومن کامل نہیں ہوتا مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ صوفی ہونا وحدۃ الوجود پر موقوف نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی تصوف حاصل ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک بہت سے علماء محققین خصوصاً آئمہ مجتہدین سب صوفی تھے کیونکہ تصوف سے جو مقصود ہے وہ ان کو علی وجہ الکمال حاصل تھا حالانکہ وحدۃ الوجود کا غلبہ اُن پر نہ تھا۔ غلبہ وحدۃ الوجود سے اصل مقصود صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے اور ہر کام میں رضائے حق ہی کو مطلوب بنائے سو یہ بات بدوں اس غلبہ کے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر غیر حق کے وجود سے بھی قطع نظر ہو جائے گی تو یہ مقصود سہولت سے حاصل ہو جائے گا۔

یہ بات کہ توحید وجودی توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں آج پینسٹھ سال کے بعد معلوم ہوئی ورنہ اب تک میں بھی اس کو توحید کی ایک قسم سمجھتا تھا۔ الحمد للہ آج غلطی منکشف ہوئی جس پر میں بے حد مسرور ہوں۔

لا موجود الّا اللہ اور اسی کو توحید حالی کہتے ہیں۔ مگر یہ توحید شرعی کا کوئی درجہ نہیں

ہے صرف معین ہے بلکہ درجات توحید کا انتہا لا مقصود اِلَّا اللّٰہ پر ہے۔ اور لا موجود الّا اللہ نہ مامور بہ ہے۔ نہ اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ اگر یہ بھی توحید کا کوئی درجہ ہوتا تو ضرور اس کا امر بھی ہوتا اور اس پر ثواب بھی ہوتا مگر نصوص اس سے ساکت ہیں۔ ہاں کوئی مجازاً اور اصطلاحاً اس معین توحید کو توحید کہے تو مضائقہ نہیں ۔ لا مشاحۃ فِیْ الْاِصْطَلَاحِ (اصطلاح میں کچھ مضائقہ نہیں ہے) لیکن اس کو مدار کمال سمجھو تو صلاح ہے۔

مسئلہ تقدیر میں احتیاط

صحابہ کرام ایک مرتبہ مسئلہ قدر میں کچھ گفتگو فرما رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سُنا فرمایا کہ تم لوگ کیا گفتگو کرر ہے تھے۔ معلوم ہوا تو عتاب فرمایا کہ تم اس میں گفتگو کرتے ہو کیا میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں اور فرمایا کہ جو اس میں گفتگو کرے گا اس سے باز پرس ہوگی۔ یعنی پوچھ گچھ ہوگی۔ کیوں اس میں گفتگو کی اور ایک لطیف معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ سوال ہوگا کہ ذرا ہم بھی سنیں تم نے اس بارہ میں کیا تحقیق کیا ہے۔ اس سے وہ شخص دم بخود رہ جاوے گا، اور عجز کی وجہ سے کچھ جواب نہ دے سکے گا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس قسم کے علوم میں گفتگو کرنے سے ممانعت کی طرف اشارہ کردیا کیوں کہ یہ علم وہبی ہے دلائل سے کبھی حل نہیں ہوسکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان امور کے اظہار کی حاجت تو ہے نہیں جیسا اوپر بیان ہوا اور الفاظ وضع ہوئے ہیں۔ حاجت کی چیزوں پر دلالت کرنے کے لئے سوان مفہومات کے لئے الفاظ موضوع نہیں ہیں تو اگر ان مغلقین مفہومات کو الفاظ سے تعبیر کیا جاوے گا تو وہ تشبیہات ہوں گی اور وہ بالکل ناکافی ہیں۔ (طریق القلب ج ۱۵)

برکات توحید

موحد کو اپنے علوم پر اطمینان ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ علوم ہی اطمینان بخش ہیں۔ موحد کہتا ہے کہ ہر چیز کا فاعل خدا ہے۔ خدا نے آدم علیہ السلام کو دفعتاً مٹی سے پیدا کر کے دفعۃً انسان بنا دیا۔ اس کو کچھ ضرورت نہیں کہ اپنا نسب بندر یا سور سے ملائے تو خدا کو فاعل ماننے میں کیسی راحت ہے کہ سب جھگڑوں سے نجات ہوگئی۔ یہ تو علمی راحت اور دنیوی حسی راحت یہ ہے کہ حوادث و مصائب میں موحد مستقل و مطمئن رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ کہ ہم کو وہی پیش آئے گا جو خدا نے مقدر کر دیا ہے۔ اس کے خلاف ہرگز کچھ پیش نہیں آ سکتا۔ اور حق تعالیٰ ہمارے آقا و مولیٰ ہیں۔ ان کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے گا اس میں رحمت و حکمت ہی ہوگی۔ اس لئے خدا ہی پر مسلمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ بتلایئے جس کا یہ اعتقاد ہو وہ مصائب میں کب پریشان ہو سکتا ہے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

شائبہ شرک کا ازالہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کی تقبیل کے موقع پر فرمایا

انی لاعلم انک حجر لا تضرو لا تنفع ولو لا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک

یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکے نہ ضرر دے سکے مگر میں صرف اس لئے تجھ کو چومتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے تیری تقبیل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ورنہ تجھ کو ہرگز نہ چومتا۔ اور قرآن میں جہاں استقبال بیت کا امر ہے وہاں صاف ارشاد ہے: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دیجئے) یہ نہیں فرمایا فَوَلِّ وَجْهَكَ لِلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (اپنے چہرہ کو مسجد حرام کے لئے پھیر لیجئے) اس آیت میں لفظ شطر بڑھا کر بتلا دیا گیا کہ کعبہ محض سمت عبادت ہے خود مقصود و مسجود نہیں ہے پس مسلمان بڑے زور سے دعوے کرتے ہیں کہ ہم کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے اس کی عبادت نہیں کرتے نہ وہ معبود ہے نہ مقصود ہے نہ مسجود ہے نہ مطلوب محض سمت عبادت اور جہت صلوٰۃ ہے۔

بھلا مشرکین تو ذرا اپنے بتوں کے سامنے ایسا کہہ دیں جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے سامنے کہا تھا کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر دے سکتا ہے نہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں نہ ہم تجھے سجدہ کرتے ہیں مشرکین کبھی ایسا نہیں کہہ سکتے معلوم ہوا کہ وہ اپنے بتوں کو محض سمت عبادت نہیں سمجھتے بلکہ موثر و متصرف و معبود و مسجود سمجھتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کا یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس پر دلائل قائم ہیں وہ یہ کہ مسلمان کعبہ کے اوپر بھی بعض دفعہ چڑھتے ہیں اس پر پیر رکھتے ہیں۔ ذرا کوئی مشرک تو اپنے بت پر پیر رکھ کر دکھلا

دے۔ مسلمانوں نے بعض دفعہ کعبہ کو مرمت وغیرہ کے لئے اپنے ہاتھ سے توڑا ہے اور گرایا ہے۔ مشرک تو ذرا اپنے بت کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر دکھلا دے۔ پھر اگر خدانخواستہ کعبہ کو ہمارے سامنے سے ہٹا دیا جائے تو ہم جب بھی نماز ادھر ہی پڑھیں گے۔ اور مشرک کے سامنے سے بت کو ہٹا لو تو وہ اپنی عبادت ترک کر دے گا اس سے صاف معلوم ہوا کہ مشرکین کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ ہم بتوں کو سمت سمجھ کر سامنے رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا دعویٰ صحیح ہے کیونکہ وہ کعبہ کے بغیر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (تحصیل المرام ج۱۷)

توحید کی رعایت

اقسام واسطہ اور ان کی حیثیت

وسائط کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وسائط فی العلوم جو تعلیم طریق ہیں واسطہ ہیں دوسرے وسائط فی العمل جو توجہ فی اداء العبادۃ میں واسطہ یعنی معین ہیں اور توحید کی کس قدر حفاظت کی گئی ہے کہ وسائط طریق کو سمت عبادت نہیں بنایا گیا گو فضیلت ان کی کعبہ سے زیادہ ہے چنانچہ علماء امت کا اتفاق ہے کہ جس بقعہ ارض سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر مماس ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو کعبہ سے تو بدرجہ اولیٰ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فضیلت اس جگہ میں محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصال سے آئی ہے تو خود آپ کی ذات مقدس تو یقیناً عرش سے افضل ہوگی اور عرش کعبہ سے افضل ہے تو آپ کعبہ سے بھی افضل و اعظم ہیں۔

نیز ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن کعبہ کو دیکھا اور اس کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تیری عظمت اور حرمت کو جانتا ہوں مگر مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے اسی لئے نماز سے فارغ ہو کر جب امام بیٹھتا ہے تو مسلمانوں کی طرف منہ کر کے کعبہ سے انحراف کر لیتا ہے۔ جب ہر مسلمان کی حرمت کعبہ سے زیادہ ہے تو حضرات مشائخ طریق اور انبیاء اولیاء ہیں۔ یقیناً ان کی حرمت کعبہ سے بدرجہ اولیٰ زیادہ ہوگی۔ مگر بایں ہمہ ان کو سمت عبادت نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ کعبہ تو ایک کوٹھڑی ہے اس کی سمت عبادت ہونے سے کسی کو اس کے مقصود و مسجود ہونے کا وہم نہیں ہو سکتا کوئی بہت ہی احمق ہوگا جسے ایسا وہم ہو۔

بخلاف وسائط تعلیم کے کہ ان کو سمت عبادت بنانے میں اندیشہ قوی تھا کہ جہلا ان کو مقصود و مسجود سمجھ جائیں اس لئے کہ وسائط تعلیم میں سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔آپ کی حالت یہ تھی کہ ہزاروں معجزات وخوارق عادات آپ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔آپ کی ذات بابرکات میں سینکڑوں کمالات ایسے موجود تھے جو کسی انسان میں نہ تھے اس حالت میں اگر آپ کی ذات کو سمت عبادت بنا دیا جاتا تو یقیناً بہت سے جاہل آپ کو خدا بنا لیتے باوجود سمت عبادت نہ بنانے کے تو جہلا کی یہ حالت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشریت سے نکالنا چاہتے ہیں۔اگر آپ کی ذات کو سمت عبادت بھی بنا دیا جاتا تو نہ معلوم لوگ کیا غضب ڈھاتے۔اسی طرح اہل اللہ میں اپنے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ کمالات معنویہ ہوتے ہیں اور بعض صاحب کرامات حسیہ بھی ہوتے ہیں ان کو سمت عبادت بنانے میں یہی اندیشہ تھا اس لئے وسائط تعلیم کو سمت عبادت نہیں بنایا گیا گو فضیلت میں وہ کعبہ سے بدرجہا زائد ہوں مگر ان کے احکام اور ہیں اور وسائط فی العمل کے احکام اور ہیں وسائط تعلیم کی طرف سجدہ کرنا یا ان کی طرف جھکنا حرام ہے اور وسائط فی العمل کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ عبادت میں ان کی طرف منہ کیا جاتا ہے۔(تحصیل المرام ج ۱۷)

ذات خداوندی

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے آ کر عرض کیا کہ میں نے ایک لونڈی کے تھپڑ مار دیا ہے اس کو ایک کفارہ میں آزاد کرنا چاہتا ہوں۔اس کے آزاد کرنے کے لئے ایمان کی شرط ہوگی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کو طلب فرمایا۔اس سے دریافت فرمایا این اللہ (مؤطا مالک ۷۷۷) یعنی اللہ تعالیٰ کہاں ہیں اس نے کہا فی السماء آسمان میں پھر دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں عرض کیا انت رسول اللہ آپ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا کہ یہ مومن ہے اس کو آزاد کر دو۔باوجود اس کے کہ وہ لونڈی یہ سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں۔لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مومن فرمایا۔حالانکہ بھلا اللہ تعالیٰ آسمان میں کیا سما تا۔عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے مظروف سے ظرف بڑا ہونا چاہیے۔سو خدا تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عرش تک تو کوئی چیز ہی نہیں تو آسمان تو کیا ہوتا ادھر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ حق تعالیٰ پاک

ہیں کسی مکان کے اندر آنے سے لیکن اس جاریہ (لونڈی) کی عقل اتنی ہی تھی ۔ چنانچہ اگر بچوں سے پوچھو کہ خدا کہاں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اوپر ہے حالانکہ حدیث میں ہے۔

لو دليم الحبل الى الارض السفلى لهبط على الله (العلل المتناهیہ ۱/۱۴)

یعنی اگر رسی ساتوں زمین پار ہو کر اترے گی وہاں بھی اللہ میاں ہیں وہ نہ زمین کے ساتھ مقید ہیں نہ آسمان کے ساتھ مگر فطری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ہی ہونے کا گمان ہوتا ہے کیونکہ اس کی ذات عالی ہے۔ عوام کی سلامتی اسی میں ہے کہ اوپر سمجھیں عرش پر سمجھیں یا آسمان پر سمجھیں کچھ حرج نہیں خواص کے لئے ہے اس کو مکان سے پاک سمجھنا۔

چنانچہ میں نے ایک بار یہیں تھانہ بھون میں حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ ایک رفیع الشان مکان کے فوق کی طرف جلوہ فرما ہیں لیکن بلا کسی لون اور رنگ یا مقدار یا کیفیت کے چونکہ میرے اعتقاد میں تنزیہ ہے اور بہت سوں نے جن پر کہ تشبیہ کا مذاق غالب تھا آدمی کی شکل میں دیکھا اور اس فرق کے اور بھی اسباب ہیں۔ سو اسی طرح یقظہ (بیداری) میں جتنی جیسی عقل ہوگی اتنا ہی سمجھے گا۔ چنانچہ وہی شخص حق تعالیٰ کی قدرت کا قائل سب کچھ تھا لیکن کچھ عقل کی کمی کچھ خشیت کا غلبہ اس نے اس کو بدحواس کر دیا۔ اسی طرح مغلوب الحال کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ غلبہ حال سے کم ہو جاتی ہے۔

اصلاح عقائد

بعض لوگ اعتقاداً بعض حالاً یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ بھی کریں ہم کو گناہ نہیں ہوتا جن کو اس کا اعتقاد ہے وہ تو کفر میں مبتلا ہیں وہ اپنی مثال ایسی سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک دریا ہو کہ اس میں اگر پیشاب کے قطرات گریں تو وہ ناپاک نہیں ہوتا بلکہ وہ پیشاب ہی اس میں فنا ہو جاتا ہے ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے جو اپنے کو دریا سے تشبیہ دی یہ تشبیہ تمہاری تراشی ہوئی ہے یا قرآن وحدیث میں کہیں یہ تشبیہ ہے۔ اگر تراشی ہوئی ہے اور تمہارے نزدیک ٹھیک ہے تو یہ بھی کرو کہ گورنمنٹ جس کی اب تک اطاعت کی ہے اب اس کی عملداری میں ڈکیتی ڈالو اور جب گرفتار ہو کر آؤ تو کہو کہ اب ہم دریا ہو گئے ہیں اگر اس عذر کو سن کر سرکار چھوڑ دے تو خدا سے بھی امید رکھو اور جیسے خدا سے امید باندھے بیٹھے ہو کہ وہ ہم کو دریا سمجھ کر چھوڑ دے گا ایسے ہی ڈکیتی ڈالنے میں سرکار سے بھی امید رکھنی چاہیے یہ سب نفس کی شرارتیں ہیں۔ (مفاد المعصیۃ ج ۱۸)

لا الہ الا اللہ سے مراد

حدیث میں ہے: "مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے یہ مولویوں کا اضافہ ہے رسالت کا قائل ہونا ضروری نہیں گو اچھا ہے اور غضب یہ ہے کہ یہ مضامین ان لوگوں نے مذہبی کتابوں میں چھاپ دیئے جن سے مسلمانوں کے ہوش اڑتے ہیں اور بعض نے اس سے بھی ترقی کی کہ توحید کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ دعویٰ کیا کہ توحید تو امر فطری ہے اور ہر شخص میں موجود ہے۔ اگر زبان سے نہ بھی کہے گا بلکہ اگر انکار کرے گا تب بھی وہ موحد ہے اور موافق اس حدیث کے اس کو نجات ہو جائے گی۔ بس ان لوگوں کے نزدیک ضروری کام صرف یہ رہ گیا کہ کھانے پینے کی ترقی کرو۔

صاحبو! یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۝

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اپنے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ خوب کھالیں اور چین اڑا لیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں، ان کو اپنی حقیقت معلوم ہو ہی جاتی ہے۔''

اور ان لوگوں سے سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　　افرس تحت رجلک ام حمار

(جب غبار ہٹ جائے گا عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

یہ نہیں دیکھتے کہ اگر فطری کافی ہو تو بعثت انبیاء علیہم السلام عبث ہو جاتی ہے۔ خواہ مخواہ کیوں اتنا بکھیڑا کیا گیا فطری توحید سے نجات تو سب کی ہو ہی جاتی۔ صاحبو! حقیقت یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ ہے آدھا کلمہ مراد نہیں اور جن لوگوں نے اس سے آدھا کلمہ ہی مراد سمجھا ہے ان کی سمجھ بس ویسی ہے جیسے ریاست رام پور میں ایک طالب علم تھا۔ اس نے مجھ سے کسی پریشانی کے لیے وظیفہ پوچھا میں نے بتلا دیا کہ لاحول کی کثرت کرو چند روز کے بعد وہ ملا اور بیان کیا کہ میں لاحول لاحول لاحول تمہارا بتلایا ہوا برابر پڑھتا ہوں مگر ثمرہ مرتب نہیں ہوا میں نے کہا لاحول ولا قوۃ تو جیسے لاحول سے میری مراد پورا جملہ تھا ایسے ہی لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ مع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ غرض یہ تو محض واہیات اور غلط ہے کہ اعتقاد رسالت کی ضرورت نہیں ہے یا توحید فطری کافی ہے اس کے

متعلق کلام کو طول دینا فضول ہے کیونکہ اس وقت مخاطبین میں کوئی اس خیال کا نہیں لیکن افسوس ان پر ہے جو رسالت کی ضرورت کو مانتے ہیں اور اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ کلمہ پڑھنے کو کافی سمجھتے ہیں اور اعمال کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان کے زعم میں ایک حدیث سے تائید مل گئی ہے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اس کے آخری جزو سے ان کو دھوکہ ہوا ہے وہ جزو یہ ہے: "وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ" (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" (جس شخص نے لا الہ الا اللہ" اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں" کہا وہ شخص جنت میں داخل ہوا)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا "وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ" (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) یعنی اگرچہ مومن سے معاصی بھی صادر ہوں کیا تب بھی وہ جنت میں جائے گا۔ حضور نے فرمایا ہاں "وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ" (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر پوچھا "وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ" (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ" (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) انہوں نے پھر تعجب سے یہی پوچھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی جواب دیا اور اتنا لفظ اور بڑھایا: "عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ" یعنی چاہے ابوذر کے طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو مگر ہوگا یہی کہ وہ جنت میں جائے گا۔ اس حدیث کے الفاظ ظاہراً بہت صریح ہیں۔ وہ حدیث جو اوپر پڑھی تھی یعنی "مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" (جس شخص نے لا الہ الا اللہ" اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں" کہا وہ شخص جنت میں داخل ہوا) وہ بھی اتنی صریح نہ تھی اور یہ حدیث عام لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہے ورنہ خدا جانے کیا کرتے۔ میں نے ناحق ہی پڑھی کہ ان کے ہاتھ ایک دلیل آ گئی مگر خیر اس پر مکمل بحث ہونے سے ان شاء اللہ تعالیٰ تحقیق ہو جائے گی اور غلطی نکل جائے گی اور یہ کچھ چھپی ہوئی حدیث تو ہے بھی نہیں نیز شریعت کا یہ حکم بھی نہیں ہے کہ کوئی مسئلہ چھپایا جائے۔ کتابوں میں تو یہ موجود ہے ہی طلباء اور اہل علم اس کو جانتے ہی ہیں ہاں تحقیق ہو جانے سے امید ہے کہ پھر کتاب میں دیکھ کر بھی غلطی نہ ہوگی اور آج کل تو اس کا علم طلبہ تک بھی محدود نہیں رہا، عوام کے سامنے اور گھروں کے اندر بھی حدیثیں پہنچ گئیں۔

اصل علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد فرمودہ ہیں سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

کلام میں ایک جگہ تو یوں ہے: ”وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ“ اور دوسری جگہ موجود ہے: ”لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ ذراسی بدعملی سے بھی جنت سے محرومی ہوگی وہاں تو یہ کہ کسی عمل سے کلمہ گو جہنم میں نہیں جا سکتا اور یہاں یہ کہ ذرہ برابر برے عمل سے جنت نہیں پا سکتا۔ یہ تعارض کیسا۔ ایک تو ان لوگوں کے قول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض دوسرے یہ کہ اعمال کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تعلیم فرمائی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سکھلائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو واسطہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سکھلائے ہیں تو یہ اعتراض اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے کہ ادھر تو اپنے رسول کی زبان سے یہ وعدہ کیا کہ کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اور ادھر اعمال کو بھی ضروری بتلایا جو ان کے نزدیک ضروری نہیں، کیا یہ صریح تعارض نہیں اس بناء پر تو یہ چاہیے تھا کہ تمدن سکھلاتے جیسا کہ مدعیان تمدن کا خیال ہے۔ بات یہ ہے کہ حب دنیا نے ان لوگوں کے قلوب کو چرایا ہے۔ بس اسی کی ضرورت ان کے قلب میں آتی ہے دین کی ضرورت قلب میں آتی ہی نہیں مگر اس کا صریح انکار بعض مصالح سے نہیں کر سکتے اس واسطے اس کے متعلق کچھ من سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور ادنیٰ سے تاویل پر خواہ وہ بداہتہً غلط ہو قناعت کر لیتے ہیں۔ بس مقصود دنیا ہے اور اس کو اپنا کام تو سمجھتے ہی ہیں۔ (القاف ج ۲۲)

کلمہ توحید کے تمام دین کو مشتمل کی عجیب مثال

”مَنْ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ“ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوگیا) اس سے بعض فاسد دماغ لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بس توحید کا قائل ہونا نجات کے لیے کافی ہے۔ رسالت کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث میں تو صرف اتنا ہی آیا ہے ”مَنْ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا) یہ حل اس طرح ہوا کہ لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) عنوان ہے دین کا جو حاوی ہے تمام اجزائے دین کو۔ گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کوئی دین اسلام قبول کرے وہ جنت میں جائے گا اور دین میں تمام اجزاء دین آ گئے۔ ان کی تفصیل دوسری نصوص میں صراحتہً موجود ہے۔ مثلاً ”کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ“ (ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) اس میں اللہ پر ایمان

لانے کے ساتھ ملائکہ پر اور کتب سماویہ پر اور تمام انبیاء پر ایمان لانا مذکور ہے۔اس طرح کہ صدہا آیتیں نہیں جن میں اجزاءدین کا بیان ہے تو کیا یہ حدیث ان آیات کی معارض ہے حاشاوکلا حقیقت یہی ہے کہ یہ محض عنوان ہے مراد تمام اجزاءدین ہیں اور میں تو کہتا ہوں کہ توحید کو ماننا مستلزم ہے۔رسالت کے ماننے کو بھی کیونکہ توحید کو ماننا مستلزم ہے اس بات کو حق تعالیٰ کو سچا مانا جائے اور حق تعالیٰ کے کلام میں موجود ہے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) تو جو شخص رسالت کو نہیں مانتا وہ حق تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے۔جب تکذیب کی تو اس پر "مَنْ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" (جس نے کہا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کہاں صادق ہوا۔غرض یہ محض جہالت اور کوتاہ نظری ہے کہ لا الہ الا اللہ کو صرف اس کے لفظی معنی پر محمول کیا جائے بلکہ یہ تو ایک جامع مانع عنوان ہے جو تمام دین کو شامل ہے اس کی ایک بہت موٹی مثال وہی ہے جو قریب ہی بیان ہوئی ہے۔یعنی نکاح جو کیا جاتا ہے وہ ظاہر میں تو نام ہے صرف ایجاب وقبول کا لیکن یہ ایجاب وقبول نکاح کا محض عنوان ہے اور درحقیقت ان کے اندر تمام دنیا کے بکھیڑے اور مصائب اور مصارف سب داخل ہیں جو نکاح کے بعد پیش آتے ہیں۔فرض کیجئے کہ کسی نے نکاح کیا پھر چند روز کے بعد بی بی صاحبہ نے نان ونفقہ کا مطالبہ کیا اور آٹے دال کا تقاضا کیا اور رہنے کو گھر مانگا تو کیا دولہے میاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ واہ میں نے تو تمہیں قبول کیا تھا اس آٹے دال اور گھر گرستی کا دینا کب قبول کیا تھا۔اگر کوئی ایسا کہے تو اس پر سب ہنسیں گے اور اس کو بے وقوف بنائیں گے اور اس کو یہی جواب دیں گے کہ میاں تم نے جو نکاح میں یہ کہا تھا کہ میں نے تجھ کو قبول کیا اس میں سب کچھ آ گیا۔نان نفقہ بھی گھر گرستی بھی، نمک تیل، لکڑی بھی اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نکاح ایک عنوان ہے جو خود تو مختصر ہے لیکن بہت سے بکھیڑوں کو شامل ہے۔بس اسی طرح "مَنْ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہے کہ وہ ایک مختصر عنوان ہے جو تمام اجزاءدین کو شامل ہے، نماز کو بھی روزہ کو بھی زکوٰۃ کو بھی، معاملات کو بھی، معاشرات کو بھی، اخلاق کو بھی، فرائض کو بھی مستحبات کو بھی، ہاں ان مختلف اجزائے دین میں فرق مراتب ہونا اور بات ہے۔(جلاء القلوب ج ۲۲)

مسئلہ وحدۃ الوجود

تصوف کے اصول سے بھی اہل سنت کا مذہب عبدیت کے قریب ہے کیونکہ صوفیہ

کے نزدیک عبدیت منتہائے کمالات ہے اور عبدیت عقیدۂ اہل سنت میں اہل جبر سے زیادہ ہے۔تو جناب یہ ہے ہماری حالت کہ دوسرے کے ہاتھ میں ہمارا ہاتھ ہے۔ جب تک وہ چاہ رہے ہیں ہم سے اعمال کا صدور ہورہا ہے جیسے ہمارے ہاتھ میں قلم ہو کہ اگر ہم اس کو حرکت نہ دیں تو وہ ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا اور اسی کیفیت کی تحصیل کے لئے صوفیہ نے مسئلہ وحدۃ الوجود کی تعلیم کی ہے۔ پہلے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا قرب تھا اس لئے یہی اعمال نماز روزہ وغیرہ ان کیفیات کے حصول کے لئے کافی ہو جاتے تھے بعد میں جب لوگوں کی استعداد میں ضعف واقع ہوا تو ان مراقبات واشغال کی حاجت ہوئی۔تو حضرت یہ ہے وحدۃ الوجود جس کا لوگوں نے ستیاناس کر دیا ہے اور کفر بنا دیا ہے عنایت اس مسئلہ کی صرف یہ ہے کہ سالک کی نظر میں اپنی اور ساری مخلوقات کی ہستی اور اس کی صفات وکمالات حق تعالیٰ کی ہستی وصفات وکمالات کے سامنے مضمحل ہو جائیں اور یہ حالت ہو جائے کہ۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش   چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

امیدو ہر اسش بنا شد زکس   ہمین ست بنیاد توحید بس

(موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیریں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں، امید وخوف اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اس پر ہے)۔

اسی حقیقت کے متعلق سعدیؒ نے کہا ہے۔

دریں نوعے از شرک پوشیدہ ہست   کہ زیدم بیازرد و عمرم بخست

(اس قسم میں اس طرح کا شرک پوشیدہ ہے کہ زید نے مجھے تکلیف دی اور میری عمر ختم ہوگئی)۔(آثار الطویہ ج ۲۳)

ایمان کے مراتب

ایمان میں بھی یہ مراتب ہیں یعنی ابتدائی اور انتہائی اور اس وقت میری بحث کا تعلق صرف ایمان سے ہے میں درجات کفر سے تعرض نہ کروں گا غرض ایمان کا ایک درجہ تو ابتدائی ہوا اور ایک انتہائی اور آگے کی ایک آیت سے یہ دلالت بہت ہی واضح ہو جائے گی اور وہ آیت یہ ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً یہ صاف ہے اس بارہ میں کہ دو مرتبے ہیں اسلام میں کیونکہ اس میں خطاب ہے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اور ان کو حکم ہے دخول فی السلم کافۃ کا

معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد بھی کوئی مرتبہ باقی ہے جس کو دخول فی السلم کافۃ کہہ سکتے ہیں اور اس سے پہلے یہ مرتبہ حاصل نہیں، غرض ایمان کے دو درجے ہونا بہت ہی صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا۔ ایک مطلق جو ابتدائی درجہ پر بھی صادق ہے اور چونکہ تفاوت ایمان کا اعمال سے ہوتا ہے چنانچہ بعض اعمال سے نفس ایمان کا وجود ہوتا ہے مثلاً کلمہ شریف کا پڑھنا اور بعض اعمال سے کمال ایمان ہوتا ہے جیسے دوسرے اعمال پس ایمان میں ان دو درجوں کے ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایمان سے جن اعمال کا تعلق ہے ان اعمال میں دو درجے ہیں ایک اول الاعمال دوسرا آخر الاعمال پس اب اس مدعا کو اس دوسرے مختصر عنوان سے یوں ادا کر سکیں گے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

تقدیر پر ایمان

ایک شخص نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ آپ تقدیر پر ایمان لاتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں اس نے کہا کہ اگر تقدیر پر ایمان ہے تو اس دیوار سے کود پڑو اگر مقدر ہو گا تو زندہ رہو گے ورنہ نہیں۔ فرمایا کہ مجھ کو اپنے مولا کے امتحان لینے کا کب حق حاصل ہے، جو کچھ مقدر میں ہے ہو گا تو وہی، لیکن حق تعالیٰ سے عافیت طلب کرنا چاہئے اور احتیاط رکھنا چاہئے چنانچہ حدیث میں ہے سلوا الله العافية (الصحیح البخاری ۴:۶۲) اللہ تعالیٰ سے عافیت کی درخواست کرو۔ پس نہ طاعون سے اس قدر گھبرانا چاہئے جیسے کہ لوگ بھاگتے پھرتے ہیں کہ ایمان بالقدر کے منافی ہے اور نہ مقام طاعون میں بے ضرورت گھسنا چاہئے بلکہ مشروع احتیاط و دعائے عافیت کرنا چاہئے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

اسباب کی حقیقت

حق تعالیٰ نے تعطیل اسباب فی بعض الاوقات کو جابجا ظاہر کیا ہے اور اگر اسباب کی حقیقت پر غور کیا جاوے تو عقلاً بھی خدا تعالیٰ کی مشیت کو موثر ماننا ضروری ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ جس حادث کے لئے آپ نے ایک دوسری شے کو سبب مانا ہے وہ سبب بھی تو ایک حادث ہے اس کے لئے کون سبب ہوا اگر اس کے لئے آپ نے تیسری چیز کو سبب بنایا ہم اس میں بھی کلام کریں گے تو اس سلسلہ ممکنات کو لامحالہ واجب پر منتہی کیا جائے گا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور لاتناہی کے ابطال پر متکلمین دلائل قائم کر چکے ہیں۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

فطرۃً حق تعالیٰ کی ہستی اور قدرت ماننے کی چیز ہے

فطرۃً حق تعالیٰ کی ہستی اور قدرت ماننے کی چیز ہے اور ماننے کی چیز کو بھی نہ ماننا حکم کا تو کوئی بھی جواب نہیں جیسے ایک مجنون پاخانہ کھا رہا تھا، کسی نے ملامت کی تو کہا اس میں حرج ہی کیا ہے یہ تو وہی ہے جو تھوڑی دیر پہلے ہم نے داخل کیا تھا اب وہ ہمارے اندر سے نکل کر برا کیوں ہو گیا۔ ذرا عقلاً کسی عقلی دلیل سے اس کا جواب دیں مگر عرف اور طبیعت سے کام نہ لیں۔ محض عقلی دلیل سے اس کے دعوے کو باطل کریں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس کے ابطال پر وہ کوئی دلیل نہ قائم کر سکیں گے مگر کیا اس سے کوئی یہ کہے گا کہ اس مجنون کی بات صحیح ہے، ہرگز نہیں۔ سب یونہی کہیں گے کہ وہ نالائق پاگل ہے جو ماننے کی چیز کو بھی نہیں مانتا جو اجماعاً ماننے کی چیز ہے اس طرح ہم منکر صانع کو پاگل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ بھی ایسے ماننے کی چیز کو نہیں مانتا جس کے ماننے پر اجماع عقلاً و اتفاق مذاہب ہے اور ضرورت فطرت اس پر مزید یہ تو کامل درجہ کی دہریت ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو نہ مانے اور اس کی قدرت مشیت کو کامل نہ مانے بلکہ یہ پہلی قسم سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا قائل ہے اور محض برائے نام قائل ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ فلاں بادشاہ تو ہے مگر پنشن یافتہ ہے کہ اسے اختیارات کچھ نہیں۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

حق تعالیٰ شانہ کی کامل قدرت کو ماننے کی ضرورت:

بعض لوگ خدا تعالیٰ کو ایسا قادر مانتے ہیں جیسے گھڑی کا کوکنے والا کہ کوک بھر دینے کے بعد گھڑی کے چلنے میں اس کے اختیار کو کچھ دخل نہیں بلکہ اب وہ خود بخود چلتی رہے گی چاہے کوک دینے والا زندہ ہو یا نہ ہو جب تک کوک بھری ہوئی ہے اس وقت تک گھڑی کو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کام اتنا ہے کہ اسباب کو پیدا کر دیا اب اسباب سے مسببات اور علل سے معلولات کا وجود خود بخود ہوتا رہے گا۔ نعوذ باللہ اس تاثیر و تاثر میں حق تعالیٰ کا کچھ اختیار نہیں وہ اسباب سے مسبب کو مختلف نہیں کر سکتے بس ان لوگوں کا خدا تعالیٰ کو ماننا ایسا ہے جیسے بعض لوگ من تشبہ بقوم فھو منھم (جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پس وہ ان ہی میں سے ہے) سے بچنے کے لئے کوٹ پتلون اور بوٹ سوٹ کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں کہ ساری ہیئت تو کفار کی سی ہے صرف

ٹوپی سے آپ مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ایسے ہی یہ لوگ حق تعالیٰ کے لئے قدرت واختیار (تو ایسا ضعیف مانتے ہیں جیسا کہ دہری منکر صانع مانتا ہے کیونکہ جیسا اختیار یہ مان رہے ہیں وہ بھی نہ ماننے کے مثل ہے مگر الزام دہریت سے بچنے کے لئے برائے نام یوں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ موجود ہے اور بعض لوگ خدا تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور ان کی قدرت واختیار کو کامل بھی مانتے ہیں جیسے عامہ مسلمین مگر سچ یہ ہے کہ یہ بھی محض زبان ہی سے خدا تعالیٰ کی قدرت کو کامل کہتے ہیں۔دل سے یہ بھی کامل نہیں مانتے۔ چنانچہ مصائب وحوادث میں ہم اپنے قلب میں وہی ضعف پاتے ہیں جو قائل دہریت کے قلب میں ہوتا ہے۔ہم نے مانا کہ طبیعت کا بھی ایک اقتضاء ہوتا ہے مگر پھر بھی طبیعت کے اقتضاء میں اعتقاد کی وجہ سے کچھ تو فرق ہونا چاہئے جیسے گرم پانی جو بہت گرم ہو جس کی حرارت ناگوار ہو اس میں ٹھنڈا پانی مل جانے سے کچھ تو فرق ضرور ہو جاتا ہے کہ اب حرارت ناگوار نہیں ہوتی اسی طرح اعتقاد قدرت الٰہیہ کی برودت سے طبعی غلجان میں کچھ تو کمی ہو جانا چاہئے۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ فرق تو ہے مگر چونکہ ہمارا اقرار ضعیف ہے اس لئے اس فرق کا ظہور نہیں ہوا جیسے گرم پانی کے ایک مٹکے میں لوٹا بھر ٹھنڈا پانی ملا دیا جائے تو پہلے سے گرمی میں کمی تو ضرور ہوگی مگر اس کا احساس نہ ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ جو شے اپنے اثر سے خالی ہو وہ معتبر نہیں جس چیز پر غایت مرتب نہ ہو وہ غیر معتد بہ ہے اس لئے یہ اعتقاد جس کا اثر کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا معتد بہ نہیں دنیا میں تو اس سے کچھ نفع نہ ہوگا گو آخرت میں کسی مدت کے بعد کام آئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے قلب میں ادنیٰ ادنیٰ ذرہ ایمان بھی ہوگا وہ بھی کسی نہ کسی وقت جہنم سے نجات پالیگا مگر اس سے پہلے جو عذاب ہوگا اس کو اختیار کرنا کون سی عقل ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس تھوڑے سے عذاب پر راضی ہیں تو یہ شخص قابل خطاب نہیں اس نے جہنم کو دیکھا نہیں اس لئے یہ جرات ہے اگر ایک دفعہ آنکھ بھر کے جہنم کو دیکھ لے پھر نانی یاد آ جائے۔ہم نے مانا کہ ضعیف اعتقاد سے بھی کسی وقت نجات ہو جائے گی مگر کس مصیبت کے بعد اور دنیا میں تو ساری عمر پریشانی ہی رہے گی۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج۲۴)

مسئلہ تقدیر کا حاصل تاثیر قدرت ہے

حالانکہ حق تعالیٰ نے تقدیر کا مسئلہ تو جس کا حاصل تاثیر قدرت ہے اسی لئے ہم کو بتلایا ہے کہ حوادث میں ہم کو راحت ہو، پریشانی اور گھبراہٹ حد سے زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ کہ تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ زمین میں یا تمہاری جانوں میں وہ سب ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں اور یہ کام خدا پر آسان تھا۔ آگے فرماتے ہیں لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ یہ ایک محذوف کے متعلق ہے یعنی واخبرنالکم بذالک لکیلا سو ہم نے تم کو اس مسئلہ تقدیر کی خبر اس لئے دی تا کہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا کی جائے اس پر ناز نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی متکبر اترانے والے کو نہیں چاہتے۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اعتقاد تقدیر کی تعلیم سے فلاح آخرت کے ساتھ یہ بھی مقصود ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں بھی راحت ہے کہ کسی چیز کے فوت ہونے سے ان کو زیادہ رنج نہ ہوا کرے بلکہ یہ سمجھ کر کہ تقدیر میں یوں ہی تھا صبر وشکر سے کام لیا کریں۔ اب آپ دیکھ لیں کہ اعتقاد تقدیر کا یہ اثر ہمارے اندر کتنا ہے، سو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہم مصائب وحوادث میں ضعف قلب اور قلت اعتقاد کی وجہ سے ایسے ہی پریشان ہو جاتے ہیں جیسا ایک دہری یا منکر تقدیر پریشان ہوتا ہے۔ صاحبو! اگر ہم کو تقدیر پر کامل اعتقاد ہے تو اس کا اثر ظاہر میں بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ یاد رکھو محض زبان سے اتنا کہہ دینا تو آسان ہے کہ ہم کو تقدیر پر اعتقاد ہے مگر امتحان کے وقت ہر شخص کی قلعی کھل جاتی ہے اور امتحان کا وقت یہی ہے جبکہ مصائب وحوادث کا نزول ہو رہا ہے اور کسی کی قلعی نہ بھی کھلے تب بھی حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ معاملہ ہے وہاں تو کوئی حیلہ نہیں چل سکتا۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

مرنے کا ہر ایک کو یقین ہے

موت کے بارہ میں مسلمانوں کا تو کیا کفار کا بھی عقیدہ ہے کہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ ملحد بھی اس کا قائل ہے جو نہ مبداء کا قائل ہے نہ معاد کا۔ سو یہ مضمون ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی میں تو بعضوں نے شک بھی کیا ہے مگر اس میں کسی کو شک نہیں' دنیا سے چلا جانا سب کو مسلم ہے۔ ملحد بھی اس کا قائل ہے بلکہ وہ تو ایسی موت کا قائل ہے جو اہل مذاہب کے اعتقاد سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اہل مذاہب تو موت کے بعد بھی حیات کے قائل ہیں اور ان

کے نزدیک یہ موت دائمی اور ابدی نہیں بلکہ منقطع ہونے والی ہے تو وہ موت کامل کے معتقد نہیں بلکہ ناقص کے قائل ہیں اور ملحد حیات ثانیہ کا قائل نہیں ہے تو اس کے نزدیک یہ موت موبد (ہمیشہ کی موت) ہے جو کامل موت ہے تو وہ ایسی موت کا قائل ہے جو موت کی بہت بڑی فرد ہے گو وہ مقدر ہی ہے فرد محقق نہیں۔ غرض میرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اہل حق سے زیادہ موت کے قائل ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ خدا کے منکر موجود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر موجود فرشتوں کے منکر موجود ہیں مگر موت کا منکر کوئی نہیں ہے۔ (غریب الدنیا ج ۱)

بددین مسلمان کافر سے بہتر ہے

سو مسلمان خواہ کیسا ہی بددین مجرم ہو مگر اس کے جرائم کافر کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (الرضا بالدنیا ج ۱)

موت اللہ کے ہاتھ میں ہے

نہ میدان کارزار میں جانا موجب موت ہو سکتا ہے اور نہ گھر میں رہنا مانع ہو سکتا ہے بلکہ موت تو خدا کے اختیار میں ہے اور مرقوم فی الکتاب ہے جس وقت اجل مقرر تمام ہو جائے گی خواہ مکانوں کی بند کوٹھریوں میں ہوں خواہ میدان کارزار میں ہوں موت کے چنگل سے رستگاری ہرگز نہیں ہو سکتی۔

"وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" (النساء: ۷۸)

(اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو۔ (الدنیا والآخرہ ج ۱)

منکر تقدیر کا رنج دائمی ہے

جو شخص منکر تقدیر ہے اس کو کبھی صبر نہیں آئے گا بلکہ ہمیشہ قلق و اضطراب میں رہے گا اور علاج ہی کی کوتاہی اور تدبیر علاج ہی کا قصور بتاتا رہے گا۔ بخلاف اس شخص کے جو سچے دل سے تقدیر پر ایمان لایا ہے اور تمام تغیرات و تصرفات احیاء و امانت کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اور مرقوم فی الکتاب ہونے کا قائل ہے۔ گو یہ شخص بھی باقتضاء طبعی وفاۃ ولد زوجہ وغیرہ پر حزن و ملال کا اثر اپنے قلب میں پائے گا اور اس کا نفس بھی کسی وقت نقص علاج وغیرہ کو سبب بنا کر پیش کرے گا لیکن معاً اس کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ درحقیقت اس کا وقت ہی آ گیا تھا' حیات مستعار ختم ہو چکی تھی اور اے نفس! جس طرح اس کی عزیز عمر اس ساعت

تک مقدر تھی اور اس کے بعد کوئی سانس اس کے واسطے باقی نہیں رہا تھا اسی طرح نقص علاج بھی اس کے واسطے مقدر تھا اور جب اس کی موت کے واسطے خداوند تعالیٰ نے عالم ظاہر میں نقص علاج ہی کو علت بنایا تھا تو کوئی قوت دنیا میں ایسی نہ تھی جو اس کے نقصان علاج کو پورا کر دیتی۔ بس اس کے بعد اس کو صبر آ جائے گا اور کسی قسم کا رنج و ملال، قلق و اضطراب کا اثر اس کے قلب پر نہ رہے گا۔ (الدنیا والآخرہ ج ۱)

تقدیر کی تعلیم کا اثر

خداوند تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے کہ:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ. لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَاتَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ. (الحدید آیت نمبر ۲۲، ۲۳)

''کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں، یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ (یہ بات) بتلا اس واسطے دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج (اتنا) نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔''

اس آیت میں مسئلہ تقدیر کی تعلیم کی ہے یعنی جو کچھ مصیبت آفاقی یا انفسی پہنچتی ہے وہ ہم نے پہلے سے لکھ رکھی ہے۔ یہ ایک تعلیم ہے لیکن اس علم میں بھی ایک عملی غایت موجود ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تقدیر کی تعلیم کیوں دی اس لیے کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے فوت ہو جائے اس پر مغموم مت ہو اور جو چیز مل جائے اس پر شاداں نہ ہو (مراد فرح کبر ہے) اس تعلیم میں یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بالکل طبیعت کے موافق بتلایا ہے کیونکہ غم و رنج طبعی ہوتا ہے۔ اس تعلیم سے غم کے موقع پر طبعاً تسلی و تسکین حاصل ہو سکتی ہے اور حوادث میں وہ سکون کا باعث ہو جاتی ہے تمام عقلاء جمع ہو کر بھی ایسی تدبیر نہیں بتلا سکتے۔ غرض مسئلہ تقدیر کی ایک غایت تسلی و تسکین اور صبر و سکون بھی ہے۔ چنانچہ ''لکیلا تاسوا'' میں اس کی تصریح ہے اور یہ ایک غایت ہے جس کا فائدہ اظہر من الشمس ہے۔ ایک مفروضہ واقعہ سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔

خیال کیجئے کہ دو شخص ایک ہی جگہ کے ہوں۔ دونوں کی ہر طرح سے یکساں حالت ہو لیکن فرق صرف یہ ہے کہ ایک ان میں تقدیر کا قائل ہو اور دوسرا تقدیر کا قائل نہ ہو اور دونوں کے دولڑکے یکساں ہوں دونوں نے یکساں تعلیم پائی ہو اور دونوں کے والدین نے یکساں تعلیم دی ہو، دونوں کے والدین کی امیدیں ان سے وابستہ ہوں۔ اتفاق سے دونوں لڑکے بیمار ہوں، یکساں دونوں کا مرض ہو اور معالج دونوں کا بھی ایک ہو۔ ڈاکٹر کی غلطی سے علاج ناکافی ہو اور دونوں مر جائیں۔ دونوں کے والدین کو سخت رنج ہوگا لیکن دونوں کا فرق اس موقع پر تقدیر کے مسئلہ سے ہوگا جو شخص تقدیر کا قائل ہے اس کی زبان سے تو اس موقع پر بے ساختہ کلمہ جاری ہوگا۔ ''لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا'' یعنی جو کچھ مصیبت آتی ہے وہ خدا ہی کی طرف سے آتی ہے۔ ''**فعل الحکیم لایخلو من الحکمة**'' خدا کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ (تذکیر الآخرۃ ج ۱)

ذات خداوندی

ہر علم اور ہر اعتقاد میں ایک غایت عمل کی ضرور ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تعالیٰ آخر شب میں آسمان اول پر نزول فرماتے ہیں۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ حرکت خداوند تعالیٰ کے لیے خلاف ہے لیکن اعتراض کی نوبت کیوں آتی ہے۔ غایت عمل پر نظر نہ ہونے سے۔ اگر غایت عمل پر نظر ہوتی۔ یہ اعتراض ہی پیدا نہ ہوتا بلکہ یہ سنتے ہی عزم ہوتا کہ اس وقت توجہ الی اللہ میں زیادہ اہتمام چاہیے کہ وقت قرب وقبول کا ہے۔ اس کا پتا مثال سے ملے گا۔

کوئی حاکم دورہ پر ہو اور کسی جگہ سے قریب آجائے اور لوگ آکر کہیں کہ فلاں حاکم یہاں سے ۶ میل کے قریب آگئے ہیں اور عنقریب آنا چاہتے ہیں۔ اگر اس جگہ کے ملازم کہنے لگیں کہ کل اتنے دور تھے آج اس قدر مسافت طے کر کے کیوں کر آئے تو اس سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ کام نہیں کرتے۔ اگر وہ لوگ کام کرتے ہوتے تو قریب ہونے کی توجیہ نہ ڈھونڈتے بلکہ کام کی درستی کے اہتمام میں لگ جاتے۔

اسی طرح حدیث میں خداوند تعالیٰ کے قرب کو اس لیے بتلایا جاتا ہے کہ قرب کے جان لینے سے تنبیہ ہوگی اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور بزبان حال کہیں گے:

امروزہ شاہاں مہماں شدہ است مارا   جبرئیل با ملائک درباں شدہ است مارا

مجھے حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی۔ حدیث

پڑھی گئی تھی کہ جو شخص تازہ وضو سے دو رکعت نماز پڑھے اور ان رکعتوں میں حدیث النفس نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت ایسا ہو سکتا ہے کہ نماز میں خیال نہ آئے۔مولانا نے فرمایا کہ کبھی کر کے بھی دکھایا ویسے ہی شبہ کرتے ہو۔

توحید باری تعالیٰ

توحید کی غایت میں خداوند تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔چنانچہ فرمایا ہے: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ" (الاخلاص نمبر ۱،۲) "آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات وصفات میں) ایک ہے۔اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں۔" اس سورت میں خدا کی ذات وصفات بیان کی گئی ہے اس سے فائدہ یہ ہے کہ جس وقت خدا کو ایسا سمجھو گے غیر خدا پر طمعاً وخوفاً نظر نہ ہوگی جس طرح حاکم کا مقرب رعایا سے نہیں ڈرتا اسی طرح توحید پرست غیر خدا سے نہیں ڈرے گا۔(تذکیر الاخرہ ج۱)

ایک اور واقعہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ پریشان پھر رہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بٹھلانے کے لیے ارشاد فرمایا اجلسوا' اس وقت ایک صحابی دروازہ پر تھے جس وقت آپ کی زبان مبارک سے اجلسوا کا لفظ ان کے کان میں پہنچا اسی وقت دروازہ پر بیٹھ گئے۔ہر چند یہ حکم ان کے لیے نہ تھا لیکن شدت اطاعت غالب آ گئی اور گوارا نہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حکم فرمائیں خواہ کسی کو سہی اور اس کی تعمیل نہ کی جائے۔

مسلمانوں کی دو قسمیں

مسلمان دو قسم کے ہیں۔ایک دنیادار دوسرے دیندار۔اور دنیادار سے میری مراد وہ ہیں جو عقائد کے اعتبار سے دنیادار ہیں اور دیندار سے مراد بھی وہ ہیں جو عقائد کے اعتبار سے دیندار ہیں۔گو عمل سے دنیادار پہلے زمانہ میں جب تک نیچریت کا ظہور نہ ہوا تھا ہندوستان میں عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں کی یہ دو قسمیں نہ تھیں بلکہ اس وقت عقائد کے اعتبار سے سب دیندار تھے۔صرف اعمال کے اعتبار سے دینداری اور دنیاداری کا فرق ہوتا تھا۔افسوس ہماری قسمت کہ ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں کی دو جماعتیں

ہو گئیں۔ایک وہ جن کو عقائد اسلامیہ میں شبہ ہے۔ایک وہ جن کو عقائد میں کچھ کلام نہیں۔اس لئے آج بعضے وہ فاسق غنیمت معلوم ہوتے ہیں جن کو عقائد میں کلام نہ ہو بلکہ عقائد اسلامیہ پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔اور بحمد اللہ! ابھی تک کثرت اسی جماعت کی ہے جس کے عقائد درست ہیں اور ان میں کچھ شبہ نہیں کرتے۔کیونکہ تعلیم جدید سے ابھی تک بہت لوگ محروم ہیں۔اور یہ لفظ تو تعلیم یافتہ جماعت کے محاورہ پر کہہ دیا ورنہ ہم تو ان کو محروم نہیں کہتے بلکہ مرحوم کہتے ہیں کیونکہ "بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان"۔(الفاظ قرآن ج ۲)

عقائد میں درجہ کمال

عقائد محضہ توحید وغیرہ بھی جب تک کہ ان کے مقتضاء پر عمل نہ ہو درجہ حال میں نہیں پہنچتے اور درجہ کمال اعتقاد کا وہی حال کا درجہ ہے۔(العلم والخشیۃ ج ۲)

مسئلہ تصور شیخ کی وضاحت

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تصور شیخ کیسا ہے؟ میں نے جواب دینے سے پہلے پوچھا کہ تم تصور شیخ کا مطلب کیا سمجھے ہو کہا خدا تعالیٰ کو پیر کی صورت میں سمجھنا۔میں نے کہا یہ تو صریح شرک ہے۔اسی تصور کو مولانا شہیدؒ نے منع فرمایا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کے ابطال میں اس آیت سے تمسک کیا ہے

ما هذه التماثيل التي انتم لها عكفون

(یہ کیا واہیات مورتیں ہیں جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو۔)اور یہ آیت مشرکین ہی کے متعلق ہے باقی مطلق تصور کو وہ حرام نہیں کہتے ورنہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی صراحۃً رد کرتے۔کیونکہ شاہ صاحب نے القول الجمیل میں تصور شیخ کا مسئلہ لکھا ہے اور جن کا نام مولوی اسمٰعیل شہید ہے وہ کسی کی للو پتو کرنے والے نہ تھے بڑے صاف تھے۔اگر وہ مطلق تصور کو سمجھتے تو اس کی پرواہ نہ کرتے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو جائز لکھا ہے۔بلکہ بے دھڑک ان کا بھی رد کر دیتے کہ اس مسئلہ میں ان سے تسامح یا غلطی ہوئی ہے مگر ان حضرات کا انہوں نے بالکل رد نہیں کیا۔معلوم ہوا کہ نفس تصور کو وہ بھی جائز سمجھتے تھے ہاں غلو کو حرام کہتے تھے۔(العلم والخشیۃ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی جوان کو موت ہوتی ہے تو اس وقت برادری کے لوگ جمع ہو کر کہتے ہیں کہ اے ہے کیسی بے وقت موت ہوئی۔بے چارہ کے

چھوٹے چھوٹے بچے بے سرے رہ گئے۔ گویا اس کا تو فیصلہ کر لیا کہ یہ موت بے موقع و نامناسب ہوئی۔ اس کے بعد بوجھ بجھکڑ صاحب (یعنی جو عقلمند شمار ہوتے ہیں) فرماتے ہیں کہ بھائی تقدیر میں کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں خدا کی ذات بڑی بے پرواہ ہے گویا انھوں نے اس بے موقع محل کی وجہ خدا تعالیٰ کی بے پرواہی کو قرار دیا تو نعوذ باللہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے بے پرواہ ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے یہاں کوئی نظم نہیں۔ کسی کے حال پر رحم نہیں۔ پس اودھ کی سلطنت ہے یا ان نیاؤ نگر ہے کہ عدل و انصاف کا خیال ہی نہیں۔ (اکبر الاعمال ج ۲)

غلو فی الدین

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت میرا یہ کام کر دیجئے شاہ صاحب نے فوراً حکم دیا کہ نکالو اس مشرک کو کہ یہ مجھ سے کہتا ہے کہ میرا کام کر دیجئے ارے کیا تیرا کام کر دینا میرے اختیار میں ہے۔ بس آج کل لوگ یوں سمجھ لیتے ہیں کہ یہ تسبیح چلانے والے خدا تعالیٰ کے رشتہ دار ہو گئے کہ جو کہہ دیں گے ضرور ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ اے اہل کتاب دین میں غلو مت کرو۔

اس میں غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا ہے پس گو حضرات اولیاء کی تعظیم ضروری ہے اور دین میں داخل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی ایسی تعظیم کی جائے کہ خدا تعالیٰ کی توہین ہونے لگے اور شرک لازم آ جائے۔

دیکھو اگر کوئی حاکم کے پاس جا کر سر رشتہ دار کو بھی سلام کر لے تو اس کا مضائقہ نہیں لیکن اگر اس سے وہ باتیں کہنے لگے جو حاکم سے کہنا چاہیں مثلاً یوں کہے کہ سر رشتہ دار صاحب بس سارا معاملہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں اور اس کی ویسی ہی تعظیم کرنے لگے جیسے حاکم کی کی جاتی ہے تو کیا حاکم اس سے خوش ہوگا۔ یقیناً حاکم اس شخص کو دربار سے نکال دے گا اور یقیناً سر رشتہ دار بھی ایسی تعظیم گوارا نہیں کر سکتا اور جو گوارا کرے گا تو وہ بھی دربار سے نکالا جائے گا۔ (تفصیل الدین ج ۳)

عقائد کی غلطیاں

آج کل لوگوں کو عقائد کے باب میں دو قسم کی غلطیاں واقع ہو رہی ہیں۔ ایک تو وہ

لوگ ہیں جو عقائد کو ضروری سمجھتے ہیں مگر ضرورت کو اسی میں منحصر کرتے ہیں یعنی اعمال کی ضرورت نہیں سمجھتے چنانچہ عام طور سے یہ عقیدہ ہے

کہ جو توحید و رسالت کا قائل ہو اور **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا معتقد ہو بس وہ جنتی ہے۔ اب اسے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

پھر بعض نے اور انتخاب کیا ہے کہ ایمان کا بھی اختصار کر لیا کیونکہ ایمان کی حقیقت تو یہ ہے۔

التصدیق بما جاء به النبی صلی الله علیه وسلم

ان تمام کی تصدیق کرنا جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جو خبریں دی ہیں کہ اللہ واحد ہے۔ قیامت آنے والی ہے وزن حق ہے۔ حساب کتاب حق ہے۔ دوزخ جنت حق ہے۔ تقدیر کا مسئلہ حق ہے۔ فرشتوں کا وجود حق ہے۔ پل صراط پر چلنا حق ہے نماز کی فرضیت حق ہے۔ زکوٰۃ اور روزہ و حج سب کی فرضیت حق ہے۔ کیونکہ یہ طاعات گو اعمال ہیں مگر ان کی فرضیت کا اقرار کرنا ایمان میں داخل ہے یعنی ایک تو نماز کا پڑھنا ہے اور روزہ رکھنا زکوٰۃ دینا حج کرنا یہ تو عمل ہے اور ایک ان کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا یہ ایمان کا جزو ہے۔ بدون اس اعتقاد فرضیت کے ایمان کا تحقق نہیں ہو سکتا۔

تو ایمان نام تھا ان سب چیزوں کی تصدیق کا مگر آج کل لوگوں نے اس میں بھی انتخاب کر لیا ہے۔ بعضے وزن اعمال کو ضروری نہیں سمجھتے۔ بعضے پل صراط کی تصدیق کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے۔ کوئی تقدیر کے مسئلے کا انکار کرتا ہے وعلیٰ ہذا۔ اور پھر بھی وہ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

تھوڑے دنوں پہلے یہ حالت تھی کہ ان عقائد میں کسی کو اختلاف نہ تھا گو فروع میں اختلاف تھا کیونکہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو ایسے امور میں اختلاف جن میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ یہ تو فروع ظنیہ میں ہوتا ہے جیسا کہ مجتہدین میں اختلاف ہوا ہے یا ان کے بعد ان کے اتباع میں ہوا ہے۔ یہ تو سب اعمال کے درجہ میں اختلاف ہے عقائد میں کسی کو اختلاف نہ تھا۔ اور اگر عقائد میں بھی کسی نے اختلاف کیا ہے تو وہ عقائد مہمہ مقصودہ میں نہ تھا بلکہ عقائد مہمہ کی فروع میں تھا۔ مگر کچھ دنوں سے ایک ایسا اختلاف پیدا ہوا ہے جس کے ذکر کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا یعنی اب ان امور میں بھی اختلاف ہونے لگا ہے جن میں کچھ دن پہلے کسی کو شبہ بھی نہ تھا مگر اس وقت اس نئی تعلیم کی بدولت

بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ علم دین نہ ہونے یا دین سے محبت اور علماء کی صحبت نہ ہونے کی بدولت عقائد مہمہ میں بھی اختلاف ہونے لگا ہے۔(تفصیل الدین ج ۳)

اعتقاد رسالت کی ضرورت

شریعت سے پوچھئے کہ مسلمان ہونا کسے کہتے ہیں۔تو معلوم ہوگا کہ اس کے لئے رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد بھی شرط ہے اور جنت و دوزخ کا بھی اور ملائکہ کے وجود کا بھی اور تقدیر کے حق ہونے کا بھی اور صراط و وزن وحساب و کتاب کا قائل ہونا بھی اور فرضیت صلوٰۃ و زکوٰۃ وصوم و حج کا اقرار بھی الخ مگر ان عقلمندوں نے اس طالب علم کی طرح صرف لا الٰہ الا اللہ کو کافی سمجھ لیا۔(تفصیل الدین ج ۳)

اجزائے عقائد

اللہ تعالٰی پر ایمان لانے میں ذات وصفات کے متعلق جس قدر احکام ہیں سب آ گئے اور قیامت کے دن پر ایمان لانے میں جزا وسزا وحساب و کتاب و جنت دوزخ وغیرہ کے سب احکام آ گئے۔الملٰئکۃ اور فرشتوں پر ایمان لائے یعنی ان کے وجود کا قائل ہو اس میں تمام مغیبات داخل ہیں اور فرشتوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ شریعت کے معلوم ہونے کا مدار و واسطہ ملائکہ ہی ہیں۔والکتٰب اور کتاب پر ایمان لائے۔یہاں کتاب بصیغہ مفرد لایا گیا ہے حالانکہ کتب سماویہ متعدد ہیں اور ایمان لانا سب پر واجب ہے۔(گو عمل منسوخ پر جائز نہیں) اور اسی وجہ سے دوسری آیتوں میں صیغہ جمع اختیار کیا گیا ہے۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ سب ایمان لائے اللہ تعالٰی پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔

لیکن یہاں صیغہ مفرد اختیار کرنے میں اشارہ ہے ایک امر کی طرف وہ یہ کہ قرآن ایسا جامع ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ پر حاوی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا گویا سب پر ایمان لانا ہے یا یہ کہا جاوے کہ کتب سماویہ میں سے ہر کتاب دوسری کتاب پر ایمان لانے کا امر کرتی ہے۔پس وہ سب مل کر بمنزلہ کتاب واحد کے ہیں۔ان سب پر ایمان لانا بمنزلہ کتاب واحد کے ایمان لانے کے ہے۔(اور جو شخص ایک کتاب کو مان کر دوسری کا انکار کرے وہ حقیقت میں پہلی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتا) لیکن یہ حکم ایمان کا ہے اور عمل کرنا سب کتابوں پر

جائز نہیں بلکہ عمل صرف موخر پر ہوگا کیونکہ وہ مقدم کے لئے ناسخ ہے۔ الغبین اور پیغمبروں پر ایمان لائے یہاں تک تو امہات عقائد مذکور ہیں (الکمال فی الدین ج۳)

اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت

حضرت شبلی کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک مرید نے شکایت کی کہ مجھے ذکر سے نفع نہیں ہوتا شیخ نے توجہ کی تو اس کا سبب تکبر معلوم ہوا۔ آپ نے اس کے علاج کرنے کے لئے فرمایا کہ تو ایک ٹوکرا اخروٹوں کا فلاں محلہ میں (جہاں اس شخص کے معتقد بہت تھے) لیجا اور عام طور سے یہ اعلان کردے کہ جو کوئی میرے ایک دھول مارے گا اسے ایک اخروٹ ملے گا، یہ سن کر مرید نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں؟ شیخ نے فرمایا کمبخت یہ اللہ کا نام وہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ اس کو کہے تو مسلمان ہوکر جنتی ہو جائے مگر تو نے جس موقعہ پر یہ نام لیا ہے اس سے تو کافر ہو گیا کیونکہ اس وقت تو نے اللہ اکبر خدا کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہیں کہا بلکہ اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے۔ جا اپنے ایمان کی تجدید کر۔ (العبد الربانی ج۴)

ایصال ثواب میں اعتقادی غلطی

بعض لوگوں میں ایک غلطی اعتقادی یہ بھی ہے کہ ثواب کی نوعیت میں بھی کھانے کے موافق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شیر خوار بچوں کے لئے ایصال ثواب میں دودھ دیتے ہیں، گوشت نہیں دیتے یہ سمجھتے ہیں کہ انکے دانت کہاں ہیں جو گوشت کھائیں، اسی طرح شہداء کو سبیل میں شربت کا ثواب پہنچاتے ہیں کیونکہ وہ پیاسے شہید ہوئے تھے اس کے علاوہ اس اعتقادی غلطی کے دوسری غلطی یہ بھی ہے کہ گویا ان کے نزدیک شہداء اب تک پیاسے ہی ہیں۔ نعوذ باللہ! اے صاحب انہوں نے تو مرتے ہی جنت کا ایسا شربت پیا ہوگا جس سے عمر بھر بھی پیاس نہ لگے، اس کے متعلق خیر آباد کے ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ ان کے ایک مرید نے زندگی میں ان کی فاتحہ کی تھی۔ جب وہ فاتحہ دلا کر ان سے ملنے آیا تو فرمانے لگے کہ بھائی ذرا فاتحہ دیتے ہوئے گرم ٹھنڈے کا تو خیال کرلیا کرو، تم نے فاتحہ میں فرینی ایسی جلتی ہوئی دی کہ اب تک میری زبان میں چھالے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ مرید نے اپنے گھر پر فاتحہ دی تھی مگر وہ جلتی جلتی ہی فقیروں کے منہ سے پیر صاحب کے منہ میں پہنچ گئی

ہمیں یہ قصہ گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے، واہیات بھلا ایصال ثواب سے دوسروں کو ثواب پہنچتا ہے یا وہی کھانا پہنچتا ہے۔ یقیناً ثواب پہنچتا ہے اور ثواب گرم ٹھنڈا ہوتا نہیں بلکہ وہ نیکیاں ہیں جو مہدی لہ کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں جس کا صلہ جنت کے درجات ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ قصہ محض لغو ہے، ثواب کے لئے تو نص قطعی ہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

شرک فی النبوۃ

لوگوں نے مولود شریف تو اپنی طرف سے مخترع کیا اور غضب یہ کیا کہ اس کا نام عید اکبر رکھا۔ غضب کی بات ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو عیدیں دی ہیں اور انہوں نے تیسری اور ایجاد کر دی۔ اچھا خاصہ معارضہ ہو گیا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اس میں شوکت اسلام کی ظاہر ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے تعزیرات ہند کی سزاؤں کو چھاپتے وقت مضاعف (دو چند) کر دیا کہ جس جرم میں چھ مہینے کی قید تھی وہاں برس روز لکھ دیا اور باز پرس ہونے پر یہ جواب دیدیا کہ کیا حرج ہے، اس میں گورنمنٹ کا رعب زیادہ ہو گا اور اس سے سلطنت میں استحکام ہو گا۔ اب بتلایئے اس نے جو سزاؤں میں اضافہ کیا مقبول ہو گا یا نہیں، مردود ہو گا بلکہ اس شخص پر مقدمہ قائم ہو جائے گا کہ تم اپنے کو شریک سلطنت سمجھتے ہو کہ قانون وضع کرتے ہو۔ بس تو پھر اگر کوئی احکام شریعت میں کچھ اضافہ کرے یا بدل دے تو وہ مجرم ہے یا نہیں؟

صاحبو! یہ شرک فی النبوۃ (نبوت میں اپنے آپ کو شریک کرنا) ہے کیونکہ ایسی مصلحتوں کا دیکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ یہ وجہ ہے اس کے جرم ہونے کی، اب تو قانونی نظیر سے سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ اس لیے بدعات سے منع کیا جاتا ہے کہ یہ شرک فی النبوۃ ہے۔ شیطان بدعت سے بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ یہ سمجھتا ہے کہ گناہ جو شخص کرتا ہے اس کو گناہ تو سمجھتا ہے مگر بدعت کو تو دین سمجھ کر کرتا ہے اور عمر بھر مبتلا رہتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''الیوم اکملت لکم دینکم ...... الخ'' (ہم نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا) تو ایک یہودی کہنے لگا کہ ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو ہم تو اس دن عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کچھ دیوانہ ہوا ہے ہمیں علیحدہ علیحدہ منانے کی کیا

ضرورت یہ تو خود عید کا دن ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یوم عرفہ تھا، سب عرفات میں تھے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوم دوشنبہ میں روزہ رکھتے تھے۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ اس دن میں روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ذالک الیوم الذی ولدت فیہ.

(یعنی یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں) تو جب ایک عبادت یعنی روزہ رکھنا یوم ولادت ہونے کی وجہ سے حضور سے ثابت ہے تو ہم اس عبادت پر دوسری عبادتوں کو بھی قیاس کر کے اسی سے ثابت کر سکتے ہیں۔

ہمیں اس میں کلام ہے کہ روزہ اس لیے رکھا تھا کہ یہ یوم ولادت ہے ممکن ہے روزہ اسی لیے رکھا ہو کہ وہ پہلے سے یوم الفضیلت ہے اور یوم ولادت ہونا اسی فضیلت کے سبب تجویز کیا گیا ہو اور اس پر کہ روزہ کا سبب اس یوم کا کسی دوسری وجہ سے افضل ہونا ہے۔ ایک دلیل بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز میں نامہ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو۔ تو معلوم ہوا کہ یوم دوشنبہ پہلے سے ذی فضیلت ہے اور اسی وجہ سے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی محقق ہوئی۔

اہل بدعت کی حالت

منجملہ ان منکرات کے ایک قیام ہے جس میں عوام کے اعتقادات حدودِ شرع سے متجاوز ہیں۔ اس میں بعض لوگ ہمارے علماء کو بدنام کرتے ہیں کہ قیام تو ذکر رسول کی تعظیم کے لئے ہے۔ اور یہ مولوی حضور کی تعظیم سے منع کرتے ہیں۔ اس کا جواب ایک مولوی صاحب نے خوب دیا کہ ہم ذکر رسول کی تعظیم سے نہیں روکتے بلکہ ذکر اللہ کی بے تعظیمی سے روکتے ہیں کیونکہ تم ذکر اللہ کے وقت قیام نہیں کرتے۔ پس اگر سارا ذکر مولد قیام ہی سے کرو اور سامعین بھی سارا ذکر کھڑے ہو کر سنیں تو ہم اس قیام سے کبھی منع نہ کریں گے۔ (نور النور ج ۵)

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ ہم لوگوں کو جو بعض دفعہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش ہم حضورؐ کے زمانہ میں ہوتے یہ ٹھیک نہیں۔ لوگوں کا حضور کے زمانہ میں نہ ہونا اور اب ہونا یہی نعمت ہے کیونکہ ہم اگر اس وقت بھی ہوتے تو ایسے ہی ہوتے جیسے اب ہیں اور اب ہماری حالت یہ

ہے کہ ہمارے اندر تکبر ہے اور اتباع علماء سے اعراض ہے تو اس وقت اگر حضور کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ایمان ہی نصیب نہ ہوتا کیونکہ عادت مالوفہ یک لخت ترک کر دینا بڑی ہمت کی بات ہے جو ہر اک سے نہیں ہو سکتی ۔ (نور النور ج ۵)

وجود باری تعالیٰ

ایک اعرابی نے وجود صانع کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

البعرة تدل علی البعیر والاثر یدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لاتدلان علی اللطیف الخبیر

(یعنی اونٹ کی مینگنیاں یہ بتلا دیتی ہیں کہ یہاں سے اونٹ گیا ہے اور نشانات قدم چلنے والے کا پتہ بتلاتے ہیں ۔ ادنیٰ ادنیٰ چیز اپنے موثر کا پتہ دیتی ہے تو یہ بڑے بڑے ستاروں والا آسمان اور وسیع راستوں والی زمین کیا لطیف خبیر جل مجدہ کا پتہ نہ دے گی ۔)

یہ ایک گنوار کا قول ہے۔ دیکھئے اس نے کیسی عمدگی سے اس عقیدہ کا فطری ہونا بتلایا ہے۔

ایک دلیل وجود صانع کی ہمارے چھوٹے ماموں صاحب نے ایک دہری کے سامنے بڑے مزے کی بیان کی ۔ ماموں صاحب ایک سرکاری اسکول میں فارسی ریاضی کے مدرس تھے ۔ ایک دفعہ انسپکٹر ممتحن آیا ۔ جو دہری تھا۔ خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا ۔ اس نے طلباء سے سوال کیا کہ بتلاؤ وجود صانع کی کیا دلیل ہے ۔ بچے خاموش ہو گئے ۔ ماموں صاحب نے کہا' صاحب! یہ مضامین ان بچوں کو بتلائے کب گئے ہیں ۔ تو یہ جواب کیسے دے سکتے ہیں اور نہ یہ مضمون کورس کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے لیکن اگر آپ کو ایسا ہی شوق ہے تو مجھ سے پوچھئے میں بتلاؤں گا۔

اس نے غصہ سے کہا' اچھا آپ ہی بتلائیے ۔ فرمایا' خدا وہ ہے جس نے آپ کو معدوم سے موجود کیا ۔ کہنے لگا ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے بنایا ہے ۔' فرمایا' اچھا خدا وہ ہے جس نے آپ کے ماں باپ کو پیدا کیا ہے کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے بنایا تھا ۔ فرمایا اچھا! ان کے ماں باپ کو پیدا کیا ہے کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے بنایا تھا ۔ فرمایا اچھا! ان کے ماں باپ کو جس نے بنایا وہ خدا ہے ۔ کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے پیدا کیا تھا ۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ سلسلہ کہیں متناہی نہیں تب تو تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے اور اگر کہیں ختم ہوتا ہے تو بس اس منتہا کو جس نے بنایا وہی خدا ہے ۔ کہنے

لگا کہ یہ منطقی دلیلیں ہم نہیں جانتے۔ ہم تو سیدھی بات یہ جانتے ہیں کہ اگر خدا کوئی چیز ہے تو ہماری ایک آنکھ اندھی ہوگئی ہے اس کو درست کردے (یہ انسپکٹر یک چشم تھا) ماموں صاحب بڑے ظریف تھے۔ فرمایا' اچھا میں خدا تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر لبوں کو حرکت دی جیسے خدا سے کچھ کہہ رہے ہوں۔ پھر آسمان کی طرف کان لگائے گویا جواب سن رہے ہیں۔ غرض اچھا خاصا ممتحن کا مذاق اڑایا۔ پھر فرمانے لگے کہ میں نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس سے کہہ دو کہ ہم نے تو اس کی دونوں آنکھیں بنائی تھیں مگر اس نے کفر کیا اور ہمارے وجود کا انکار کیا۔ اس لئے ہم نے غصہ میں آکر اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی۔ میں ہرگز نہ بناؤں گا۔ اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو انہی ماں باپ سے بنوالے جنہوں نے اس سارے کو بنایا ہے۔ واقعی جواب اعلیٰ درجہ کا علمی جواب تھا۔ معقول بات تھی (کہ جب تیرے ماں باپ میں اتنی قدرت ہے کہ انہوں نے تجھے سارے کو بنا دیا تو اب وہ تیری آنکھ کو کیوں نہیں بنا دیتے اور اگر نہیں بنا سکتے تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ پیدا کرنے والے نہیں کیونکہ قادر علی الکل قادر علی البعض بھی ضرور ہونا چاہیے ۱۲)

یہ جواب سن کر وہ انسپکٹر جھلا ہی تو گیا مگر کرتا کیا بس اس کے قبضہ میں اتنی بات تھی کہ اس نے ماموں صاحب کے اسکول کا معائنہ بہت خراب لکھا جس سے ان کے تنزل کا خطرہ ہوگیا۔ یہ خبر ماموں صاحب کے بڑے بھائی کو پہنچی وہ صاحب دل آدمی تھے ان کو سخت غصہ اور صدمہ ہوا اور انہوں نے بددعا کی کہ الٰہی اس کم بخت نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ اور میرے بھائی کا دل دکھایا۔ الٰہی ان دونوں باتوں پر صبر نہیں ہوسکتا بہت جلد اس سے انتقام لیجئے۔ چنانچہ غالباً ایک ہفتہ نہیں گزرا کہ اس کے گردہ میں یا کہیں اور دفعتاً درد اٹھا اور فوراً مرگیا اس پر مجھے مولانا رومی کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

ایں نہ آں شیرست کز وے جاں بری — باز پنجہ قہر او ایماں بری

(یہ وہ شیر نہیں جس سے تو جان بچا سکے یا اس کے پنجہ ظلم سے ایمان بچا سکے۔) (المورد الفرخی ج ۵)

گیارہویں کی رسم اور اس کی تردید

اس روز لوگ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں مناتے ہیں اول تو لاتتخذوا قبری عیدا سے اس کا بھی رد ہوگیا کیونکہ مثل یوم المیلاد وغیرہ کے یہ

دن بھی متبدل ہو گیا جب غیر متبدل یعنی قبر نبوی کا عید بنانا حرام ہے تو متبدل یعنی بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کا عید بنانا کیسے جائز ہو گا۔

دوسرے یہ تاریخ حضرت کی وفات کی کسی مورخ نے نہیں لکھی۔ نہ معلوم عوام نے گیارہویں تاریخ کس کشف والہام سے معلوم کر لی بعض لوگ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں کیا کرتے تھے تو اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کا ثبوت دینا چاہئے دوسرے اگر ہو بھی تو کیا تم حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتے ہو کہ رسول اللہ کی گیارہویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کرتے ہو یہ تو ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ گیارہویں رسول کی کیا کرتے تھے تو اس کو ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد بجائے رسول کے میری گیارہویں کی جائے۔

تیسرے اس میں عقیدہ بھی فاسد ہے کہ لوگ حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں کہ حضور کا میلاد کرتے ہیں تو بڑے پیر کی گیارہویں بلکہ بعض جگہ حضرت غوث اعظم کا میلاد بھی ہونے لگا گویا بالکل ہی رسول کی مساوات ہوگئی اور غضب یہ ہے کہ کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر گیارہویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہوگی۔ بڑے پیر صاحب ناخوش ہو جائیں گے اور پھر نا معلوم کیا سے کیا کر دیں گے۔ گویا نعوذ باللہ وہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں نیز گیارہویں کرنے کو مال واولاد کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں اس میں حضرت غوث اعظم سے دنیا کے لئے تعلق رکھنا ہوا یہ کیسی بے حیائی ہے کہ جس مردار کو چھوڑ کر وہ الگ ہو گئے تھے اسی کے لئے اس سے تعلق کیا جائے۔

غرض گیارہویں کے اندر بھی عملی اور اعتقادی بہت سی خرابیاں ہیں ان کو چھوڑنا چاہئے۔ اگر کسی کو حضرت غوث اعظم کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہو تو کچھ قرآن پڑھ کر ان کی روح کو ثواب بخش دے یا بلا تعیین تاریخ وغیرہ غربا کو کھانا کھلا دے۔ (راس الاربعین ج ۵)

جاہلانہ نظریات

قصیدے اس قسم کے پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی خود رسول کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں عرض کرتا ہوں واقعات دکھاتا ہوں تا کہ محض فرضی دعویٰ نہ سمجھا جائے۔ ایک قصیدہ ہے اور اس کا یہ شعر شاعری میں آ کر یوں کہہ دیا۔

طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے　　　کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبوں کی خوشامد کا

یعنی اصل تو زیارت مدینہ کی ہے حج مقصود نہیں ہے حج محض ایک مصلحت سے کرتے ہیں اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اللہ میاں (نعوذ باللہ) عاشق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہم بھی عاشق۔ اس لئے حضور کی زیارت کو چلے اور محبوب کے دو عاشق آپس میں رقیب کہلاتے ہیں تو گویا اللہ میاں (نعوذ باللہ) ان کے رقیب ہوئے اور رستہ میں گھر پڑتا ہے رقیب کا جو قادر ہے شاید جانے نہ دے اس لئے حج کر کے ان کی خوشامد کر لینی چاہیے۔ اس سبب سے پہلے طواف کعبہ کرتے ہیں کہ خوش رہیں اور کچھ کھنڈت نہ ڈال دیں (نعوذ باللہ) اور لیجئے۔

پئے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسف　　　محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں۔ سو شاعر صاحب اس کا نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سایہ کیوں نہ تھا تو وہ نکتہ یہ ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت یہ سوچ کر کہ یوسف مجھ سے جدا ہوتے ہیں میرے دل کو تسلی کیسے ہو گی پیراہن رکھ لیا کہ اسی کو دیکھ لیا کروں گا۔ اسی طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا چاہا تو سوچ ہوئی کہ میں کاہے سے تسلی حاصل کروں گا۔ اس لئے سایہ کو رکھ لیا کہ اس سے تسلی تو ہو جایا کرے گی۔

الٰہی توبہ! الٰہی توبہ! انصاف سے کہیے کہ ان مضامین کے بعد ایمان باقی رہ سکتا ہے اس شعر میں حق تعالیٰ کے لئے بے چینی ثابت کی ہے۔ پھر بصیر ہونے کا انکار کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جب بصیر و خبیر ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا کرتے پھر سایہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیا ایسی محفل کرنے سے پکڑ دھکڑ نہ ہو گی۔ بانی مجلس پر مواخذہ نہ ہو گا۔ اگر دین ایسا سستا ہے کہ کہیں سے بھی نہیں جاتا تب تو خیر گستاخی بھی کوئی چیز نہیں مگر دین تو ایسا سستا نہیں ہے۔ کیا دین کے یہ معنی ہیں کہ سب کچھ کئے جاؤ اور وہ نہ جائے۔

یہ تو اللہ میاں کی شان میں سو ادب تھے اب انبیاء علیہم السلام کی شان میں دیکھئے ایک شاعر صاحب کہتے ہیں۔

برآسمان چہارم مسیح بیمار ست　　　تبسم تو برائے علاج درکارست

(یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان چہارم پر بیمار ہیں اور ان کا علاج آپ کے تبسم سے ہے)

سچ بتلایئے کہ کیا حضرت عیسیٰ بیمار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم سے وہ اچھے ہو جائیں گے اور حقیقت میں اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناراض کرنا ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات سے خوش ہوں گے جس میں دوسرے نبی کی توہین ہوتی ہو۔

آپ سمجھئے کہ اگر آپ کا کوئی بھائی حقیقی ہو اور اس کے ایک بیٹا ہو اور وہ آپ کی شان میں گستاخی کرے تو کیا بھائی کو یہ بات پسند ہوگی۔ اسی طرح انبیاء آپس میں بھائی ہیں اور حضور پرنور سب میں بڑے ہیں اگر آپ نے کسی نبی کی توہین اور ان کی شان میں گستاخی کی تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے۔

ایک شاعر صاحب ہیں کہ انہوں نے نعت لکھنے کیلئے روشنائی تجویز کی ہے اور یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کو اس روشنائی کے حل کرنے کے لئے کھرل قرار دیا ہے وہ شعر اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا۔ سچ بتلایئے ایمان سے اگر ہم انبیاء علیہم السلام کو کسی موقع پر مجتمع پائیں اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوں تو کیا اس مجمع میں ہم ان اشعار کو تکرار کر سکتے ہیں۔ کیا یعقوب علیہ السلام کی آنکھ میں روشنائی پیس سکتے ہیں یا ان کے منہ پر ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ جو بات منہ پر کہنا بے ادبی قرار دی جائے کیا پیچھے کہنا گستاخی نہ ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی تو بڑی شان ہے مخلص لوگوں نے تو دوسرے اہل اللہ کے ساتھ بھی اس کی رعایت کی ہے۔ (الربیع فی الربیع ج ۵)

اتباع ہویٰ

اس محاورہ کو نصوص کے اندر بہت استعمال کیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک صلوٰۃ کے لئے فقد کفر کا لفظ استعمال کیا ہے **من ترک الصلوٰۃ متعمد افقد کفر.** (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا) حالانکہ اہل حق کا مذہب قرآن کی دلیل سے یہ ہے کہ کبائر کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا اور نماز کا چھوڑنا جب کہ اس کی فرضیت کا اعتقاد ہو موجب کفر نہیں ہے مگر پھر بھی کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کی تاویل میں علماء نے غور و فکر کیا ہے اور دلائل سے مول ہونا ثابت کیا ہے۔ اس کی تفصیل کی حاجت نہیں ہے اس وقت مگر صرف اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ کفر کا لفظ استعمال کرنے سے معلوم ہوا کہ کفر کے درجات مختلف ہیں۔ (الرفع والوضع ج ۵)

ایک کفر عملی ایک کفر اعتقادی

کفر عملی کا حاصل یہ ہے کہ اعتقاد تو مومنین کا سا ہے مگر اعمال کافروں کے سے ہیں تو فقد کفر کے معنی یہ ہوں گے کہ فقد کفر عملاً اس کی ایسی مثال ہے ہمارے محاورات میں جیسے کہ کوئی شخص عتاب میں زجر و توبیخ میں اپنے کسی عزیز محکوم بیٹے کو یہ کہے کہ تم تو بالکل چمار ہو گئے ظاہر ہے کہ شرافت اس کی زائل نہ ہوگی نسب اس کا بدل نہیں گیا یعنی یہ کہ وہ ایک قوم سے نکل کر دوسری قوم میں داخل نہیں ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کام تم ایسے رذیلوں کے کرتے ہو جیسے چمار کیا کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ محاورات کے اندر توسیع ہے مجاز بھی ہے حقیقت بھی ہے تو اس مجاز کا حاصل یہ ہوا کہ تشبیہ دی جاتی ہے ایک شخص کو کسی خاص حالت وصفت والے کے ساتھ کسی خاص وجہ سے تو فقد کفر کے بھی معنی یہ ہوئے کہ فقد کفر عملاً یعنی کام کیا کافروں کا سا۔ یعنی نماز کو فرض سمجھ کر نہ پڑھنا یہ مومن کی شان سے بعید ہے نماز نہ پڑھنا کام ہے کافروں کا کافر ہی نماز نہیں پڑھتے کیونکہ وہ منکر ہیں۔ جو نماز نہ پڑھے وہ مومن تو ہے بوجہ اعتقاد فرض سمجھنے کے مگر بھائی کام تو بہت ہی بے ہودہ کیا۔ تو جب کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے دوسرے درجہ کے لئے بھی بحسب کا استعمال اس درجہ میں ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔

دوسرا درجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ اعتقاد تو نہیں ہے اہمال کا۔ یعنی اعتقاد میں تو نہیں سمجھتا کہ انسان مہمل ہے یعنی مکلف نہیں ہے اعمال کا یہ کہ سزا جزا نہ ہوگی۔ اعتقاد تو یہ ہے کہ جب کوئی پوچھتا ہے کیوں صاحب خدا اور رسول کا حق ہے تمہارے اوپر؟ ہاں صاحب! ہے۔ کیوں صاحب جیسا کرو گے ویسی جزا ملے گی؟ کیوں صاحب کیوں نہیں ملے گی۔ ایک ایک ذرہ کا حساب ہوگا پوچھنے پر تو یہ کہہ دیتا ہے کہ اعتقاد ضرور ہے لیکن برتاؤ ایسا ہے جیسے اس شخص کا ہو جو معتقد ہو اس کے انکار کا یعنی جزا و سزا کے انکار کا یا تشریع کے انکار کا کیونکہ اگر کوئی معتقد ہوتا انکار کا تو اس کا عمل کیا ہوتا۔ عمل یہی ہوتا کہ وہ شتر بے مہار کی طرح مطلق العنان ہوتا کیونکہ جب اعتقاد ہی نہیں سزا جزا کا تو اس کے پابند ہونے کی ضرورت کیا تو اس کا جو طرز ہے وہی اس شخص نے اختیار کیا ایک درجہ یہ بھی ہے۔ حسبان کا وہ پہلا درجہ مخصوص کفار کے ساتھ ہے دوسرا درجہ بہت سے ایمان والوں میں بھی پایا جاتا ہے یعنی ظاہر ہے کہ بہت سے اہل ایمان کے اعمال وہی ہیں جو منکرین میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی اعتقاد تو درست ہے

لیکن عمل وہی ہیں جو منکرین کے ہیں کچھ فکراور پروانہیں ہے کہ ہم لوگ کیا کر رہے ہیں جو کچھ جی میں آیا کرلیا جس کو اتباع ہوئی کہنا چاہئے جو خواہش ہوئی کر بیٹھے۔ نہ یہ سوچ ہے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ نہ یہ خوف ہے کہ سزا جزا ہوگی یا نہیں۔ اگر کسی نے ٹوکا بھی تو گو بعض لوگ تمسخر سے یہ بھی کہہ ڈالتے ہیں۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

شادی بیاہ کی رسومات

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

پہلے زمانہ میں شادیوں کے اندر ایسی رسمیں شرک و بدعت کی بے حد تھیں یہاں تک کہ موسل میں ڈوری بندھوانے کی ایک رسم تھی جب کوئی بزرگ خاندان آتا تھا تو اس سے برکت کے لئے ڈوری بندھواتے تھے اور تعجب کی بات ہے کہ علماء کو بھی ان خرافات میں شریک کرلیتی تھیں اپنے گھر میں کوئی عالم ہوا تو اسے موسل میں ڈوری باندھنے لے جاتیں تاکہ برکت ہو اور من بھر کی جگہ دو من چاول نکل آویں۔ کہیں دلہن کے پلہ ہلدی کی گرہ باندھتیں کہیں ایک بچہ اس کی گود میں دیتیں کہ دیکھ کر کہہ اللہ میاں ایسا ہی بچہ لےلوں گی۔ یہ باتیں کہیں کہیں اب بھی ہیں۔

کسی عورت کے اگر بچے نہ جئیں تو بعض جاہل بچہ کو پیدا ہوتے ہی گھورے پر ڈال آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھ اللہ میاں! اگر لینا ہے تو ابھی لے لے پھر نہیں ملے گا۔ اگر وہ کچھ دنوں نہیں مرتا تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا ان کا معاہدہ پورا ہوا۔ معاہدہ ہوا ہی کب تھا۔ اگر ہوا بھی تو ایک ہی طرف سے تو ہوا اس قسم کے خرافات کثرت سے ہیں۔

اناؤ کے ضلع میں میرے ایک دوست نے ایک نکاح میں مدعو کیا تھا میں نے کہا خرافات تو نہیں ہوں گی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ نہیں ہوں گے اور وعدہ بھی کیا عورتوں سے وعدہ لے کر ایک دن رات کو مجھے تو نیند میں پتہ بھی نہ چلا ان کو ڈھمک ڈھمک کی آواز سنائی دی گھر میں گئے تو دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے۔ انہوں نے ڈانٹا کہ یہ کیا واہیات ہے۔ کہا نہیں ذرا سا شگون کیا تھا۔ اتنا بھی نہ ہو تو میت میں اور شادی میں فرق ہی کیا رہے۔

میرٹھ میں تماشا ہوا۔ ایک رئیس کے یہاں شادی تھی۔ وہ متبع سنت تھے بالکل سادگی کے ساتھ تقریب تھی نہ ڈھول نہ تماشا نہ باجا نہ گانا ایک صاحب چپکے سے بولے ارے میاں! چنوں کی کسر ہے ان رئیس صاحب نے کہیں سن لیا خدمتگار کو حکم دیا کہ ایک روپے

کے چنے لے آؤ۔ جب وہ لے آیا تو کہا ان کے سامنے رکھ دو اور کہا پڑھئے کلمہ شریف! کیا حرج ہے اور برکت ہو جائے گی اور کلمہ شریف کی برکت ہی حاصل کرنے کے لئے تو اس کو میت کیلئے پڑھتے ہیں تو میری شادی میں برکت ہو جاوے گی۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

غلط عقائد و نظریات

رام پور کی ایک حکایت سنی ہے مولوی عبدالحق خیر آبادی کی کہ ایک پٹھان ملنے آئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ خان صاحب کیسے فرصت ہوگئی۔ آج کل تو آپ کو دیہات میں بہت انتظام کرنا ہوگا۔ خان صاحب بولے کہ انتظام تو بڑے پیر صاحب کے سپرد کر آیا ہوں مولوی صاحب نے فرمایا آہا ہم تو ان کو ولی سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ پدہان ہیں۔ خان صاحب کو بہت ناگوار ہوا کہ انہوں نے بے ادبی کی مگر واقع میں بے ادبی خود انہوں نے کی۔ تو بعضے آدمی سب کام اولیاء اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

میں نے مکہ میں دیکھا کہ ایک شاہ صاحب نے آکر حضرت کے بھتیجے حافظ احمد حسین صاحب کو کچھ روپیہ امانت سپرد کیا۔ حافظ صاحب نے کہا اللہ کی سپردگی میں رکھ جاؤ۔ تو آپ کیا کہتے ہیں کہ اللہ کے سپرد تو کرنا چاہئے ہی نہیں اور اس پر ایک مہمل حکایت ہانک دی کہ کسی شخص کی ایک دوکان تھی۔ وہ جب جاتا دکان حضرت غوث اعظمؒ کے سپرد کر کے جاتا۔ اس کا ایک بھائی تھا وہ ہمیشہ دل میں اس پر نکیر کرتا ایک بار یہ بھائی دکان پر تھا۔ یہ جب جانے لگا تو خدا تعالیٰ کے سپرد کر گیا۔ اسی دن چوری ہوگئی۔ دوسرے بھائی کو خبر ہوئی۔ کہنے لگا تو نے نادانی کی کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اللہ تعالیٰ کا تو کام یہی ہے کہ اس سے لیا اس کو دے دیا اور حضرت غوث اعظم تو محکوم ہیں یہ خلاف امانت کر نہیں سکتے۔ اور حکایت ان شاہ صاحب نے احمد حسین صاحب کے سامنے بیان کی۔ وہ بہت جھلائے کہ کوئی بڑا مردود ہوگا۔ (نفی الحرج ج ۶)

تعدیہ امراض

تعدیہ میں تین قول ہوئے۔

ایک یہ کہ بدون مشیت حق کے مرض لگتا ہے یہ تو کفر و زندقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مشیت حق سے لگتا ہے مگر مشیت تو ضرور ہوتی ہے۔ یہ قول غلط و باطل ہے گو کفر نہیں۔

تیسرے یہ کہ مشیت سے لگتا ہے اور مشیت ضرور نہیں۔ اگر مشیت ہوگی تو مرض نہیں لگے گا۔ اس میں زیادہ محذور نہیں اگر کوئی اس کا قائل ہو جائے تو گنجائش ہے۔

مگر احادیث صحیحہ سے ظاہراً ترجیح اسی کو ہے کہ تعدیہ کوئی شے نہیں اور ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا **لاعدوی و لاطیرة** (الصحیح لمسلم: ۱۷۴۲/۷، المسند للامام احمد ۱:۱۷۴، ۱۵:۲) (مرض کے متعدی ہونے اور شگون لینے کی کوئی حقیقت نہیں) حدیث مشہور ہے اسی طرح حدیث اعرابی میں **فمن اعدی الاول** (یعنی پہلے میں کس سے تعدی ہوگی) سے صاف عدوی کی نفی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

مشرکانہ عقائد

دیکھو جب ہمارے سردار کا مگار آقائے نامدار تشریف لائے تمام عالم پر کفر کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں سب لوگ کافر تھے کیا آج روئے زمین پر کوئی ریفارمر کوئی لیکچرار کوئی مصلح قوم کوئی بھی خواہ قوم ہے جو یہ کہہ دے کہ جناب رسالت مآب نے نااتفاقی کی۔ کیونکہ ساری دنیا کے مقابلے میں آنحضور نے لا الٰہ الا اللہ کا آواز بلند نعرہ لگا کر زمین و آسمان کو گونجا دیا۔ ابھی اور احکام کے اظہار کی نوبت نہیں آئی تھی۔ صرف توحید ہی سے دنیا میں وحشت کے آثار پیدا ہونے لگے تھے مشرکین مکہ کہتے تھے۔

اجعل الآلهة الٰها واحدا

کیا انہوں نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔

مشرک رحمدل بہت تھے۔ اللہ تعالیٰ پر رحم کھاتے تھے کہ ایک خدا کہاں کہاں کی خبر گیری کرے گا۔ اور کیا کیا کام کرے گا۔ نعوذ باللہ تھک جائے گا اس وجہ سے اس کے لئے خلیفہ اور نائب بنانا چاہئے کہ ایک کام کرے اور دوسرا آرام کرے۔ بیچاروں نے سلاطین دنیا پر قیاس کیا کہ جیسے یہ لوگ مقاصد مملکت میں بغیر اعانت غیر کے کامیاب نہیں ہو سکتے اسی طرح خدا بھی اور چھوٹے خداؤں کا محتاج ہے۔

جیسے مثلاً جارج پنجم ہیں۔ ان کو پارلیمنٹ کمشنر، کلکٹر، مجسٹریٹ، جج انسپکٹر وغیرہ کی ضرورت ہے۔ بیچاروں نے یہی سمجھا کہ علیٰ ہذا القیاس خدا بھی ماتحت حکام کا محتاج ہے۔ لیکن یہ خیال ان کا قیاس مع الفارق تھا اور خیر مشرکین تو کہا ہی کرتے تھے کہ بڑے بڑے

کام تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور چھوٹے چھوٹے کام اور دیوتا کرتے ہیں۔ حیرت ہے کہ بعض مسلمانوں میں اب تک ان مشرکین کے عقیدہ کا اثر چلا آتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو سمجھتے ہیں کہ خدمت تکوینیہ میں ان کا دخل ہے اور یہ بالکل شرک ہے۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ۶)

بسم اللہ کی برکات

ایک مولوی صاحب بسم اللہ کے فضائل بیان کر رہے تھے کہ جو کام بسم اللہ پڑھ کے کیا جائے اس میں ایسی برکت ہوتی ہے وہ خوب اچھا ہوتا ہے ایک گھسیارہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اچھا ہوا یہ نسخہ ہاتھ لگا روز دریا سے پار اترنے کا پیسہ دینا پڑتا ہے اب پیسہ روز بچے گا۔ چنانچہ وہ پانی میں سے بسم اللہ پڑھ کے پار ہو جاتا تھا اور کسی قسم کا خطرہ نہ ہوتا تھا۔ اس نے ان مولوی صاحب کی دعوت کی کہ جن کی بدولت یہ دولت ملی ان کی دعوت تو کرنا چاہئے۔ جب مکان کی طرف لے چلا تو راستہ میں دریا آیا۔ مولوی صاحب رک گئے۔ اس نے کہا مولوی صاحب چلو۔ مولوی صاحب نے فرمایا کشتی تو ہے نہیں کیسے چلوں۔ اس نے کہا جی بسم اللہ پڑھ کر چلئے اس دن آپ ہی نے تو وعظ میں مجھے نسخہ بتایا تھا۔ جب اس پر بھی مولوی صاحب کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے کہا چلئے میں آپ کو لے چلوں۔ چنانچہ مولوی صاحب کا بھی اس نے ہاتھ پکڑ کر پار کر دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا بھائی تو عامل ہے اور میں صرف عالم ہوں۔

تو ایسے ہی ہم لوگ بتلاتے تو ہیں مگر ہمارے قلوب میں عظمت نہیں ہے جب تم ہی اپنے عقائد پر مستقیم نہ رہو گے تو دوسرے کو کیا بلاؤ گے مگر خیر پھر بھی نہ بلانے سے بلانا اچھا ہے۔ (الاعتصام کو بحبل اللہ ج ۶)

مجھ سے ایک دیہاتی کہنے لگا کہ اگر ایصال ثواب کے وقت کھانے پر چند سورتیں پڑھ لی جائیں تو حرج ہی کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ جس مصلحت سے کھانے پر سورتیں پڑھی جاتی ہیں کبھی روپے پر یا کپڑے پر کیوں نہیں پڑھی جاتیں اور ایک نیت میں اصلاح کرنی ضروری ہے کیونکہ اکثر نیت یہ ہوتی ہے کہ ہم ان کو ثواب پہنچائیں گے تو ان سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے۔

تو صاحبو! قطع نظر فساد اعتقاد کے اس کی ایسی مثال ہے کہ آپ کسی شخص کے پاس ہدیۃً مٹھائی لے جائیں اور پیش کرنے کے بعد اس شخص سے کہیں کہ آپ میرے مقدمے میں گواہی دے دیں۔ اندازہ کیجئے کہ یہ شخص کس قدر کبیدہ ہوگا اور اس سے اس کی کیسی

اذیت ہوگی۔ پس جب اہل دنیا کو اذیت ہوتی ہے تو اہل اللہ کو تو اس سے زیادہ اذیت ہوگی پھر خصوصاً وفات کے بعد کیونکہ وفات کے بعد لطافت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ قفس عنصری ٹوٹ جاتا ہے اور صرف روح ہی روح رہ جاتی ہے اور اس کا ادراک کامل ہو جاتا ہے۔ پس جس وقت ان کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ ہدیہ اس غرض سے پیش کیا گیا ہے کس قدر ناگواری ہوتی ہو گی۔ اس کے ماسوا کس قدر شرم کی بات ہے کہ اہل اللہ سے دنیا کے لئے تعلق اور محبت ہو۔

صاحبو! ان کے پاس دنیا کہاں ہے۔ ان سے دنیا کی امید رکھنا بالکل ایسی بات ہے جیسے کسی سنار سے کھرپا بنانے کی امید رکھنا یا کسی حکیم سے یہ فرمائش کرنا کہ تم چل کر ہمارے گھر کی گھاس کھود دو۔ (تقویم الزیغ ج ۶)

ایک متکبر فرقہ

ایک فرقہ مسلمانوں میں ایسا بھی ہے کہ اس کے عقائد و اعمال سب درست ہیں مگر یہ فرقہ اپنے تقدس پر مغرور اور نہایت متکبر ہے اور دوسرے مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتا ہے۔ صاحبو خوب سمجھ لو۔

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را   در سنگلاخ بادیہ پیا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش   ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(غافل ہو کر نہ چل اس لئے مردان راہ کے گھوڑے سخت جنگل میں چلنے سے عاجز رہے ہیں ناامید بھی مت ہو اس لئے کہ رند شرابی اچانک ایک نالہ سے منزل پر پہنچ جاتے ہیں) اور

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

اور صاحبو! تکبر کس پر کیجئے۔ جو لوگ گناہ گار ہیں ان کو بھی برا اور ذلیل نہیں سمجھ سکتے۔ کسی کا قول ہے۔

گناہ آئینہ عفو و رحمت ست اے شیخ   مبیں بچشم حقارت گناہگاراں را

اے شیخ! گناہ (جس کے بعد توبہ نصیب ہو جائے۔ عفو و رحمت کا آئینہ ہے کیونکہ اگر گناہ نہ ہوتے تو توبہ کس چیز سے ہوتی۔ لہذا گناہ گاروں کو چشم حقارت سے مت دیکھو۔

جن کو تم گناہ گار سمجھتے ہو ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ اعتقادی گمراہی میں مبتلا ہیں مگر ان کو کچھ بھی گناہ نہیں۔ کیونکہ

جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس کا گناہ مفتی پر ہوگا۔

تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو کچھ خبر بھی نہیں۔ اس کے ماسوا وہ شخص کس منہ سے دعویٰ کر سکتا ہے جو دوسرے مسلمانوں کو ذلیل سمجھے اور ان پر طعن کرے حدیث کا مضمون ہے جس کا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

(تمام انسان بدن کے ایک حصہ کے اعضاء کی مانند ہیں)

تو گویا تمام مسلمان مثل یک تن کے ہیں اور جب یہ حالت ہے تو آپ کو مسلمانوں کے جہنم میں جانے سے صدمہ اور رنج ہونا چاہئے اور ان کے بچانے کی تدابیر میں لگنا چاہئے۔ ہم کو گنہگار مسلمانوں کے ساتھ وہی دل سوزی ہونی چاہئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی۔ (تقویم الزیغ ج ۲)

رازق حقیقی

ایک غیر مقلد کی حکایت ہے کہ ان کے نواح میں سخت قحط ہوا لوگوں نے گھر بار بیچ بیچ کر کھا لیا ان غیر مقلد صاحب کے یہاں ایک گائے تھی جس کے دودھ میں خدا تعالیٰ نے برکت دے رکھی تھی۔ زمانہ قحط میں ان کا گھر بھر اس کے دودھ سے گزارا کرتا تھا۔ اس لئے زیادہ پریشانی نہ ہوئی جب قحط رفع ہوا تو کسی مہمان نے ان غیر مقلد صاحب سے پوچھا کہ تم نے کیوں کر گزر کیا۔ بیوی بول پڑی ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک گائے دے رکھی تھی۔ اس کے دودھ سے سب نے گزر کیا غیر مقلد صاحب سنتے ہی غصہ میں بھر گئے اور بیوی سے بولے کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر گائے پر نظر کی اور یہ کہہ کر گائے کے گلے پر چھری پھیر دی۔

تو گو ہمارے نزدیک یہ بات تشدد اور غلو میں داخل ہے کیونکہ مسلمان کوئی بھی گائے کو رازق نہیں سمجھتا ہے بلکہ ایک ظاہری سامان ہے۔

اور رازق حقیقی خدا ہی کو سمجھتا ہے چنانچہ اس عورت نے بھی اس حقیقت کو اس طرح ظاہر کر دیا تھا کہ ہم کو تو خدائے تعالیٰ نے ایک گائے دے دی تھی۔ مگر پھر بھی ہم ان کے اس فعل کی قدر کرتے ہیں کہ اس وقت ان پر مذاق توحید غالب تھا۔ اس لئے اتنی بات بھی ناگوار ہوئی کہ گزارہ کا سبب گائے کو بتلایا گیا۔ اسی حالت میں وہ معذور تھے۔

گو وہ لوگ ہم کو برا کہیں گے مگر ہم تو جو بات قابل قدر ہو گی اس کی قدر ہی کریں گے کیونکہ ہمارے یہاں تو انصاف ہے اور ان کے یہاں ان صاف یعنی صفائی منفی اسی لئے ہم

اہل ظاہر کی اس بات کی بھی قدر کرتے ہیں کہ جس حکم کی علت شارع نے ہمیں بتلائی وہ اس کی علت تلاش نہیں کرتے بلکہ ظاہر پر رکھتے ہیں۔ مگر فقہاء محققین نے قیاس سے ان حکام کی علل بیان کی ہیں اور چونکہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت اس لئے احکام قیاسیہ بھی ویسے ہی ہیں جیسے احکام منصوصہ پس وہ کالمذکور فی النص ہیں مگر یہ سن لو کہ ہر شخص کو علل بیان کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ مجتہد کو حق ہے اور مجتہد کو بھی ہمیشہ حق نہیں بلکہ وہاں تعلیل کا حق ہے جہاں تعدیہ حکم کی ضرورت ہو اور جو امور تعبدی ہیں جن کا تعدیہ نہیں ہوسکتا وہاں قیاس کا مجتہد کو بھی حق نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے صلوٰۃ وصوم زکوٰۃ وحج میں تعلیل نہیں کی کہ ان کی فرضیت کی بناء یہ ہے حتیٰ کہ اگر یہ بنا کسی دوسرے طریقہ سے حاصل ہوسکے تو دوسری صورت اختیار کرنا جائز ہو۔ ہرگز نہیں بلکہ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ یہ امور تعبدیہ ہیں ان کی علت بیان کرنا جائز نہیں۔ (العید والوعید ج ٦)

شرک سے احتیاط

ایسے ہی آج کل ہمارے خاندان میں ایک بدعت نکلی ہے کہ خطوط وغیرہ کے شروع میں بامداد اللہ یا ہوالرشید یا ہوالقاسم یا ہوالمعین یا بفضل الرحمٰن لکھتے ہیں۔

صاحبو! مجھے اس میں سے بوئے شرک آتی ہے خدا کے واسطے اس طرز کو چھوڑ دو یہ مقدمہ شرک ہے (العید والوعید ج ٦)

غلو فی الدین

بعضے ایسے لوگ جن کے عقائد تو درست ہیں اور یہ غلطی بکثرت اہل علم کو یا ان کی صحبت والوں کو ہوتی ہے یعنی اگر وہ کسی کی نسبت مثلاً یہ سن لیں کہ یہ شخص بدعات سے مجتنب ہے گو اس کے تمام اعمال تباہ ہوں بس پھر اسے اس اہل بدعت پر بھی ترجیح دینے لگتے ہیں جہاں منشاء بدعت کا محض خطائے اجتہادی ہی ہو۔ یہ غلو فی الدین نہیں تو کیا ہے۔ انہوں نے عبادت کے درجات کو چھوڑ کر عقائد کو اساس قرار دے کر فروع کو بے وقعت سمجھ لیا ہے جیسے کوئی درختوں کی شاخیں کاٹ دیا کرے اور صرف تنہ دیکھ کر خوش ہوا کرے کہ باغ لگا ہوا ہے حالانکہ اس باغ دین کی تو یہ شان ہے۔

بردل سالک ہزاراں غم بود　　　گر زباغ دل خلالے کم بود

(عارف کے دل پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اس کے باغ دل سے ایک تنکا بھی کم ہوجاتا ہے)

کہاں تو یہ حالت کہ ایک تنکا بھی کم ہونا گوارا نہیں اور کہاں یہ کہ تمام شاخیں کاٹ کے بھی خوش ہیں کہ جڑیں تو ہیں۔

ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بنیاد بھر کر خوش ہو کہ میں نے مکان بنالیا ہے اگر کسی نے بنیادیں بھر دیں اور مکان بنایا نہیں تو برسات آنے دو، اب پانی برسا تو کپڑے بہے بہے پھرتے ہیں، سب سامان بھیگ رہا ہے اب سمجھ میں آیا کہ میں نے بڑی غلطی کی جو بنیاد کو کافی سمجھا۔ کام تو دیواروں اور چھت سے پڑے گا، گو بقاء ان کا بے شک بنیاد سے ہے، میں نے بڑی نادانی کی کہ پہلے ہی بنیاد کے ساتھ دیواریں نہ بنالیں۔

ہاں البتہ اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوگا کہ جس کی بنیادیں بھری ہوئی ہیں اس کی عمارت جب بنے گی جلدی تیار ہوگی اور مضبوط بنے گی اور جس کی جڑ ہی کھوکھلی ہوگی اس کو مشکل ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ اہم الاجزاء عقائد بے شک ہیں مگر ان کے بعد دوسرا درجہ اعمال کا بھی تو آخر کچھ ہے۔

ایک غلطی اس کے برعکس ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض لوگ تصحیح عقائد کو ضروری نہیں سمجھتے، تسبیح نماز روزہ تو کرتے ہیں مگر عقائد کی تصحیح کی فکر نہیں کرتے اور اکثر اس میں ان کا زیادہ قصور نہیں ہے، قصور ان کا ہے جو بیعت کر کے کچھ وظائف بتلا کے خالی چھوڑ دیتے ہیں اس کی فکر ہی نہیں کہ عقائد اس شخص کے کیسے ہیں جن کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک درویش صاحب نے مجھ سے پوچھا تصور شیخ جائز ہے یا ناجائز، میں نے کہا پہلے آپ اس کے معنی بتایئے تو کہتے ہیں کہ خدا کو پیر کی شکل میں سمجھنا، نعوذ باللہ! وہ حضرت تو پابند صوم وصلوٰۃ بھی تھے اور تہجد و ذکر والے بھی تھے اور عقیدہ یہ اور پھر مزہ یہ کہ اس بدعقیدگی کو مضر نہیں سمجھتے۔

ایک شخص نے مجھے خط لکھا کہ جب نماز تنہا پڑھتا ہوں تو وساوس نہیں آتے اور جماعت سے پڑھتا ہوں تو وساوس بہت آتے ہیں تو جی چاہتا ہے جماعت چھوڑ دیں تو یہ بزرگ خلاف سنت کو سنت سے افضل سمجھ رہے تھے۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

تقدیر و تدبیر

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ اس کو شفا عطا فرمائیں۔

حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ عجیب بات ہے ایک شخص قید خانہ سے چھوٹ رہا ہے اور

دوسرا روتا ہے کہ یہ قید خانہ سے کیوں رہا ہورہا ہے۔وہ کہنے لگا حضرت میری روٹی کون پکائے گا۔فرمایا جی ہاں جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تو وہ وہاں بھی تم کو روٹی پکا کر کھلاتی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ میاں تم بھی چند روز میں وہیں پہنچنے والے ہو جہاں وہ جارہی ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ آیا بیوی کو موت سے بچانے اپنی ہی موت کی بشارت لے چلا۔

اس وقت تک تو حضرت ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔اس کے بعد ایک ایسی بات پر برہم ہو گئے جو آج کل برہم ہونے کی بات نہیں سمجھی جاتی بلکہ حب دین کی بات سمجھی جاتی ہے وہ کہنے لگا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھے مدینہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔اب وہ وعدہ سے ہٹنے لگا ہے دعا فرما دیجئے کہ وہ مجھے مدینے لے جائے۔بس حضرت یہ سنتے ہی برہم ہوگئے فرمایا۔ہمارے سامنے شرک کی باتیں نہ کرو۔(غیر اللہ پر اتنی نظر کہ اس کے ہی لے جانے سے تو تم مدینہ پہنچو گے)

حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر بات بات سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہر دم موت کے لئے تیار ہیں اور ہر کام میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے۔اب ایسے شخص پر موت گراں کیوں ہوگی اور کسی مصیبت سے کیوں پریشان ہوگا۔ (الصبر بالصبر ج۹)

قابلیت و قبولیت

بزرگوں کی توجہ کے لئے تو استعداد کی بھی ضرورت ہے اور وہاں استعداد کی بھی ضرورت نہیں۔وہ استعداد اور کمال دونوں معاً عطا فرماتے ہیں۔

داد اورا قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

ان کی داد و دہش کے لئے قابلیت کی شرط نہیں ہے بلکہ ان کی داد ہی قابلیت کی شرط ہے۔

ان کی عطا سے قابلیت بھی ہوتی ہے اور داد بھی۔وہ جھولی اور روپیہ دونوں ساتھ ساتھ دیتے ہیں۔کریموں کے یہاں دیکھا ہوگا کہ سائل کو ظرف بھی دیتے ہیں اور اس میں چیز بھی دیتے ہیں۔بہر حال ان کی نظر کی کیا انتہا ہے پس اگر وہ کسی زمانہ کی طرف توجہ فرمادیں تو اس کی برکت کا کیا ٹھکانہ ہے۔حدیث شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے چنانچہ وارد ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لربكم نفحات في الدهر فتعرضوا لها

یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیشک تمہارے رب کے لئے زمانہ کے اندر جھونکے ہیں فیوض کے پس تم اس کی جستجو کرو۔

پس انسان کو چاہیے کہ ایسے زمانے کو بہت غنیمت سمجھے۔(الصیام ج۱۰)

رؤیت باری تعالیٰ

ایک نومسلم نے اپنا قصہ شوق رویت اور اسی شوق میں اسلام لانے کا جو مجھ سے بیان کیا تو مجھے شبہ ہوا کہ جب اس کی طلب کسی جگہ پوری نہ ہوگی تو عجب نہیں کہ یہ اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہو جائے۔ کہیں کوئی پادری صاحب کہنے لگیں کہ میں دکھلا دوں گا۔ تمہیں خدا کا نور۔ پھر وہ بھی کوئی دھوکا دے اور سائنس والوں کا دھوکا شاید سمجھ میں بھی نہ آئے میں نے صاف کہہ دیا کہ بھائی تمہارا کیا اعتبار۔ مجھے قوی شبہ ہوا ہے کہ کہیں تم اسلام ترک نہ کردو کیونکہ تمہارا مقصود تو یہ ہے کہ میں خدا کو دیکھ لوں۔

جب تمہیں خدا نہ دکھائی دے گا تو پھر تم اسلام کو بھی چھوڑ سکتے ہو جیسے کہ ہندوؤں کے مذہب کو چھوڑ کر اسی تمنا میں مسلمان ہو گئے ہو کہنے لگے جی نہیں۔ اب اسلام کو نہیں چھوڑوں گا چاہے کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ بالکل گنوار اور لٹھ تھا لیکن اس نے ایسے علوم ومعارف بیان کئے کہ میں دنگ رہ گیا۔

چنانچہ جب میں نے کہا کہ ہمیں کیسے اطمینان ہو کہ تم اسلام نہ چھوڑو گے اس نے کہا کہ اسلام میں میں نے ایک ایسی خاصیت پائی ہے کہ نہ کسی مذہب میں تھی نہ ہو میں نے پوچھا وہ کون سی خاصیت ہے کہا اس مذہب میں توحید ایسی کامل ہے کہ کسی مذہب میں نہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ابھی سے کیا جانے کہ توحید کیا چیز ہے میں نے پوچھا مثلاً۔ کہا دیکھئے یہ کیا توحید نہیں ہے کہ ایک شخص بھنگی ہے یا چمار ہے وہ مسلمان ہو گیا تو آج تمام مسلمان اس کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلاتے ہیں ورنہ ساری قوم میں ایسے شخص کو اپنے سے گھٹا ہوا اور ذلیل سمجھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ شادی بیاہ نہ کریں۔ یہ تو اپنی اپنی مصلحت ہے باقی حقیر کوئی نہیں سمجھتا یہ توحید ہی کا اثر ہے کیا اچھی بات کہی اور استدلال بھی کیسے کھلے ہوئے واقعہ سے کیا اللہ کے بندے اب بھی ایسے موجود ہیں جو مساوات کرتے ہیں اگر طوعاً نہیں تو کرہاً سہی۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

شریعت اور اسباب

شریعت نے بیماری کے لگنے میں بہت اچھا فیصلہ کیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں بیماری لگتی

ہے جب نہیں چاہتے نہیں لگتی اور اسی طرح تمام اسباب کے متعلق شریعت کا یہی فیصلہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں اسباب کے بعد مسبب کو پیدا کر دیتے ہیں اور نہیں چاہتے تو نہیں کرتے۔

اب اس قاعدہ پر کچھ اشکال ہی نہیں اور بغیر اس عقیدہ کے مفر بھی نہیں ہے ورنہ اس قدر اشکالات وارد ہوں گے کہ جواب دیتے دیتے تنگ ہو جاؤ گے اور پھر بھی وہ ختم نہ ہوں گے مولانا فرماتے ہیں۔

خاک وباد وآب وآتش بندہ اند　　　با من وتو مردہ باحق زندہ اند

نیارد زمیں تاگوئی بیار　　　نبارد ہوا تانہ گوئی ببار

(مٹی، ہوا، پانی، آگ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تیرے اور میرے نزدیک مردہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں)

پانی غرق نہیں کر سکتا۔ ہوا اڑا نہیں سکتی۔ طاعون کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ ان کا حکم نہ ہو۔ (التہذیب ج ۱۰)

ایمان اور کفر وشرک

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ رام پور سے آتے ہوئے اسلام نگر ٹھہرے وہاں ایک خاں صاحب پہلے سے مہمان تھے۔ وہ حضرت کی خدمت میں آکر بیٹھے۔ اب خاں صاحب کو کچھ خیال ہوا کہ حضرت سے کچھ باتیں کرنا چاہییں اور باتیں بھی ایسی ہونی چاہئیں جوان کے مذاق کے موافق ہوں۔ تو آپ پوچھتے ہیں کہ حضرت وہ کون سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن سے ایمان جاتا ہے حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہمارا ایمان نہیں جاتا بے وقوفوں کا جاتا ہے (چھوٹی باتوں سے آپ کی مراد کیا ہے) خاں صاحب شرمندہ ہوئے اور تاویل کی غرض سے کہا کہ حضرت یہی کفر وشرک کی باتیں ہو جاتی ہیں حضرت نے فرمایا کہ خان صاحب کفر وشرک جب تمہارے یہاں چھوٹی باتیں تو وہ بڑی باتیں کون سی ہوں گی خان صاحب سن کر چپ ہو گئے۔ (التہذیب ج ۱۰)

اصلاح عقیدہ

ترتیب صحیح یہ ہے کہ اول تو عقیدہ صحیح کرے اور عقائد وعلوم صحیحہ حاصل کرے کہ اس سے اعمال کی تحریک ہوتی ہے۔ مثلاً یہ عقیدہ حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ خالق ورازق

ہیں اس سے خدا تعالیٰ کے احسانات اپنے اوپر معلوم ہوں گے اور ذکر وفکر احسانات سے محبت واطاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ اور یہ تحریک باعث عمل ہے مگر اس باعث کے ساتھ بعض اشیاء مانع بھی ہوتی ہیں اور وہ موانع غالباً دو ہیں ایک اسباب تنعم دوسرے ضعف نفس۔ یعنی باوجود عقیدہ صحیح ہونے کے اور تحریک طاعت پیدا ہونے کے بھی بعض دفعہ نفس ضعف وکم ہمتی کی وجہ سے یا اسباب تنعم اور سامان راحت میں منہمک ہونے کے سبب سے نماز روزہ وغیرہ سے سستی کرتا ہے۔ (المجاہدہ ج ۱۱)

نظر بد

مثلاً بعض لوگ نظر بد کے گناہ میں مبتلا ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو اور مت دیکھو کیوں کہ دیکھنا اختیاری امر ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نظر کے روکنے پر قادر نہیں مگر واللہ یہ جواب بالکل غلط ہے یہ شخص قادر ضرور ہے مگر وہ مشقت سے گھبراتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ بدون مشقت کے قادر ہو جاؤں اس کے نزدیک قدرت کے معنی یہی ہیں کہ بدون مشقت کے آسانی سے کام ہو جائے سو اس معنی کو واقعی قادر نہیں مگر ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یوں چاہے کہ بدون منہ میں لقمہ دیئے کھانا کھالوں اور جب اس طرح پیٹ نہ بھرے تو کہنے لگے کہ کھانا بہت مشکل ہے ہاتھ ہلاؤ روٹی تک لے جاؤ اس کو توڑو پھر لقمہ بناؤ منہ میں دو پھر چباؤ پھر نگلو۔ اگر اسی کا نام دشواری ہے کہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو واقعی نظر بد سے بچنا دشوار ہے اور تم اس کے روکنے پر قادر نہیں مگر اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ قدرت علی العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اصلا مشقت نہ ہو اور عجز عن العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی قدر مشقت ہو جب یہ معنی مسلم نہیں تو وہ لوگ جو اپنے کو غض بصر سے عاجز کہتے ہیں غور کریں کہ ایسی حماقت میں مبتلا ہیں انہوں نے قدرت وعجز کی حقیقت ہی غلط سمجھ رکھی ہے ورنہ یہ لفظ کبھی زبان پر نہ لاتے کہ ہم غض بصر پر قادر نہیں۔ غرض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے نظر بد کو روک لیں سو قرآن میں اس کا ذمہ کہاں ہے وہاں تو مطلق حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (مسلمانوں کو حکم دیدیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) یعنی خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو مشقت ہو یا نہ ہو کچھ پرواہ نہیں ان کو ہر حال میں غض بصر

کرنا چاہیئے بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ باوجود مشقت کے غض بصر کرنا چاہیئے۔ اور اس مشقت کو برداشت کرنا چاہیئے۔

اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل

مسئلہ تقدیر کو اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس سے حزن و بطر رفع ہو جاتا ہے اور حزن جڑ ہے تعطل ظاہر کی اور تکبر و بطر اصل ہے تعطل باطن کی یعنی غمگین و پریشان آدمی ظاہر میں تمام دین و دنیا کے کاموں سے معطل ہو جاتا ہے اور متکبر آدمی کا دل خدا کے تعلق سے معطل ہو جاتا ہے جب تک تکبر نہ نکلے خدا کے ساتھ دل کو لگاؤ نہیں ہو سکتا یہ تو تقدیر کو دخل تھا اعمال میں۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ توحید جو اعظم العقائد و اساس العقائد ہے اس کو بھی اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں:

موحد چہ بر پائے ریزی زرش   چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس   ہمیں ست بنیاد توحید و بس

(موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں۔ امید اور خوف اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے) (التحصیل والتسہیل ج ۱۱)

شریعت محمدی

عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے سے نبی تھے اور شریعۃ اسلامیہ ہی کے تابع ہو کر تشریف لائیں گے ان کا حضورؐ کے بعد آنا اور متبع ہو کر آنا لا نبی بعدی کے خلاف نہیں۔ سو وہ آ کر حضورؐ ہی کی شریعت کے موافق عمل کریں گے تو لا نبی کے یہ معنی نہیں کہ کوئی پرانا نبی بھی حضورؐ کے دین کی خدمت کیلئے نہ آوے گا۔

غرض عیسیٰ علیہ السلام نازل بھی ہوں گے اور اس وقت نبی بھی ہوں گے' مگر اعطائے نبوت ان کیلئے پہلے ہو چکی ہے اور آپؐ نیابت کے طور پر آ دیں گے نہ کہ مستقل بن کر اور حاکم ہو کر بلکہ حضورؐ کے محکوم ہو کر آ دیں گے۔

اس میں تو حضورؐ کی اور فضیلت بڑھ گئی کہ نبی بھی حضورؐ کے خادم ہوں گے۔ حدیث میں ہے **لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی** (الأسرار المرفوعۃ: 292,83) کہ

اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ سوائے میرے اتباع کے اور کچھ نہ کرتے۔ آپ ؐ نے یہ نہیں فرمایا لسلبت نبوتہ کہ ان کی نبوت چھن جاتی بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ تبع ہوکر رہتے۔ غرض رضیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہم نے ہمیشہ کیلئے اسی دین کو پسند کیا ہے پس حدیث میں جو ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر جزیہ کو موقوف کردیں گے اور اس وقت دو ہی باتیں رہ جاویں گی یا اسلام لاؤ یا قتال کرو تو وہ نسخ نہیں ہے بلکہ اس وقت کیلئے شریعت محمدیہ کا یہی قانون ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام جاری فرماویں گے۔ اور بڑے مزہ کا لطیفہ ہے کہ عیسائی لوگ مسئلہ جہاد کے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے اس مد کو کیوں رکھا۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے پیغمبر سے ہی پوچھیو وہ عنقریب آنے والے ہیں **فانتظروا انا منتظرون**. حضورؐ نے تو پھر بھی تمہاری رعایت کی ہے کہ جزیہ دے کر بچا سکتے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ ان کے عہد میں دو ہی باتیں ہوں گی یا اسلام یا سیف' غرض عیسیٰ علیہ السلام حکم اسلامی قدیم کو منسوخ نہ فرماویں گے کہ پہلے جزیہ کا حکم تھا اور آپ اس کو اٹھا دیں گے تاکہ ان کو ناسخ کہا جاوے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

نظریہ توحید خداوندی

پہلا جز و اسلام کا عقائد ہے اس کی خوبی کو دیکھو کہ اسلام کا بہت بڑا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کو واحد مانو موجود مانو۔ یعنی تمام کمالات علم وقدرت وغیرہ میں وہ یکتا ہے اس کا علم ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز خارج نہیں۔ قدرت ایسی ہے کہ کوئی ممکن چیز اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ یہ عقیدہ قطع نظر اس سے کہ دلائل سے اس کا ہونا ثابت ہے، اس کے ثمرات دنیوی کو دیکھئے جو شخص اپنے سر پر ایسے مالک کو مانے گا جو ہر طرح سے کامل ہے اس کا اثر خاص یہ ہوگا کہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی ہیبت وعظمت ہوگی اور ان سے محبت ہوگی کیوں کہ بادشاہ جتنا کامل ہوگا اتنی ہی محبت وہیبت زیادہ ہوتی ہے پھر حق تعالیٰ ایسے جمیل ہیں کہ کوئی ان کے جمال کے قریب قریب بھی نہیں۔ جب کسی کے قلب میں خدا تعالیٰ کی ہیبت ومحبت ہوگی تو کسی شخص کو اس سے ایذاء نہ پہنچے گی وہ کسی کا حق تلف نہ کرے گا کیوں کہ ڈرے گا کہ خدا ناراض ہوگا۔ ادھر تو محبت کا تقاضا محبوب کو راضی رکھنا ہے پھر ہیبت کے سبب اس کی مخالفت کرتے ہوئے جان نکلے گی۔ قطع نظر دوزخ جنت کے خوف وطمع کے اگر حق تعالیٰ کی

یہ محبت وہیبت پیدا ہو جائے تو ایسا شخص ہر گز مخالفت نہیں کر سکتا چنانچہ حدیث میں ایک صحابی کی بابت آپ فرماتے ہیں کہ اگر ان کو خدا کا خوف بھی نہ ہو تو بھی نافرمانی نہ کرے گا وہ کیا چیز ہے جو نافرمانی نہ کرنے دے گی؟ وہ محبت ہی تو ہے۔ دیکھئے فوائد اس عقیدے کے بھلا جو شخص خدا کے ساتھ یہ عقیدہ رکھے گا کیا وہ کبھی اس کی نافرمانی کرے گا ہر گز نہیں برخلاف اس کے جو کوئی حاکم دنیا ہی سے خائف ہو وہ جرائم سے اتنا پرہیز نہ کرے گا۔ کیوں کہ دنیا کا حاکم ہر وقت سامنے نہیں اگر پیٹھ پیچھے کچھ کر لیا تو اس کو خبر بھی نہ ہو گی مثلاً کسی کے پاس کوئی خط آیا اس وقت اس کے سامنے کوئی پولیس کا آدمی بھی نہیں ہے اور لفافہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹکٹ پر مہر نہیں پڑی بالکل سادہ صاف ہے تو اب دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو خدا کا خوف یا اس سے محبت ہے اور ایک وہ جس کو خوف خدا نہیں ایسے شخص کو اس وقت کوئی قوت روکنے والی نہیں ہے کہ وہ پھر اس سے کام نہ لے اور یہ جرم ہے جس میں ڈاکخانہ کا نقصان ہے گو کم ہی ہو مگر خبر بھی ہے کہ ایک پائی کی خیانت بھی خیانت ہی ہے بخلاف اس شخص کے جس کو خوف خدا ہے وہ اس پر ہر گز جرات نہیں کر سکتا کہ اس ٹکٹ سے پھر کام لے گو کسی کو اس کی خبر نہ ہو کوئی اس کو دیکھ نہ رہا ہو مگر مالک حقیقی کو تو خبر ہے اس لئے وہ خط پڑھنے سے پہلے اس ٹکٹ کو چاک کر دیگا۔ دیکھئے یہ دنیا کا نفع پہنچا حکومت کو یا نہیں؟ اور یہ محض اس لئے کہ اس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ رحم میں کامل ہیں انتقام میں بھی کامل ہیں۔

اور دیکھو فرض کرو کہ تم ریل میں جا رہے ہو ایک بچہ ملا۔ یتیم جس کے ساتھ کوئی نہیں اور ایک ہزار کا نوٹ اس کے پاس ہے اس نے کہا ہم کو فلاں جگہ پہنچا دو۔ راستہ میں اتفاق سے وہ مر گیا اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پاس اتنے روپے ہیں نہ ریل والے جانتے ہیں اور نہ کسی مسافر کو خبر ہے اور نہ ہم کو اس کی جان پہچان ہے صرف اتنا جانتے ہیں کہ فلاں جگہ جانے والا ہے غسل دینے کے وقت جو پہلا کپڑا اس کے بدن سے نکالا تو جیب سے ہزار کا نوٹ نکلا اب کسی کو خبر بھی نہیں اور تم حاجت مند بھی ہو کہ دس ہزار کے قرض دار بھی ہو جس میں جائیداد نیلام ہونے والی ہے آبرو پر بن رہی ہے۔ فرمایئے کوئی قوت ہے اس وقت اس نوٹ کے لینے سے روکنے والی۔ اب خیال کیجئے کہ ایک تو دہری ہے جو خدا کا قائل نہیں اور اس کو ایسا موقع پیش آوے وہ تو یقیناً سب روپیہ دبا لے گا اور ایک وہ ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہے وہ اس یتیم بچہ کے بتلائے ہوئے موقع پر جاوے گا اور اس کے ورثہ کو تلاش

کر کے یہ روپیہ سب کو حصہ رسد بانٹ دے گا اگر وہاں کوئی نہ ملے تو اس میں لقطہ کے احکام جاری کرے گا۔ دیکھئے یہ کیسا پاکیزہ عقیدہ ہے جس نے ایک عالم کو خطرہ سے بچا لیا یہ اسی عقیدہ کی بدولت ہوا کہ خداوند کریم کامل ہے علم وقدرت میں۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

برکات تقدیر

اسلام کا ایک عقیدہ ہے کہ خداوند کریم نے جس چیز کو جس طرح مقدر کیا اسی طرح ہوگا اس کی برکت اور نافع ہونے کو خیال فرمایئے اس کا بیان یہ ہے کہ بڑا دنیوی نفع انسان کا جو اصلی مقصود ہے راحت ہے کماتا ہے اسی لئے کہ راحت ہو اولاد کی تمنا کرتا ہے اسی لئے تاکہ راحت ہو دولت جائیداد سے بھی مطلوب راحت ہی ہے۔ مکان بناتا ہے راحت ہی کیلئے غرض مطلوب ہر چیز میں راحت ہی ہے اب اس تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں کوئی ناقابل تدارک مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اب دیکھنا چاہیے کہ اس کی راحت کا کوئی سامان کسی کے پاس ہے نہیں ہرگز نہیں مگر میں دعوٰی سے کہتا ہوں کہ اسلام کے پاس اس کی بھی راحت کا سامان موجود ہے اور وہی عقیدہ تقدیر ہے بخدا اس عقیدہ کے بدون اس کو راحت ہرگز میسر نہیں ہو سکتی اور یہ عقیدہ اسلام کے سوا کسی کے پاس نہیں کہ ہر چیز مقدر کے موافق ہوتی ہے کسی کا جوان لائق بیٹا مر جاوے اور اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو عمر بھر مصیبت میں مبتلا رہے گا کہ ہائے اس کا علاج اچھی طرح کرتا تو نہ مرتا ہائے اس کا پرہیز اچھی طرح نہ ہوا اگر فلاں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا تو اچھا ہو جاتا یہ تو منکر عقیدہ تقدیر کی حالت ہوگی اور ایک وہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز تقدیر کے موافق ہوتی اور اس میں حکمت ہوتی ہے اگر اس کا کوئی ایسا ہی عزیز مر جاوے تو گو اس کو رنج طبعی تو ہوگا اور وسوسہ کے طور پر اگر اس کو یہ خیال بھی ہو کہ دوا میں غلطی ہوگئی تو تھوڑی ہی دیر کے بعد معاً پھر وہ اسی سے تسلی حاصل کریگا کہ یہ بات بھی تقدیر ہی میں تھی کہ دوا میں غلطی ہو جائے اول اول تو اسے ضرور حزن تھا۔ مگر تفویض کے ساتھ تھا پھر بعد چندے وہ بھی زائل ہو گیا بخلاف دہری شخص کے وہ تو تمام عمر ہی غم والم میں گھٹتا رہے گا تو دیکھئے مسئلہ تقدیر کا دنیوی بھی کتنا بڑا نفع عظیم ہے اور حق تعالیٰ نے بھی اس حکمت کو بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ **ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر**

لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوابما اتکم واللہ لا یحب کل مختال فخور (کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک بار کتاب میں لکھی ہے قبل اسکے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ بیشک یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا) یہ لام کی ایک مقدر کے متعلق ہے جس پر پہلا جملہ دال ہے یعنی اخبرکم بہذا لکیلا تاسوا یعنی ہم نے مسئلہ تقدیر کو اس لئے بیان کیا تاکہ تم کو رنج نہ ہو مافات پر اور نہ اتراؤ ما آتی پر۔ یہ تو مصیبت کا ذکر تھا۔ میں اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو مسئلہ تقدیر کے معتقد نہیں ان کو نعمت میں بھی راحت نہیں ہے کیونکہ انسان کے اندر اکثر طبعاً حرص بہت ہوتی ہے اس کو جتنا بھی ملے اسی قدر اس کی حرص بڑھتی ہے کہ اور ترقی ہو (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

تقدیر پر یقین

میرے پاس ایک رئیس کا خط آیا تھا کہ میں تمہارے مدرسہ کیلئے دو سو روپیہ بھیجتا ہوں اور میں تم کو بلاؤں گا بھی میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور یہ لکھا کہ آپ روپے بھیج کر مجھ کو متاثر بنانا چاہتے ہیں، روپیہ اپنے پاس رکھئے اور اب بلانے کی تحریک کیجئے لوگوں کو خیال بھی ہوا کہ اتنی بڑی رقم کو کیوں واپس کر دی۔ مدرسہ کا کوئی کام نکل جاتا میں نے کہا اگر یہ مدرسہ کی تقدیر کا ہے تو پھر آ دے گا چنانچہ پھر منی آرڈر آیا اور معذرت کی کہ میری غلطی ہوئی یہ رقم حسبۃً للہ مدرسہ کو دیتا ہوں اور بلانے کی درخواست کو واپس لیتا ہوں اب میں نے لے لیا اور لکھ دیا کہ آپ کی تہذیب سے اب مجھ کو آپ کے ملنے کا اشتیاق ہو گیا پھر مدت کے بعد انہوں نے بلایا تو چلا گیا اب بتلائیے روپے آنے والے تھے۔ ٹالنے سے بھی نہ ٹلے۔ کیا کوئی منکر تقدیر ایسا کر سکتا ہے؟ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

بزرگوں کی شانیں

ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ میں مختلف بزرگوں کی شانیں دیکھنا چاہتا ہوں فرمایا فلاں مسجد میں جاؤ تین آدمی مراقب بیٹھے ہیں ہر ایک کو ایک ایک دھپ مار دینا اس سے ان کے الوان کا اندازہ ہو گا یہ ان کے پاس گیا تو دیکھا نورانی شکل متقی پارسا لاحول ولا قوۃ ان کو

کیسے ماروں مگراس کو آزمانا تھا اپنی طبیعت پر بار ڈال کر اول ایک کو دہپ مارا وہ اٹھے یہ سمجھے کہ بس اب کم بختی آئی یہ تو کھڑے ہی ہو گئے اب وہ دونوں بھی ان کا ساتھ دینے کو اٹھیں گے اور مار کوٹ کر مجھے پیس لیں گے اچھا امتحان کرنے آیا کہ جان بچانا مشکل ہو گئی مگر وہ بزرگ اٹھ کر اس کے ویسا ہی ایک دہپ مار کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے پھر دوسرے کے پاس گئے ان کو بھی ایک دہپ لگایا وہ کچھ نہ بولے اپنی نشست بھی نہیں بدلی پھر تیسری جگہ گئے وہاں بھی یہی حرکت کی وہ اٹھے اور اس کے ہاتھ پکڑ کر سہلانا شروع کیا کہ بھائی تمہارے بہت چوٹ لگی ہوگی کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ یہ پیر کے پاس آئے کہا سمجھے بھی کیا دیکھا؟ کہا آپ سمجھائیے۔ فرمایا کہ پہلا شخص تو شریعت کے ضروری درجہ پر ہے اس نے **جزاء سیئة سیئة مثلها** (برائی کا بدلہ اس برائی کے مطابق بدلہ لینا ہے) پر عمل کیا اس لئے اس نے صرف ایک دہپ پر اکتفا کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس پر بھی عمل نہیں کرتے انہوں نے اس قدر مساوات برتی کہ اس سے یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ تو کون ہے کیوں مارتا ہے کیوں کہ ادھر سے بھی اس نے تو صرف مارا ہی تھا کچھ بولا نہیں تھا آپ نے بھی صرف مارنے پر اکتفا کیا اور دوسرا صاحب طریقت ہے یعنی شریعت کے کامل درجہ پر اس کو یہ مراقبہ پیش نظر ہو گیا کہ۔

از خداداں خلاف دشمن ودوست　　　که دل ہر دو درتصرف اوست

مخالف دشمن اور دوست کو اللہ کی طرف سے سمجھ، کہ دونوں کے دل اسکے قبضہ میں ہیں۔

اس کا یہ مراقبہ راسخ ہو چکا تھا سمجھا کہ اس نے نہیں مارا یہ کون ہوتا ہے مارنے والا جو کچھ ہے ادھر سے ہی ہے یہ تو ایک پرزہ ہے اس کی کیا مجال ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کر سکے۔

قال الجدار للوتد لم تشقنیے　　　قال الوتد انظرالی من یدقنیے

دیوار نے میخ سے کہا کہ تو مجھے شق نہ کر، میخ نے کہا اسکی طرف دیکھ جو مجھے ٹھونک رہا ہے۔

اور تیسرا شخص شریعت کے اکمل درجہ پر تھا یعنی فنافی اللہ سے بڑھ کر بقاء باللہ میں پہنچ گیا فنا تک تو غیبت واضمحلال کا غلبہ رہتا ہے۔ جب اس سے ترقی کر کے بقاء باللہ کو پہنچ جاتا ہے تو وجود کے آثار نمایاں ہوتے ہیں مگر تخلق باخلاق الٰہیہ کے رنگ پر اور خدا تعالیٰ کی شان ہے شفقت اس لئے اس کو غلبہ شفقت سے رحم آیا کہ اس کو تکلیف ہوئی ہوگی اس لئے اس نے شفقت کا برتاؤ کیا۔ شیخ شیرازی نے ایسا ہی قصہ لکھا ہے کہ کسی شرابی کے ہاتھ میں بربط

تھا اس نے ایک درویش کے سر میں ایسی زور سے مارا کہ وہ ٹوٹ گیا ظاہر ہے سر کا کیا حال ہوا ہوگا درویش نے ایک دینار پیش کیا کہ میرا سر تو ویسے ہی جڑ جائیگا مگر تمہارا بربط بدون داموں کے درست نہ ہوگا ان داموں سے اس کو درست کرا لینا ان واقعات والوں پر اس عقیدہ ہی کا تو غلبہ تھا جس کے یہ آثار تھے خدا کی قسم ان عقیدوں نے سارے عالم سے بےفکر کر دیا ہے ان کی بدولت جہاں کو کتنی راحت پہنچتی ہے۔ سبحان اللہ۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

دلائل عقلیہ کی بے بسی

ایک فلسفی کی حکایت ہے وہ بڑے عالم تھے جب مرنے لگے تو مرتے وقت شیطان ان سے مناظرہ کو کھڑا ہو گیا۔ مناظرہ توحید ہی میں تھا جس کے سو دلائل ان کے پاس تھے شیطان توحید کے دلائل پر نقوض وارد کرنے لگا یہ جو دلیل قائم کرتے وہ اس کو رد کر دیتا جتنے دلائل ان کے پاس تھے سب ہی پیش کئے اس نے سب کو توڑ دیا اس کے بعد اس نے شبہ ڈال دیا کہ توحید جو اصل الاصول ہے جب اس کی یہ حالت ہے تو اور اصول کی کیا اصل ہے خود ہی سمجھ لو قریب تھا کہ ان کو اصول اسلام کی حقانیت میں شبہ یا تذبذب ہو جاتا کہ ایک بزرگ نے ان کی دستگیری فرمائی وہ بزرگ شیخ نجم الدین کبریٰؒ تھے جو اس وقت صدہا میل کے فاصلہ پر اپنے گھر میں وضو کر رہے تھے ان کو مکشوف ہوا کہ اس عالم فلسفی کے اوپر یہ مصیبت نازل ہے آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ایک بڑے عالم کا ایمان خراب ہوا جاتا ہے کسی نے عرض کیا کہ حضرت بچا لیجئے آپ نے وضو کا پانی زور سے اس طرف پھینکا اور فرمایا کہہ دو بلا دلیل خدا واحد ہے اللہ تعالیٰ نے یہ پانی اور آواز ان کے کان میں پہنچا دی اور انہوں نے شیطان سے یہی کہا کہ میں بلا دلیل خدا کو واحد مانتا ہوں۔ شیطان یہ سن کر بھاگا اور اس کے دام تزویر سے رہائی ہوئی اسی کو مولنا فرماتے ہیں۔

دست پیراز غائباں کوتاہ نیست دست اوجز قبضہ اللہ نیست

پیر کی توجہ غائبوں سے کوتاہ نہیں ہے اس کا قبضہ بجز اللہ کے قبضہ کے نہیں ہے۔

وہ فلسفی عالم ان بزرگ کی خدمت میں آئے تھے۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی اور خلوت کا حکم دیا ذکر شغل شروع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ کوئی چیز اندر سے نکل رہی ہے۔

شیخ سے اس حال کو عرض کیا تو فرمایا کہ تمہارا فلسفہ دل سے نکل رہا ہے یہ ان کو گوارا نہ

ہوا شیخ نے فرمایا کہ بھائی ذکر شغل سے اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر علم عطا فرمادے گا مگر دل نے نہ مانا اور ذکر شغل چھوڑ کر چلے آئے کہ نقد را بہ نسیہ گذاشتن پر کون عمل کرے فلسفہ تو اس وقت موجود ہے اور علم باطن اب تک حاصل نہیں ہوا نہ معلوم ہوگا بھی یا نہیں غرض شیخ کو چھوڑ کر چلے آئے تھے لیکن فقط ان کی خدمت میں جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ مرتے وقت انہوں نے کیسی بڑی دستگیری فرمائی کہ عذاب ابدی سے بچالیا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

شرک کی مذمت

ان اللہ لا یغفر ک یشرک (بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتے) الخ سے صاف معلوم ہوگیا کہ سب گناہوں پر عذاب لازم نہیں بجز شرک وکفر کے کہ ان پر عذاب لازم ہے (یعنی شرعاً، غرض گناہ کبیرہ تو بدون عقاب کے معاف ہوسکتا ہے مگر کفر وشرک کا ارتکاب بدون عذاب کے نہیں رہ سکتا اس پر عذاب لازم ہے اور وہ بھی ابدالآباد کے لئے جس کا انقطاع کبھی نہ ہوگا یہ جرم کسی طرح معاف نہ ہوگا نہ عذاب سے نہ بغیر عذاب کے۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

یہ عقیدہ عقلاً اقدام جرائم کا سبب نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں گے باوجود کبائر کے عذاب سے معاف کردیں گے جس میں تعیین کسی کی نہیں ہے، یعنی کسی شخص کو معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت الٰہی بصورت عفو ہے یا بصورت عذاب (نظراً الی اصل الاستحقاق قانوناً ۱۲ جامع) پھر اس صورت میں کوئی شخص بھی عذاب سے بے فکر نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ایک کو یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ شاید

میرے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جاوے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک عنین شخص شرم وندامت کی وجہ سے خودکشی پر آمادہ ہوکر سنکھیا استعمال کرے اور اتفاقاً وہ سنکھیا کھا کر ہلاک نہ ہو بلکہ سنکھیا ہضم ہوکر اس کے اندر قوت مردی پیدا کردے چنانچہ بعض جگہ ایسے واقعات ہوئے ہیں مگر کیا اس اتفاقی واقعہ سے کسی کو سنکھیا کھانے پر جرات ہوسکتی ہے، ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک کرنا تھا مگر اتفاقاً اس شخص میں اس کی خاصیت کا ظہور نہ ہوا تو اس سے خاصیت نہیں بدل گئی اس لئے مردانگی بڑھانے کیلئے سنکھیا کھانے کی نہ کوئی اجازت دے سکتا ہے اور نہ ہر شخص اس پر جرات کرسکتا ہے۔ علیٰ ہذا سب لوگوں کو معلوم ہے کہ بعض دفعہ حکام وسلاطین مراحم خسروانہ سے کسی قاتل کو رہا بھی کردیتے ہیں مگر اس علم کی وجہ سے ہر شخص کو

قتل پر جرات نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصل سزا تو قتل ہی ہے اور عمل بھی اکثر اسی قانون کے مطابق ہوتا ہے اور مراحم خسردانہ کوئی قانون نہیں بلکہ محض حاکم کی مشیت پر ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ مراحم خسردانہ کا برتاؤ کرے کس کے ساتھ نہ کرے۔

ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ایک دوکان سے تمبا کو لینے گیا اور دوکاندار سے کہا کہ خوب کڑوا تمبا کو دینا۔ اس نے دکھلایا کہ میرے یہاں سب سے کڑوا یہ ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں اس سے بھی کڑوا دو تو دکاندار کیا کہتا ہے کہ توبہ توبہ! بس اس سے کڑوا خدا کا نام۔

یہ شخص اس کلمہ سے کافر نہیں ہوا کیونکہ اس کے نزدیک کڑوا ہونا کمال تھا۔ اس لئے مطلب یہ ہوا کہ یہ تمبا کو بہت کامل ہے۔ بس اس سے زیادہ کامل خدا کا نام ہے تو اس کے کلام میں کڑوا بمعنی کامل ہے۔ البتہ یہ عنوان نہایت قبیح ہے (محاسن اسلام ج ۱۲)

شعبہ معبودیت کعبہ

باب توحید میں مخالفین کو استقبال قبلہ پر بھی اعتراض ہے کہ مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہم کعبہ کی پرستش نہیں کرتے بلکہ عبادت خدا کی کرتے ہیں اور صرف منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں ایک یہ کہ ہم خود اس کی معبودیت کی نفی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی عابد اپنے معبود کی معبودیت کی نفی نہیں کیا کرتا۔

دوسرے یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے اگر کسی کے دل میں کعبہ کا خیال بھی نہ آئے مگر کعبہ کی طرف منہ رہے تو نماز درست ہے۔ چنانچہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ مسجد میں آ کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور کعبہ کا کچھ بھی خیال ان کو نہیں آتا' ان کی نماز درست ہے اگر ہم کعبہ کی عبادت کرتے تو اس کی نیت کرنا شرط ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر کسی وقت کعبہ نہ رہے جب بھی نماز فرض رہے گی اور اسی طرف منہ کیا جائے گا، جہاں کعبہ موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کعبہ کے اینٹ پتھروں کو نہیں پوجتے، ورنہ انہدام کعبہ کے بعد نماز موقوف ہو جاتی۔

چوتھے یہ کہ اگر کوئی شخص سقف کعبہ پر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اس کے اوپر چڑھ کر نماز صحیح نہ ہوتی کیونکہ اب کعبہ اس کے سامنے نہیں ہے۔ دوسرے معبود کے اوپر چڑھنا گستاخی ہے۔ اس حالت میں کسی طرح نماز درست نہ ہونا

چاہیے تھی۔ مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کعبہ کی چھت پر بھی نماز صحیح ہے تو کیا معبود کے اوپر چڑھا بھی کرتے ہیں؟ ہاں معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے بیل کو دیوتا و معبود بھی سمجھتے ہیں پھر ان کے اوپر سوار بھی ہوتے ہیں مگر اس کا خلاف عقل ہونا ظاہر ہے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

رہا تقبیل حجر کا راز تو میں کہہ چکا ہوں کہ اس کا منشا عظمت و عبادت نہیں بلکہ محض محبت اس کا منشاء ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو مجمع عام میں ظاہر فرمایا ایک بار آپ طواف کر رہے تھے۔ اس وقت کچھ لوگ دیہات کے موجود تھے۔ جب آپ نے تقبیل حجر کا ارادہ کیا تو حجر کے پاس ذرا ٹھہرے اور فرمایا انی **لا علم انک لحجر لا تضرو لاتنفع دلولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ماقبلتک** یعنی میں جانتا ہوں کہ ایک پتھر ہے جو نہ کچھ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر دے سکتا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ کیا خشک معاملہ کیا ہے حجر اسود کے ساتھ۔ بھلا اگر یہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو کیا اس سے یہی خطاب کیا جاتا کہ نہ تو نفع دے سکتا ہے نہ ضرر پہنچا سکتا ہے؟ (محاسن اسلام ج ۱۲)

تکمیل توحید

تکمیل توحید کی اسلام میں یہ ہے کہ تصویر کو حرام کر دیا گیا۔ تصویر کا بنانا بھی حرام ہے اور گھر میں رکھنا بھی حرام ہے حالانکہ تصویر قابل پرستش نہیں۔ نہ تو کفار تصویر کو پوجتے ہیں بلکہ وہ تو مجسم مورتوں کو پوجتے ہیں۔ اس وقت بھی کفار کی یہی حالت ہے اور پہلے بھی یہی دستور تھا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اتعبدون ماتنحتون (کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو) یہ نہیں فرمایا اتعبدون ماتصورون (کیا تم اسکی عبادت کرتے ہو جس کی تصویریں بناتے ہو) مگر با ایں ہمہ اسلام نے شرک سے اتنا بچایا ہے کہ تصویر کو بھی حرام کر دیا۔ کیونکہ گو اس کی عبادت نہیں ہوتی مگر مفضی الی العبادۃ ہونے کا احتمال اس میں ضرور ہے کیونکہ جب تصویر کی اجازت ہوتی تو لوگ حضور کی صحابہ و بزرگان دین کی تصویریں بھی اتارتے اور عادۃً تصویر کا اثر قلب پر وہی ہوتا ہے جو صاحب تصویر کا اثر ہوتا ہے تو وہ تصویروں کی تعظیم بھی کرتے۔ پھر رفتہ رفتہ جہلاء شرک میں مبتلا ہو جاتے چنانچہ پہلے زمانہ میں اسی سے شرک کی بنیاد قائم ہوئی۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

اہلسنت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی حق خدا پر واجب نہیں جو کچھ وہ عطا فرمائے محض رحمت اور خالص عنایت ہے۔ معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہل سنت کا خلاف کیا ہے خدا جانے کیا سمجھے کہ ہمارا حق خدا پر واجب ہے۔ وجوب کا کوئی سبب کوئی علت ہونا چاہیے یہ بلا علت واجب کیسے ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ نے کچھ نہیں سمجھا اگر کوئی سبب یا علت ہو تو وہ بھی انہیں کی ہے پھر بھی ہم مستحق نہیں ہوسکتے وہ کہتے ہیں عبادت سے خدا پر جنت دینا واجب ہے اور وجوب عقلی کے قائل ہیں مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سبب جو تراشا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ سبب بھی انہیں کا عطا کیا ہوا ہے اگر اس میں کچھ ظاہری سبب ہے تو اس کا یہ اثر موقوف ہے اس کے مقبول ہونے پر سو مقبول ہونا تو درکنار غنیمت ہے کہ ان اعمال پر مواخذہ نہ ہو۔ لطیف المزاج شخص اندازہ کرلے کہ ایک بدسلیقہ خدمت گار ہے۔ پنکھا جھلتے وقت کبھی ماردیتا ہے کبھی کسی کاغذ کو پریشان کردیتا ہے غرض ایک ادھم مچا رہا ہے اور آقا حلم وکرم سے معاف کردیتا ہے تو کیا اس خدمت گار کا اپنی اس بیہودہ کارگذاری کو قابل انعام سمجھنا صحیح ہوگا۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے ۔۔۔ حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(خواجہ سمجھتا ہے کہ اسکو کچھ حاصل ہے اس کو بجز پندار کے کچھ حاصل نہیں) وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی خدمت کی۔ ارے کمبخت کیا خدمت کی؟ یہ آقا کا احسان ہے کہ وہ کرم کرتا ہے اور بڑی عنایت ہے کہ جرمانہ نہیں کرتا، اسی طرح ہماری عبادت ہے کہ ہم اس کا پورا پورا حق کیا ادا کرتے کہ محال ہے مگر جتنا سنوار کر ہم کرسکتے ہیں وہ بھی تو نہیں کرتے۔ (احسان الاسلام ج۱۲)

ایک قصہ

کان پور میں اس پر ایک قصہ ہو چکا وہاں ایک واعظ صاحب نے وعظ میں بلا ضرورت کہہ دیا کہ حضرت غوث اعظم کا جنتی ہونا یقینی نہیں بلکہ اُن میں احتمال جہنمی ہونے کا بھی ہے بس اس جملہ سے سارے شہر میں آگ لگ گئی ایک شخص مولوی صاحب کو لے کر مجھ سے استفتاء کرنے کو آیا میں بڑا پریشان ہوا کہ اس کی حقیقت لوگوں کو کس طرح سمجھاؤں جس سے فتنہ بھی فرو ہوجائے اور حقیقت بھی واضح ہوجائے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فوراً میری تائید کی کہ طریقہ تعلیم دل میں ڈال دیا میں نے اُس شخص سے کہا کہ کہئے آپ کیا فرماتے ہیں کہنے لگے ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ حضرت غوث اعظم یقینی جنتی ہیں میں نے کہا بالکل ٹھیک کہتے

ہو یہی اعتقاد چاہئے اگر وہ بھی جنتی نہ ہوں گے تو پھر ہم جیسوں کا کہاں ٹھکانا رہا میرا یہ جواب سُن کر مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ اس نے عوام کی موافقت اس غلط عقیدہ میں کیونکر لی مگر عقل سے کام لیا کہ درمیان میں بولے نہیں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے اس شخص سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہا وہ بھی یقیناً جنتی ہیں پھر میں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا کیسے معلوم ہوا کہا ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ جنتی ہیں میں نے کہا جزاک اللہ، اب یہ بتلاؤ کہ حضرت غوث اعظم کا جنتی ہونا کیسے معلوم ہوا کہا اُن کے متعلق بہت سے اولیاء کی شہادت ہے وہ بڑے ولی صاحب کرامات تھے، میں نے کہا ٹھیک کہتے ہو اچھا اب یہ بتلاؤ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء میں کچھ فرق مراتب ہے یا نہیں؟ کہنے لگا ہاں صاحب زمین وآسمان کا فرق ہے میں نے کہا کیا ایسا ہی فرق دونوں شہادتوں میں بھی ہے۔ بولا ہاں میں نے کہا کیا ایسا فرق ان دونوں شہادتوں کے اثر میں بھی ہے بولا ہاں، میں نے کہا کیا ایسا ہی فرق دونوں کے یقیناً جنتی ہونے میں بھی ہے، کہنے لگے ہاں ضرور ہے میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا یہ بھی اس یقین کے معتقد نہیں جس کی آپ نفی کرتے ہیں ورنہ یہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت غوث اعظم کے جنتی ہونے میں فرق نہ کرتے۔ (جمال الخلیل ج ۱۴)

جنت و نار

اول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دوام و استمرار اجر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو جملہ اعمال میں مشترک ہے دوسرے وہ جو بعض اعمال میں مشترک ہے اور بعض میں نہیں، تیسرے وہ جو بالکل مشترک نہیں بلکہ محض صوم کے ساتھ مختص ہے اور اب تک کسی اور عمل کے لئے اس کا ثبوت معلوم نہیں ہوا، استمرار کی قسم اول تو خلود ہے جو سب اعمال کے لئے ثابت ہے کیونکہ ہر عمل کا ثواب جنت میں ملے گا اور جنت و مافیہا کے لئے خلوص منصوص ہے قرآن مجید میں جنت اور جنتیوں کے متعلق کالذین فیھا ابدا وارد ہے جس سے صاف واضح ہے کہ نہ جنت کو کبھی فنا ہوگا نہ اہل جنت کبھی اُس سے نکلیں گے مگر اس کے متعلق ایک آیت سے طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس آیت سے اس عقیدہ میں کوئی تردد یا تزلزل

وتذبذب لازم آتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ شاید بعض ضعیف الفہم طبائع کو اس سے خلجان ہو جائے، اس لئے میں اس اشکال کو بطور جملہ معترضہ کے یہاں پر رفع کر دینا چاہتا ہوں جو ان شاء اللہ مفید ہوگا وہ یہ کہ سورہ ہود کی ایک آیت ہے:

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌفَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَط اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْد وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَط عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ

(ترجمہ) پھر ان میں تو بعضے شقی ہوں گے اور بعضے سعید ہوں گے۔ بس جو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ و پکار پڑی رہے گی ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے آپ کا رب جو چاہے اس کو پورے طور پر کر سکتا ہے اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں پس وہ لوگ جنت میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہے تو اور بات ہے وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔

اس میں اہل جنت و اہل جہنم دونوں کیلئے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کیساتھ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کی قید ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ جنت و نار میں خلود مطلق نہ ہوگا بلکہ مقید ببقاء سموات وارض ہوگا اور اگر اس میں کچھ تاویل بھی کر لی جائے تو آگے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ میں دوام سے استثناء ہے یہ بھی خلود کو مقید بالمشیت کر رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خلود لازم نہیں بلکہ مشیت پر ہے کہ جب چاہیں باہر نکال دیں۔ (اجر الصیام من غیر انصرام ج ۱۴)

رسومات معاشرہ

بہت سے لوگ پیروں سے اس قدر علاقہ رکھتے ہیں کہ خدا سے بھی اتنا علاقہ نہیں رکھتے۔ وہ ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسا ایک سر منہ چڑھا سر شتہ دار ہو کہ جو کچھ کہہ دے گا اسی پر دستخط ہو جاویں گے اور ان کے نام پر کہیں ہنسلی چڑھاتے ہیں کہیں منتیں مانتے ہیں۔ بعض نے تعزیوں کو اس قدر ضروری سمجھ رکھا ہے کہ ان کا سارا دین ایمان وہی ہیں۔ ایک شخص کہنے لگا کہ جب سے میں نے گیارہویں شریف چھوڑی ہیں اس وقت سے مجھ پر آفتیں آنی ہونا شروع ہوگئیں۔ استغفر اللہ! میرا یہ مطلب اس سے نہیں ہے کہ بزرگوں کو ایصال ثواب نہ کرو۔ مطلب

یہ ہے کہ اپنا عقیدہ خراب نہ کرو بلکہ اس نیت سے ایصال ثواب کرو کہ انہوں نے ہمارے ساتھ دینی احسان کیا تھا ہم اُن کو ثواب پہنچائیں باقی یہ بات کہ ان سے ہمیں مال یا اولاد ملے گی یہ کچھ نہ ہونا چاہئے اور غور کر کے دیکھو کہ اس نیت سے ایصال ثواب کرنا کیسی بے ادبی ہے۔ دیکھو اگر تمہارے پاس کوئی شخص مٹھائی لے کر آوے اور پیش کرنے کے بعد کہے کہ جناب آپ سے میرا فلاں کام ہے تو تمہارے دل پر کیا اثر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ خوشی اس کے مٹھائی لانے سے تم کو ہوئی ہوگی۔ وہ سب خاک میں مل جاوے گی اور سمجھو گے کہ یہ سب خوشامد اسی غرض کے لئے تھی۔ دوسرے جب وہ حضرات اپنی زندگی میں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی نہ رکھتے تھے تو اب مرنے کے بعد کیوں ان کو دلچسپی ہوگی تو ایمان کی درستگی جب ہوگی کہ اس قسم کی ساری باتوں سے توبہ کرو، دوسری چیز ہے عمل صالح۔ اس کے متعلق یہ حالت ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے بلکہ عقائد کی درستی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ جب عمل نہیں تو نری عقائد کی درستی کیا کرے گی اور جو لوگ عمل کو ضروری بھی سمجھتے ہیں تو صرف دیانات روزہ نماز وغیرہ کو باقی معاملات تو بالکل خراب ہیں۔ میں نے بہت سے متقی ایسے دیکھے ہیں کہ ان کے معاملات نہایت گندر گند ہیں۔ خدا جانے کیسا تقویٰ ہے کہ وہ کبھی ٹوٹتا ہی نہیں گویا بی بی تمیزہ کا وضو ہے کہ بس ایک دفعہ کر کے عمر بھر کو چھٹی ہوگئی۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے معاملات بھی اچھے ہیں لیکن اخلاق نہایت خراب ہیں۔ نہ خدا کی محبت، نہ خوف، نہ توکل، نہ صبر وشکر، نہ توحید بلکہ ان کے بجائے تکبر ریا عجب حسد کینہ وغیرہ سے پُر ہیں یہ حال ہے کہ ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل — واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — وازدرونت ننگ میدارد یزید

(اوپر سے تو کافر کی قبر کی طرح مزین اور اندر اللہ کا عذاب ہے اوپر سے تم حضرت بایزید رحمہ اللہ پر طعنہ کرتے ہو اور اندر یزید کی طرح ہے)(طریق القلب)

وساوس کا علاج

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ہمارے دلوں میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جانا پسند کرتے ہیں اُن کو زبان پر لانے سے۔ تو دیکھئے صحابہ کیسے پریشان آئے تھے۔ مگر قربان جائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کہ کیسی تسلی فرمائی ہے۔ فرمایا:

اَوَجَدْ تُمُوْهُ ذَاکَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ (سنن الترمذی: 1955، مسند أحمد 2:258، مشکوۃ المصابیح:3025) کیا تم کو وسوسے آنے لگے یہ تو ایمان خالص کی علامت ہے۔ کیونکہ کفار کو شیطان وسوسہ نہیں ڈالتا۔ اس لئے کہ وہ تو سر تا پا اس کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ اُن کے دل میں وساوس ڈالنے کی کیا ضرورت ہے معاصی یا کفر کے وساوس سے اُن کو پریشانی کیا ہوتی۔ وہ تو پہلے ہی سے کافر ہیں ہاں مسلمان یا متقی کے دل میں معاصی یا کفر کے وساوس ڈال کر ان کو پریشان کرتا ہے۔ کیونکہ یہ گناہ اور کفر سے بچنا چاہتا ہے تو شیطان اُن کو پریشان کرتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صریح ایمان ہے۔ اب بتلایئے ایک پریشان شخص کے دل پر اس جملہ سے کیسی ٹھنڈک پہنچی ہوگی۔ (الوصل والفصل ج ۱۵)

مشیت خداوندی

ارادہ بھی تو خدا تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے یعنی بدوں خدا کی مشیت کے تو یہ ارادہ بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ پہلے خدا کی مشیت ہوگی۔ پھر بندہ کا ارادہ ہوگا۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے۔

وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اور تم بدوں خدا کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ ۱۲ جامع۔

تو اصل یہ ہے کہ بے شک بندہ ارادہ اُسی وقت کرتا ہے جب خدا کی مشیت ہو اور بدوں خدا کی مشیت کے بندہ ارادہ نہیں کرسکتا۔ مگر تم کو تو پہلے سے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت نہ ہوگی بس تم مشیت کر کے تو دیکھو اور چاہ کر دیکھو جب تم اپنی مشیت پوری کرلو اور اس وقت بھی اگر خدا کی مشیت نہ ہو تب بے شک تم مجبور سمجھے جاؤ گے بس تمہاری مشیت خدا تعالیٰ کی مشیت کی دلیل انی ہوگی یعنی قبل سے تمہیں کیا معلوم کہ خدا کی مشیت نہیں ہوگی یہ تو بعد میں معلوم ہوگا اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس وقت تمہاری طرف تمہارا نہ کرنا یہ دلیل لمی ہے تمہاری بدمعاشی اور شیطنت کی کیونکہ اس وقت تمہیں خدا کی عدمِ مشیت کی کیا خبر، غرض اگر مشیت کے وجوہ یا عدم کی ایسی ہی تحقیق مطلوب ہے تو تم مشیت کر کے دیکھو کہ خدا کی مشیت ہوئی یا نہیں۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ مشیت ہوئی اور بدوں اپنی مشیت کے تم نے مشیت حق کی نفی کا کیسے حکم لگا دیا۔ یہ تو تحقیقی جواب ہے۔

اور الزامی جواب یہ ہے کہ مشیت الٰہی عام ہے دنیوی اور اُخروی تمام افعال کو تو جیسا اُخروی افعال میں یہ عذر ہے کہ اگر حکمِ خداوندی ہوگا اور خُدا کی مشیت ہوگی تو کارِ خیر کرلیں

گے تو دنیاوی افعال میں بھی ایسا ہی کیا کرو۔ مگر دنیاوی افعال میں تو ایسا نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق مقصود نہیں ہے۔ محض شرارت ہے۔ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

مسئلہ تقدیر

مسئلہ تقدیر ظاہر تو ایک معمولی بات ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے سب پہلے سے تجویز ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پہلے سے سب لکھ دیا ہے اب واقعات میں اس کا اثر دیکھنا چاہئے۔ مثلاً دو ایسے شخص لئے جائیں جن کے لائق فائق بیٹوں کا علاج کی غلطی سے انتقال ہو گیا ہو اور اُن میں سے ایک تو تقدیر کا قائل ہے۔ دوسرا منکر ہے منکرِ تقدیر کی تو یہ حالت ہوگی کہ وہ بار بار حسرت کرے گا کہ طبیب یا ڈاکٹر سے تشخیص میں غلطی ہوگئی۔ اور علاج میں کوتاہی ہوگئی۔ اگر فلاں شخص سے علاج کرایا جاتا تو ضرور بچ جاتا یا فلاں دوا دی جاتی تو یہ ہلاک نہ ہوتا اور دوسرا شخص جو قائل تقدیر ہے۔ ممکن ہے کہ طبعی طور پر کبھی اُس کو بھی طبیب یا طریقہ علاج کی غلطی کا خیال ہو مگر وہ پھر وہ یہ سمجھے گا کہ یہ غلطی تو لازم تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس کے لئے اتنی ہی عمر لکھی تھی۔ یہی وقت اس کی موت کے لئے مقدر تھا۔ اس واسطے اُس کے سامان پیدا ہونا ضروری تھے۔

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود (جب موت آتی ہے تو طبیب نادان بن جاتا ہے)

اور اس وقت جو بھی دوا دی جاتی وہ نفع کے بجائے نقصان ہی کرتی۔ تو اس شخص کو طبیب وغیرہ کی غلطی سے حسرت نہ ہوگی۔ کہ ہائے یوں ہوتا تو ضرور اچھا ہو جاتا۔ بلکہ تقدیر کے اعتقاد سے بہت جلد سکون ہو جائے گا کہ یوں ہونا تو ضروری ہی تھا۔ اور دوسرے کی حسرت کبھی ختم نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ اسی خیال میں رہے گا کہ ہائے اگر یوں ہوتا تو ضرور نفع ہوتا۔ تبدیلی آب و ہوا کی جاتی تو ضرور مریض بچ جاتا۔ اسی اگر مگر میں اس کا دل ہمیشہ کڑھتا ہی رہے گا۔ اسی کے متعلق حدیث میں ہے۔

اِيَّاكُمْ وَاللَّوْ فَاِنَّهَا مَطِيَّةُ الشَّيْطَان

(بچو! تم اگر مگر سے کیونکہ وہ شیطان کی سواری ہے)

اس میں مطلق لَو کی ممانعت نہیں بلکہ اُسی لو کی ممانعت ہے جو واقعات ماضیہ میں بطور حسرت کے استعمال کیا جاتا ہے۔ لو کان کذا لکان کذا۔ کہ اگر یوں کیا جاتا تو یہ نتیجہ ہوتا۔ ارے احمق! جب وہ قصہ رفت و گزشت ہوا۔ تو اب اسکے متعلق اس اگر مگر سے

فائدہ کیا کیا۔ تمہاری اگر مگر سے مُردہ زندہ ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں بس سوائے اس کے کہ شیطان اس طریقہ سے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ (الصحات فی الاوقات ج ۱۵)

ہر چیز اپنے درجہ میں

صاحبو! ہم لوگ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل سنت والجماعت ہیں' ہمارے نزدیک ہر ایک چیز اپنے درجے پر ہے' علم اپنے درجے پر ہے اور عمل اپنے درجے پر ہے اور یہ نہ سمجھو کہ ترکِ عمل گناہ صغیرہ ہے اس لیے قابل توجہ نہیں کیونکہ اول تو یہ گناہ صغیرہ نہیں بلکہ کبیرہ ہے۔ دوسرے اگر بالفرض صغیرہ بھی ہوتا تب بھی قابل توجہ تھا اس لیے کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی مثال چھوٹی چنگاری اور بڑے انگارے کی سی ہے یعنی جس طرح ایک بڑا انگارا غفلت ہونے کی صورت میں قصر عالیشان کو خاکستر بنا دینے کے لیے کافی ہے اسی طرح اگر چنگاری بھی تھوڑی مدت میں اس انگارے کی برابر بلکہ اس سے زائد کام کر سکتی ہے اور اگر اب بھی کسی صاحب کو گناہ صغیرہ کے قابل ترک ہونے میں تامل ہو تو وہ مہربانی کر کے ایک چھوٹی چنگاری اپنے گھر کے چھپر میں رکھ کر دیکھ لیں۔ صاحبو! سچ کہتا ہوں کہ تمہارے قصر ایمان کے لیے گناہ صغیرہ ایسا ہی ہے جیسے چھپر کے لیے چھوٹی چنگاری اور یہ گفتگو علی سبیل التنزل تھی ورنہ جیسا پہلے کہا جا چکا ہے ترک عمل صغیرہ نہیں' کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ شریعت کے خلاف وضع رکھنا یا رشوت لینا عدل نہ کرنا چوری کرنا ہمیشہ داڑھی منڈوانا ٹخنوں سے نیچے یا ٹخنوں کی برابر پاجامہ پہننا معاصی صغیرہ ہیں۔ کبھی نہیں البتہ کفر سے کم ہیں لیکن جو چیزیں کفر سے کم ہوں ان سے بے فکری کی اجازت مل جانا ضروری نہیں۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود　　لیک بس عالیست پیش خاک تود

(عرش الٰہی کے لحاظ سے تو آسمان نیچے ہے مگر مٹی کے ڈھیر اور پہاڑوں سے بہت بلند ہے)

(حب العاجلہ ج ۱۸)

توحید و رسالت

ایک مسلمان نے ایک مجمع میں کہا کہ توحید پر مدار نجات ہے۔ رسالت کا اقرار کوئی ضروری مسئلہ نہیں ہے اگر اس کا کوئی منکر بھی ہو تو اس کی نجات ہو جائے گی میں نے جواب

میں کہا کہ توحید کو تو موقوف علیہ نجات کا مانا جاتا ہے اب سمجھو کہ توحید کی حقیقت کیا ہے؟ سو توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ہم ایسا معبود ایک مانیں کہ نہ اس کا کوئی شریک و سہیم ہو نہ کمالات میں کوئی حالت منتظرہ اس میں باقی ہو نہ عیوب میں سے کوئی عیب اس کے اندر پایا جاتا ہو۔ اگر کوئی عیب خدا میں کوئی مانے وہ توحید کا منکر ہوگا اور من جملہ عیوب کے ایک عیب وقوع کذب بھی ہے لہٰذا جس میں کذب پایا جائے گا وہ خدا نہ ہوگا اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''محمد رسول اللہ'' تو جو شخص آپ کو رسول نہ مانے اس نے خدا کو کاذب کہا اور جو کاذب کہے وہ موحد نہیں۔ پس جو شخص آپ کو رسول نہ مانے وہ موحد نہیں پس انکار رسالت مستلزم ہے انکار خدا کو تو ثابت ہوا کہ منکر رسالت کو تمہارے ہی قاعدے سے نجات نہیں ہو سکتی اور میں نے کہا کہ قیامت تک اس کے جواب کی مہلت دیتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ غرض ان لوگوں کا مذہب محض ان کی توہم ہے۔ (حب العاجلہ ج ۱۸)

چنانچہ ارشاد ہے: ''اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ'' (لذتوں کو ختم کر دینے والی یعنی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو) اس حدیث کے الفاظ خود غور کرنے کے قابل ہیں کہ اول موت کی صفت کو بیان کیا اس کے بعد موت کے نام کی تصریح فرمائی جس سے اس امر اکثروا کی حکمت دریافت ہوگئی۔ یعنی موت زیادہ یاد کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے لذات کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور سہل ترکیب اس کے یاد کرنے کی یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے مراقبہ موت کیا کرے اور سوچا کرے کہ ایک دن میں مروں گا' دوزخ اور جنت میرے سامنے پیش کی جائے گی' اگر میں گنہگار مروں گا تو جنت کو مجھ سے چھپا لیا جائے گا اور تا قیامت مجھ کو عذاب قبر ہو جائے گا' پھر قیامت آئے گی اور سب کے نامہائے اعمال ان کو دکھلائے جائیں گے' اس کے بعد حساب ہوگا' اگر خدانخواستہ میری ناشائستہ حرکات بڑھ گئیں تو فرشتے کشاں کشاں مجھے جہنم کی طرف لے جائیں گے وغیرہ وغیرہ اس مراقبے سے ان شاء اللہ تعالیٰ انہماک فی الدنیا کا مرض بالکل زائل ہو جائے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کرے کا اس کو شہادت حاصل ہوگی مگر موت کے یاد کرنے کے یہ معنی نہیں کہ لفظ موت کو بیس دفعہ دہرا لیا جائے اس لیے کہ موت کو یاد کرنے سے شہادت کا درجہ حاصل ہونے کی

وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو بالکل سونپ دے گا اور تسلیم کر دے گا اور اس کے حظوظ نفسانی بالکل چھوٹ جائیں گے اور یہ ان لوگوں میں ہوگا کہ:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

(جو لوگ تسلیم و رضا یعنی عشق کی تلوار کے مارے ہوتے ہیں غیب کی جانب سے ہر گھڑی ان کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے)

بس موت کو یاد کرنا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہ تقسیم تو اہل دنیا کے حالات کے اعتبار سے تھی۔

عقائد کی اہمیت

عقائد جیسے خدا تعالےٰ نے بیان فرمائے ویسے ہی رکھے جائیں لیکن ان میں بھی بہت فساد آ گیا اور ان کو جو کچھ خراب کیا جہالت نے کیا، عورتوں میں تو عام رواج ہے کہ پڑھنے پڑھانے کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتیں، جس کی طبیعت بچپن سے جس طرف کو چل جائے اسی طرح چھوڑ دی جاتی ہے۔

کیوں بیبیو! اپنی لڑکیوں کو کھانا پکانا، سینا پرونا کیوں سکھلاتی ہو ان کاموں میں بھی ان کو اپنی طبیعت پر چھوڑ دو پھر دیکھو بڑے ہو کر کیا لطف آتا ہے، ان کو اپنی زندگی کا ناد شوار ہو جائے گی حالانکہ دنیا کی زندگی بہت محدود ہے۔ فرض کرلو کہ سو برس تک جئے گی اگر کھانا پکانا سینا پرونا نہ بھی جانتی ہوگی تو آرام وعزت سے نہیں تکلیف اور ذلت سے ہی کسی طرح اس عمر کو کاٹ ہی لے گی۔ لیکن زندگانی آخرت بلا وہاں کے کام سیکھے ہوئے نہ کٹے گی، کیونکہ وہ دائمی ہے۔

جب تم دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے اتنے ہنر سکھانے کی ضرورت سمجھتی ہو تو اس زندگانی کی نسبت کیا خیال ہے جو اس سے کہیں زیادہ اور دشوار ہے۔ از روئے قاعدہ اگر محدود زندگی کے لئے دس ہنروں کی ضرورت ہے تو غیر محدود کے لئے ہزاروں ہنروں کی ضرورت ہونی چاہئے مگر افسوس ہے کہ ہزاروں کی جگہ سینکڑوں بھی نہیں بلکہ اتنے بھی نہیں جتنے کہ دنیا کے لئے سکھلائے جاتے ہیں۔ آخرت کے بارہ میں لڑکیوں کو بالکل مخلّٰے بالطبع چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (منازعۃ الھوی ج ۲۰)

شادی کی رسومات

نجومیوں اور پنڈتوں سے ساعت پوچھ کر بیاہ رکھا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کوئی ساعت نحس آن پڑے اور یہ خبر نہیں کہ نحس حقیقی ساعت کون سی ہے۔

نحس حقیقی وہ ساعت ہے جس میں حق تعالیٰ سے غفلت ہو جس وقت میں آپ نے نماز چھوڑی اس سے زیادہ نحس کون وقت ہو سکتا ہے اور جو اشغال نماز چھوڑنے کے باعث بنے ان سے منحوس شغل کونسا ہو سکتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیطَانُ اَن یُوقِعَ بَینَکُم العَدَوَاۃَ وَالبَغضَاءَ فِی الخَمرِ وَالمَیسِرِ وَیَصُدَّکُم عَن ذِکرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَل اَنتُم مُنتَھُونَ.

ترجمہ: شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈالدے اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکدے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ایک یہ کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈالدے گا، دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روکدے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ عداوۃ اور بغضاء اور نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہیں اسی واسطے اس کی شرح میں فرماتے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کُلُّ مَا اَلھَاکَ عَن ذِکرِ اللّٰہِ فَھُوَ مَیسِرٌ

یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کرے وہ سب جوا ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظ میں تو اس کو جوا نہیں کہتے حدیث میں جو اس کو جوا فرمایا گیا وہ باشتراک علت ہے اس میں تصریح ہوگئی کہ: نَھٰی عَنِ الخَمرِ وَالمَیسِرِ کی علت الہاء عن ذکر اللہ ہے۔

پس جہاں الہاء عن ذاکر اللہ پایا جاوے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر ہوگا۔ اب اس سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔ (منازعۃ الھویٰ ج ۲۰)

مسئلہ تقدیر

اگر خدا تعالیٰ کے سامنے یہ جواب کافی ہے کہ ہم سے جو گناہ صادر ہوئے ہیں تو ہم کیا کرتے آپ نے مقدر میں یہی لکھ دیا تھا تو یہ جواب آپ کے غلام اور نوکر اور اولاد کی نافرمانی کے وقت بھی آپ کے مقابلہ میں کافی ہونا چاہئے جب غلام یا نوکر آپ کی نافرمانی کرے یا اس کے ہاتھ سے کوئی نقصان ہو جائے تو اس کو سزا ہرگز نہ دیا کرو بلکہ تقدیر کو کافی جواب سمجھا کرو کہ غریب معذور ہے اس کی تقدیر میں یہی عمل تھا۔ اسی طرح اولاد اگر تعلیم حاصل نہ کرے لڑکا اسکول سے بھاگتا ہو تو اس کو تنبیہ نہ کیا کرو بس صبر کرلو کہ اس کی تقدیر میں

یہی ہے۔ یہ کیا بات کہ یہاں تو باوجود اعتقاد تقدیر کے آپ کو صبر نہیں آتا بلکہ اول پوری تدبیر سے کام لیتے ہو بچہ کو سزا دیتے ہو لالچ بھی دیتے ہو جب کوشش کرتے کرتے تھک گئے اس وقت تقدیر پر صبر و شکر کر کے بیٹھتے ہو اور خدا کے سامنے عذر تقدیر کو کافی جواب سمجھتے ہو اگر تقدیر پر بھروسہ کر کے دین کے اعمال سے بے فکری اختیار کی جاتی ہے اور اپنے کو بدعملی میں بے قصور سمجھا جاتا ہے تو دنیا کے کاموں میں بھی تدبیر کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اپنے ماتحتوں پر کسی غلطی کی وجہ سے گرفت نہ کرنا چاہئے ان کو بھی بے خطا بے قصور سمجھنا چاہئے۔ صاحبو! اس طریقہ کو چھوڑ و تم خدا تعالیٰ پر ہرگز الزام قائم نہیں کر سکتے بخدا وہ ہر مجرم شخص کو لاجواب اور قائل کر کے سزا دیں گے کسی کو ایسے حال میں سزا نہ دی جائے گی وہ اپنے کو بے قصور سمجھتا ہو۔

پس تم باتیں نہ بناؤ باتوں سے کام نہ چلے گا۔ عمل ہی سے کام چلے گا۔ ارے اگر کسی کے لئے پھانسی کا حکم ہو گیا ہو تو اس کو بجائے پھانسی کے علت کی تحقیق کے اور اس علت میں شبہات کے مراحم خسروانہ کی تفتیش و تلاش کرنا چاہئے اس سے تو کچھ کام چلے گا پھانسی کی علت کی تحقیق سے کیا کام چل سکتا ہے۔ (غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

عقیدہ توحید نجات کے لئے کافی نہیں

صرف توحید کا قائل ہونا نجات کیلئے کافی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی ضروری ہے مسلمانوں کے مجمع میں یہ مضمون بھی مستنبط کرتے ہوئے شرم آتی ہے مگر افسوس کہ آج کل مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو رسالت کے ماننے کو ضروری نہیں سمجھتے ایک صاحب نے لکھا کہ اصل مقصود توحید ہے۔ اگر کوئی نبوت کا منکر ہو تو وہ ناجی ہے اس کے آگے اور ترقی کی ہے کہ بلکہ جو توحید کا منکر ہو وہ بھی ناجی ہے۔ کیونکہ توحید امر طبعی ہے امر طبعی کا کوئی منکر ہو نہیں سکتا جو زبان سے اس کا انکار کرتا ہے وہ بھی درحقیقت اس کا قائل ہے خیال کیجئے کہ کیا آفت نازل ہو رہی ہے ایک صاحب اس مسئلہ کے قائل مجھے ملے ہیں میں نے اس سے کہا کہ اس کے تو آپ قائل ہیں کہ بدوں توحید کے نجات نہیں مخصوص نبوت کے مسئلہ میں آپ کو کلام ہے تو سنئے توحید بغیر نبوتؐ کے مانے ہوئے ہو نہیں سکتی۔ پس نبوت کا انکار کر کے توحید بھی نہ رہے گی کیونکہ توحید کے معنی ہیں حق تعالیٰ کو جمیع صفات کا کمال

کے ساتھ متصف ماننا اوران میں سے ایک صفت صدق بھی ہے، تو جب خدا تعالیٰ نے فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ نے انکار کیا نبوت کا تو انکار کیا اس فرمان کا اور اس کا انکار صفت صدق کا انکار ہے توحید کا انکار ہو گیا۔ (اجابۃ الداعی ج۲۱)

ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے

عمل صالح تو ایمان کے لئے لازم غیر منفک (جدا نہیں) ہے کہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں دیکھو اگر حاکم کہے کہ رعیت نامہ داخل کر دو تو اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون پر عمل بھی کرنا میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی شخص نے قاضی کے کہنے سے کہا کہ کیا میں نے اس عورت کو قبول کیا کچھ دنوں تک دعوتیں ہوتی رہیں اس لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوئی لیکن دو چار روز کے بعد نمک لکڑی کی ضرورت ہوئی تو بیوی نے فرمائش کرنی شروع کیں۔ اب وہ گھبرایا اور پہلوتہی کرنی شروع کی جب بیوی نے بہت دق کیا تو کہنے لگا سنو بیوی میں نے صرف تمہیں قبول کیا تھا نمک لکڑی کو قبول نہیں کیا تھا تو اگر آپ کے سامنے اس کا فیصلہ آوے تو آپ فیصلہ میں کیا کہیں گے ظاہر ہے کہ بیوی کا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے تو اسی طرح ایمان لانا سب چیزوں کا قبول کرنا ہے اس لئے اٰمَنُوْا بِہٖ (اس پر ایمان لاؤ) کہنا کافی ہو گیا اور وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اور نیک کام کرو) کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے گا اس کو سب کچھ کرنا پڑے گا (اجابۃ الداعی ج۲۱)

ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ اور تصرف تام ہے:

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لفظ میراث اس لئے فرمایا کہ اگر ملک فرماتے تو شبہ ہو سکتا تھا کہ بظاہر ملک تو ہماری ہے اس لئے علی سبیل التسلیم ارشاد ہے کہ اگر مان لیا جاوے کہ تمہاری ملک ہے تو جب تم سب مر جاؤ گے پھر بتلاؤ اس وقت یہ سب چیزیں کس کی ملک ہونگی اس وقت تو سب ہماری ہیں پھر ہم سے کیوں دریغ کرتے ہو (التوکل ج۲۱)

اسباب کو مؤثر حقیقی سمجھنا کفر ہے

اللہ کے بندوں میں بہت سے متوکل عملاً بھی ہیں اور یوں علماً اور اعتقاداً تو سب ہی

مسلمان متوکل ہیں یعنی اس بات کا اعتقاد ہر مسلمان کو ہے کہ جو کچھ عالم میں ہوتا ہے وہ موثر حقیقی کی طرف سے ہوتا ہے اور اسباب کا تعلق مسببات سے محض ظاہری تعلق ہے کوئی مسلمان بھی اس اعتقاد سے خالی نہیں ہے اور اگر خالی ہو تو وہ مسلمان نہیں کافر ہے چنانچہ افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں بعض نام کے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ اسباب کو مؤثر حقیقی جانتے ہیں سو یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں۔ (التوکل ج ۲۱)

جیسے ترک اسباب میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے اسی طرح اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی ہونا چاہیے غرض کسی وقت مسبب سے غفلت نہ ہو، ایک بزرگ کہتے ہیں ؎

عقل دراسباب می دارد نظر　　　عشق می گوید مسبب رانگر

(عقل اسباب پر نظر رکھتی ہے اور عشق مسبب پر نظر رکھتا ہے)

یعنی اسباب سے نظر متجاوز کر کے خالق الاسباب کو دیکھو اسباب پر جس طرح اعتقاداً نظر نہیں ہے حالاً بھی نظر نہ ہو مثلاً ایک شخص لکڑی سے کسی کو مار رہا ہے تو جو کوتاہ بین ہے وہ تو کہے گا لکڑی مار رہی ہے اور جس کی نظر اس سے آگے ہے وہ کہتا ہے کہ بے وقوف لکڑی کیا مارتی ہے ہاتھ مارتا ہے اور حقیقت میں ضارب کی طرف نسبت کرے گا۔ پس اسباب کو ایسی حیثیت سے مت دیکھو جس حیثیت سے اس ظاہر بیں شخص نے لکڑی کو دیکھا مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے　　　یک دہاں پنہان ست در لبہائے وے

یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما　　　ہائے وہوئے درفگندہ در شما

(بانسری کی طرح ہم دو منہ رکھتے ہیں ایک منہ اس کے لبوں میں چھپا ہوا ہے اور دوسرے منہ کا رخ تمہاری طرف ہے اور اس سے ہائے ہو کا شور برپا ہو رہا ہے) (التوکیل ج ۲۱)

تدبیر کے وقت اللہ پر نظر رکھنے کا حکم

لیکن آیت کو ختم فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ پر جس سے مفہوم ہوا کہ تدبیر تو کرے لیکن اصل مقصود تدبیر کے وقت بھی توکل اور خدا پر نظر رکھنا ہے تدبیر کی مشروعیت کی علت تو محض ہمارا ضعف ہے اور اظہار ہے غایۃ افتقار کا کہ اے اللہ ہم ایسے مضبوط نہیں ہیں کہ آپ کی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج نہ ہوں۔

دل میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ٹٹولنے کا معیار

ٹٹول کر دیکھو کہ دل میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہے یا بیوی بچوں کی شاید تم کہو کہ تعارض آثار سے دونوں طرف ذہن جاتا ہے اس کا معیار بتلاؤ جس سے فیصلہ کیا جائے تو وہ معیار یہ ہے جس معاملہ میں ایک طرف اللہ اور رسول کا حکم ہو اور ایک طرف اپنے نفس کی یا بیوی بچوں کی خواہش ہو تو اس وقت یہ دیکھو کہ تم کس کو ترجیح دیتے ہو اگر تم نے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ترجیح دی تو بے شک تم کو اللہ ورسول کی محبت ہے گو جوش وخروش نہ ہو کیونکہ محبت کے الوان ہیں اس کو صوفیہ نے اچھی طرح سمجھا ہے ورنہ اہل ظاہر تو سب کو کافر ہی بنا دیتے کیونکہ ان کے نزدیک تو محبت جوش وخروش ہی کا نام ہے اگر جوش نہ ہو تو ان کے نزدیک محبت ہی نہیں تو وہ سب کو محبت سے خالی کہتے۔

شیخ کا فرض منصبی خواب کی تعبیر دینا نہیں

کیونکہ ان کا فرض منصبی یہ نہیں ہے کہ تعبیریں دیا کریں بلکہ ان کا اصلی کام تو قرب خداوندی کا طریق تعلیم کرنا ہے اس کے سوا اور کسی قسم کا عقیدہ خواب کے متعلق نہ رکھنا چاہئے۔ اسی طرح آجکل بزرگوں سے سفارش کراتے ہیں اور اس باب میں بھی عام غلط فہمی ہو رہی ہے۔

ہر شئی دراصل ملک خداوندی ہے

یہ سب ملک خداوندی ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں امانت ہیں جن کی آمد وصرف میں ہم بالکلیہ مختار نہیں بلکہ مثل امین کے ہیں کہ جہاں سے لینے کا حکم ہو گیا وہاں سے لے سکتے ہیں اور جہاں صرف کرنے کا حکم ہوگا اسی جگہ صرف کر سکتے ہیں۔ ذرا انصاف کیجئے کہ ایک شخص کی زمین ہو اسی کے بیل ہوں، اسی کا تخم ہو تو پیداوار کس کی ہوگی ظاہر ہے مالک زمین کی ہوگی پھر اگر وہ اس میں سے خرچ کرنا چاہیں اور نوکر کا جی دکھے تو یہ حماقت ہی نہیں اگر نوکر کو گرانی ہو تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا زمین تمہاری ہے یا بیل تمہارے ہیں یا تخم تمہارا ہے۔ جب کچھ بھی تمہارا نہیں تو مالک کے حکم کے خرچ کرنے میں جان کیوں نکلتی ہے۔ بعینہ یہی مثال ہماری ہے کہ یہ اموال جو ہمارے ہاتھ میں ہیں درحقیقت ہمارے نہیں کیونکہ زمین

کو ہم نے نہیں پیدا کیا وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پانی ہم نے نہیں برسایا خدا ہی کی رحمت سے بارش ہوتی ہے۔ آفتاب ہم نے نہیں بنایا جس کی تپش سے کھیتی پکتی ہے۔ بیل وغیرہ ہمارے پیدا کئے ہوئے نہیں جن سے ہل جوت کر تخم پاشی کرتے ہیں۔ تخم ہمارا پیدا کیا ہوا نہیں پھر پیداوار ہماری کدھر سے ہوگئی وہ بھی خدا ہی کی ملک ہوگی ہم صرف اس کے نوکر ہیں جو اس کے حکم مطابق اس میں تصرف کرنے کے مامور ہیں۔ چاندی اور سونا معدن سے نکلتا ہے جس کی تکوین میں ہم کچھ بھی نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ شانہ، اپنی قدرت سے معدن میں ان چیزوں کو پیدا فرمادیتے ہیں ہم وہاں تخم پاشی بھی جا کر نہیں کرتے تو وہ بھی خدا کی ملک ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ ہاتھ پیر تو ہمارے جو کام ہم ان سے کرتے ہیں وہ ہماری ملک ہونی چاہئیں تو سمجھو کہ حقیقت میں بھی یہ حق تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اسی طرح وہ قوت جس کے ذریعہ سے آپ کام کرتے ہیں وہ بھی بالکل آپ کے اختیار سے باہر ہے خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہ تھا کہ وہ آپ کو قوت عطا ہی فرماتے ممکن تھا کہ آپ کو اپاہج پیدا کرتے یہ بھی ممکن تھا کہ آپ کو ہاتھ پیر عطا ہی نہ فرماتے لنجا منڈا پیدا کردیتے تو پھر یہ ہاتھ پیر بھی انہیں کی ملک ہوئے ہمارا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ اب آپ سمجھیں گے کہ جو شخص اموال کو اپنی ملک سمجھتا ہے وہ احمق ہے ہمارے اعمال بدنی بھی جیسے کہ نماز روزہ ہماری ملک نہیں کیونکہ ہی بدن کے کھیت کی پیداوار ہیں جب کھیت ہمارا نہیں تو پیداوار ہماری کہاں سے ہو جائے گی۔ آپ ناز کرتے ہیں کہ ہم تجارت کرتے ہیں کھیتی کرتے ہیں اس قدر غلہ ہماری ملک ہے اس قدر روپیہ ہمارا مملوک ہے لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ جن چیزوں کے ذریعہ سے یہ حاصل ہوئے ہیں یہ کس کی ملک ہیں تب حقیقت معلوم ہوگی تو حالت یہ ہے۔ ؎

تو ادی ہمہ چیز و من چیز تست

(تو نے سب چیزیں عطا فرمائیں اور میری سب چیزیں آپ کی ہیں)

ثبوت وجود باری تعالیٰ پر ایک لطیفہ

مجھے ایک لطیفہ اپنے ماموں صاحب کا یاد آیا کہ وہ ایک مدرسہ میں ملازم تھے وہاں ایک ممتحن لا مذہب آیا اور بچوں سے پوچھا کہ خدا تعالیٰ کے وجود کی کیا دلیل ہے ماموں صاحب نے کہا بچوں سے کیا پوچھتے ہو مجھ سے پوچھو اس نے کہا آپ ہی بتلایئے۔ انہوں

نے جواب دیا کہ دلیل یہ ہے کہ تم نہ تھے اور ہو گئے۔ اس نے کہا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر سلسلہ ختم نہ ہو تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے اور اگر سلسلہ ختم کرو گے تو اس کو کس نے پیدا کیا اس کا تو کچھ جواب اس سے نے بن پڑا کہنے لگا کہ یہ منطقی دلائل نہیں جانتے موٹی بات یہ ہے کہ ہمارے ایک آنکھ ہے تو اس سے کہو کہ ہماری آنکھ درست کر دے۔ ماموں صاحب بڑے ظریف تھے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ذرا دیر کے بعد کہنے لگے میں نے خدا تعالیٰ سے کہا تھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنکھ بنا دی تھی اس نے ہمارے وجود کا انکار کیا مجھ کو غصہ آیا میں نے آنکھ پھوڑ دی اب اسی سے کہو کہ اپنے ماں باپ سے بنوا لے وہ بہت بگڑا مگر کچھ کر نہیں سکا خیر میں نے یہ قصہ اس تائید میں بیان کیا تھا کہ جان کے بارہ میں کسی کا کوئی دخل نہیں اس لئے جان بھی حق تعالیٰ ہی کی ملک ہے۔ (القرض ج ۲۱)

قمری کو منحوس سمجھنا فاسد عقیدہ ہے

خواتین قمری کو منحوس کہتی ہیں جہاں قمری بولی عورتیں کہتی ہیں دور دور اسے مسجد میں لے جاؤ ہمارا گھر ویران کرے گی' کیا خوب ویران کرنے کے لیے خدا کا گھر رہ گیا ہے یہ عجیب جہالت در جہالت ہے۔ اول تو اس کی اصل نہیں کہ وہ ویران کرتی ہے اور جب ویران کرنے کا خیال ذہن میں ہے تو اس کے لیے مسجد کو تجویز کیا جاتا ہے یہ عادت عورتوں کی اکثر باتوں میں ہے کہ جس چیز کو کوئی پسند نہ کرے وہ خدا کے نام کر دی جاتی ہے گھر میں کھانا بچتا ہے جب تک وہ کسی کام کا بھی رہے تو چاہے خود نہ کھائے مگر کسی کو نہیں دیں گے۔ جب وہ رکھے رکھے خراب ہو جائے گا تو کہیں گی لیجاؤ خدا کے واسطے دے دو۔ کپڑا جب پیوند لگا کر بھی پہننے کے قابل رہے اس وقت تک دل سے نہیں اترتا۔ جب وہ بالکل گودڑ ہو جائے تو کہتی ہیں مسجد کے ملا کو دے آؤ۔ بیبیو خوب سمجھ لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بھوکا یا ننگا نہیں ہے جس کو تمہارا سڑا بھسا کھانا' پھٹا کٹا کپڑا غنیمت معلوم ہوگا بلکہ اگر بہتر سے بہتر کھانا اور عمدہ سے عمدہ کپڑا جو ہم دیں اس کو قبول فرمالیں تو یہ ایک انعام اور احسان سمجھو' ہم کھانا کہاں سے لائے اور کپڑا کہاں سے آیا جس کو خرچ کرنے سے ہم انعام اور احسان سمجھیں ہم کھانا کہاں سے لائے اور کپڑا کہاں سے آیا جس کو خرچ کرنے سے ہم انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو کھانا دیا تو اگر ہم

نے خدا کی راہ میں دے دیا تو خدا تعالیٰ پر کیا احسان ہوا۔ کسی نے خوب کہا ہے:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(تفصیل الذکر ج ۲۲)

عورتوں کو منحوس سمجھنے کی حکایت

عورتیں بعض عورتوں کو منحوس سمجھتی ہیں جب کسی کی عورتیں مر مر جاتی ہوں تو چوتھی بیوی کو منحوس کہتی ہیں۔ ایک قصہ ہے کہ ایک مرد کی تین بیویاں مر گئیں، اس کی بہن نے چوتھا نکاح جب کرنا چاہا تو اس نحوست سے بچنے کے لیے پہلے ایک کپڑے کی گڑیا بنا کر اس سے نکاح پڑھایا۔ ایجاب وقبول سب اسی طرح ادا کیا گیا تا کہ چوتھی بیوی یہ ہو اور اس کے بعد ایک عورت سے نکاح کر دیا تا کہ یہ چوتھی نہ ہو کہ منحوس ہو۔ معاذ اللہ ان خرافات سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اس احمق سے یہ پوچھنا چاہیے کہ اگر چوتھی بیوی منحوس ہوتی ہے تو بیوی تو وہی ہے جس سے نکاح پڑھا جائے، کیا گڑیا سے نکاح واقعی نکاح ہو گیا جو یہ عورت پانچویں ہوئی کس نے ایجاب کیا اور کس نے قبول اور کون میاں اور کون بیوی، صرف شیطانی خیال ہے کہ اسی کو منکوحہ سمجھ لیا۔ اگر یہ تھا تو بلا نکاح کے ہی سمجھ لیا ہوتا کہ چوتھا نکاح ہو گیا۔ اور میں کہتا ہوں کہ چوتھی کا قصور کیا کہ وہ منحوس سمجھی جائے۔ اگر بیویوں کے مرنے میں کچھ دخل فرض بھی کیا جائے تو ان خاوند صاحب کو ہو سکتا ہے چوتھی بیوی کو جو بالقوہ بیوی ہے اس کا تو اب تک وجود بھی نہیں کہ اس نے ان تین کو مار ڈالا، قطع نظر شریعت سے اگر عقل سے ہی کام لیں تو ان خیالات کا غلط ہونا واضح ہو جائے، یہ عقائد میں ایجادیں ہوئیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

رسومات کی ادائیگی دراصل فساد عقیدہ ہے

رسموں کا کرنا درحقیقت فساد عقیدہ ہے اسی واسطے ان مفاسد میں بیان کیا گیا جو از جنس عقائد ہیں اور اگر از جنس عقائد بھی نہ ہوں اور مان لیا جائے کہ رسوم از جنس فساد اعمال ہیں تب بھی میں ایک خرابی ان میں ایسی بتاتا ہوں کہ بہت اندیشہ کی چیز ہے۔ یاد رکھئے کہ جس عمل پر مداومت کی جاتی ہے اس کا استنکار (دل سے اس کو برا سمجھنا) قلب سے نکل جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب کوئی کچہری میں نوکر ہوتا ہے اور اس کو موقع رشوت لینے کا ملتا ہے تو تنہائی میں بھی لیتے ہوئے شرماتا ہے اور منہ سے مانگنا تو کیسا پھر چند مرتبہ لینے کے

بعد وہ شرم نہیں رہتی بلکہ خود منتظر رہتا ہے کہ اب ملے گی مگر منہ سے مانگنے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور چندروز کے بعد مانگنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسا بے باک ہو جاتا ہے کہ سر بازار گردن پکڑ پکڑ کر وصول کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ رشوت لیتے لیتے عادی ہو گیا اور جو استنکار قلب میں تھا وہ جاتا رہا، ہر عمل کا یہی قاعدہ ہے کہ چندروز کی مشق سے استنکار قلب جاتا رہتا ہے اور جب استنکار جاتا رہا تو قلب کو اس کے چھوڑنے کا ارادہ اور خیال کیوں ہونے لگا بلکہ اور روز بدن اس عمل کی طرف میلان بڑھتا جائے گا اور برابر یہی حالت رہے گی۔ یہاں تک کہ موت آجائے گی اور خوف ہے کہ توبہ کی توفیق نہ ہو کیونکہ توبہ نام ہے ندامت اور پشیمانی کا اور پشیمانی اس کام سے ہو سکتی ہے جس کا استنکار قلب میں ہو یعنی قلب اس کو برا جانتا ہو اور یہ استنکار پہلے ہی جا چکا۔ یہ مفسدہ کس قدر اندیشہ کی چیز ہے اس کو وہ لوگ یادرکھیں جو کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسمیں ہیں تو بری ہی مگر شرما حضوری کر لیتے ہیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

مخلوق کو بڑا اور کارساز سمجھنا شرک ہے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے وہ بچ جائے، حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایک تو جیل خانہ سے رہائی پا رہا ہے اور یہ رو رہے ہیں کہ تو جیل خانہ سے کیوں نکلتا ہے تو بھی جیل خانہ سے نکلا چاہتا ہے وہ کہنے لگا حضرت میری روٹی کون پکائے گا، فرمایا! جی ہاں آپ ماں کے پیٹ سے نکلے تھے اس وقت بھی بیوی روٹی پکاتی ہوئی ساتھ آئی تھی میاں جس نے ماں کے پیٹ میں تم کو پالا وہ اب بھی پالے گا۔ ان باتوں پر تو حضرت ظرافت کے ساتھ باتیں کرتے رہے پھر اس نے کہا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھے اپنے ساتھ مدینہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا اب وہ انکار کرتا ہے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے مدینہ لے جائے، ظاہر میں یہ بات غصہ کی نہ تھی مگر حضرت کو اس پر غصہ آ گیا اور تیزی کے ساتھ فرمایا کہ بس بس ہمارے سامنے یہ شرک کی باتیں نہ کرو کیا وہی شخص لے جائے گا تو تم مدینہ پہنچو گے ورنہ نہیں پہنچو گے، مخلوق پر اتنی نظر توبہ کرو ہر چند کہ مخلوق پر نظر پہلی باتوں میں بھی تھی مگر وہاں مخلوق پر نظر تھی اس کے خادم ہونے کی حیثیت سے اور یہاں نظر تھی بڑا اور کارساز ہونے کی حیثیت سے اس لیے حضرت نے اس کو شرک کی بات فرمایا۔ مقصود یہ تھا کہ حضرت نے دنیا سے جانے کو جیل خانہ سے نکلنا

فرمایا' طبعی رنج ہونا قابل شکایت نہیں مگر ایسا رنج کہ پیٹ پھاڑنے لگے۔ یقیناً برا ہے تو یہ دنیا ذہاب کے وقت یہ غم دیتی ہے اور جب پاس ہوتی ہے اس وقت بھی تکدر کا سبب ہے کیونکہ سینکڑوں افکار اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ (المراقبہ ج۲۲)

مسلمان کبھی کافر نہیں ہوسکتا

مجھے حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بات یاد آئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ جو مسلمان ہوگیا وہ کافر کبھی نہیں ہوسکتا ہے اور یہ جو بعضے مسلمان آریہ وغیرہ ہوجاتے ہیں وہ حقیقت میں مسلمان ہی نہ تھے ان کو ایمان نصیب ہی نہیں ہوا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک شخص ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور اس کے دل میں ایمان نہ ہو کیونکہ زبانی دعوے سے دل میں ایمان کا ہونا لازم نہیں تو ممکن ہے کہ ایک مدعی اسلام عنداللہ مسلمان نہ ہو بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو لوگ مرتد ہوتے ہیں وہ عندالناس بھی مسلمان نہیں تھے اور ہم لوگوں کا ان کو مسلمان سمجھنا محض حسن ظن پر مبنی تھا کہ نیک گمان کی وجہ سے ہم نے ان کی حالت میں غور نہیں کیا اور اگر دعویٰ اسلام کی حالت ہی میں ان کے اقوال و افعال کو غور سے دیکھا جاتا تو ہم کو بھی معلوم ہوجاتا کہ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ (ذم النسیان ج۲۲)

ایمان کی حالت

حدیث میں بھی تو ہے کہ ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے دریافت کیا تھا کہ کیا اس دین کو اختیار کر کے کوئی شخص کراہت کے ساتھ اس کو چھوڑتا بھی ہے۔ حضرت ابوسفیان نے کہا نہیں ہرقل نے اس پر کہا "وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ اِذَا خَالَطَ بِشَاشَةِ الْقُلُوْبَ" یعنی ایمان کی یہی حالت ہوتی ہے کہ جب وہ قلوب میں پیوستہ ہوجاتا ہے پھر نہیں نکلتا کیونکہ ایمان ایک عشق ہے اور عشق اگر سچا ہو تو کبھی دل سے نہیں نکلتا حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی نہیں نکلتا جیسے کہ اگر کسی کو غیر اللہ سے محبت ہوجائے تو وہ بھی مر کر نہیں جاتی۔ اسی کو کہا ہے:

رفتم اندرتہ خاک انس بتانم باقی ست

(میں تہ خاک ہوگیا اپنے معشوقوں کی محبت باقی ہے)

اسی لیے اہل اللہ اپنے دل میں کسی جائز محبت کو بھی جمنے نہیں دیتے کیونکہ مرنے کے وقت اس محبوب کا خیال آئے گا اور ان کا اصل مدعا یہ ہے کہ جب دنیا سے جائیں تو اس وقت کسی کی محبت بجز خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں نہ ہو۔ اہل اللہ نے تو جنت کی بھی رغبت نہیں کی۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

شفیق ممتحن

حق تعالیٰ ہی کو تمہیں پاس کرنا منظور ہے پھر گھبرانا کاہے کا کیونکہ جب ممتحن کو پاس کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ مضمون کی تقریر خود کر کے طالب علم سے پوچھتا ہے کہ تمہارا یہی مطلب ہے وہ کہہ دیتا ہے جی ہاں بس پاس ہو گیا۔ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی نے گڑبڑ کی اور مولانا خود مطلب بیان کر کے فرماتے ہیں کہ تمہارا یہی تو مطلب ہے جس کو پوری طرح ادا نہیں کر سکے وہ کہتا جی ہاں اور مولانا اس کو پاس کر دیتے۔ اسی طرح مولانا ذوالفقار علی صاحب بھی بہت سہل امتحان لیا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ممتحن کو اپنے درجے اور طالب علم کے درجہ کے تفاوت میں غور کر کے سوال کرنا چاہیے اور اسی درجہ کے جواب کا منتظر رہنا چاہیے۔ بعض ممتحن طلبہ سے ایسے سوالات کرتے ہیں جو مدرسین سے کرنے چاہئیں یہ بہت ظلم ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا تھا کہ مولانا کی طبیعت میری مرضی کے موافق ہے وہ یہی بات تھی کہ مولانا ہر شخص سے اس کی فہم کے موافق معاملہ کرتے تھے اور طبیعت میں رحمت و آفت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ حاجی صاحب کے اس ارشاد کی اطلاع جب مولانا کو پہنچی تو بہت مسرور ہوئے۔ بہر حال جب دنیا میں شفیق ممتحن کے امتحان سے پریشانی نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ کے امتحان سے کیوں پریشان ہوتے ہو مطمئن رہو کیونکہ حق تعالیٰ سب سے زیادہ رحیم و کریم ہیں وہ تم کو پاس ہی کر دیں گے۔ دوسری بات تسلی کی ایک اور ہے جو ظنی ہے وہ یہ جب فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ سوال کریں گے کہ من ھذا الرجل یہ حضرت کون ہیں تو بعض اہل محبت کا قول ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے مومن کی قبر تک حجابات اٹھائے جائیں گے اور ہذا سے جو کہ اشارہ حسیہ کیلیے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ محسوسہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ حدیث کے اس محمل کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ بھی فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مرتے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جنازہ کی نماز پڑھتے مگر یہ تو بعض حکمتوں کی وجہ سے حق تعالیٰ کو منظور نہ ہوا تو اب کیا عجب ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں آپ کی زیارت ہوگی پھر یہ شعر پڑھا:

کششے کہ عشق دارد نگذارد ت بدنیساں　　بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

(عشق میں جو کشش ہے تجھے یونہی نہ چھوڑے گی اگر تو جنازہ پر نہ آیا تو مزار پر تو ضرور آئیگا)

گو یہ بات قطعی نہیں مگر ظن کے متعلق بھی حدیث قدسی میں آیا ہے: "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ" کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں پھر کیوں نہ گمان رکھا جائے۔ صاحب بعض دفعہ ہنستے ہنستے ہی گھر بس جاتا ہے پس تم امید رکھو کہ انشاء اللہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی خدا تعالیٰ اس گمان کو پورا کر دیں گے۔ (التبلیغ بمراقبۃ المیت ج ۲۲)

ایمان کی اقسام

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تحقیقی اور تقلیدی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی حقیقت پوری طرح معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے دین پر ہیں یہ ایمان تقلیدی ہے یہ بھی معتبر ہے۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی جب مرا اور اس سے قبر میں سوال ہوا کہ "من ربک وما دینک" (تمہارا رب کون ہے؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟) تو اس نے جواب دیا کہ حضور میں تو بڑے پیر کا دھوبی ہوں (مطلب یہ تھا کہ جو مذہب ان کا ہے وہی میرا ہے) اس پر فرشتوں نے اس ہنس کر چھوڑ دیا کہ یہ تو بڑے شخص کا آدمی ہے اور اس پر کچھ اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے مقتدی کہا کرتا ہے کہ جو نیت امام کی۔ وہی میری اور اس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے آتے ہوئے حج کا احرام اس طرح باندھا تھا:

اَهْلَلْتُ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"میں نے حج کا احرام باندھا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت کو معتبر سمجھا اسی طرح ایمان میں بھی تقلید صحیح ہے۔ غرض انسان یا تو محقق ہو تب کامیابی ہے یا کسی محقق کا مقلد ہو اگر محقق ہوا تو وہ ایسا جواب دے گا کہ فرشتے بھی دنگ رہ جائیں گے۔ (التبلیغ بمراقبۃ المیت ج ۲۲)

انا مومن ان شاء اللہ کہنے میں اختلاف

امام اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انا مومن حقا (میں یقیناً مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے بلکہ انا مومن حقا انشاء اللّٰہ (میں انشاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور انہوں نے بھی حقیقت میں دعوے ہی سے منع کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ انا مومن حقا انشاء اللّٰہ کہنا چاہیے یا انا مومن حقا تو اشعری انا مومن حقا (میں انشاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انا مومن حقا (میں واقعی مومن ہوں) کہنا چاہیے۔ انا مومن حقا انشاء اللّٰہ (میں انشاء اللہ مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے۔ مشہور قول میں تو اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جن لوگوں نے انا مومن حقا سے منع فرمایا ہے اور انا مومن انشاء اللہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے حال پر نظر کی ہے اور چونکہ حال معلوم نہیں کہ ہم حال میں مومن ہیں یا نہیں اس لیے انشاء اللہ بڑھانے کی تاکید کی ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے ان کی نظر حال پر ہے اور فی الحال اپنے ایمان میں تردد و شک کرنا کفر ہے اس لیے وہ انشاء اللہ بڑھانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے اور یہ نزاع محض لفظی ہوگا کیونکہ حال کے اعتبار سے انشاء اللہ بڑھانے کو کوئی منع نہیں کرسکتا اور حال کے اعتبار سے انا مومن حقا سے کوئی روک نہیں سکتا مگر میرے ذوق میں یہ ہے کہ جیسے انا مومن حقا حال کے اعتبار سے ہے اسی طرح انا مومن انشاء اللہ بھی حال ہی کے اعتبار سے ہے مال کے اعتبار سے نہیں۔ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال کے اعتبار سے حقاً کہنا چاہیے اور امام اشعری فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ حال کے اعتبار سے بھی انا مومن انشاء حقا انشاء اللہ ہی کہنا چاہیے اور مطلب اشعری کا یہ ہے کہ انا مومن حقا دعویٰ کے طور سے نہ کہنا چاہیے بلکہ دعوے سے بچنے کیلئے انشاء اللہ کہنا چاہیے اور یہ انشاء اللہ محض برکت کیلئے ہوگا، تعلیق و تردد کیلئے نہیں ہوگا جس سے مقصود تفویض و توکل ہے کیونکہ انشاء اللہ جیسے تعلیق فی المستقبل کے لیے آتا ہے کبھی حال کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جس سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی۔ (زکوۃ النفس ج ۳۲)

اپنے کو دعویٰ کے طور پر موحد نہ کہو

دعویٰ سے بچنا چاہیے اور تفویض کے لیے ان شاء اللہ کہنا چاہیے۔ یہی مطلب صوفیاء کا ہوگا اس قول سے

مغرور سخن مشوکہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(توحید خدا کا دعویٰ مت کرو کہ توحید خدا کو واحد جاننا ہے نہ واحد کہنا)

یہاں بھی واحد گفتن کے معنی دعویٰ کردن ہیں تو صوفیاء کی مراد یہ ہے کہ اپنے کو دعویٰ کے طور پر موحد نہ کہو اور جنہوں نے حقا کہنے کو فرمایا ہے مراد وہ کہنا ہے جو بطور اقرار بالا یمان کے ہو اور یہی مطلب لاتزکوا کا ہے کہ دعویٰ کے طور پر اپنے کو پاک نہ کہو جس پر قرینہ ھواعلم ہے یعنی خدا ہی کو خبر ہے کہ کون پاک ہے پس دعویٰ پا کی کا نہ کرو یہ قرینہ اس پر دال ہے کہ یہاں تزکیہ کے معنی پاک کہنے کے ہیں (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے

حدیث و قرآن میں یہ حکم کس لئے فرمایا گیا اس میں کیا حکمت ہے کیا بھید ہے؟ میں اس قسم کے سوال کرنے والوں کو میں جواب بھی ایسا ہی دیتا ہوں جس سے اُن کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہو جائے اب بعض تو سمجھ جاتے ہیں اور بعض الٹا مجھ ہی کو بدنام کرتے ہیں مگر میں اس بدنامی سے خوش ہوں جو نافہم کی طرف سے ہو۔

واذا اتتک مذمتی من ناقص　　فھی الشھادۃ لی فانی کامل

(اور جب میری مذمت تمہارے پاس کسی نافہم سے آئے تو سمجھ لو کہ یہ میرے لئے کامل ہونے کی شہادت ہے)

چنانچہ ایک صاحب نے کسی خاص مسئلہ کی نسبت پوچھا کہ اس حکم میں کیا حکمت ہے میں نے کہا پہلے آپ یہ بتلایئے کہ آپ کے سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ اگر یہ کچھ حکمت بیان کریں گے تو میں اس پر اعتراض کر کے آخیر میں ان کو عاجز کر دوں گا وہ اپنا عجز تسلیم نہ کرتے مگر طلبہ اور اہل فہم اُن کا عجز سمجھ جاتے۔

غلط عقائد

عقائد کو لیجئے کہ ان میں سے بعض عقائد غلط اور خلاف واقع ہیں۔ مثلاً عورتیں بہت سی اچھی چیزوں کو بُری یا بُری چیزوں کو اچھی سمجھتی ہیں جیسے دنوں کو منحوس کہنا اکثر عورتیں بدھ کے دن کو منحوس سمجھتی ہیں اور غضب ہے کہ بعض مرد بھی اس میں ان کے ہم عقیدہ ہیں یا مثلاً عورتوں کا

عقیدہ ہے کہ اگر کسی دن کوا گھر میں بولے تو اس دن مہمان ضرور آتے ہیں اسی طرح اگر آٹے میں پانی زیادہ ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ آج کوئی مہمان آنے والا ہے اکثر جانوروں کو منحوس سمجھ رکھا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ قمری منحوس ہے اس کو گھر میں نہ پالو بلکہ اگر شوق ہو تو مسجد میں پالنا چاہیے شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ اگر اجڑے تو اللہ ہی کا گھر اُجڑے۔ نعوذ باللہ! (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

بعض جانوروں کو منحوس سمجھنا غلط ہے

جتنی چیزیں اپنے سے نکلی ہوں سب خدا کے لئے بعض عورتیں کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتی ہیں کہتی ہیں کہ یہ درخت مُردے کے کام میں آتا ہے اس لئے اس کو گھر میں نہ ہونا چاہیے کہ شگون بد ہے اور مُردے کی چارپائی کو اس کے کپڑوں کو منحوس سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے کہ اس کے کپڑوں کو تو منحوس سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا قیمتی دوشالہ ہو یا اس کی جائیداد ہو تو اس کو منحوس نہیں سمجھتے حالانکہ اگر مُردے کے ساتھ تلبس سے اس کے لباس میں نحوست آئی ہے تو اس تلبس سے اس کے قیمتی کپڑوں میں نحوست آنی چاہیئے اور اگر مردے کی طرف نسبت سے ان چیزوں میں نحوست آئی ہے تو اسی نسبت سے اس کی جائیداد میں بھی نحوست آنی چاہیئے یہ عقیدہ بالکل مہمل اور وہم ہے مسلمانوں میں اس کا رواج ہندوؤں سے آیا اور بعض چیزوں کو مرد بھی منحوس سمجھتے ہیں جیسے اُلو کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مقام پر بولتا ہے وہ مقام ویران ہو جاتا ہے اس لئے وہ منحوس ہے حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے نہ اُلو منحوس ہے نہ اس کے بولنے سے کوئی جگہ ویران ہوتی ہے یاد رکھو وہ جو بولتا ہے تو خدا کا ذکر کرتا ہے تو کیا خدا کے ذکر سے یہ نحوست آئی بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ذاکر تو ہے لیکن اس کا ذکر جلالی ہے اس لئے اس کا یہ اثر پڑتا ہے، حالانکہ خود یہ تقسیم اور یہ کہ جلالی میں یہ خاصیت ہوتی ہے۔ یہی بے اصل ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اُلو ایسے مقام کو تلاش کرتا ہے جہاں یکسوئی ہو اور اس کو اندیشہ نہ رہے اس لئے وہ ویرانوں میں بیٹھتا ہے۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

نکاح ثانی کو بُرا سمجھنا قابلِ افسوس ہے

ایک گناہ عقیدے کے متعلق یہ ہے کہ عورتیں قریب کل کے اور اکثر مرد بھی نکاح ثانی کو بُرا سمجھتے ہیں اور افسوس ہے کہ بعض لکھے پڑھے لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب نکاح ثانی

فرض نہیں تو نکاح اول فرض ہے اور اگر نہیں تو نکاح اول کے ساتھ یہی معاملہ کیوں نہیں کیا جاتا اگر اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے تو خیر مولویوں کے کچھ تو آنسو پُونچھ جاتے کیا وجہ ہے کہ نکاح اول کے لئے تو اس قدر کوشش کی جاتی ہے کہ اگر لڑکی کی عمر چودہ پندرہ برس کی ہو جائے اور کہیں سے پیام نہ آئے تو فکر پڑ جاتی ہے اور اس کے تذکرے کئے جاتے ہیں ہاں اگر کسی عورت پر شوہر اول کا بہت رنج غالب ہو یا اس کے پاس چھوٹے چھوٹے بچے ہوں کہ ان کی پرورش کا انتظام نکاح کے بعد دشوار ہو یا بچوں کی جائیداد وغیرہ موجود ہو کہ اس کا انتظام اس کے سپرد ہو تو البتہ ایسی عورت کو اجازت ہے کہ وہ نکاح نہ کرے، بشرطیکہ مرد کی بالکل خواہش نہ ہو لیکن اگر کوئی مانع بھی نہ ہو اور پھر بھی عرف کی شرم کی وجہ سے نکاح ثانی نہ کرے اور اس کو عیب سمجھے تو سخت گناہ ہے (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

توحید کیا ہے؟

توحید کیا چیز ہے صرف ذات ہی کا ماننا نہیں ہے ذات مع الصفات والکمالات کا ماننا ہے اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی کہے فلاں ملک کے بادشاہ کا میں قائل ہوں اور اس کو بادشاہ مانتا ہوں اور جب اس سے پوچھیں کہ وہ ہے کیسا تو کہے کہ ایک عجیب الخلقت حیوان ہے جس کی آنکھیں گدی پر ہیں اور چار ہاتھ ہیں اور ایک دُم ہے تو کیا اس کو اس بادشاہ کا قائل کہا جائے گا کہ خدا کا قائل ہونا وہ معتبر ہے جو مع اس کے جملہ کمالات کے ہو ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ صدق بھی منجملہ کمالات کے ہے جس کا مقابل کذب نقص اور عیب ہے اگر کوئی خدا کو جھوٹا مانے تو وہ خدا ہی کا منکر ہوگا۔ تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن میں ارشاد حق ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، تو اب رسالت کا انکار صدق خدا کا انکار اور صدق خدا کا انکار خود خدا کا انکار ہے اور یہی مدعا تھا اب صرف یہ بات رہ گئی کہ محمد رسول اللہ جس قرآن میں ہے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

اولیاء اللہ کو حقیقی خوف و حزن نہیں ہوتا:

جو لوگ شریعت مقدسہ کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہیں ان کو غم حقیقی کبھی ہوتا نہیں۔ پس اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یادرکھو اولیاء اللہ پر نہ

خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) اپنی حقیقت پر ہے اس میں تاویل کی ضرورت نہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو حقیقی خوف وحزن نہیں ہوتا کیونکہ وہ تقدیر پر پورا ایمان رکھتے ہیں جس کا اثر یہی ہے کہ رنج وغم اور تجویز کی جڑ کٹ جاتی ہے جیسا کہ میں نے ابھی ایک آیت سے ثابت کیا تھالِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ (تاکہ جو چیز تم سے فوت ہوجائے اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا کی جائے اس پر نہ اتراؤ) پس قائل تقدیر کو آخرت میں تو خوف وحزن ہوگا ہی نہیں، دنیا میں بھی اس کو غم نہیں ہوتا اس لئے لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) ہر حال میں اپنی حقیقت پر ہے اور جو شخص تقدیر کے اعتقاد سے خالی ہے اس کو دنیا میں بھی غم اور آخرت میں بھی اور جس کا اعتقاد ضعیف ہے وہ آخرت میں تو پٹ چھٹ کر جنت میں پہنچ جائے گا مگر دنیا میں عمر بھر ضرور بے چین رہے گا تو کیا اچھا ہو کہ یہاں بھی راحت ہی ہو۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے عمل واعتقاد کو کامل کرو، پھر تمہارے لئے دنیا میں بھی چین ہوگا لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ (ان کو دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی)

موت کی حقیقت

موت کے متعلق لوگوں کے عقائد صحیح نہیں اگر موت کے متعلق عقیدہ درست کرلیا جائے اور حقیقت موت کا بار بار مراقبہ کیا جائے تو یہ خوف بہت کم ہوجائے گا۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مر کر آدمی ایک گڑھے میں اکیلا جا پڑتا ہے اور تمام لذات سے محروم ہوجائے گا۔ سو یہ بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو موت کی حقیقت بھی معلوم نہیں یاد رکھو کہ موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے روح کو موت نہیں آتی بلکہ موت سے صرف اس کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہوجاتا ہے اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ لذات سے منقطع ہونے والا کون ہے کیا آپ کے نزدیک یہ بدن ہے ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روح متمتع ومتلذذ ہوتی ہے اور جسم کے لئے بمنزلہ آلہ ومرکب کے ہے اور یہ روح موت کے بعد بھی علیٰ حالہٖ باقی رہتی ہے بلکہ اب اس کی قوت پہلے سے زیادہ ہوجاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم ہی ہے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے آپ کی حقیقت وہ ہے جس کو آپ میں سے تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ اب غور

کیجئے کہ اس میں مصداق کیا چیز ہے کیا آنکھ، ناک یا منہ اور ہاتھ پیر کو میں کا مصداق کہہ سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ ورنہ چاہئے کہ ان اعضاء کے جاتے رہنے سے انسان ہی جاتا رہے۔ اور یہ غلط ہے اور اعضاء شریفہ اور قویٰ شریفہ جیسے قلب اور عقل وغیرہ ممکن ہے کہ آپ ان کو میں کا مصداق کہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اس کا مصداق نہیں ہیں کیونکہ آپ ان کو اپنی طرف سے مضاف کرتے ہیں کہ میرا دل کمزور ہوگیا یا میری عقل میں یوں آتا ہے وغیرہ وغیرہ اور اضافت علامت مغائرت ہے تو معلوم ہوا کہ یہ بھی آپ کی حقیقت نہیں۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

انسان کی حقیقت روح ہے

انسان میں حقیقت آپ کی روح ہے اور گو وہاں بھی اضافت ہوتی ہے کہ میری روح مگر چونکہ مستقل دلائل سے ثابت ہے کہ یہی حقیقت ہے اس لئے یہ اضافت مجازیہ ہے اور دوسرے اعضاء وقویٰ میں ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف پر دلیل قائم ہے چنانچہ ایک زمانہ میں یعنی بالکل بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں ایک وقت میں یعنی بعد موت قلب نہ رہے گا اور آپ ہوں گے صاف دلیل ہے کہ آپ کی حقیقت یہ چیزیں نہیں اس لئے یہ اضافت حقیقیہ ہے بہر حال آپ کی حقیقت روح ہے اور اس پر موت نہیں آتی بلکہ وہ بجنسہ موت کے بعد اپنے حال پر رہتی ہے اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فنا اور شکستہ ہو جاتا ہے روح کا مرکب دوسرا جسم بنتا ہے جس کو جسم مثالی کہتے ہیں اب روح اس جسم کے ذریعہ سے سارے انتفاعات وتلذذات حاصل کرتی ہے اور یہ جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں یعنی موت کے وقت جو چیز جسم عنصری سے الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتا ہے وہ نسمہ ہے اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر اس کا مادہ لطیف ہے اور اس کو اس جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلولی تعلق ہے جیسا جسم تعلیمی کا تعلق جسم طبعی کے ساتھ حکماء نے بیان کیا ہے یعنی وہ نسمہ مقدار اور ہیئت وشکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے (اور وجہ تشبیہ یہی ہے ورنہ جسم تعلیمی تو عرض ہے اور یہ جوہر) اور یہ نسمہ اس وقت یعنی زندگی میں اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور موت کے وقت الگ ہو جاتا ہے۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

طبائع کو دافع مرض بنانا

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی (مجمع الزوائد ۵:۱۰۲) (کوئی بیماری

دوسرے کونہیں لگتی) فرما کر مسلمانوں کی طبائع کوقوی بنا کر ان طبائع کو فاعل صحت اور دافع مرض بنا رہے ہیں بشرطیکہ وہ اس پر پورا اعتقاد کرلیں، کیونکہ واقعی اس سے بڑھ کر تقویت قلب کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی کہ لوگوں کے دلوں میں یہ مضمون جما دیا جائے کہ بیماری لگتی نہیں ہے جس کا اعتقاد یہ ہوگا وہ نہایت قوی القلب ہوگا۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

کفر خفی

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ احکام مقصود بالذات نہیں ہیں۔ صرف مصالح خاصہ سے حکم کردیا ہے۔ مثلاً جماعت کی فضیلت مطابق واقع کے نہیں ہے۔ صرف ترغیباً ثواب کا وعدہ ہوگیا ہے۔ اس لئے یہ سن کر کہ بغیر جماعت کے بھی نماز ہوجاتی ہے، خوش ہوجاتے ہیں۔ خیال کیجئے کہ تاجر بازار میں بیٹھ کر دو چند نفع کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے پھر گھر پر کسی کو فروخت کرتے دیکھا ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کفر خفی ہے۔ کفر کبھی خفی بھی ہوا کرتا ہے کہ خود اس شخص کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ کبھی ایمان بوقت موت سلب ہوجاتا ہے۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے

اہل اسلام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معراج کے قائل ہیں بطور اعجاز وخرق عادت ہی کے قائل ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ تنفس کیلئے مکث طویل کی ضرورت ہے۔ تھوڑی سی دیر کے لئے تنفس لازم نہیں۔ بس اگر اس کے قائل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طبقہ میں بہت دیر تک ٹھہرے ہیں جب تو ہم پر یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ بدون تنفس کے آپ وہاں کیونکر زندہ رہے مگر جو شخص معراج کا قائل ہے وہ آپ کے لئے سرعت سیر کا بھی قائل ہے پس اگر ہم یوں کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طبقہ سے ایک منٹ میں پار ہوگئے تھے۔ تو بتلائے اب کیا اشکال رہا۔ اور جب معراج خود خرق عادت ہے اور عادت سے بہت بعید ہے تو اگر اس کے مقدمات میں جو اس قدر بعید بھی نہیں ہم خرق عادت کے قائل ہوں تو کیا بُعد ہے۔ حضرت صدیقؓ نے کفار کو یہی جواب دیا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کی صبح کو یہ واقعہ بیان فرمایا کہ رات مجھ

کوسموات کی معراج ہوئی ہے۔تو کفار دوڑے ہوئے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے کہ تم نے اور بھی کچھ سنا ہے تمہارے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج یہ دعوی کررہے ہیں کہ ایک رات میں انہوں نے مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے ساتویں آسمان تک پہنچے اور صبح سے پہلے واپس بھی آگئے کیا اب بھی تم ان کی تصدیق کروگے۔حضرت صدیقؓ نے فوراً جواب دیا کہ میں تو اس سے زیادہ عجیب بات کی پہلے ہی تصدیق کرچکا ہوں کہ آسمان والے ان کے پاس آتے ہیں۔اور خدا کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور جس کے پاس آسمان والے آتے ہوں وہ اگر آسمان پر بلالیا جائے تو کیا تعجب ہے؟(الحدود والقیود ج ۲۵)

نظیراوردلیل میں فرق

دیکھو جس کے پاس بادشاہ خود آتا ہو اگر اس کو بادشاہ کبھی اپنے پاس بلالے تو کیا تعجب ہے۔بادشاہ کے پاس کسی کا جانا تو عجیب نہیں ہاں بادشاہ کا کسی کے پاس خود آنا زیادہ عجیب ہے تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم معراج سموات کا دعوی کرتے ہیں تو میں اس کی بھی تصدیق کرونگا۔کیونکہ میں اس سے عجیب تر کی تصدیق پہلے ہی سے کررہا ہوں تو حضرت صدیقؓ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ جب میں ابعد کا قائل ہوں تو بعید کا قائل ہونا کیا مشکل ہے۔(الحدود والقیود ج ۲۵)

صفت اختیار میں حق تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (وربک یخلق مایشاء ویختار ، اورآپ کا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے)۔یعنی جس طرح صفت خلق میں کوئی اس کا شریک نہیں اسی طرح صفت اختیار میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں اختیار تکوینی مراد ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یخلق مایشاء. (جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) سے اختیار تکوینی خود ظاہر ہے۔اگر یختار سے بھی اختیار تکوینی مراد ہوتا تو یخلق مایشاء. کے بعد اس کی ضرورت ہی کیا تھی معلوم ہوا کہ اختیار تشریعی مراد ہے۔اس کے بعد فرماتے ہیں ماکان لھم الخیرہ بندوں کے لئے کچھ اختیار نہیں۔کیونکہ اوپر یختار میں اختیار شرعی کا مراد ہونا متعین ہو چکا ہے اس لیے ماکان

لهم الخیرۃ. ان کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ میں اسی کی نفی مراد ہونی چاہیے۔ اس صورت میں لام تعریف عہد کے لئے ہوگا۔ اور اگر لام جنس کے لئے مانا جائے تو عموم کی وجہ سے ہر گز اختیار کی نفی ہو جائے گی۔ معنی یہ ہوں گے کہ اختیار تکوینی اور تشریعی دونوں خدا کے لئے مخصوص ہیں کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں نہ تشریعی نہ تکوینی۔ آگے فرماتے ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ یعنی اللہ تعالیٰ شرک تکوینی اور تشریعی دونوں سے پاک ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ الالہ الخلق و الامر. یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت و آمریت. یہ آیت تو بہت زیادہ صریح ہے کیونکہ اس میں اختیار تکوینی کا احتمال بھی نہیں کیونکہ امر کا اطلاق جبکہ خلق کے مقابلہ میں ہے شریعت میں امر تشریعی ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امر کے معنی حکم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا حکم کرنے والا اور احکام مقرر کرنے والا کوئی نہیں خلق سے اختیار تکوینی اور امر سے اختیار تشریعی مراد ہے اور ان دونوں کو بصورت حصر خدا کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ جس سے دونوں کی نفی ماسوا سے لازم آ گئی۔ (الباب لاولی الالباب ج ۲۵)

حلال وحرام کرنا بھی حق تعالیٰ کا کام ہے

حلال وحرام کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ چنانچہ ایک جگہ نہایت تصریح کے ساتھ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب .یعنی کسی چیز کے بارہ میں بدون علم کے یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ پر افترا باندھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی چیز کو حرام کرنا خدا کا کام ہے جب ہی تو بلا دلیل حرام کہنا افتراء ہوا۔ اسی طرح حلال کرنا بھی خدا ہی کا کام ہے۔ پس وہ دعوی بخوبی ثابت ہو گیا۔ (الباب لاولی الالباب ج ۲۵)

عقیدہ توحید ورسالت ثابت بالعقل ہیں

دین میں صرف دو چیزیں ہیں توحید اور رسالت وہ ثابت بالعقل ہیں۔ توحید اور رسالت یہ دونوں بیشک بایں معنی عقلی ہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے دلیل عقلی محض پیش کی جاوے گی باقی ان کے سوا اصول دینیہ میں سے کوئی اصل اور فروع میں سے کوئی فروع بالمعنی المذکور عقلی نہیں۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ دین عقل کے موافق ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کوئی چیز

دلیل عقلی کے خلاف نہیں باقی یہ نہیں کہ اگر دلیل شرعی نہ ہوتی تو عقل اس حکم کو ثابت کر لیتی یہی وجہ ہے کہ جن باتوں کے حسن و قبح کے ادراک میں عقل کو کافی بھی سمجھا جاتا ہے جیسے صدق کا حسن اور کذب کا قبح کہ تمام دنیا اس پر متفق ہے اور وہ لوگ بھی اس کو مانتے ہیں جن کو دین سے کچھ علاقہ نہیں ان کے بھی بعض افراد میں سوچنا پڑتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل ان کے لئے بھی کافی نہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

وحی اور عقل کا فرق

اور وحی کی یہ حالت ہے کہ اس کو کبھی بھی تردد نہیں ہوتا ہے ہر جزئی کا حکم بتا سکتی ہے یہ اور بات ہے کہ وحی کے متعلق کسی مقام پر ہمارے استنباط کی وجہ سے تردد واقع ہو جاوے بہت ممکن تھا کہ وحی ہر ہر جزئی کا حکم صاف صاف بتا دیتی ہے لیکن حق تعالیٰ کو منظور یہ ہوا کہ اجتہاد کا اجر بھی بندوں کو دیا جاوے اس واسطے قصداً استنباط کی احتیاج رکھ دی ورنہ وحی ہر ہر جزئی کا حکم بیان کر سکتی ہے

بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں حکم کرنے کے لئے عقل حیران رہ جاتی ہے مثلاً ایک شخص نے دیکھا کہ ایک بے گناہ پر کوئی ظلم کر رہا ہے اور ایسی صورت ہے کہ اگر یہ سچی بات کہتا ہے تو وہ پھنستا ہے اور اگر وہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ چھوٹتا ہے تو عقل کا حکم تو اپنے قاعدہ کے موافق یہی ہوگا کہ سچ کہنا چاہئے کیونکہ وہ صدق کے حسن کو تسلیم کر چکی ہے لیکن کہیں یہ بھی پڑھا تھا کہ بے گناہ کو ظلم سے چھڑانا واجب ہے تو اب دونوں طرف کی دلیل موجود ہے تو عقل حیران ہوئی کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک کو کس طرح ترجیح دے۔ اور معتقد وحی کے پاس مرجح موجود ہے یعنی وحی کہ اس نے صدق کو اس لئے حسن کہا ہے کہ اس کے نہ ہونے سے فساد اور اتلاف حقوق لازم آتا ہے۔ اور جہاں خود صدق سے اتلاف حقوق ہونے لگے تو وہاں اس میں حسن نہ رہے گا لہذا اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ علیٰ ہذا کذب کو بھی سمجھ لیجئے کہ عقل اس کو قبیح کہتی ہے لیکن بعض وقت اس میں مصلحت ہوتی ہے عقل اس وقت حیران ہوتی ہے اور وحی حیران نہیں ہوتی وہ اس کے مواقع کی بلا تردد تعیین کر دیتی ہے۔ ثابت ہوا کہ عقل احکام میں کافی نہیں۔ اور وحی کافی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر عقل بالکل بھی کافی ہوتی تب بھی بڑے سے بڑا کام عقل کا یہ ہوتا کہ یہ ادراک کر لیتی کہ یہ حالت حق تعالیٰ کو پسند ہے یا ناپسند۔ پسندیدہ کو حسن کہتی اور ناپسندیدہ کو قبیح۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حسن و

قبیح کا حکم بھی عقل کے تابع ہو جاوے پس اس صورت میں بھی عقل آلہ ادراک حسن و قبح ہوتی نہ کہ حاکم حق تعالیٰ ہی ہوتے عقل حق تعالیٰ کے سامنے وہ رتبہ رکھتی ہے جو بادشاہ کے سامنے اس کا ایک پیادہ رکھتا ہے۔ جو بادشاہ کا حکم لوگوں کو سناتا ہے۔ نہ اس کی کوئی عظمت ہوتی ہے نہ اس کو مطاع سمجھا جاتا ہے۔ عظمت حکم شاہی کی کی جاتی ہے اور مطاع بادشاہ ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ پیادہ صرف اس کے حکم کا مظہر ہوتا ہے پیادہ کو بادشاہ کے احکام میں دخیل سمجھ لینا یا بجائے بادشاہ کے اس کو کافی سمجھ لینا غلطی عظیم ہے۔ یہی نسبت عقل اور وحی کی ہے۔ غرض ثابت ہو گیا کہ عقل کسی طرح بھی حسن و قبح کے ادراک نام کے لئے کافی نہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اگر عقل اس کے لئے کافی ہوتی تو بہت سے وہ لوگ جو عقل معاش میں بہت بڑھے ہوئے ہیں وہ ایمان سے کیوں محروم ہوتے۔ اہل عقل ہونا ان کا مسلم ہے پھر ایمان کے حسن کو کیوں نہیں ادراک کیا اور کیوں اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے مگر جب ان کو وحی کی رہبری سے سمجھایا جاتا ہے تو ان کو بھی اس کی ضرورت کو ماننا پڑتا ہے۔ تو وجہ صرف یہ ہوئی کہ عقل اس بات کے ادراک کے لئے کافی نہیں ہوئی تھی کہ ایمان ضروری ہے جب دوسری ایک چیز (وحی) نے اس کی ضرورت کو بتلایا تو اس کو ادراک ہو گیا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حکم کرنا عقل کا حق نہیں۔ یہ حق صرف خداوند تعالیٰ کا ہے۔ پس وہ چیز واجب ہے۔ جس کو وہ واجب کہیں وہ چیز حرام ہے جس کو وہ حرام کہے وعلیٰ ہذا۔ (الصالحون ج ۲۶)

بعض شبہات سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے

عام حالت یہ ہے کہ اگر غلطی کرنے سے کوئی شبہ دل میں بیٹھ گیا تو اتنی توفیق نہیں ہو گی کہ اس کو کسی جاننے والے سے حل کریں بس اس کو لاینحل سمجھ کر دل ہی دل میں پکاتے رہیں گے اور یہ فیصلہ اول ہی دن کر لیا جائے گا کہ یہ شبہ مولویوں سے حل ہو ہی نہیں سکتا اول تو مولوی لوگ جواب نہیں دیں گے بلکہ بجائے جواب کے کفر کا فتویٰ لگا دیں گے اور اگر جواب دیں گے بھی تو وہی خشک اور اپنے مذاق کے موافق جس سے ہماری تسلی نہیں ہو سکتی پس اس خیال کو پختہ کر کے شبہ کو دل ہی دل میں پالتے رہتے ہیں حتیٰ کہ بعض وقت وہ شبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے غرض دین کی تو یہ حالت ہے کہ کسی سے پوچھنے کی توفیق نہیں ہوتی اور فہم کی حالت آپ نے سن لی کہ راعنا کے لفظ کو قرآن سے

نکال ہی دینے کی تجویز کر رہے تھے اور یہ بھی صرف ان ہی صاحب کے ساتھ مخصوص نہ تھی جس کو شاذ کہا جائے تمام ترجمہ دیکھنے والے ایسے ہی ہیں الا ماشاء اللہ۔ تو اس صورت میں بجز اس کے کیا حکم ہوسکتا ہے کہ ترجمہ دیکھنا جائز نہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

لفظ استغناء کا بے موقع استعمال

استغناء کے لفظ پر ایک واقعہ یاد آیا جو اکثر واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ مثلاً کوئی آدمی جوان مر گیا اس کے مکان پر تعزیت کے لئے لوگ جمع ہوئے اول سب نے ہمدردی کی کہ بھائی بہت سخت واقعہ ہوا لیکن انسان کے لئے سوائے صبر کے اور کیا چارہ ہے۔ غرض اسی قسم کے الفاظ جو عرفاً کہے جاتے ہیں ادا کئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے اس میت کے فقدان سے اس کے اہل و عیال پر جو مصیبت نازل ہوئی اس کا ذکر کیا اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر یہ پانچ برس اور زندہ رہتا تو سب بچے بھی پرورش ہو جاتے اب بیچارے بے سہارے رہ گئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے بطور اس کی علت کے فرمایا کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے۔ وہ جو چاہیں کریں۔ آج کل یہ لفظ ایسے ہی موقعوں پر اکثر استعمال کیا جاتا ہے کہ خدا کی ذات مستغنی یا بڑی بے پرواہ ہے اور لوگ اس کو کچھ برا نہیں سمجھتے بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کی عظمت کا لفظ سمجھتے ہیں۔ صاحبو یہ ایسا سخت اور بے ہودہ لفظ ہے کہ اس کی حقیقت سننے کے بعد آپ کانپ اٹھیں گے۔ یہ مانا کہ غنی خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ بھی سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مستغنی اور بے پرواہ ہے لیکن یہ الفاظ ان موقعوں پر جن معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں وہ معنی غنا کے ہرگز نہیں ہیں اور وہ استغنا خدا تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں کیونکہ آج کل اس کا استعمال ایسے موقع پر کیا جاتا ہے جو نہایت دردناک اور مصائب کا مجموعہ اور سطحی نظر میں مصالح کے منافی ہو مثلاً کسی جوان کی موت ہوئی اور بہت سے بچے کچے رہ گئے جن کا اب کوئی والی وخبر گیر نہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر دل پگھلتا ہے اور رونا آتا ہے اس وقت بطور تعجب کہتے ہیں خدا کی ذات بڑی بے پرواہ ہے جس کا مطلب بطور لزوم کے یہ ہوتا ہے کہ وہاں کوئی قاعدہ نہیں جو چاہا کر دیا۔ صاحبو یہ بات دو وجہ سے ہوسکتی ہے یا تو یہ کہ وہاں رحم نہیں یا یہ کہ کوئی انتظام نہیں جو ہو گیا سو ہو گیا کیا یہ دونوں باتیں غلط نہیں۔ خود انہیں لوگوں سے پوچھئے جو ایسے الفاظ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ رحیم ہیں یا نہیں جواب یہی ملے گا کہ ہیں تو یہ

شق تو گئی گزری ہوئی کہ ایسے واقعات اس وجہ سے ہوتے ہوں کہ حق تعالیٰ کو رحم نہیں۔ اب وہ دوسری شق رہ گئی کہ شاید وہاں کوئی انتظام نہیں سو یہ شق بھی باطل ہے اس واسطے کہ ایسا ہوتا جب ہی ممکن ہے جبکہ وہاں علم وقدرت وحکمت نہ ہو اور یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت حق کو علم بھی ہر چیز کا ہے اور قدرت بھی ہر قسم کی ہے اور حکیم بھی بڑے ہیں خود وہ لوگ بھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتے جو ایسے کلمات بے دھڑک کہہ بیٹھتے ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو بدنظمی کیسی۔ غرض نہ تو ایسے واقعات بے رحمی کی وجہ سے ہو سکتے ہیں نہ بدنظمی کی وجہ سے تو اب اس لفظ کے کیا معنی ہوئے کہ خدا کی ذات بڑی مستغنی ہے۔ سوا اس کے کہ اس لفظ سے گویا شکایت و اعتراض کا اظہار کیا جاتا ہے جو حق تعالیٰ کے افعال کے متعلق اپنے دل میں ہے اور یہ اسی کا مصداق ہوا کہ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُونَ (کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تم کو علم نہیں) اب فرمایئے یہ لفظ بے ہودہ ہے یا نہیں اور یہ بے ادبی ہے یا نہیں۔ اس کو لوگ بلا سوچے سمجھے کہہ بیٹھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک اچھی بات حق تعالیٰ کی طرف منسوب کی کیونکہ غنی خدا تعالیٰ کی صفت ہے سو یہ لفظ صورۃً اچھا اور صحیح ہے لیکن درحقیقت یہ کلمته حق اریدبه الباطل کا مصداق ہے۔ غنی صفت خدائے تعالیٰ کی بیشک ہے لیکن اس کے معنی وہ نہیں ہیں جس میں یہ لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں یہ تو شکایت کو اس مہذب لفظ سے ظاہر کرتے ہیں سچ یہ ہے کہ بدوں دین کے ہگنا موتنا چلنا پھرنا بولنا چالنا کچھ بھی نہیں آتا۔ شریعت ہی ہم کو ایسی چیز دی گئی ہے کہ جس میں ہر بات کی ایسی تعلیم موجود ہے کہ تمام دنیا کے عقلاء مل کر ایسی تعلیم نہیں تجویز کر سکتے مگر کیا کیا جائے دین کا سیکھنا ہی لوگوں نے چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ یہ خیال دل میں جم گیا ہے کہ دنیا کی باتوں اور معمولی کاموں سے شریعت کو کیا علاقہ یہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم اپنی عقل اور تجربہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

حضرت اسامہؓ کا قصہ ہے کہ جہاد میں انہوں نے ایک کافر پر قابو پایا اور قتل کرنے کو تلوار اٹھائی اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا انہوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ دل سے مسلمان تھوڑا ہی ہوا ہے اس نے جان کے خوف سے زبان سے کلمہ پڑھ لیا ہے اس کو قتل کر دیا۔ حضورؐ نے اس پر فرمایا ھلا شققت قلبه. یعنی تم یہ کیسے کہتے ہو کہ اس نے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لیا دل سے نہیں پڑھا کیا تم نے دل کو چیر کر دیکھا ہے۔ اس حدیث سے یہ قانون مقرر ہو گیا کہ جب کوئی کافر کلمہ پڑھ لے خواہ اس نے بناوٹ ہی سے پڑھا ہو اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ (الصالحون ج ۲۶)

قرآن پر ایمان لانا شرط ایمان ہے

قرآن پر ایمان لانا شرط ایمان ہے قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی شمار میں بھی نہیں ہو جب تک کہ انجیل اور توراۃ پر اور اس پر جواب اتارا گیا ہے یعنی قرآن پر پورا عمل نہ کرو اور ارشاد وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ یہ خطاب اہل کتاب ہی کو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے اتاری ہے کہ وہ تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کے ساتھ اول کافر نہ بنو یعنی اگر تم اس کا انکار کرو گے تو کافر ہو گے اور سب سے اول درجہ کے کافر ہو گے کیونکہ تم اہل علم ہو اور پہلے بھی تم کو کتاب مل چکی ہے برخلاف مشرکین کے کہ وہ اہل علم نہیں اور کسی کتاب کو نہیں مانتے ان سے اس کتاب کا انکار بھی اتنا بعید نہیں جتنا تم سے ہے اس آیت میں بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ سے سوائے قرآن کے اور کچھ مراد نہیں ہو سکتی۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن پر ایمان لانا بھی شرط ایمان ہے بلا اس کے آدمی مومن نہیں ہو سکتا کافر ہی رہے گا اور کافر کی نجات نہیں اور ظاہر ہے کہ تمام قرآن حضور کی رسالت سے بھرا پڑا ہے قرآن پر جو کوئی ایمان لائے گا وہ حضور کی رسالت کا ضرور قائل ہو گا اس سے ثابت ہوا کہ بلا حضور کی رسالت پر ایمان لائے بھی نجات نہیں ہو سکتی۔ (الصالحون ج ۲۶)

اجابت دعا کا صریح وعدہ

جو لوگ دعا قبول نہ ہونے کے شاکی بھی ہوتے ہیں وہ یہ تو کہا کرتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی مگر یہ کسی کو کہتے ہوئے نہیں سنا گیا کہ دعا قبول ہونے کا وعدہ کہاں ہے بلکہ اس کا سب کو اعتقاد ہے کہ دعا قبول کرنے کا وعدہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا انکار کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ قرآن میں صریح ارشاد موجود ہے۔ ادعونی استجب لکم تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری اجابت کروں گا) رہا یہ اشکال کہ جب اجابت دعا کا صریح وعدہ ہے تو پھر اس میں تخلف کیوں ہوتا ہے اس کے جواب بہت سے ہیں مگر ان کی گنجائش کہاں سہل بات وہ ہے جس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ دعا کو قبول

فرماتے ہیں پھر کبھی تو جلدی وہی مطلوب عطا فرما دیتے ہیں جو مانگا گیا ہے اور کبھی دیر سے عطا فرماتے ہیں کہ اس میں مصلحت ہوتی ہے اگر اس مطلوب کا دنیا میں دینا مصلحت نہیں ہوتا تو اس کو آخرت کے لئے ذخیرہ کے طور پر جمع رکھتے ہیں جب بندہ قیامت میں حاضر ہوگا سب دعاؤں کا ثواب اس کے سامنے کر دیا جائے گا بہر حال اجابت دعاء امر ضروری ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ ایک دوسرا مقدمہ یہ ملایا جائے کہ دعا کے وقت اس اعتقاد کا بھی حکم ہے۔ میری یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

سفلی عملیات موجب شرک ہیں

عورتیں ٹوٹکے کرتی ہیں اور سفلیات سے عمل کراتی ہیں کہ اس کی اولاد مر جائے یا اسے کسی قسم کی بری بیماری لگ جائے اس میں قطع نظر تجاوز عن الحد کے اس فعل کا گناہ علیحدہ ہے محض ٹوٹکے اور سفلی عملیات ایسے ہیں جو موجب شرک ہیں لیجئے ایمان بھی گیا پھر نقصان رسانی کے لئے رشوتیں دیتے ہیں اور بے جا خوشامدیں کرتے ہیں۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

معبود ہونے کے لیے خالق ہونا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کے سوا صانع و خالق کوئی نہیں تو معبود بھی وہی ہونا چاہیے کیونکہ معبود کے لیے کامل الصفات و جامع الکمالات ہونا ضروری ہے اور خلق بہت بڑی صفت کمال ہے پس جو خالق نہیں وہ معبود بھی نہیں ہوسکتا اور جو خالق ہوگا وہ یقیناً تمام صفات کمال کا جامع ہوگا کیونکہ خلق کے معنے اعطاء وجود کے ہیں اور ظاہر ہے کہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں۔ پس جو ذات معطی وجود ہے یقیناً اس کے قبضہ میں خزائن وجود ہیں اور جس کے قبضہ میں وجود کے خزائن ہوں وہ تمام صفات کمال کا جامع ہوگا۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے اکثر مواقع میں توحید کی دلیل میں صفت خالقیت کو بیان فرمایا ہے

اہل عرب دہری نہ تھے وہ محض مشرک تھے وجود صانع کا وہ انکار نہ کرتے تھے اس لیے وجود صانع کو ثابت کرنے کا قرآن نے اہتمام نہیں کیا۔ ہاں علمائے اسلام نے جب دہریوں کا بھی ایک فرقہ اسلام کے مقابل دیکھا تو انہوں نے وجود صانع پر بھی دلائل قائم کیے۔ اہل عرب کا دہری نہ ہونا قرآن کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد

ہے: "وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ" (اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو تو وہ یہ ضرور کہیں گے اللہ نے) (تعظیم العلم ج ۲۷)

ایک کوتاہی

بعض لوگ معادیات کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ وہ امور محسوسہ نہیں ہیں۔ مثلاً جنت دوزخ کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا مشاہدہ نہیں ہوا تو ان کو اس تقریر سے سمجھنا چاہیے کہ بعض امور متفق علیہا مسلم عند الکل بھی ایسے ہیں جن کے وجود کا محض دلیل سے اعتقاد کیا گیا ہے اور ان کا مشاہدہ کسی نے آج تک نہیں کیا جیسے عقل اور روح وغیرہ کہ منکرین معاد بھی ان کے وجود کا اقرار کرتے ہیں اب اگر ہر چیز کا وجود مشاہدہ کے بعد ہی تسلیم کیا جائز کرے تو پھر یہ لوگ عقل و روح کے وجود کے کیونکر قائل ہو گئے۔ پس معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا وجود یقینی ہے مگر مشاہدہ محسوس نہیں۔ اسی طرح جنت و دوزخ وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان اشیاء کا وجود بھی دلیل صحیح سے ثابت ہے لہٰذا اس کو تسلیم کرنا لازم ہے گو مشاہدہ کسی نے نہ کیا ہو۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

لفظ بندگی کہنا شرک ہے

شریعت نے حکم کیا ہے السلام علیکم کا مگر اب لوگوں نے اس کے بجائے بندگی اور آداب اختیار کیا ہے۔ میں جب کانپور گیا تو لوگوں نے آ کر بندگی کہنا شروع کیا، مجھ کو بہت ناگوار ہوا کیونکہ یہ لفظ شرک کا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں اس کو ظالم بادشاہوں نے ایجاد کیا تھا اور اس سے بھی زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ لوگوں کے السلام علیکم کو بے تمیزی میں داخل کیا ہے۔ ایک طالب علم نے اپنے والد کو جا کر سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ بیٹا یہ بے تمیزی ہے آداب کہا کرو۔

صاحبو! یاد رکھو کہ سلام کو بے تمیزی کہنا کفر ہے کیونکہ سلام کو بے تمیزی کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بے تمیزی کہنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بے تمیزی کہنے والا کافر اور واجب القتل ہے اسی طرح تمام معاشرت ہماری خراب ہو رہی ہے اور اخلاق بھی اور اخلاق سے مراد ملکات نفسانیہ ہیں۔ (طلب العلم ج ۲۷)

موثر حقیقی اسباب نہیں

حضرت بایزید بسطامی کا قصہ ہے کہ ان کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا' پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا مجھ سے سوال ہوا تھا کہ ہمارے واسطے کیا لائے' میں نے سوچا کہ اور اعمال تو میرے ناقص ہیں ان کا تو کیا نام لوں' البتہ میں مسلمان ہوں اور بحمد اللہ توحید میری کامل ہے اس کو پیش کر دوں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں ارشاد ہوا ''ھاتذ کر لیلة اللبن'' (وہ دودھ والی رات بھی یاد نہیں رہی) یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات حضرت بایزید نے دودھ پیا تھا اس کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا اس پر مواخذہ ہوا کہ تم نے درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا۔ یہی توحید ہے دودھ کی کیا ہستی ہے کہ کچھ تاثیر کر سکتے۔ اسباب میں فی نفسہ کچھ تاثیر نہیں یہ تو محض علامات و امارات ہیں۔ مؤثر حقیقت میں حق تعالیٰ ہیں اور گو آثار کی نسبت اسباب کی طرف کر دینا شرعاً جائز ہے مگر کاملین سے بعض مباحات پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے پھر وہ اسناد مجازی کا استعمال کس لیے کرتے ہیں ان کو ہمیشہ اسناد حقیقی کا لحاظ کرنا چاہیے اور اسباب کی طرف مسببات کی اسناد حقیقی نہیں ہو سکتی ان کی تو حالت مشاہدہ کی یہ ہے:

نیارد ہوا تا نگوئی بیار زمین نا درد تا نگوئی بیار

(جب آپ ہوا سے یہ نہ کہیں کہ برس اس وقت تک ہوا نہیں برساتی)

مولانا اسی باب میں فرماتے ہیں:

انت کالریح ونحن کالغبار یختفی الریح وغبر اھا جھار

ماہم شیران و لے شیر علم
جملہ شان از باد باشد دمبدم
آن کہ ناپیداست ہرگز کم مباد

(اے از دل مادل ۱۲) یعنی حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی ایسی مثال ہے جیسے ہوا کے سامنے غبار ہوتا ہے۔ ظاہر میں غبار اڑتا ہوا نظر نہیں آتا' ہوا نظر نہیں آتی۔ مگر ظاہر ہے کہ غبار کی حرکت جو کچھ ہے وہ ہوا ہی کی وجہ سے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ہم بھی ظاہر میں شیر

کی طرح حملہ کرتے ہیں مگر ایسے شیر ہیں جیسے جھنڈے پر شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو وہ حملہ آور معلوم ہوتا ہے مگر حملہ تو ظاہر ہے اور ہوا جس سے ان کی حرکت اور حملہ کا وجود ہوا ہے مخفی ہے اسی طرح ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کا منشاء حق تعالیٰ کی مشیت ہے مگر ارادہ حق مخفی ہے اور ہمارے اعمال ظاہر ہیں اس لیے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسباب کو فاعل کہہ دیتے ہیں۔ مولانا چونکہ ادب سے بھرے ہوئے ہیں اس لیے آگے ان تشبیہات و تمثیلات سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے لیے کوئی تشبیہ حقیقی نہیں ہو سکتی سب ناقص مثالیں ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں:

اے بروں از وہم و قال و قیل من　　　خاک بر فرق من و تمثیل من

سبحان اللہ مولانا کو کیسے عمدہ الفاظ ملتے ہیں۔ مثنوی میں معنوی خوبی تو ہے ہی ظاہری بلاغت و فصاحت بھی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ آگے ان تشبیہوں کا عذر بیان کرتے ہیں کہ جب یہ مثالیں ناقص ہیں تو پھر ان کو بیان ہی کیوں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ بتلاتے ہیں:

بندہ نہ شکیبد ز تصویر خوشت　　　ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

یعنی بندہ کو آپ کی خوشنما تصویریں بیان کرنے سے صبر نہیں آتا کیونکہ آپ کو دیکھ تو سکتے نہیں پھر کیا آپ کے کمالات کو بھی نہ سمجھیں اور آپ کی صفات سے بھی مزے نہ لیں اور اس کے لیے تمثیل وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گو یہ ناقص مثالیں مگر ان سے صفات کمال الٰہیہ تک کسی قدر ذہن پہنچ جاتا ہے۔ علماء ظاہر بعض دفعہ عارفین کو بے ادب کہہ دیتے ہیں کیونکہ ان کے کلام میں تمثیلات بہ کثرت ہوتی ہیں کہیں حق تعالیٰ کو ہوا سے تشبیہ دیتے ہیں کہیں دریا سے کہیں آفتاب سے مگر حقیقت میں عارفین سے زیادہ مؤدب کوئی نہیں اور ان تمثیلات کا عذر مولانا نے بیان کر دیا ہے کہ عاشق کو محبوب کی تصویر سے صبر نہیں آتا اسے تصویر بھی پیاری ہوتی ہے حالانکہ ذات کے آگے تصویر ہے کیا چیز محض چند نقوش کا مجموعہ مگر جو عشق سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ کاغذ کی تصویر ہی سے دل کو کس قدر تسلی ہو جاتی ہے۔ یہی حال عارفین کی تمثیلات کا ہے کہ وہ صفات الٰہیہ کی تصویر کے واسطے ناقص مثالوں کو ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ گویا ظاہر میں یہ بے ادبی معلوم ہو مگر ان کا باطن عشق کی وجہ سے سراپا ادب ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

بے ادب ترنیست زوکس در جہاں　　　باادب ترنیست روکس در نہاں

(بے ادب تر ان سے دنیا میں کوئی شخص نہیں اور باادب بھی زیادہ کوئی نہیں) (الھدیٰ والمغفرۃ ص ۴۷)

سب خدا کے قبضہ میں ہے

مولانا محمد رشید کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کو فالج پڑا تھا تو سورۃ فاتحہ تک بھول گئے تھے حالانکہ وہ بہت بڑے عالم وفقیہ تھے مگر فالج میں یہ حالت ہوئی کہ علم تو الگ رہا سورہ فاتحہ تک بھی بھول گئے تھے جو مسلمانوں کے بچوں کو بھی یاد ہوتی ہے۔ جب فالج سے افاقہ ہونے کے بعد ہفتہ بھر میں ان کو الحمد یاد ہوئی تو کثیر مقدار میں شیرینی تقسیم ہوئی تھی جیسے بچوں کو بسم اللہ کے موقع پر مٹھائی بانٹا کرتے ہیں۔ واقعی عبرت کا موقع ہے ایک بار مجھے خود یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کے بعد ذرا سی دیر مدرسہ میں لیٹ کر جو میں گھر جانے لگا تو گھر کا راستہ بھول گیا۔ حالانکہ گھر مدرسہ سے کچھ بھی دور نہیں نہ راستہ پیچدار سیدھا راستہ برسوں سے پیروں کو لگا ہوا مگر اس وقت بالکل بھول گیا اور دوسروں کے گھر پر جا پہنچا۔ جب وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ فلاں شخص کا گھر ہے تو پھر بہت ہی مشکل سے سوچ ساچ کر اپنے گھر پہنچا۔ پس سمجھ لیجئے کہ ہمارا علم کیا ہے کچھ بھی نہیں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور موٹی بات ہے کہ رات کو سوتے ہوئے روزانہ ہمارے سب علوم سلب ہو جاتے ہیں پھر یہ حق تعالیٰ کا فضل ہی تو ہے کہ صبح کو سب خزانہ واپس مل جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ جیسے سوتے ہوئے علم سے معرا ہو گئے تھے ایسے ہی صبح کو کورے کے کورے اٹھیں اس لیے ہم کو دعویٰ ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ دیکھئے حضرت بایزید کے منہ سے توحید کا دعویٰ نکل گیا تھا اسی لیے اسی وقت مواخذہ ہوا اور حقیقت کھل گئی۔ جب دعوے کے بعد ایسے کاملین کی توحید بھی ناقص ثابت ہوئی تو ہمارا تو کیا منہ ہے جو دعویٰ کریں ہماری توحید ہی کیا ہے۔ (الھدیٰ والمغفرۃ ج ۲۷)

توحید کا ایک خاص مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے

ہماری توحید تو اتنی ہے کہ دل سے اعتقاد اور زبان سے تکلماً خدا تعالیٰ کو واحد کہتے ہیں گو اس کی حقیقت منکشف نہ ہو وہ حقیقت یہ ہے:

مغرور سخن مشوکہ توحید خدا   واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(توحید خدا کا دعویٰ مت کرو کہ توحید اللہ تعالیٰ شانہ کو واحد جاننا ہے نہ کہ واحد کہنا)

یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی فاعل کا مشاہدہ ہی نہ کرے گا مگر اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ توحید کا یہ مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام لوگ اس کے مکلف نہیں ہیں

کہ کسی سبب کی طرف بھی مسبب کو منسوب نہ کریں ان کو اس کی اجازت ہے۔ بس وہ تو اس کے مکلف ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ اس کے بعد اگر وہ تاثیر مجازی کے درجہ میں کسی سبب کی طرف اثر کو مضاف کر دیں تو ان سے مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ کاملین سے اس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے وہ اس کے بھی مکلف ہیں کہ تاثیر مجازی کے درجہ میں بھی کسی چیز کی طرف اسناد نہ کریں اور عوام کو اس اس کا مکلف اس لیے نہیں کیا گیا کہ اگر وہ جملہ حوادث کی نسبت بلا واسطہ حق تعالیٰ کی طرف کرنے لگیں نافع کاموں کی بھی اور مضر کاموں کی بھی تو چونکہ ان کے قلوب میں حق تعالیٰ کی محبت وعظمت اس قدر نہیں اس لیے اندیشہ ہے کہ نعوذ باللہ ان کے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری پیدا نہ ہو جائے اور عارفین کو بوجہ غلبہ محبت کے یہ ضرر نہیں ہوتا۔ یہاں سے اسباب کی حکمت معلوم ہوگئی کہ حق تعالیٰ نے ان کو بیچ میں واسطہ اس لیے بنا دیا ہے تاکہ عوام کو ضرر یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری نہ ہو۔ اب یہاں میں آپ کو ایک بات بتلاتا ہوں جس سے حاجی صاحب کا امام فن ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت نے ضیاء القلوب میں مراقبہ توحید کو نقل کر کے تحریر فرمایا ہے لیکن محققان حال ازیں مراقبہ منع فرمودہ اند (لیکن محققین نے اس مراقبہ سے منع فرمایا ہے) (الهدیٰ والمغفرہ ج ۲۷)

ہمارا عقیدہ

علوم رسالت کے متعلق ہمارا عقیدہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب باتیں اور تمام علوم ایک دفعہ ہی معلوم نہیں ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ معلوم ہوئے ہیں اور جب تک آپ کو کسی امر کی پوری حقیقت معلوم نہ ہوتی آپ کو بے چینی اور حیرت رہتی اسی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَوَجَدَكَ ضَالاً فَهَدىٰ. وجدک حائرا طالبا للزيادة في العلم فعلمک مالم تکن تعلم** کہ خدا نے آپ کو طلب حقائق میں حیران و بے چین پایا تو آپ کو پوری طرح حقائق پر مطلع فرمایا۔ (الحج ج ۲۸)

حرام اشیاء پر تسمیہ پڑھنے کا حکم

فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام چیزوں پر بسم اللہ کہے تو کافر ہو جاتا ہے

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کو بعد انتقال کے کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری فرمایا کہ جب میں پیش کیا گیا تو پوچھا گیا کہ کیا لائے میں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ اعمال تو میرے کچھ ہیں نہیں ہاں شرک نہیں کیا توحید کا اقرار کرتا رہا۔ فرمایا اما تذکر لیلۃ اللبن یعنی دودھ کی رات تم کو یاد نہیں ہے قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک رات حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے دودھ پی لیا تھا پیٹ میں درد ہوا تو منہ سے یہ نکل گیا کہ دودھ سے درد ہوا ہے تو اس کی نسبت ارشاد ہے کہ کیا توحید یہی ہے کہ پیٹ کے درد کے اندر دودھ کو موثر سمجھو اور وہ درد بھی تو ہمارا ہی پیدا کیا ہوا تھا۔

درد از یارست درماں نیز ہم　　　دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم

(درد یار کی جانب سے اور درماں بھی اس کی طرف سے اس پر دل فدا ہے اور جان بھی)

دریں نوعے از شرک پوشیدہ ہست　　　کہ زیدم بیازرد عمر بخست

(اس بات میں شرک کی ایک خفی نوع ہے کہ زید نے مجھ کو ستایا اور عمر نے مجھ کو رنجیدہ کیا کیونکہ موثر حقیقی سوائے خدا کے کوئی نہیں)۔ (ترجیح المفسدہ علی المصلحہ ج ۲۸)

رسول کا ادب ہمارا ایمان ہے

ان بدعتیوں کو بڑی جرأت ہوتی ہے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں خدا تعالیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی گستاخی سے بھی باک نہیں کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب تو ہمارا ایمان ہے مگر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے واسطے خدا کی بے ادبی کی بھی اجازت دے دی جاوے انبیاء کی توہین کی بھی اجازت دے دی جاوے کیا خدا تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی گستاخی مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے خدا کی پناہ ان لوگوں کی عقلیں مسخ ہوگئی ہیں کہ جب ان کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور گستاخی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و تعظیم سے روکتے ہیں۔ اگر کوئی بے وضو اور بے غسل نماز پڑھنے لگے اور اس کو روکا جائے کہ اس حالت میں نماز مت پڑھو بلکہ وضو غسل کر کے پڑھنا چاہئے تو کیا اس کو مانع صلوٰۃ کہا جاوے گا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ ان لوگوں کا ذکر تھا جو محبت میں حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں لیکن اگر حدود میں رہ کر قسم کی یہ توجیہ کی جاوے کہ اس قسم میں وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ (آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے) کی قید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان و محبوبیت کی طرف اشارہ ہے اور

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا کی قسم کھانا ہے تو یہ جمع بین الادب والعشق (عشق و ادب جمع کرنا ہے) یہ توجیہ تو اہل محبت کے مذاق پر تھی۔ (ازالۃ الغین عن آیۃ العین ج ۲۸)

قدرت خداوندی

گنگوہ کا قصہ ہے کہ ایام غدر میں ایک شخص کے کنپٹی میں گولی لگی اور اس کی طاقت ختم ہو چکی تھی اس لئے پار نہ جاسکی دماغ میں مجمع نور کے موقع پر بیٹھ گئی وہ شخص فوراً اندھا ہو گیا اب گولی کس طرح نکلے پار کس طرح کریں حق تعالیٰ شانہ کی ہستی ایسے واقعات سے بین طور پر معلوم ہوتی ہے واقعہ یہ ہوا کہ سب تو اسی سوچ میں تھے کہ کیا کریں دفعۃً ایک گولی اور آئی اور عین اسی جگہ کو ہوتی ہوئی پار ہو گئی اور پہلی گولی کو ساتھ لیتی گئی اور بینائی عود کر آئی۔ غیب سے علاج ہو گیا فقط زخم کی تکلیف باقی رہ گئی اس کا علاج کر لیا گیا یہ ترکیب کس سے ہو سکتی تھی اسی کو کہا گیا ہے۔

دردم نہفتہ بہ زطبیبان مدعی باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند

(مدعی طبیبوں سے میرا مرض پوشیدہ رہا شاید خزانہ غیب سے اس کی دوا کریں)

(ازالۃ الغین عن آیۃ العین ج ۲۸)

داماد کا اسلام تو دیکھ لینا چاہئے

خدا بچاوے آج کل تو ضرورت اس بات کی ہے کہ نکاح کے وقت یہ بھی دیکھ لیا جاوے کہ کافر سے نکاح کیا جا رہا ہے یا مسلمان سے پہلے زمانہ میں تو لڑکوں کے اعمال دیکھے جاتے تھے کہ نماز اور پرہیز گار بھی ہے یا نہیں اب وہ زمانہ ہے کہ ایمان پر آ بنی ہے اعمال کو چھوڑا اگر ایمان ہی داماد کا صحیح سالم ہو تو بڑی خوش قسمتی ہے ایسی نظیریں اس وقت کثرت سے موجود ہیں کہ ایک شریف اور پکے مسلمان دیندار کی لڑکی اور وہ ایک ایسے لڑکے کے تحت میں ہے کہ وہ ضروریات دین کا بھی قائل نہیں ہے مگر دونوں خاندان خوش ہیں اور اولاد بھی ہو رہی ہے اور علانیہ اس نے کلمات کفر بکے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی اگر کوئی دوسرا آدمی کچھ کہے تو سب لوگ مارنے مرنے کو تیار ہو جاویں کہ ہماری لڑکی کو بدکار بتلایا جاتا ہے مصیبت ایسی لڑکیوں کی ہے کیونکہ وہ اگر دیندار ہوئیں اور جانتی ہوئیں کہ نکاح باقی نہیں رہا تو ان پر کیا گزرے گی مگر ظالموں کے ہاتھ میں ہیں اور بے بس ہیں ماں باپ ہی نے اس کو کنوئیں میں دھکا دیا ہے تو دوسرا کون دادرسی کرے۔ (لطایہ ج ۲۸)

نوبت ایں جارسید

لکھنؤ میں ایک محلہ ہے خیالی گنج وہاں کے ایک صاحب مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے ایک روز ذرا دیر میں آئے تو پوچھنے پر بیان کیا کہ آج وہاں ایک کمیٹی ہوئی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی کہ مسلمانوں کے تنزل کی اصل وجہ کیا ہے بہت گفتگو کے بعد جو اخیر بات طے ہوئی وہ یہ ہے کہ ان کا اصلی اور اخیر سبب تنزل کا اسلام ہے جب تک اس کو نہیں چھوڑا جاوے گا ترقی نہیں ہوگی اور یہ بات پاس ہوگئی لعنت ہے اس پاس ہونے پر اے صاحبو! خیال تو فرمایئے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے پھر اس پر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں کہ ٹھیٹ مسلمان ہیں ٹھیٹ نہیں بلکہ تمہارے اسلام کی آنکھ میں ٹینٹ نکل آیا ہے جس نے بالکل بے کار کر دیا اور جس کا علاج سوائے نشتر کے کچھ نہیں اور نشتر بھی کون سا نائی کا پھر وہ نشتر نہیں جس سے آنکھ بن جائے بلکہ وہ جس سے اور پھوٹ جاوے اور کاٹ کر نکال ڈالی جائے کیونکہ اس میں قابلیت ہی بننے کی نہیں ہے۔ (الظاہر ج ۲۸)

ایمان کی جانچ

میں بطور نصیحت اور خیر خواہی کہتا ہوں کہ جہاں دولہا کی صحت اور نسب اور حیثیت وغیرہ دیکھتے ہو اللہ کے واسطے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس کا اسلام بھی دیکھ لیا کرو وہ زمانہ گیا کہ دولہا کے صرف افعال دیکھے جاتے تھے کہ نماز اور پرہیز گار بھی ہے یا نہیں اب تو وہ زمانہ ہے کہ اگر یہی دیکھ لیا کرو تو بہت ہے کہ وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں اور لڑکی مسلمان کے گھر جا رہی ہے یا کافر کے گھر آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے آزاد ہوئے ہیں کہ بہت سوں کا ایمان اور اسلام ہی باقی نہیں یقیناً کافر ہیں ان سے نکاح صحیح ہو ہی نہیں سکتا ان کو بیٹی دینے سے چکلے میں بٹھا دینا بہتر ہے کیوں نام نکاح کا کیا بعضوں کو تو اس قدر اجنبیت ہوتی ہے اسلام سے کہ نام بھی مسلمان کا سا پسند نہیں کرتے اور اس کو ذلت سمجھتے ہیں اہل یورپ کے سے نام رکھتے ہیں اور ایسوں کو لوگ قومی لیڈر کہتے ہیں اور ان کی تعریفیں کرتے ہیں کہ بڑے ہمدرد اور باحمیت ہیں (الظاہر ج ۲۸)

خوف کے مراتب

خوف کے مراتب مختلف ہیں ایک خوف وہ ہے جو درجہ اعتقاد میں ہو یہ تو ادنیٰ درجہ ہے اور ایک وہ ہے جو درجہ حال میں ہو اور جبکہ مدار ایمان کا خوف پر ہے تو ایمان کے بھی اسی

طرح دو مرتبے ہیں ایک وہ ایمان جو صرف درجہ اعتقاد تک محدود رہتا ہے یہ تو عوام کا ایمان ہے کہ جب قلب میں ٹٹولتے ہیں تو قیامت جنت دوزخ حساب کتاب سب کا حق ہونا قلب میں پاتے ہیں اور تحریک وتذکیر وترغیب وترہیب کے وقت ہی مستحضر ہو جاتا ہے اور باقی اوقات میں اس سے غافل ہیں سو یہ ایمان اعتقادی موقوف ہے خوف اعتقادی پر اور دوسرا درجہ ایمان کا وہ جو اعتقاد سے متجاوز ہو کر درجہ حال میں آگیا ہے یہ خواص کا ایمان ہے کہ ایک خاص حالت ان پر رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ علوم اجمال کے درجہ میں ان کو ہر وقت مستحضر رہتے ہیں کسی وقت نہیں بھولتے ان کو ایک ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے جس کو یادداشت کہا جاتا ہے جیسے کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو دیکھئے کہ ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے یا کسی مقدمہ کا خوف ہو جاتا ہے ہر وقت اس کا دھیان رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بیٹھے لیٹے کھانا کھانے میں سونے میں کسی وقت اس کو نہیں بھولتا یا کوئی مرض وبائی پھیلتا ہے تو بعض لوگوں کو ہر وقت اسی کا اندیشہ ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو اس خوف کی وجہ سے مر بھی جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے تو وہ کسی وقت بھولتا نہیں اور یہ ایمان حالی موقوف ہے خوف حالی پر بس یہ شبہ جاتا رہا اور اس استحضار کا جو ایمان حالی وخوف حالی سے ہوتا ہے یہ اثر ہے کہ آدمی اس سے بروقت متاثر رہتا ہے ایسے بندے مقبول اور اہل نسبت کہلاتے ہیں ایسے لوگوں کا ایمان ہر وقت تازہ رہتا ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

تازہ کن ایمان نہ از گفت زباں　　　اے ہوا را تازہ کردہ درنہاں

(یعنی ایمان کو صدق دل سے تازہ کرو صرف زبان سے کہنا کافی نہیں تم نے تو باطن میں خواہشات نفسانی کو تازہ کر رکھا ہے) (خواص الخشیۃ ج ۲۹)

بزرگوں کی نسبت غلط اعتقاد

بعض لوگ بزرگوں سے اس لئے تعلق رکھتے ہیں کہ ان سے دنیا کا کام بن جائے گا اور ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ ان کے منہ سے نکلے گا وہی ہو جائے گا ایک شخص مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کی خدمت میں آیا اور کچھ حاجت پیش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں دعا کروں گا کہنے لگا کہ دعا تو میں بھی کر سکتا ہوں یوں کہہ دیجئے کہ اس طرح کر دیا۔

یادرکھو! بزرگوں کے اختیار میں کوئی شے نہیں ہے ان کا کام محض دعا کا ہے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ (اختیار الخلیل ج ۳۰)

عقیدہ تقدیر میں حکمت

عقائد کا شریعت نے ہم کو مکلف بنایا ہے ان میں ہر ایک کو فرداً فرداً ایک ایک عمل سے تعلق ہے کسی عقیدہ کو کسی عمل میں دخل ہے کسی کو کسی سے مثلاً تقدیر کا عقیدہ ہے اس کی ایک خاص حکمت ہے اور خاص عمل میں اس کو دخل ہے چنانچہ اس کو حق تعالیٰ نے خود بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ یعنی کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ہمارے اس کو پیدا کرنے سے پہلے کتاب یعنی لوح محفوظ میں ہوتی ہے اور یہ کتاب اللہ پر آسان ہے (اور یہ اس لئے بتلا دیا گیا) تا کہ تم اپنی فوت شدہ شے پر غمگین نہ ہو اور جو تم کو شے دی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص تقدیر کا عقیدہ راسخ کرلے گا اس کے اندر صبر اور استقلال اور ثبات پیدا ہو جائے گا کسی شے کے فوت ہو جانے کا اس کو اس درجہ غم نہ ہوگا کہ اس کو پریشان کر دے اس لئے کہ جانتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں حق تعالیٰ نے اسی طرح مقدر فرمایا تھا اور اس کا ہونا ضروری تھا اور یہ امر بہت ظاہر ہے مشاہدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (الذکر ج ۳۰)

منکر تقدیر کا حال

دو شخص فرض کر لیجئے ایک تو تقدیر کا منکر ہے اور دوسرا قائل ہے اور دونوں کے مثلاً دو بیٹے ہیں اور وہ دونوں مر گئے تو منکر تقدیر چونکہ تدبیر ہی کو موثر سمجھتا ہے اور کوئی مضمون تسکین بخش ا سکے ذہن میں نہیں اس لئے وہ اگر فرط غم اور جزع فزع سے مر جائے تو تعجب نہیں اور جو تقدیر کا قائل ہے اور جانتا ہے کہ جو واقعہ ہوا ہے اس کا ہونا تو اسی وقت ضروری تھا اور اسی میں حکمت تھی اس کو معاً یہ مضمون مستحضر ہو جاوے گا قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیں کہ ہم پر ہرگز مصیبت نہیں آسکتی مگر وہی مصیبت جو اللہ تعالیٰ

نے ہمارے لئے لکھ دی وہ ہمارا مالک ہے) اور فوراً یہ آیت پیش نظر ہو جاوے گی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (جب ان کا معین وقت آ پہنچا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں) (الذکر ج ۳۰)

ہر عقیدہ کو دستور العمل بنانے سے نفع

اگر ہر عقیدہ کو اپنا دستور العمل بنالیا جاوے تو دین و دنیا کی کامیابی حاصل ہوگی۔ غرض جب علوم کا تعلق بھی عمل ہی سے ہو تو خود عمل تو عمل ہی ہے (الذکر ج ۳۰)

عشق و محبت

شاہ ابوالمعالیؒ صاحبؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرید سے جو مدینہ شریف جارہا تھا فرمایا کہ مزار شریف پر حاضر ہو کر میرا سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا اس نے پہنچ کر سلام عرض کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس شخص کو سلام کے جواب میں مکشوف ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ اس نے آ کر شاہ صاحب کے پاس جواب پہنچایا مگر بدعتی کا لفظ نقل نہیں کیا۔ شاہ صاحب کو پہلے ہی کشف ہو گیا تھا' فرمایا وہی الفاظ کہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے اس نے کہا کہ حضرت جب آپ کو معلوم ہی ہے تو میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ ارشاد فرمایا کہ سن کر مزا آ وے گا۔ واقعی اس سننے میں بھی لطف ہے اس کے متعلق ابونواس کا شعر مشہور ہے:

الا فاسقنی خمر اوقل لی هی الخمر   ولا تسقنی سراً متی امکن الجهر

(مجھے شراب محبت پلا اور مجھ سے کہو کہ یہ شراب ہے اور مجھے پوشیدہ مت پلا جب تک ظاہر کرنا ممکن ہو)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شاہ صاحب کو بدعتی فرما دیا تو ایسے افعال پر جو کہ صورۃً بدعت تھے کیونکہ وہ سماع میں شریک ہوتے تھے مگر وہ بدعت کے حقیقی درجہ میں نہیں پہنچے ہوئے تھے کیونکہ ان کا سماع منکرات و محرمات سے پاک تھا اس لیے آج کل کے اہل سماع اس واقعہ سے استدلال نہ کر بیٹھیں اور جب ان کا سماع حقیقت میں بدعت کے درجہ پر نہ تھا تو ہم کو اس کی اجازت نہیں کہ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کو بدعتی

کہنے لگیں۔ گوحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ادنیٰ سی بات پر گرفت کا حق ہے پھر گرفت بھی محاسبانہ انداز سے نہیں بلکہ محبوبانہ انداز میں۔

ایک بوڑھی نادان عورت کی حکایت

ہمارے اسی قصبہ میں ہمارے محلّہ کی ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئیں' اب تو اس بے چاری کا انتقال ہو چکا مگر ان کی اولاد موجود ہے آ کر کہنے لگی کہ مولوی جی میں یوں پوچھوں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہیں' ان کی اس بات پر گھر میں جو مستورات تھیں سب ہنسنے لگیں' میں نے منع کیا کہ بمنسومت اس کو اس کی فہم کے مطابق جواب دو تا کہ یہ سمجھ جائے۔ غنیمت ہوا کہ اس نے یہ اعتقاد قائم نہیں کیا تھا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ زندہ نہیں بلکہ کم فہمی کی وجہ سے ہی تردد میں رہی' میں نے اس کی سمجھ کے موافق اس سے کلام کیا اور یہ پوچھا کہ بڑی بی آخر تم دیکھتی ہو کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں' دنیا میں اولاد ہوتی ہے تو یہ کام کون کرتا ہے کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ' میں نے کہا اچھا بارش کون برساتا ہے کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ' میں نے کہا جب یہ سارے کام حق تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ سب کام بدستور جاری ہیں تو اس سے تو خود معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ زندہ ہیں زندہ نہ ہوتے تو یہ کام کیسے ہوتے' کہنے لگیں کہ اب سمجھ میں آ گیا۔ تو اس بیچاری بڑھیا نے بھی حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا کہ اتنے زمانہ طویل سے موجود ہیں معاذ اللہ بوڑھے ہو گئے ہوں نہ معلوم زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ یہ حکایت تو محلّہ مخلت کی ہے۔ (الحبور لنور الصدور ج ۳۱)

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ دنیا ایک دن ختم ہو جاوے گی البتہ اہل باطل نے کہا ہے کہ دنیا ابدی ہے مگر اہل حق کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور آخرت اہل حق کے نزدیک ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہو گی ہر چند کہ طویل عرض مکانی آخرت کا بھی متناہی ہے مگر اس کے بظاہر زمانی کی کوئی حد نہیں' نصوص میں اس کی تصریح موجود ہے۔ خلدین فرمایا ہے اور ابداً فرمایا ہے جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہاں فنا نہیں (السلام التحقیقی ج ۳۱)

معتقد تقدیر کا حال

آج کل کے روشن خیال لوگوں نے مسئلہ تقدیر کو بالکل ہی چھوڑ دیا' کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر ہی سے مسلمانوں کو تنزل ہو رہا ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ تقدیر ہی

کے مسئلے کی بدولت ترقی ہوئی ہے اس سے تنزل ہرگز نہیں ہوا کیونکہ مدار ترقی کا ہمت پر ہے اور ہمت قائل تقدیر کی برابر کسی کو نہیں ہوسکتی منکر تقدیر تو فقدان اسباب کے وقت جی چھوڑ دیتا ہے اور معتقد تقدیر اس وقت بھی خدا تعالیٰ پر نظر کر کے ہمت نہیں ہارتا۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ:

عقل در اسباب میدارد نظر عشق میگوید مسبب راں نگر

(عقل اسباب اور وسائل پر نظر رکھتی ہے مگر عشق و محبت یہ کہتی ہے کہ اسباب کے پیدا کرنے والے کو دیکھ)

اسی طرح اس شخص کو کوئی پریشانی نہیں ہوسکتی جو کچھ بھی پیش آئے گا وہ اپنے دل کو یہ سمجھ کر تسلی دے لے گا کہ "**لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا**" (ہم کو ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے کہ جس خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے لکھ دیا ہے) غرض پوری راحت تقدیر ہی کے ماننے سے ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر دو شخص ایسے ہوں کہ تمول میں بھی برابر ہوں دنیاوی عیش بھی دونوں کو برابر حاصل ہو عقل اور مزاج اور قوت وغیرہ سب میں یکساں ہوں دونوں کے ایک بیٹا بھی ہو۔ غرض ہر طرح کے سامان دونوں میں برابر ہوں کسی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فوقیت نہ ہو مگر اتنا فرق ہو کہ ایک مسئلہ تقدیر کا قائل اور دوسرا منکر ہو اور اتفاق سے ایک ہی تاریخ میں ان دونوں کی اولاد مر جائے اور فرض کیجئے کہ ان کے مرنے کا ظاہری سبب یہ ہوا ہو کہ دونوں کی بیماری کی تشخیص ہونے میں اور علاج میں غلطی ہوگئی تھی۔ تو اب بتلایئے کہ ان میں سے کس کا صدمہ جلدی ختم ہوگا اور کس کا صدمہ دیرپا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو تقدیر کا قائل ہے اس کو بہت جلد راحت نصیب ہو جائے گی کیونکہ صدمہ پڑتے ہی اس کو یہ خیال ہوگا کہ "**ما اصابکم من مصیبۃ فباذن اللہ**" (جو کچھ بھی پہنچی تم کو مصیبت میں سے بس وہ خدا کی اجازت سے پہنچی ہے) کہ خدا کو یہی منظور تھا۔ نیز اس کو فوراً خیال ہوگا کہ ممکن ہے اس کی موت ہی میں کوئی مصلحت ہو۔ ان خیالات کے آتے ہی اس کا صدمہ ختم ہو جائے گا برخلاف منکرین تقدیر کے کہ اس کو ساری عمر یہ غم لگا رہے گا کبھی سوچے گا کہ افسوس میں نے فلاں تدبیر نہ کی ورنہ ضرور میں کامیاب ہوتا اور لڑکا بچ جاتا کبھی کہے گا کہ فلاں بد پرہیزی نہ کی جاتی تو ہرگز نہ مرتا۔ غرض اسی طرح کے پریشان کن خیالات میں تمام عمر غلطاں پیچاں رہے گا۔ اب میں پوچھتا ہوں عقلاء زمان بتلایئے کہ اس موقعہ پر پریشانی کا دفعہ کرنا اور راحت حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو ذرا

مہربانی کرکے بتلا دیجئے کہ سوائے مسئلہ تقدیر کے ماننے کے اور کون سی ایسی صورت ہے کہ اس شخص کی پریشانیاں دور کردی جائیں اور اسے راحت نصیب ہو جائے۔ افسوس شریعت نے کتنا پاکیزہ مسئلہ ہم کو دیا اور ہم نے اس کی یہ قدر کی۔ ہماری وہ حالت ہے کہ گدھے کو دیا تھا نمک اس نے کہا میری آنکھیں پھوڑ دیں۔ (فضائل العلم والخشیۃ ج ۳۱)

بانی اسلام صرف خدا ہے

اکثر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بانی اسلام کے لقب سے ملقب کرتے ہیں حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ یہ لقب عیسائیوں نے تجویز کیا تھا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے بلکہ آپ کے احکام کو آپ کا تجویز کردہ کہتے ہیں مگر مسلمانوں نے محض تقلیداً یہ لفظ اختیار کر لیا۔ صاحبو! یاد رکھو بانی اسلام صرف خدا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے کہ:

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

(فضائل العلم والخشیۃ ج ۳۱)

صاحبو! یہ ترقی اسلام کی ترقی تو ہرگز نہیں، اسلام ایسی ترقیوں سے غنی اور بیزار ہے بلکہ سچ پوچھو تو اسلام کی ترقی تو تمہارے صوفی وضع بننے سے بھی نہیں ہوتی۔ جب تک ایمان دل میں پیوست نہ ہو جائے کیونکہ اسلام کے معنی ہیں "شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ" (گواہی دینا اس بات کی کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) اور شہادت میں بشہادت آیت "اذا جاءک المنفقون الخ" (جبکہ آتے ہیں آپ کے پاس منافقین) توافق قلب ولسان ضروری ہے تو ترقی شہادتین کی یہ ہوئی کہ وہ دل میں رچ جائے اور یہ حال ہو جائے۔

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مردے کاملے پامال شو

(قیل قال (اعتراض و جواب) کو چھوڑ صاحب حال بزرگ بن جا اور بزرگ کامل کے سامنے پامال (اپنے کو عاجز کردے) ہو جا)

دوسرے حکیم کہتے ہیں:

علم رسمی سربسر قیل است و قال　　نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

(رسمی علم سراسر قیل وقال ہے اس سے نہ تو کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کا حال پیدا ہوتا ہے)

انکار رسالت کفر ہے

اگر کوئی خدا کو بھی مانتا ہو مگر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتا ہو تب تو اعمال کے حبط ہو جانے کی کوئی وجہ ہی نہیں معلوم ہوتی اور اس شبہ میں بہت سے لوگ مبتلا پائے گئے کہ وہ انکار رسالت کو کفر نہیں سمجھتے میں کہتا ہوں کہ اول تو نصوص قطعیہ اس کی تکذیب کرتی ہیں اور جن نصوص سے یہ شبہ واقع ہوا ہے ان کی صحیح تفسیر ان لوگوں نے نہیں سمجھی یہ تو کلام ہے نقل و تحقیق کی حیثیت باقی عقل و الزام کی حیثیت سے یہ جواب ہے کہ جو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا وہ واقع میں خدا کو بھی نہیں مانتا اور مان بھی نہیں سکتا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ خدا کے ماننے کے معنی کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اسے کہتے ہیں کہ جیسا خدا ہو ویسا ہی اسے اعتقاد کرے، اگر کسی نے اور طرح کا مان لیا تو اس نے خدا کو نہیں مانا بلکہ اپنے خیال کو مانا مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں بادشاہ کو مانتا ہوں اور کوئی پوچھے کہ خبر بھی ہے بادشاہ کیسا ہے اور وہ کہے کہ اس کے ایک آنکھ ہے ایک ٹانگ ہے ہاتھ دونوں کٹے ہوئے ہیں حالانکہ دراصل بادشاہ بہت حسین و جمیل ہے اور اس میں کوئی نقص یا عیب نہیں ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے بادشاہ کو مانا، بادشاہ کو کہاں مانا، بادشاہ تو نہایت حسین و جمیل ہے اور سب نقائص سے پاک ہے اس نے تو اپنے خیال سے ایک نیا بادشاہ تصنیف کر لیا ہے اس کو مانا ہے تو خدا کے ماننے کے یہ معنے ہیں کہ وہ جیسا ہے ویسا ہی اسے مانے یعنی تمام کمالات کے وجود کا اس میں اعتقاد رکھے اور چونکہ من جملہ کمالات کے ایک کمال سچا ہونا بھی ہے اس لیے اگر خدا کو سچا نہ مانے تو یہ بھی خدا کا نہ ماننا ہی ہوا بلکہ انکار ہی ہوا۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب یہ دیکھئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں محمد رسول اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تو خدا کو جھوٹا سمجھا اور اس کے ایک کمال کا انکار کیا یعنی سچے ہونے کا ان سب مقدمات سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا تو وہ خدا سے باغی ہوا اور اس کو تسلیم ہی کر لیا گیا ہے کہ جس نے خدا سے بغاوت کی وہ مستحق ہے عذاب ابدی کا۔ تو صاحبو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باغی ہونا مستلزم ہے خدا سے باغی ہونے کو۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

نماز

- نماز فوائد و برکات
- نماز کے اسرار و جامعیت
- نماز میں خشوع و خضوع کی اہمیت
- خشوع و خضوع کے حصول کے طریقے
- احکام نماز سیکھنے کی ضرورت و اہمیت
- مسائل و آداب نماز سے بے خبری کے نقصانات

نماز کی تاکید

نماز کی تاکید کے متعلق ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایک شخص کو مسجد میں امام بناؤں اور خود ان لوگوں کی تلاش کروں جو عشاء کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے (اور ان کو کوئی عذر بھی نہیں) پھر اپنے غلاموں کو حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادیں۔ عشاء کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ منافقین اس وقت کی جماعت میں نہیں آتے تھے۔

اللہ اللہ! حضور کی تو ایسی شفقت ورحمت ہے کہ باوجودیکہ کفار کو بھی آگ سے جلانا آپ کو گوارا نہ تھا۔ جیسا حدیثوں میں وارد ہے مگر تارک جماعت کے لئے آپ نے اسکا ارادہ فرمایا۔

اس سے سمجھ لیجئے کہ جماعت کا شریعت میں کس قدر اہتمام ہے پس نماز کی پابندی کے لئے جماعت کی پابندی کرنا چاہئے۔ اگر کوئی عذر مانع ہو تو خیر۔ مگر عذر بھی آپ کا تراشا ہوا نہ ہو۔ بلکہ شریعت کا مانا ہوا عذر ہو۔ یہ تو آپ کے لئے حکم ہے یعنی ہر مکلف کیلئے کہ ترک جماعت پر عذر شرعی سے اقدام کرے بدوں اس کے نہ کرے۔ (الصبر والصلوٰۃ ج۹)

نماز میں قرأت

نماز میں پوری آیت بلکہ پوری سورت پڑھنی چاہیے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ لمبی لمبی سورتیں پوری پڑھا کرے جس سے مقتدیوں کو تکلیف ہو بلکہ ہر وقت کے مناسب جتنی مقدار فقہاء نے بتلائی ہے اس کے موافق سورتیں پڑھنا چاہئیں۔ نماز کا تو یہی حکم ہے مگر تبلیغ میں اس کا مضائقہ نہیں کہ ایک آیت وسط میں سے شروع کردے یا وسط میں قطع کردے۔ یہ توجیہ تھی جزو آیت پر اکتفا کرنے کی۔ (تعمیم التعلیم ج۲)

اللہ سے ہمکلامی

بعض لوگ دھوپ کی وجہ سے جماعت کی نماز ترک کردیتے ہیں لیکن اگر اس وقت حاکم

بلاوے تو دھوپ بھی مانع نہ ہو۔ عین دوپہر کے وقت جاویں گے پھر وہاں سے آ کر دھوپ کی کچھ شکایت نہ کریں گے بلکہ حاکم سے ملاقات کرنے پر فخر کریں گے کہ ہم سے آج خوب باتیں ہوئیں۔ حاکم نے فلاں مقدمہ کی بابت ہم سے یوں سوالات کئے۔ ہمارے فلاں معاملہ کے متعلق یوں کہا حالانکہ یہ کوئی فخر کی بات نہ تھی۔ آخر حاکم کون ہے تمہارے جیسا ایک آدمی ہے فخر کی بات تو یہ ہے کہ نماز میں حق تعالیٰ سے باتیں ہوتی ہیں ہم اس قابل تو کہاں تھے کہ خدا تعالیٰ ہم سے باتیں کرے۔ واللہ ہم تو اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ہم ان کا نام ہی لے لیں۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

اگر ہم ہزار بار بھی اپنے منہ کو مشک اور عرق گلاب سے دھو لیں لیکن پھر بھی اس سے اللہ کا نام لینا کمال بے ادبی ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

حقوق نماز

اگر کوئی یہ کہے کہ نماز کی قابلیت تو کیفیات پر موقوف نہیں ہے جن لوگوں نے مجاہدات نہیں کئے اور ان کو کیفیات حاصل نہیں ہوئیں۔ نماز پڑھتے ہیں تو بات اصل میں یہ ہے کہ نماز کے بھی حقوق ہیں۔ اگر یہ نماز پڑھتے ہیں مگر جو اس کے حقوق ہیں وہ ان سے ادا نہیں ہوتے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **مقبلاً علیها بقلبه**

پس نماز کی طرف دل متوجہ ہو۔ پس نماز کے اندر خشوع اور خضوع بھی ہونا ضروری ہے اور فرماتے ہیں **ان تعبداللہ کانک تراہ** (الصحیح البخاری ۶: ۱۴۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱: ۲۰۳) کہ حق تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا خدا کو دیکھتے ہو اس کا مطلب یہ نہیں کہ خیال کر لیا کرو کہ خدا کو دیکھ رہے ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی عبادت کرو جیسے کہ اگر خدا کو دیکھتے ہوتے تو اس وقت عبادت کس طرح کرتے اور ظاہر ہے کہ اس وقت نماز کے اندر کسی بات کی فروگذاشت نہ کرتے۔ حضور قلب بھی ہوتا ہے اور خشوع بھی تعدیل ارکان بھی ہوتی۔ پس اب بھی اس طرح کی عبادت کرو اور **فان لم تکن تراہ فانه یراک** یہ اس کی علت ہے۔ یعنی ایسے سے عبادت اس لئے ضروری ہے کہ گو تم خدا کو نہیں دیکھ سکتے مگر خدا تو تم کو دیکھتا ہے اور اس کا مقتضا بھی اسی اہتمام کے ساتھ عبادت کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو تو جیسے اس کا یہ مقتضا تھا کہ نماز کے اندر کوئی فروگذاشت نہ ہو اسی طرح اس کا بھی یہی مقتضا ہے۔ لہٰذا اب بھی ویسی نماز پڑھنی چاہئے جیسی اس صورت میں پڑھتے۔

پس یہ معنی ہیں اس حدیث کے اور اسی لئے اس کا نام احسان ہے یعنی نیکو کردن عبادت (یعنی عبادت کو اچھی طرح ادا کرنا) پس مطلوب ایسی عبادت ہے نماز ہو تو ایسی قرآن مجید کی تلاوت ہو تو ایسی ہو۔ مطلوب تو عبادت کا یہ درجہ ہے اور یہ درجہ ہم کو حاصل نہیں ہے۔ پس اس کو حاصل کرنا ضروری ہے اور تحصیل کے طریق مختلف ہیں تو جن کی استعداد کامل ہے ان کی تو ذرا توجہ بھی کافی ہے اور جن کی استعداد ضعیف ہے ان کو صرف توجہ سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی بعض دفعہ تو خود حدیث ہی کے لئے یہ توجہ نا کافی ہوتی ہے پس ضرورت اس کی ہوئی کہ توجہ کو یکسوئی کا عادی کریں پھر اس سے نماز میں کام لیں۔ صحابہ کی استعداد چونکہ کامل تھی۔ ان کو محض توجہ کافی تھی اور ہماری استعداد میں ہوا ضعف اور ہم کو ہوا حضور سے بعد۔ اس لئے اب ہم کو ضرورت ہوئی اس بات کی کہ کچھ شغل کریں تا کہ توجہ میں یکسوئی حاصل ہو جائے پھر اس سے عبادت میں کام لیں تا کہ جیسی عبادت مطلوب ہے ویسی ہی ادا ہو۔ اس میں لوگوں کو آج کل بڑی غلطیاں واقع ہو رہی ہیں کہ ناواقف لوگ مجاہدات سے کیفیات مکاشفات ہی کو اصلی مقصود سمجھتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہو کر لذت حاصل کرتے ہیں۔

صاحبو! یہ بہت خطرناک بات ہے اس سے غلطی میں پڑ جانے کا بہت قوی شبہ ہے کیونکہ کیفیات تو اہل باطل کو بھی ہو جاتی ہے رہے مکاشفات مثلاً الوان واصوات سو یہ بہت کم ملکوتی ہوتے ہیں بلکہ اکثر متخلیہ کی صورتیں ہیں۔ اور اگر ملکوتی بھی ہوئیں تو وہ ہے کیا چیز وہ بھی مخلوق ہی تو ہے پس جب آپ اس کے تماشہ میں لگ گئے اور اس سے لذت حاصل کرنے لگے۔ تو آپ نے ایک مخلوق کو ترک کر کے دوسرے کو اختیار کیا تو ہر حال میں توجہ الی المخلوق (مخلوق کی طرف توجہ) ہی رہی اور مقصود ہے توجہ الی الخالق (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا) پس مقصود سے اب بھی دور ہی رہے۔ (اتباع المنیب ج ۲)

معرفت خداوندی اور لطف نماز

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو بچپن میں مر جانا اور خطرات سے محفوظ ہونا پسند ہے یا بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا پسند ہے۔ فرمایا کہ مجھے بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا زیادہ پسند ہے بچپن کی موت پسند نہیں کیونکہ بلوغ کے بعد معرفت حق عز وجل زیادہ ہوتی ہے جو بچپن میں نہیں ہوتی۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی معرفت پر خوش ہو کر فرماتے ہیں۔

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست　　　آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردان پر آفرین ہے)

میں نے حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ بھائی جنت کا مزہ برحق، کوثر کا مزہ برحق، مگر نماز میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ جب ہم سجدہ میں جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے پیار کرلیا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب ہم جنت میں جائیں گے اور حوریں آئیں گی تو ہم ان سے کہہ دیں گے کہ بی اگر قرآن سناؤ بیٹھو ورنہ چلتی۔ (الغالب للطالب ج ۴)

نماز کی برکت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی** (بامراد ہوا جو شخص (خبائث عقائد و اخلاق سے) پاک ہوگیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا) مگر یہ بات اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز کی تکمیل کرے، وقت پر پڑھے، جماعت کے ساتھ ادا کرے، قرآن کی تصحیح کرے، قلب کے متوجہ کرنے کی کوشش کرے اگر متوجہ نہ ہو تو کسی شیخ سے پوچھے۔ اور خود تو کرے ہی دوسروں کو اس کی ترغیب دلائے۔ جو اچھی چیز ہوتی ہے۔ اس کو دوسروں کو بھی بتلاتے ہیں۔ اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وتواصوا بالحق (اور ایک دوسرے کو (اعتقاد) حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے)۔ جہاں توقع ہو راہ پر آنے کی وہاں ضرور کہو مگر نرمی سے کہو دوسرے کو ذلیل مت سمجھو۔ ممکن ہے کہ کوئی چیز اس میں ایسی ہو کہ وہ اس کی وجہ سے ہم سے بڑھ جائے۔ اگر کسی کو سیاست کرنی پڑے تب بھی حقیر مت سمجھو اگر کوئی کہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سیاست کی جائے اور اس کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ (الصلوۃ ج ۱۰)

فرض نماز کی اہمیت

فرض نماز ہے جو تمام عبادات میں افضل ہے اور قرب جس قدر فرائض ادا کرنے سے ہوتا ہے کسی عبادت سے اس قدر نہیں میسر ہوتا۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میرا بندہ مجھ سے فرائض کے واسطہ سے جو قرب حاصل کرتا ہے ویسا قرب اور کسی عبادت سے اس کو نہیں حاصل ہوتا۔ مگر اس

میں زیادت جائز نہیں۔ مثلاً ظہر کے فرض چار ہیں کوئی شخص پانچ یا چھ پڑھنا چاہے تو اس کو اجازت نہیں بلکہ ایسا کرنا حرام ہے۔ پس کام تو اتنا ہی کرو جتنا بتلایا ہے اور زیادہ مت کرو اور اجر کی انتہا نہیں۔ سبحان اللہ کیا شان کریمی ہے کہ محنت کی زیادتی کو منع کردیا اور اجر کی زیادت کا وعدہ فرمایا البتہ نوافل میں تکثیر کی اجازت ہے۔ مثلاً شب و روز نوافل پڑھنا چاہے تو اجازت ہے مگر طلوع و غروب و استواء کے وقت اور بعد الفجر الی طلوع الشمس (فجر کے بعد سورج نکلنے تک) اور بعد العصر (عصر کے بعد) ممانعت ہے ان اوقات میں پڑھنا گناہ ہے۔ سو اس میں بھی علی الاطلاق کثرت کی اجازت نہیں۔ کیا عنایت و رحمت ہے کہ اجر کا تو حساب نہیں اور طاعت حساب ہی ہے ہو گو کتنی ہی بڑی طاعت ہو حتیٰ کہ بعض جگہ یہ سخت حکم لگایا ہے کہ اگر کوئی زیادہ کرے گا تو طاعت نہ ہوگی بلکہ معصیت ہوگی۔

روزہ اتنی بڑی عبادت ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو حق تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔ مگر ۳۰ رمضان کے بعد یا اگر ۲۹ رمضان کو چاند نظر آجائے تو ۲۹ کے بعد وہی روزہ جو سب میں زیادہ پسندیدہ تھا، مبغوض ہو جاتا ہے یعنی عید کے روز روزہ رکھنا مکروہ تحریمی اور مبغوض الی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی راز کو اہل اللہ نے سمجھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

بزہد و ورع کوش صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

زہد و پرہیزگاری اور صدق و صفا میں کوشش کرو مگر نہ اتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جائے۔

شارع پر زیادتی کرنا گویا شریعت میں اصلاح دینا ہے اور اس کو ناقص سمجھنا ہے اور ظاہر ہے کہ قانون شاہی کا مقابلہ کرنا بغاوت ہے۔ شریعت کے آگے مت بڑھو۔ جہاں اور اسرار ہیں بدعت کے حرام ہونے میں وہاں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے ساتھ سہولت چاہتے ہیں اور بندہ اپنی ذات پر سختی کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یریداللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں۔ (الفطرج ۱۰)

نماز کی جامعیت

اہل لطائف نے نماز کو جامع جمیع عبادات کہا ہے۔ اس طرح کہ نماز کے اندر نماز تو ہے

ہی۔ تلاوت قرآن مجید بھی ہے۔ کھانا پینا بھی نماز کے اندر ممنوع ہے وہ گویا روزہ کے معنی ہوئے نمازی متوجہ ہوتا ہے خانہ کعبہ کی طرف، وہ گویا حج کے معنی ہوئے۔ کسی سے بولتا چالتا نہیں اور مسجد کے اندر ہی رہتا ہے۔ تو گویا نماز میں معنی اعتکاف کے بھی ہوئے۔ کچھ نہ کچھ خرچ بھی کرنا پڑتا ہے مثلاً کپڑا ہی بنایا جانماز ہی خریدی گویا معنی زکوٰۃ اور انفاق کے بھی نماز کے اندر پائے گئے۔ تو اس طرح سے بعض عبادات کے غیر رمضان میں بھی جامع الانوار ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ نماز کے اندر تو اور عبادات کے صرف معنی ہی پائے جاتے ہیں۔ اور رمضان المبارک میں ہر عبادت اپنے کامل ہیئت پر موجود ہے چنانچہ نماز کے اندر جو روزہ کی صفت پائی جاتی ہے وہ صرف ایک ساعت کے اعتبار سے ہے اور ایک ساعت کا روزہ اس کی صورت اصلی کے اعتبار سے کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح اعتکاف بخلاف رمضان المبارک کے کہ اس میں جتنی چیزیں ہیں سب مستقل طور پر موجود ہیں۔ صوم ہے وہ مستقل قرآن مجید کی تلاوت ہے وہ مستقل اعتکاف ہے وہ مستقل لیالی قدر کی بیداری ہے وہ مستقل ۔ یہ سب مستقل ہیں۔ یہ خاصیت کسی زمانہ میں یا کسی طاعت میں نہیں ہے۔ ایسی جامعیت ہے اس کے اندر۔ (رمضان فی رمضان ج۱۰)

جماعت کی فضیلت

جماعت میں نیک بھی ہوتے ہیں ان کی نماز غالباً قبول ہوگی اور بروں کی نماز بھی چونکہ نیکوں کے ساتھ ہے اس واسطے وہ بھی قبول ہو جائے گی اس کی ایک فقہی نظیر ہے وہ یہ کہ اگر متعدد اشیاء ایک سودے سے خریدی جائیں تو یا سب واپس کی جاتی ہیں یا سب رکھی جاتی ہیں اور جو ہر ایک کا الگ الگ سودا ہوتا ہے تو معیب کو واپس کر سکتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے یہی معاملہ کرتا ہے اسی لیے جماعت مشروع فرمائی کیونکہ یہ تو مستبعد ہے کہ سب کی نمازیں واپس فرمائیں تو سب ہی قبول فرمالیں گے۔ البتہ اس میں ایک یہ شبہ رہ گیا کہ جماعت تو صرف فرضوں کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو اس جماعت کے ذریعے سے قبول ہوگئی مگر سنت باقی رہ گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تابع ہمیشہ اپنے متبوع کے حکم میں ہوا کرتا ہے سنتیں تابع ہیں فرضوں کی وہ بھی فرضوں کے ساتھ قبول ہو جائے گی جیسے کوئی شخص گائے بھینس خریدے تو اس کے رسے وغیرہ بھی گو وہ کیسے ہی بوسیدہ ہوں لے لیتا ہے۔ غرض انضمام واقتران کے یہ فوائد ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص اعمال دنیویہ میں بھی نیت خیر رکھے گا تو اس کو ضرور ثواب ملے گا۔ (سیرت صوفی ج۱۱)

فوائد نماز

نماز مسلمانوں کو برے کاموں سے روک دیتی ہے اس پر ظاہر میں اشکال پڑتا ہے کہ ہم تو بہت نمازیوں کو برے کام کرتے دیکھتے ہیں۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ نماز سے برے کام ضرور کم ہو جاتے ہیں۔ اگر اس شخص کی نماز کامل ہے۔ خشوع و خضوع و جملہ آداب کے ساتھ ہے۔ تب تو یہ شخص بالکل برے کاموں سے محفوظ ہو جائے گا اور اگر اس کی نماز ناقص ہے تو جیسی نماز ہے اسی کے مناسب برے کام چھوٹ جائیں گے۔ غرض جس درجہ کی نماز ہوگی اس درجہ کی نہی عن الفحشاء ہوگی۔ تجربہ کر لیا جاوے کہ دو جماعتوں کا امتحان کر کے دیکھو۔ ایک وہ جو بالکل بے نمازی ہے دوسری وہ جو نمازی ہے (گو ان کی نماز کسی درجہ کی ہو) یقیناً نمازی جماعت کے اندر برے کام کم ہوں گے اور بے نمازیوں میں ان کی نسبت سے زیادہ ہوں گے۔ تو مشہور تفسیر پر اشکال واقع ہوتا تھا جس کا جواب دینے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جو تفسیر اس وقت القاء ہوئی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں پڑتا وہ یہ کہ نماز اہل فحشاء و منکر کو نمازی کے پاس آنے اور اس کے بہکانے سے روک دیتی ہے۔

اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان گوز مارتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے اور اس کا اقرار کفار کو بھی ہے۔ چنانچہ مندر کے پاس اذان دینے سے وہ لوگ روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آذان کی آواز سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔

ایک راجہ کے یہاں ہندو پنڈتوں نے استغاثہ دائر کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد مندر کے پاس ہے۔ جس میں وہ اذان دیتے ہیں ان کو اس سے منع کیا جائے کہ زور سے اذان نہ کہا کریں۔ ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔ راجہ نے وزیر سے کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے چونکتا تھا تو ہم نے اس کی چمک نکالنے کیلئے یہ تدبیر کی تھی کہ اس کو توپ کے پاس رسوں سے بندھوا کر خوب توپ چلانے کا حکم دیا تھا جس سے اس کی چمک جاتی رہی تھی۔ تو ہمارے دیوتا اگر اذان سے بھاگتے ہیں تو یہ ہم کو بہت مضر ہے۔ مسلمان جب چاہا کریں گے ان کو بھگا دیا کریں گے۔ لہٰذا ان کی چمک نکالنی چاہیے اور مسلمانوں سے کہنا چاہیے کہ خوب زور سے اذان دیں یہ تو ہمارے ہی واسطے مفید ہے۔

غرض جب کفار کے دیوتا اذان سے بھاگ جاتے ہیں تو جس گاؤں میں اذان ہوگی وہاں کفار بھی نہ آسکیں گے اور اگر آویں گے بھی ان کے حوصلہ پست ہو جائیں

گے۔ پس یہ تفسیر اس آیت کی بہت عمدہ لطیف ہے اور واقعی اس پر کوئی بھی اشکال نہیں چنانچہ اس وقت جو لوگ بھی دشمنوں کے بہکانے سے مرتد ہوئے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کو نماز سے کچھ علاقہ نہ تھا اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ فتنہ ارتداد سے بچنے کے لئے خود بھی نماز کی پابندی شروع کریں اور دیہات میں بھی مسلمانوں کو نمازی بنانے کی کوشش کریں۔ حفاظت اسلام کے لئے ایک تو یہ عمل ضروری ہے۔ (محاسن اسلام ج۱۱)

نماز کی خوبی

ایک خوبی اسلام کی یہ ہے کہ نماز کو کس خوب صورتی کے ساتھ شروع فرمایا ہے اس کی نظیر کوئی مذہب نہیں دکھا سکتا۔ شروع سے لے کر آخر تک خدا کی حمد و ثنا تکبیر و تعظیم ہی ہے۔ کبھی رکوع ہے۔ کبھی سجدہ، کبھی قیام ہے کبھی قعود۔ گویا عاشق اپنے محبوب کی خوشامد کر رہا ہے نہ کسی طرف دیکھتا ہے نہ کسی سے بات کرتا ہے۔ کبھی محبوب کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے کبھی جھکتا ہے کبھی پاؤں پڑتا ہے کبھی ادب سے بیٹھ کر عرض معروض کرتا ہے۔ غرض عجیب عبادت ہے۔ (محاسن اسلام ج۱۱)

نماز مطلوب ہے

ایک عہدہ دار نے اپنی بیوی سے پوچھا تھا کہ تو جو اتنے زمانے سے نماز پڑھ رہی ہے تجھے کیا ملا! میں نے یہ بات سنی تو کہا کہ میں اس کا یہ جواب دیتا کہ نماز ملی کیونکہ نماز خود بہت قیمتی چیز ہے جس کو یہ دولت مل جائے اس سے یہ سوال کرنا کہ تجھے کیا ملا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو کسی سے روپیہ وصول ہوا اور اس سے پوچھا جاوے کہ مال لے کر تجھے کیا ملا، ہر شخص اس سوال کو فضول کہے گا کیونکہ مال خود مطلوب ہے اس کے مل جانے کے بعد کسی اور چیز کے ملنے کی کیا ضرورت ہے اسی طرح نماز خود مطلوب ہے جس کو یہ مل گئی اس سے یہ پوچھنا کہ تجھے کیا ملا حماقت ہے اور دخول جنت کو جو نماز کا ثمرہ کہا جاتا ہے تو وہ بھی نماز کا ایک ثمرہ ہے ورنہ حقیقت میں نماز خود مطلوب ہے کیونکہ اس کی حقیقت قرب حق ہے قرآن مجید میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کر کے قرب و وصال حاصل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے **اقرب ما یکون العبد حین یسجد فی الصلوٰۃ** (الصحیح لمسلم کتاب الصلوٰۃ: ۲۱۵، سنن ابی داؤد: ۸۷۵، سنن النسائی ۲: ۲۲۶۔) انسان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے جنت بھی قرب ہی کے لئے مطلوب ہے بالذات مقصود نہیں۔

عاشقاں جنت برائے دوست می دارند دوست

حدیث شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللھم انی اسئلک الجنة وما قرب الیھا من قول او عمل (مسند أحمد۲:۱۷۱، المصنف لابن أبی شیبۃ ۱۰:۲۶۴، کنز العمال:۳۶۱۰۔) (اے اللہ میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس (چیز) کا جو جنت سے قریب کردے قول یا عمل) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال قرب کو جنت کے ساتھ سوال میں معطوف کیا ہے اگر جنت ہی مطلوب ہے اور یہ اعمال خود مقصود نہیں تو سوال جنت کے بعد ان کے مانگنے کی کیا ضرورت تھی اگر یہ کہا جائے کہ جنت کا ملنا ان پر موقوف ہے اس لئے ان کا سوال کیا گیا اور اسی لئے الیھا بڑھایا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ (جب ایک چیز ثابت ہوگئی اس کے لوازمات بھی ثابت ہوگئے) جب حصول جنت اعمال پر موقوف ہے تو سوال جنت میں ان کا سوال بھی آ گیا تھا ان کے لئے مستقل سوال کی ضرورت نہ تھی اور الیھا کا بڑھانا اس لئے ہے کہ ظہور قرب جنت میں ہوگا گو حصول اب بھی ہوسکتا ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کے بعد اعمال قرب کو مانگنا بتلا رہا ہے کہ یہ اعمال خود بھی مطلوب ہیں اس لئے ان کو مستقل طور پر مانگا گیا اور اس کا راز وہی ہے کہ ان اعمال کی حقیقت قرب ہے اور جنت بھی قرب ہی کی وجہ سے مطلوب ہے تو یہ اعمال بھی قرب کی وجہ سے مطلوب ہیں اور قرب حق جنت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں دنیا میں بھی ہوسکتا ہے چنانچہ خود ارشاد ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ سجدہ کرلو اور قربت حاصل کرلو، اگر دنیا میں قرب نہ حاصل ہوسکتا تو سجدہ پر اس کو متفرع نہ فرماتے۔ (المودۃ الرحمانیہ)

نماز کا مزا

میں نے ایک بزرگ صاحب کشف سے خود سنا ہے فرماتے تھے کہ جنت کا مزا برحق کوثر کا مزا برحق مگر خدا کی قسم جو مزا نماز میں ہے وہ نہ جنت میں ہے نہ کوثر میں ہے ہم جب سجدہ کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا حق تعالیٰ نے پیار کرلیا پھر فرمایا کہ میں نے تم سے کہہ دیا ہے سب سے کہنے کی بات نہیں مگر میں نے اس کو مجمع میں اس لئے کہہ دیا کہ قلوب کسی طرح تو جاگیں اور ان اعمال کی قدر کریں پس بخدا یہ نماز اور ذکر وغیرہ خود بھی مطلوب ہیں مولانا نے ایک ذاکر کی حکایت لکھی ہے کہ اس کو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تو عرصہ سے

اللہ اللہ کرتا ہے مگر ادھر سے نہ سوال ہے نہ جواب ہے، نہ سلام ہے نہ پیام ہے اس سے فائدہ کیا، اس وسوسہ نے ایسا غلبہ کیا کہ اس نے ایک رات سب ذکر و شغل چھوڑ دیا اور پڑ کر سو رہا، خواب میں اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے ذریعے سے پوچھا کہ میاں آج تم نے ہم کو کیوں یاد نہیں کیا اس نے وہی جواب دیا کہ حضور عرصہ سے اللہ اللہ کر رہا ہوں مگر ادھر سے نہ کچھ پیام ہے نہ جواب ہے فرشتہ نے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا ۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست　　　　دیں نیاز وسوز و دردت پیک ماست

(تیرا اللہ ہی کہنا ہمارا جواب ہے اور تیرا یہ سوز و ناز اور درد ہمارا قاصد ہے)

فرمایا کہ میاں تمہارا یہ اللہ اللہ کرنا ہی ہماری طرف سے لبیک اور جواب ہے اگر ہم کو تمہارا ذکر پسند نہ ہوتا تو ایک بار کے بعد دوبارہ ہمارا نام نہ لے سکتے، صاحبو! خدا کی قسم اگر حق تعالیٰ کو ہمارا ذکر کرنا ناگوار ہوتا تو دوبارہ ہم ہرگز ان کا نام دل سے نہ لے سکتے تھے، مجھے اپنا قصہ بچپن کا یاد ہے کہ ایک طالب علم نے مجھے چڑانے کے واسطے بار بار میرا نام میرے سامنے لیا، اشرف علی، اشرف علی اشرف علی جیسے کوئی وظیفہ پڑھتا ہو، مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے ایک تھپڑ رسید کیا اور دھمکایا کہ خبردار جو تو نے آج سے میرا نام لیا تجھے کیا حق ہے میرا نام لے، اے صاحبو! ہم کیا ہیں کیا چیز ہیں کسی کی زبان پر ہمارا کیا قبضہ ہے مگر جتنا بھی اختیار تھا ہم نے اس سے کام لیا اور اپنا نام لینے سے ایک شخص کو روک دیا اس سے سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا ذکر کرنا گوارا ہوتا تو وہ کیوں ہی ہم کو اپنا نام لینے دیتے، زبان کا روک دینا ارادہ کا بدل دینا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے، پس ان اعمال کی توفیق ہونا ہی حق تعالیٰ کے توجہ کی دلیل ہے تو یہ اعمال خود بھی مطلوب ہیں (المودۃ الرحمانیہ ج ۱۴)

ہماری نماز پر سزا نہ ہونا غایت رحمت ہے

آپ اپنے معاملہ کو اللہ میاں کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ ادھر سے تو حاضری کی اجازت ہر وقت یعنی نفل نماز کے لئے اجازت ہے جب چاہو پڑھو (باستثناء تھوڑے سے وقتوں کے) مگر ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں یہاں تک کہ پکڑ کر بلانے کی نوبت پہنچی ۔ یعنی فرض نماز کا وقت آیا نہایت کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہنچے ۔ برا بھلا وضو کیا اور با کراہ نیت نماز کی یعنی سامنے باتیں کرنے کو کھڑے کئے گئے ۔ کھڑے

ہوتے ہی منہ ایسا پھیرا کہ کچھ خبر نہیں صرف الفاظ زبان پر جاری ہیں۔ دھوکا دینے کے واسطے آداب شاہی بجا لا رہے ہیں یعنی **سبحانک اللّٰھم** (اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے) پڑھا' اللہ میاں نے اس منہ پھیرنے پر نظر نہ کی اور کلام شروع کیا۔

چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں) پر جواب ملنا حدیثوں میں آیا ہے۔ ذرا سی بھنک کان میں پڑتے ہی ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر آ کر دم لیا کبھی بیوی کے پاس کبھی بچوں کے پاس کبھی مکان میں کبھی طویلہ میں پھرا کئے۔ مراد اس سے خیالات کا جولانی دینا غرض یہی مسخرا پن کیا کہئے یہاں تک کہ بہ مشکل تمام دربار کی حاضری ختم تک پہنچی یعنی سلام پھیرا۔ بڑی خیر ہوئی بادشاہ کی ہم کلامی سے بچ گئے جانے وہ کاٹ کھاتا یا کیا کرتا۔

(یہ خبر نہیں کہ کیا کرتا اور کیا ہوتا اور یہ کیا پاتے)۔ صاحبو! اب ان گستاخیوں کی سزا وہی ہونی چاہیے تھی یا نہیں' جو مثال میں میں نے عرض کی کہ اگر ایک دفعہ بھی ہم ایسی نماز پڑھتے تو کبھی اللہ میاں کے یہاں ہم کو گھسنے نہ دیا جاتا اور فوراً دربار سے نکلتے ہی گرفتاری اور حبس دوام کا روبکار جاری ہو جاتا۔ مگر سنیے کہ اللہ میاں سے کیسا روبکار جاری ہوا کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا (تمہاری کوشش قابل قدر ہے) اس نے دربار میں آ کر اتنی دیر کی مصاحبت کو بہت اچھی طرح انجام دیا مر جانے کی بات ہے' اچھی طرح تو جیسے انجام دی وہ ہم بھی خوب جانتے ہیں۔ اور جو وہاں حاضر تھے' انہوں نے بھی خوب دیکھا۔ بلکہ حاضرین کے سامنے شرم رکھنے کے واسطے اور فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (وہ وہی لوگ ہیں جن کے گناہوں کو خداوند کریم نیکیوں سے بدل دیتا ہے)۔ گویا یہ بیوقوف ہے کتنی ہی گستاخیاں کیں مگر ہم اس آنے کو حاضری ہی میں لکھ لیتے ہیں۔ اور اس کی وہی عزت کی جائے جو باقاعدہ آنے والے کی کی جاتی ہے۔ اب فرمایئے کہ اگر ایک مرتبہ ایسا معاملہ بادشاہ کسی کے ساتھ کرے تو کیا دوبارہ اس شخص کی ہمت پڑ سکتی ہے کہ پھر اسی طرح وحشیانہ طریق سے دربار میں جاوے ہرگز نہیں بلکہ سر سے پیر تک خجالت کے پسینہ میں غرق ہو جائے گا۔ مگر ہم ایسے احسان فراموش ہیں کہ ایک دو دفعہ کیا معنی سینکڑوں بار بلکہ ہر روز پانچ بار یہی جفا کاری کرتے ہیں مگر ادھر سے مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ان

لنگڑے لولے اعمال (بلکہ اعمال کیسے کہا جاسکتا ہے بداعمالیوں کو) میں بھی کمی اور کوتاہی ہے بلکہ خداتعالیٰ کے محرمات کی طرف میلان ہے۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

صحابہ کی کیفیت نماز

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پرندہ اس میں اڑ کر آ گیا اور چونکہ باغ نہایت گنجان تھا باہر نکل جانے کے لئے اس کو کوئی راستہ نہ ملا۔ پریشان ادھر ادھر اڑتا پھرنے لگا اس پرندہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت طلحہؓ کے دل میں باغ کے گنجان ہونے پر گونہ مسرت پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ماشاء اللہ میرا باغ کس قدر گنجان اور اس کے درخت ایک دوسرے سے کیسے پیوستہ ہیں کہ کسی پرندہ کو بھی باآسانی نکل جانے کی جگہ نہیں ملتی۔ یہ خیال آتو گیا چونکہ دل میں عظمت ومحبت خداوندی معراج کمال پر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پربرکت سے فیض یاب تھے اس لئے فوراً ہی متنبہ ہوا اور دل میں سوچا کہ اے طلحہ تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ حالت نماز میں تو ادھر متوجہ ہو۔ آخر نماز کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ میرے باغ نے آج مجھے عین نماز کی حالت میں خدا سے مشغول کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا لہٰذا اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا۔ اور اس شغل عن الحق کے کفارہ میں میں اس کو وقف کرتا ہوں آخر اس کو وقف کر دیا۔ جب دل کو اطمینان ہوا ان حضرات کی یہ شان ہے کہ اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ کہ اگر شیطان کے وسوسہ سے کسی ضعیف درجہ میں بھی ان کے قلب کو میلان الی الدنیا ہو جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہوتے ہیں اور ایسا قلق ہوتا ہے کہ گویا ہفت اقلیم کی سلطنت ان کے قبضہ سے نکل گئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت نکل جانے سے بھی اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو ان حضرات کے قلب پر اس میلان سے ہوتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں   بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

(جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو)

(اکمال الصوم والعید ج ۱۶)

نماز کا شوق پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے

لوگ کسی بزرگ کے پاس جائیں گے تو یہ کہیں گے کہ کوئی ایسی تدبیر بتلادیجئے کہ نماز

کا شوق ہو جائے حالانکہ شوق ہوتا ہے نماز پڑھنے ہی سے نماز تو یہ چاہتی ہے کہ یہ اس کو پڑھیں تو شوق پیدا ہوا اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ پہلے شوق ہو جائے تو نماز پڑھیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص چاہے کہ کھانا پختہ ہو جائے مگر جو اسباب ہیں پختہ ہونے کے ان کو جمع نہ کرے تو کیسے پختہ ہوگا البتہ ایسا پختہ ہو جائے گا جیسے ایک مسخرہ کی حکایت ہے کہ اس کو رس کی کھیر کا شوق ہوا لوگوں سے ترکیب پوچھی معلوم ہوا کہ چاول اور رس کو ملا کر آگ پر پکانا پڑتا ہے اور گھوٹنا بھی پڑتا ہے کہنے لگا یہ تو بکھیڑا ہے آپ نے کیا کیا چاول کچے پھانک کر اوپر سے رس پی لیا اور چولہے کی طرف سرین کر کے کھڑا ہو گیا کہ آنچ لگ کر کہ پیٹ میں سب پک جائے گا تو جیسے اس شخص کی کھیر پک گئی تھی ایسا ہی ان لوگوں کا شوق حاصل ہوگا جو بدوں عمل کے شوق کے طالب ہیں اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ بدوں حال کے عمل کو کالعدم سمجھتے ہیں اور یہ ناس کیا ہے واعظوں نے جو اپنے وعظوں میں علی الاطلاق کہہ دیتے ہیں

برزباں تسبیح و دردل گاؤ خر   ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

زبان پر اللہ کا نام اور دل میں دنیا کا خیال۔ ایسی عبادت کیا اثر رکھتی ہے۔

اگر یہ لوگ محقق سے رجوع کرتے تو کبھی یہ حالت نہ ہوتی مگر غیر محقق واعظوں کی تعلیم نے مخلوق کا ناس کر دیا ان کی یہ حالت ہے کہ۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

نماز حظ نفس کے لئے نہ پڑھو:

اگر کسی کا ذکر اللہ یا نماز میں دل لگے تو اس کو چاہئے کہ ذکر و نماز کو ترک نہ کرے بلکہ ہمت کر کے کام میں لگا رہے کیونکہ

گر مرادت را مذاق شکر ست   بے مرادی نے مراد دلبر است

اگر تیری مراد کا مذاق اچھا ہے۔ نامرادی سے امید مت رکھ مراد حاصل ہونے والی ہے

اگر تم اعمال کے بعد اس پر بھی راضی نہ ہوا اور تم کو اتنی بات بھی حاصل نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نماز وغیرہ اللہ کے واسطے نہیں پڑھی بلکہ حظ نفس کی نیت سے پڑھی ہے جیسے ایک گاؤں والے کی حکایت ہے کہ اس کو واعظ مولوی صاحب نے نماز کی نصیحت کی ان نے کہا کیا ملے گا مولوی صاحب نے کہا کہ اگر تو چالیس دن اس طرح نماز پڑھ لے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو تو میں تجھے ایک بھینس دوں گا اور خیال تھا کہ اس طرح پڑھنے سے خود نماز

ہی سے محبت ہو جاوے گی ۔ پھر بھینس بھی نہ مانگے گا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ چالیس دن پورے کر کے وہ مولوی صاحب کے پاس آیا کہ وعدہ پورا کرو مولوی صاحب نے کہا کیسا وعدہ میں نے تو اس لئے بات کہہ دی تھی کہ چالیس دن نماز پڑھنے سے تجھے عادت ہو جائے گی اس نے کہا اچھا یہ بات تھی تو جاؤ پھر یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی ہے۔ اس ظالم کو جو چالیس دن بعد بھی نماز کا شوق نہ ہوا توجہ اس کی یہ تھی کہ اس نے اللہ کے واسطے نماز ہی نہ پڑھی تھی۔ اسی طرح جو لوگ طالب احوال ہیں ان کو بھی اعمال کا شوق نہیں ہوتا کیونکہ وہ رضائے حق کے طالب نہیں بلکہ اپنی مراد کے طالب ہیں اور یہ حالت صدق قلب کے خلاف ہے۔ صدق طلب کی شان یہ ہے کہ اگر ساری عمر بھی شوق و کیفیت پیدا نہ ہو تو اسی پر راضی رہے اور یوں کہے۔

ارید وصاله ویرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید۔

میں ارادہ کرتا ہوں اس کے وصال کا اور وہ ارادہ کرتا ہے مجھ سے فراق کا پس میں چھوڑتا ہوں اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ کے لئے۔

عارف شیرازی فرماتے ہیں ؂

میل من سوئے وصال و میل اوسوئے فراق ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

عارف نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ عاشق کے نزدیک یہ عدم وصال بھی وصال ہی کے برابر ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از دغیر او تمنائے

فراق و وصل کے جھگڑے بے کار ہیں دوست کی رضامندی طلب کر۔ اس سے غافل رہ کر تمنا کرنا بیکار ہے۔

اور فراق و وصال کی تساوی کا جو حکم کیا ہے یہ وصال و فراق مزعوم ہے۔ یعنی فراق سے مراد قبض ہے جس میں احوال و کیفیات نہیں ہوتے اور وصال سے مراد بسط جس میں احوال و کیفیات کا ورود ہوتا ہے تو کہتے ہیں تم قبض و بسط کی فکر میں کیوں پڑے ہو بس رضائے دوست کو طلب کرو خواہ یہ رضا مضاف الی الفاعل ہو خواہ مضاف الی المفعول یعنی وہ رضا خواہ ادھر سے ہو خواہ ادھر سے۔ (الفصل والانفصال ج۲۱)

ساری عمر کے مجاہدات و ریاضات کا حاصل

میں نے مولانا گنگوہیؒ سے سنا ہے کہ جس شخص کو ساری عمر کے مجاہدات و ریاضات کے بعد میں یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا اس کو سب

کچھ حاصل ہو گیا کیونکہ اس طریق کا حاصل یہی ہے بیجا صلی۔ اور جو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ کمال حاصل ہو گیا وہ اس شعر کا مصداق ہے

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(الفصل والانفصل)

کمال نماز

نماز میں اگر افعال صلوٰۃ پر پوری توجہ ہو تو سہو نہ ہو گا اور یہ امر اختیاری ہے کہ توجہ رکھو تو اس کے ترک پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے اب آیت وحدیث رفع عن امتی الخ پر تو اشکال نہ رہا۔ لیکن ایک مستقل اور اشکال وارد ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا ہے کیا اس کا منشاء بھی عدم استحضار افعال صلوٰۃ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں سہو نبوی کی علت بھی یہی ہے۔ لیکن علت عدم استحضار افعال صلوٰۃ ہم میں اور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور۔ یعنی ہماری عدم توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء تو یہ ہے کہ ہم کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہے جو نماز سے ادنیٰ ہے یعنی دنیا۔ اور حضورؐ کی توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی بھی جو نماز سے اعلیٰ ہے یعنی ذات حق خوب سمجھ لو۔ بحمد اللہ اب یہ مسئلہ ہر طرح منقح ہو گیا کہ امور غیر اختیاریہ قابل اہتمام نہیں ان کا اہتمام چھوڑ دینا چاہئے اور غیر اختیاری مراد صرف احوال و کیفیات ہیں جز امر ادنہیں بلکہ وہ تو مطلوب و مقصود ہے اور احوال مقصود نہیں گو محمود ہوں مگر اب تو ستم یہ ہے کہ لوگ نماز ہی اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلب ہو اس لئے اگر حضور نہ ہو تو نماز بے کار سمجھتے ہیں حالانکہ حضور کی سعی اس لئے ہونا چاہی تھی۔ کہ نماز کامل ہو۔ ہاں احوال کیلئے دعا کرنا جائز ہے پس دعا کرو۔ لیکن شیخ سے ان کے عدم حصول کی شکایت نہ کرو۔ اور اگر وہ اجازت دے اور اس کا طریقہ بتلا دے تو اس کا تبرع ہے اس پر یہ بات لازم نہیں۔ پس عدم حصول احوال کی ایسی مثال ہے جیسے اولاد نہ ہونا کہ اس لئے دعا جائز ہے اور توقع کی درجہ میں تدبیر بھی جائز ہے لیکن یہ لازم ہے کہ اگر ترتب ہو جائے تو وہ خوش ہو جاؤ اور ترتب نہ ہو تو جب بھی خوش رہو پریشان نہ ہو بلکہ سمجھو کہ میرے لئے عدم حصول ہی مصلحت مگر خود دعا میں یہ قید نہ لگا دیں کہ یا اللہ اگر حال محمود مجھے نافع ہو تو عطا ہو ورنہ نہیں عقیدہ اور عزم تو یہی رکھے کہ اگر عطا نہ ہو گا تو میں یہی سمجھوں گا کہ میرے واسطے حصول میں حکمت نہ تھی مگر دعا میں اس قید کی ضرورت نہیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذمہ خود لے لیا ہے کہ اگر حصول مضر ہوگا تو ہم خود ہی نہ دیں گے۔ چنانچہ اولاد ورزق کے واسطے بھی دعا مشروع ہے مگر اس میں کہیں اس قید کی تصریح نہیں۔ اور دعائے استخارہ سے شبہ نہ کیا جائے کہ وہاں یہ تعلیم ہے کہ اگر یہ میرے واسطے خیر ہو تو میرے لئے آسان ہو جائے ورنہ میرے دل کو اس سے پھیر دیا جائے کیونکہ استخارہ کا محل ایسا امر ہے جس میں ظاہراً بھی نفع وضرر دونوں کا احتمال ہے اور یہاں ایسی دعا کا ذکر ہے جو بظاہر نافع ہی ہے فافترقا۔ بعض لوگوں کو خود دعا میں ایک اشکال واقع ہو گیا ہے کہ دعا کرنا بظاہر خلاف تفویض ہے تفویض اسی میں ہے کہ خود کچھ نہ مانگے جو وہ چاہیں گے خود ہی عطا فرما دیں گے۔

چہ حاجت ست بہ پیش تو حال دل گفتن　　　کہ حال خستہ دلاں را تو خوب می دانی

اے اللہ تیرے سامنے دل کے بیان کرنے کیا ضرورت ہے۔ اس لئے کہ زخمی دلوں کا حال تو خوب جانتا ہے۔ (الفصل والانفصال ج۲۱)

ہماری نماز کی مثال

ہماری نماز ایسی خوبصورت ہوتی ہے کہ خشوع دوسرے درجہ میں ہے ارکان بھی باقاعدہ ادا نہیں ہوتے نہ رکوع درست ہے نہ سجدہ کا حق ادا کرتے ہیں۔ پس نام نماز کا ہے باقی حقیقت اور مغز تو ہے نہیں اس نماز کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی دوست سے آپ فرمائش کریں کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے وہ دس دن کے بعد چار آدمیوں کے سر پر ایک کھٹولہ لا دے اور اس پر چادر پڑی ہو پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ جناب آپ نے آدمی لانے کے لئے ارشاد فرمایا تھا میں آدمی لایا ہوں دوست نے کہا کہ میاں یہ کیسا آدمی ہے دیکھیں تو چادر اتاری تو کیا منظر نظر آیا کہ ایک مضغہ گوشت ہے ہاتھوں سے لولا پاؤں سے لنجا، اندھا، گونگا، بہرا، جذامی غرض دنیا بھر کے عیب اس میں موجود مگر ہاں حیوان ناطق کا اطلاق اس پر صحیح ہے یعنی تعریف آدمی کی اس پر صادق ہے۔ اس پر وہ دوست یہ ہی کہے گا تم بھی عجیب احمق ہو یہ کوئی آدمی ہے یہ کس کام کا ہے پس صاحبو جیسے وہ لغتہً آدمی ہے اسی طرح ہماری نماز بھی لغتہً نماز ہے مگر باعتبار اس کے اغراض مختصر کے وہ نماز نہیں اور جس طرح سے آدمی کا لانا سبب ناراضی صاحب فرمائش کا ہے اسی طرح ہماری ایسی نماز کا پیش ہونا بھی فی نفسہ موجب عتاب حق تعالیٰ شانہ کا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز چھوڑ بیٹھو۔ (الشکر ج۲۱)

شریعت میں نماز کا اہتمام روزہ سے زیادہ ہے

روزہ سے زیادہ شریعت میں نماز کا اہتمام ہے۔ یہ روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے اور روزہ تو مرض اور سفر وغیرہ کی وجہ سے قضا کرنا بھی جائز ہے لیکن نماز جب تک ہوش میں رہیں اس وقت تک معاف نہیں، اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھنا فرض ہے، بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھنا ضروری ہے مگر مسلمانوں کو اس کا بہت ہی کم اہتمام ہے۔ رمضان میں بعض لوگ روزہ تو رکھ بھی لیتے ہیں مگر نماز کا پھر بھی اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض لوگ صرف عید ہی کے نمازی ہوتے ہیں، عید کے دن لوگوں کو کپڑے دکھانے کے واسطے چلے جاتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو نماز میں ثواب کے علاوہ دنیوی فائدہ بھی ہے۔ نمازی کی طبیعت صاف رہتی ہے اور بے نمازی کی طبیعت میلی میلی رہتی ہے۔ نمازی کی صورت پر نشاط اور رونق ہوتی ہے، بے نمازی کے چہرہ پر وحشت برستی ہے اس لئے اگر ثواب کی رغبت زیادہ نہ ہو تو نشاط اور فرحت ہی کے لئے نماز پڑھ لینا چاہئے۔ اس پر شاید کوئی بے نمازی یہ شبہ کرے کہ ہمکو تو اپنے اندر وحشت اور ظلمت نہیں معلوم ہوتی سو اول تو یہ بات غلط ہے جس شخص میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ ضرور نماز چھوڑنے کی ظلمت اور وحشت اپنے اندر پائے گا اور اگر کسی کا دل بے حس ہو گیا ہو اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم نماز شروع کر کے پھر اپنے دل کی حالت کا اندازہ کرو یقیناً اس حالت میں اور پہلی حالت میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ جو شخص بچپن سے اندھیرے تہ خانہ میں پرورش پاتا رہا ہو اس کو تاریکی اور روشنی میں کیا فرق معلوم ہو سکتا ہے، ہاں ایک مرتبہ اس کو تہہ خانے سے باہر نکالو اس وقت اس کو روشنی اور اندھیرے کا فرق محسوس ہوگا، اس کے بعد وہ تہہ خانہ میں زندگی بسر کرنا کبھی قبول نہ کرے گا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

نماز سے تکبر کا علاج

نماز کے متعلق ارشاد ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا منشاء ذکر اللہ ہے اور نماز ذکر اللہ کے انواع میں سب سے افضل ہے اسی طرح نماز کا ایک اور منشاء دوسری آیت میں مذکور ہے۔ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا منشاء تواضع بھی ہے اللہ تعالیٰ نے یہود کو اس میں خطاب فرمایا ہے کیوں کہ ان کو تکبر ایمان سے مانع تھا اور تکبر کا علاج نماز سے بہتر کچھ نہیں صاحبو! متکبر نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ رکوع کرنا اور سجدہ میں سرین کو سر سے اونچا اور سر کو زمین پر رکھنا متکبرین کو دشوار ہے اور ہم لوگوں کو عادت ہوگئی ہے اس لئے دشوار نہیں۔ (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

نماز پڑھنے سے تکبر پیدا ہو اس کا علاج

نماز میں خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے آدمی بجائے اس کے انداز سے الٹا شرمندہ ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بہت بڑے شہنشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی کوئی تحفہ بہت کم قیمت لے جائے دربار کی عظمت وشوکت کو دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوگی۔ مختصر یہ ہے کہ اس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی اس کو قدرت نہ ہوگی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھے گا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے جلدی کسی طرح یہاں سے خیریت سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو کچھ حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے پھر اس کو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کر کے ذرا شرم بھی نہ آنا اسی وجہ سے ہے کہ عظمت وجلال حق تعالیٰ سے ہم نے قطع نظر کر لی ہے۔ اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی اور اپنی نماز کو کچھ سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے اس تقریر سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز پڑھنے یا اور دین کے احکام بجالانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس عمل کو چھوڑ دیا جاوے بلکہ جو سبب ہے اس کو قطع کیا جائے۔ سبب اس کبر کا تعمیل حکم دین نہیں بلکہ عظمت الٰہی کا دل میں نہ ہونا ہے سو اس کو پیدا کرنا چاہئے اس سے تعمیل حکم بھی ہوگی اور وہ خرابی جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی نہ رہے گی۔ اس غلطی میں بہت سے پڑھے لکھے اور سمجھدار بھی مبتلا ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں اور دنیادار بھی دنیاداروں میں اس طرح کا کبر تو نہیں ہے جو دینداروں میں ہے ہاں دنیاداروں میں اور طریقے کبر کے ہیں۔ وضع میں لباس میں۔ بیاہ شادی میں۔ کبر میں سب گناہوں سے بڑھ کر ایک خرابی اور ہے وہ یہ کہ مسلمان خواہ کسی درجہ کا ہو مگر اس کے دل میں یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی گناہ کر گزرتا

ہے کسی ضرورت سے لیکن کرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پشیمان ہوتا ہے مگر کبر کہ یہ گناہ ساری عمروں میں رہتا ہے اور دل پر صدمہ نہیں ہوتا۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

سات برس کی عمر میں حکم نماز کی حکمت

شریعت کا حکم ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جاوے اس وقت اس سے نماز پڑھنے کے لیے کہو اور جب دس برس کا ہو جاوے تو مار کر نماز پڑھاؤ حالانکہ دس برس کا لڑکا بالغ نہیں ہوتا اور سات برس کی لڑکی بھی بالغ نہیں ہوتی تو سات ہی برس سے جبکہ دونوں نابالغ ہیں نماز پڑھانے کا حکم ہے۔ غرض سات برس یا دس برس ہر حالت میں نابالغ ہیں۔ سات برس کی عمر میں تو سب ہی نابالغ ہوتے ہیں اور دس برس کی عمر میں اکثر مگر پھر بھی نماز پڑھانے کا حکم ہے۔ ایک بچہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں تو بالغ نہیں ہوں تو مجھ پر نماز واجب نہیں، میں نے کہا کہ تم پر تو واجب نہیں لیکن ہم پر تو واجب ہے کہ تم کو جبراً پڑھائیں تو شریعت میں آخر یہ کیوں رکھا گیا کہ بلوغ سے بھی پہلے ہی ان سے نماز پڑھوائی جائے۔ اس لیے کہ اگر بلوغ کی حالت میں دفعۃً اس کو کہا جاوے گا تو بہت مشکل ہے کہ اول ہی تاریخ میں پانچ وقت کے مقید ہو سکے اس کے متعلق ایک نکتہ یاد آیا کہ سات برس کی تخصیص کیوں ہے حالانکہ اس کے قبل بھی نماز پڑھائی جا سکتی ہے۔ مجھے ایک مرتبہ یہ خیال ہوا کہ سات برس کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔ یہ محض اس لیے ہے کہ سات برس میں بچہ کو اکثر نماز کی سمجھ ہو جاتی ہے لیکن اگر اس عمر سے کم ہی میں اتنی سمجھ ہو جاوے کہ نماز پڑھ سکے تو اسی وقت اس کو نماز پڑھوانا چاہیے۔ بس میں نے یہ خیال کر کے مدرسہ میں پانچ برس کے بچوں کو بھی کھڑا کر دیا۔ عصر کا وقت تھا بعد نماز کے معلوم ہوا کہ ایک بچہ نے نماز میں پیشاب کر دیا ہے اس وقت حکم شریعت کی معلوم ہوئی کہ سات برس کی تخصیص میں یہ حکمت ہے کہ اس سے کم ایسی باتوں کی تمیز نہیں آتی۔ خلاصہ یہ کہ سات ہی برس کی عمر سے بچوں کو نماز پڑھوانے کا حکم ہے جبکہ بالغ بھی نہیں ہوتے تو حکمت اس کی وہی ہے کہ پہلے سے عادت پڑے اب جبکہ بالغ ہوگا اور نماز پڑھنا پڑے گی تو اس وقت دشواری نہیں ہوگی جیسے ایک دم سے تحمل کرنا دشوار ہے اسی طرح علم حاصل کرنا بھی دشوار ہے۔ (بفضل العظیم ج ۲۷)

نماز با جماعت کا خاصہ

نماز جماعت کا یہ خاصہ ہے کہ اس سے قوت اتفاقی بڑھتی ہے لیکن یہ جماعت سے مقصود

نہیں ہے۔ مقصود تو محض حق تعالیٰ کی رضا ہے تو اگر کوئی شخص نماز اس قصد سے پڑھے کہ قوت اتفاقی بڑھے تو ثواب کچھ نہیں ملے گا اور اگر رضائے خداوندی کے قصد سے پڑھے تو ثواب بھی ملے گا اور اتفاق بھی حاصل ہوگا۔ اب جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں نے نماز کے یہ مصالح بیان کیے ہیں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی، اگر اس کو مقصود سمجھیں تو غلط ورنہ صحیح۔ (بفضل العظیم ج ۲۷)

نماز میں طریق حصول حضور قلب

تکمیل نماز کے لئے مراقبہ موت و مراقبہ لقاء اللہ کا عادی ہونا چاہیئے اور میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ آیت میں یہ مراد ہے کہ عین نماز کے اندر بھی اس مراقبہ میں قلب کو مشغول کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ نمازی نماز کی ہیئت میں غور کرے کہ میں جو تمام دنیا سے رخ پھیر کر ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑا ہوں کہ نہ کسی سے بات کرسکتا ہوں نہ کسی کی طرف دیکھ سکتا ہوں نہ کھا پی سکتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور ان سے عرض معروض کررہا ہوں پھر قیام کی حالت میں یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ کے مجھ پر کس قدر احسانات وانعامات ہیں جن کا شکر یہ میرے ذمہ واجب ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے یہ سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ ادا کررہا ہوں اور اس کی ربوبیت کا اقرار اور اپنی عبدیت کا اعتراف کررہا ہوں اور اسی عبدیت پر قائم رہنے اور اہل عبدیت کے طریقے پر چلنے کی دعا کررہا ہوں اور جو لوگ طریق عبدیت سے بہک گئے اور لعنت وغضب کے مستحق ہوگئے ہیں ان کے طریقے سے بیزاری کا اظہار کررہا ہوں اور جو قانون الٰہی تکمیل طریق عبدیت کے لئے نازل ہوا ہے اس پر ہمیشہ چلنے کا عہد کررہا ہوں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا یہی مطلب ہے پھر جب رکوع میں جائے تو یہ سوچے کہ میری پیدائش اسی مٹی اور زمین سے ہے جو میرے پاؤں تلے ہے زمین کی خاک سے جیتا جاگتا سمیع وبصیر انسان پیدا ہو جانا محض خالق جل وعلا کی قدرت ہے اور جس کی پیدائش زمین کی خاک اور اس کی نباتات وغیرہ سے ہو اس کو عبدیت اور بندگی کے سوا کچھ زیبا نہیں بڑائی اور بزرگی صرف خالق جل وعلا کو زیبا ہے جو تمام عیوب سے بری ہے اسی لئے نماز میں بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہم نے آپ کی عظمت کے سامنے اپنی خیالی عزت کو قربان کردیا پھر سجدہ میں جاتے ہوئے یہ سوچے کہ مجھے ایک دن زمین کے اندر پیوند ہونا ہے اور اس وقت خدا کے سوا میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہوگا دنیا سے میرا نام بھی مٹ جائے گا اور نشان بھی اس کے بعد

دوسرے سجدے میں یہ تصور کرے کہ گویا میں مرچکا اور خدا سے مل گیا ہوں اب خدا کے سوا کوئی میرے ساتھ نہیں پھر جلسہ تشہد میں یہ سوچے کہ مرنے کے بعد پھر ایک زندگی ہوگی جہاں اسلام اور اعمال واقوال واحوال صالحہ ہی کام آئیں گے جو اللہ کے واسطے کئے گئے ہوں اور سیّدنا صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء وحضرات ملائکہ اور تمام نیک بندوں کی عزت ظاہر ہوگی کہ وہ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے لہٰذا ان پر سلام بھیج کر ان سے تعلق پیدا کرنا چاہئیے پھر چونکہ اُمت محمدؐیہ کو سیّدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ہے اس لئے اخیر رکعت میں آپ پر خصوصیت کے ساتھ درود شریف پڑھنا چاہئیے جب یہ تصور جم جائے تو اس کے بعد میں یوں تصور کرے کہ گویا مرنے کے بعد یہ میدان قیامت حاضر ہوا ہے اور تمام اعمال وافعال واقوال جو دنیا میں کئے ہیں اس کے سامنے ہیں جن میں سے وہی کام آرہے ہیں جو اللہ کے واسطے کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء وصلحاء و ملائکہ کی جماعت کے سامنے ہے جو دربار الٰہی میں حاضر ہوں اور میں ان سب پر درود شریف و سلام بھیج رہا ہوں اور آخیر میں اپنے لئے کامیابی ونجات وفلاح کی دعا کر رہا ہوں اور اسی واسطے آیت میں لفظ یظنون اختیار کیا گیا ہے حالانکہ لقاء اللہ کا تو اعتقاد جازم فرض ہے محض ظن کافی نہیں مگر چونکہ مقصود یہ ہے کہ نماز میں لقاء اللہ ورجوع الی اللہ کا استحضار کیا جائے اور یہ استحضار درجہ وقوع میں لازم نہیں بلکہ اسکا ظن اور تصور بھی نماز میں کافی ہے کہ گویا میں اسی وقت خدا کے سامنے حاضر ہوں اور مرگیا ہوں یا مرنے والا ہوں اور گویا میں اس وقت عالم آخرت میں حاضر ہوں اس واسطے لفظ ظن اختیار کیا گیا اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع خاص ہو جائے گا اور تمام خیالات وساوس قلب سے نکل جائیں گے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ جامع)(ا ج ج ۲۸)

مسائل نماز سے ناواقفیت

ہم نماز روزہ کرتے ہیں مگر ہم جو اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں تو سراپا ناقص ہی ناقص ہیں ہماری حسنات بھی بجائے خود معصیت میں ہمارے بعض حضرات تو بوجہ ناواقفی مسائل کے مفسدات میں مبتلا ہیں بعض حرکتیں ایسی کر جاتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کیونکہ مسائل سے بے خبر ہیں۔ مراد آباد میں ایک مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ اپنی نماز پوری کرلو میں مسافر ہوں تو مقیمین میں سے ایک صاحب نماز کے اندر ہی کہتے ہیں ہاں جناب کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ میں نے تو جو کچھ

فرمایا تھا بعد کو بتلاؤں گا مگر پہلے آپ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں اسی طرح ایک مولوی صاحب ساڈھورہ میں تھے جب وہ طالب علمی کرتے تھے تو اس وقت ایک نماز میں کسی امام کے پیچھے شریک ہوئے۔ امام غلطی سے تیسری رکعت پر بیٹھ گیا تو آپ پیچھے سے فرماتے ہیں قم یعنی کھڑے ہو جاؤ امام کو یاد آ گیا کہ تیسری رکعت ہے وہ کھڑے ہو گئے سلام کے بعد انہوں نے کہا کہ قم فرمانے والے کون صاحب تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں تو آپ فرماتے ہیں کہ کیوں میں نے تو عربی میں کہا تھا۔ امام نے کہا سبحان اللہ تو پھر اہل عرب کی نماز تو کبھی باطل نہ ہونی چاہئے۔ خواہ کچھ ہی باتیں کرتے رہیں کیونکہ وہ اردو میں تھوڑا ہی باتیں کرتے ہیں تو یہ طالب علم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اردو فارسی ہی میں باتیں کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے عربی میں باتیں کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اس سے بھی عجیب ایک اور قصہ ہے ہمارے ملنے والوں میں ایک صاحب حافظ اکبر تھے سمجھدار پڑھے لکھے ایک دفعہ وہ اور دو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے امام کو نماز میں حدث ہوا تو انہوں نے ان ہی حافظ اکبر کو پیچھے سے آگے کھڑا کر کے خلیفہ بنا دیا اور خود وضو کرنے چلے گئے مقتدی دو شخص رہ گئے ان میں سے ایک بولا کہ ہیں یہ کیا ہوا (یعنی یہ کیا قصہ ہے کہ امام چلا گیا اور مقتدی امام بن گیا) دوسرا بولا چپ رہ یوں بھی ہوا کرتا ہے۔ خیر یہ تو دونوں جاہل تھے مگر مزا یہ کہ حافظ اکبر صاحب جو امام بنے ہوئے تھے آگے کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب میں کس کو نماز پڑھاؤں ظالموں نے سبھی نے نماز غارت کر دی۔ اب یہ قصے تو جاننے والوں کے سامنے ہوئے اس لئے معلوم ہو گیا کہ نماز نہیں ہوئی اور اگر کہیں سارے جاہل ہی ہوں تو نماز کا فاسد ہونا بھی معلوم نہ ہوگا۔ بتلایئے ایسی حالت میں بدون علم دین حاصل کئے ہوئے کیونکر اطمینان ہو کہ ہم لوگ جتنی نمازیں پڑھتے ہیں سب صحیح ہوتی ہیں۔ (ایواء الیتامیٰ ج ۳۰)

نماز کے دنیوی منافع

نماز کی ایک برکت یہ ہے کہ اس سے صحت اچھی رہتی ہے اطباء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ وافعال حسنہ کا اثر صحت پر بہت اچھا پڑتا ہے اور افعال بد سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ ایک آدمی نمازی ہو اور ایک بے نمازی تو نمازی کی صحت بے نمازی سے ضرور اچھی ہوگی (مگر دونوں یکساں قوی اور قریب قریب بدن کے لینے چاہئیں) بلکہ ایک حدیث سے جو ابن ماجہ میں ہے تو معلوم ہوتا ہے گو محدثین نے اس کو

ضعیف کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ذریعہ سے بعض امراض کا علاج کیا ہے ایک دفعہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں درد تھا وہ آہ آہ کررہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فارسی میں فرمایا **اشکمت درد قال نعم قال قم فصل فزال وجع بطنه** (سنن ابن ماجہ ۳۴۵۸، تفسیر الطبری ۱:۲۰۵) کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے کہا ہاں فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو نماز چنانچہ پڑھتے ہی درد زائل ہو گیا چونکہ یہ مسئلہ احکام میں سے نہیں اس لئے ضعف حدیث اس میں مضر نہیں۔ میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتا کہ نماز پڑھنے سے ہمیشہ درد زائل ہو جایا کرے گا ممکن ہے کسی عارض سے اس نفع کا ظہور نہ ہو مگر یہ تو ضرور ہے کہ نماز سے ایک خاص سرور ونشاط اور قلب کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ جس کا اثر صحت پر بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ہم کو اس کی وجہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ نماز سے راحت وسرور کیوں ہوتا ہے کیونکہ ہر اثر کے لئے کسی علت کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض چیزیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں دیکھئے مقناطیس میں جو جذب حدید کی خاصیت ہے اس کی وجہ کوئی نہیں بتلا سکتا اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ نماز میں یہ اثر بالخاصہ ہے جس کی علت بتلانے کی ہمیں ضرورت نہیں افسوس اتنی بڑی عبادت جس میں فلاح اخروی بھی ہے اور فلاح دنیوی بھی ہے اور ہم اس سے ایسے غافل ہیں کہ پانچ وقت خدا کی طرف سے ایک منادی ہم کو پکارتا ہے اور ہم جماعت میں نہیں آتے حالانکہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ولقد هممت ان امربا لصلوة الى ان قال فاحرق بيوتهم بالنار** کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں ایک شخص کو امام بناؤں پھر چند آدمیوں کو ساتھ لے کر دیکھوں کہ کون کون لوگ جماعت میں نہیں آئے پھر جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے گھر پھونک دوں اور گو آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو پھونکا نہیں مگر چاہا تو تھا اور حضور کی شان یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انی اری ربک یسارع فی ھواک کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کی خواہش کو بہت جلد پورا کر دیتے ہیں اور بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان کیوں نہ ہو جب ادنی ادنی مقبولین کی یہ شان ہے کہ

تو چنیں خواہی خدا خواھد چنیں   میدہد یزداں مراد متقیں

تو معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا چاہا ہے تو خدا تعالیٰ نے بھی ضرور چاہا ہے اب بتلاؤ جس کے گھر کو خدا اور رسول پھونکنا چاہیں وہ کیونکر بچ سکتا ہے تو

جو لوگ جماعت میں نہیں آتے ان کے گھر میں ضرور آگ لگی ہے شاید تم کہو کہ ہمارا گھر کہاں جلا وہ تو اچھا خاصا موجود ہے۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

بے نمازی کے چہرے سے بدرونقی عیاں ہوتی ہے

اس کے متعلق مولانا رومی کا جواب سن لو فرماتے ہیں۔

آتشے گرنا مدست ایں دود چیست جاں سیہ گشت ورواں مردود چیست

یہ تھوڑی آگ لگی ہوئی ہے جس کے دھوئیں نے دل کو سیاہ کر دیا اور چہرہ پر وحشت وظلمت برس رہی ہے اس ظلم قلب سے بے نمازی کے چہرہ پر ہی ضرور ایک اثر ہوتا ہے جس سے اس کا بے نمازی ہونا لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے نمازی کے چہرہ پر جو نور ہوتا ہے وہ بے نمازی کے چہرہ پر نہیں ہوتا اور یہ اثر قلب کا ہے نمازی کے دل میں نور ہے اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے اور بے نمازی کے دل میں ظلمت ہے اس کا اثر چہرہ کی بدرونقی سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ آگ ضرور لگی ہے اسی کا یہ دھواں ہے جس نے ظاہر و باطن دونوں کو سیاہ کر دیا ہے دل کی سیاہی یہ ہے کہ بہت لوگوں کو نہ رشوت سے نفرت ہے نہ جھوٹ بولنے سے نہ کسی پر بہتان باندھنے سے نہ کسی کی زمین دبانے اور قرض لے کر انکار کر دینے سے نہ لڑکوں اور عورتوں کو گھورنے سے وغیرہ وغیرہ اور مولانا کا یہ ارشاد حدیث سے مؤید ہے۔ حدیث میں ہے **ان المومن اذا اذنب کانت فی قلبه نکتة سوداء فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذلکم الران الذی ذکر الله تعالیٰ** كَلَّا بَلْ (سنن ابن ماجۃ: ۴۲۴۴، مسند احمد ۲/۲۹۷) (سکتہ) رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (قال الترمذی حسن صحیح مشکوۃ ص ۱۷۰) یعنی جب مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ استغفار کر لے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ میں بڑھتا گیا تو یہ داغ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ دل کو گھیر لیتا ہے یہی وہ زنگ ہے جس کی بابت حق تعالیٰ فرماتے ہیں كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ غالب ہو گیا ہے۔ اسی کو مولانا ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

ہر گنہ زنگے ست برمرآۃ دل دل شود زیں زنگ ہا خوار و خجل

چوں زیادت گشت دل را تیرگی نفس دون رابیش گرد د خیرگی

یہ تو بالکل حدیث کا ترجمہ ہے پس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ گناہوں سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اسی کو مولانا نے فرمایا کہ آگ نہیں لگی تو یہ دھواں کہاں سے آیا کہ دل

سیاہ ہوگیا اور صورت پر پھٹکار برستی ہے۔ بزرگوں کا کلام کلیا یا جزئیا بالکل حدیث وقرآن کا ترجمہ ہے گو ظاہر میں اشعار نظر آتے ہیں۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

تارک نماز کا حکم

حدیث میں ارشاد ہے "من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر ا ھ" لیجئے اب بہت صاف معنی ہوگئے اس حدیث کے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز جان کر چھوڑ دے وہ مسلمان نہ رہا اس کی اور توجیہوں میں محض تکلف ہے لیکن سیدھی تاویل جو جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ہے وہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال اسلام کی نفی کی ہے مطلق نفی اسلام مراد نہیں۔ جمہور کی یہی توجیہ ہے۔ میں نے اس کو محاورات میں تعبیر کر دیا ہے اب اس کے معنی بالکل صاف ہوگئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسا ہی کافر فرمایا ہے جیسے ہم پیسہ کے مالک کو غیر مالدار کہہ دیتے ہیں۔ گو فی نفسہ نہ وہ علی الاطلاق کافر ہے نہ یہ علی الاطلاق غیر مالدار تو جیسے یہ حکم صحیح ہے اور اس میں کسی کو شبہ نہیں ہوتا نہ کسی مولوی کو نہ طالب علم کو نہ کسی فلسفی کو نہ عامی کو اسی طرح یہاں بھی نہ ہونا چاہیے تو معلوم ہوا کہ کمال اسلام وہ چیز ہے جس کی نفی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی الاسلام سے تعبیر فرمایا تو صاحبو! وہ درجہ اسلام کا ہم کو کیا خوش کر سکتا ہے جس کو نفی اسلام سے تعبیر کیا جا سکے اور واقعی کیا مسلمان ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ اور کہنے کو مسلمان۔ مگر اس مسلمان نے یہ فتویٰ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سنا کہ جب نماز کو عمداً ترک کر دے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے اسلام سے کیونکر تسلی ہو جاتی ہے مگر مال کے اس درجہ سے تسلی نہیں ہوتی۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس اتنی مقدار مال کی تھی کہ وہ مالدار مشہور تھا ایک دن اس کی عدم موجودگی میں کہیں گھر کے اندر چور گھس آئے اور جو کچھ اندوختہ تھا سب لے گئے صرف دو چار پیسہ جو اتفاق سے اس کی اچکن کی جیب میں تھے وہ تو پڑے رہے باقی سارا مال ومتاع جاتا رہا اب اس پر وہ کبھی یہ نہ کہے گا کہ اجی کامل مالدار اگر نہ رہا نہ سہی کیا غم ہے۔ کسی درجہ میں تو مالدار اب بھی ہوں ہی چنانچہ جیب میں چار پیسے موجود ہیں وہاں کبھی جی کو تسلی نہیں ہوتی کہ چار پیسے تو موجود ہیں بلکہ اگر کوئی سمجھائے بھی کہ کیوں غم کرتے ہو بلا سے زیادہ مال نہ رہا چار پیسے تو موجود ہی ہیں یہ

بھی تو آخر ایک مقدار مال ہی کی ہے اور اس کے اعتبار سے اب بھی تم مالدار ہی ہوتو کیا اس تقریر سے اس کی تسلی ہو جائے گی یا طیش میں آکر یہ کہے گا کہ آپ بھی عجب چیز ہیں' آپ کے نزدیک یہ مال ہوگا۔ بھلا چار پیسے بھی کوئی مال ہے میرے پاس اب رہ ہی کیا گیا ہے بجز ان چار پیسوں کے اور ان سے کیا خاک کام چل سکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ مال تسلی بخش نہیں ہے تو وہ اسلام کیونکر تسلی بخش ہوگیا۔ آخر وجہ فرق کیا ہے؟ (ملت ابراہیم ج۳۱)

اللہ تعالیٰ سے واسطہ

ہمارے قصبہ میں ایک بڑے زمیندار مالدار کا لڑکا نماز پڑھنے لگا۔ اور رمضان میں اعتکاف بھی کرنے لگا اور پھر نماز کے بعد دعا بھی دیر تک کرتا تو اس کا چچا کہنے لگا کہ سوہرا (سسرا) نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے کیا مانگتا ہے۔ اس کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے۔ زمین اس کے پاس ہے، گھر اس کے پاس ہے، بیل گائے بھینس اس کے پاس ہے اور کیا مانگتا ہے۔ مطلب وہی ہے کہ خدا سے تو روٹی کے واسطے تعلق ہے۔ جب روٹی کا سب سامان موجود ہے تو اب خدا سے کیا واسطہ، نعوذ باللہ! (الفاظ قرآنی ج۲)

بغیر طہارت کے نماز

بعض دفعہ ایسی صورت پیش آتی ہے کہ کوئی بے نمازی نمازیوں میں جا پھنستا ہے۔ نماز کا وقت آگیا اور سب لوگ نماز کے لئے تیار ہو گئے۔ اب یہ بے نمازی آدمی بڑا پریشان ہوتا ہے۔ نماز نہ پڑھے تو سب لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں۔ اور نماز پڑھتا ہے تو یہ مصیبت ہے کہ اس کو غسل جنابت کی ضرورت ہے۔ سب کے سامنے غسل کرے تو زیادہ بدنامی ہوتی ہے۔ اب ایسی صورت میں یہ بے نمازی بدنامی سے بچنے کے لئے نماز میں شریک ہو جاتا ہے۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے، تو میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں اگر کوئی ایسا شخص نماز پڑھے تو اس کو چاہیے کہ نماز کی نیت نہ کرے بلکہ بدون نیت کے نماز کی نقل کرتا رہے۔ اس طرح یہ شخص کفر سے بچ جائے گا۔ اگرچہ ترک نماز کے گناہ کے ساتھ دھوکا دینے کا بھی گناہ ہوگا۔ کہ لوگ اس کو نمازی سمجھیں گے اور ہے بے نمازی۔ مگر کفر سے تو بچ جائے گا۔ (تعیم التعلیم ج۲)

اس کی حالت یہ تھی کہ تکیہ میں اس کے پاس چند بدمعاش رہتے تھے اور ہر وقت بھنگ وغیرہ پیتا رہتا تھا۔ ان رئیس صاحب کو اعتقاد اس حالت کے مشاہدہ سے بھی نہ گیا۔ یہ پیری ایسا پیشہ ہے کہ اگر ایک دفعہ کسی کے تقدس کا اعتقاد ہو جاوے تو پھر بی بی تمیزہ کے وضو کی طرح وہ تقدس کبھی ٹوٹتا ہی نہیں۔

تمیزہ کا وضو

تمیزہ ایک فاحشہ تھی جو نماز بھی نہ پڑھتی تھی۔ ایک بزرگ نے اس کو نماز کی تاکید کی اور وضو کرادیا۔ نماز کی ترکیب بتلادی۔ جب سال بھر گزر گیا تو وہ بزرگ پھر آئے اور بی بی تمیزہ سے پوچھا کہ نماز بھی پڑھتی ہو؟ کہا حضور روزانہ پڑھتی ہوں، پوچھا وضو بھی کیا کرتی ہو۔ کہنے لگی کہ حضور نے تو وضو کرادیا تھا اسی وضو سے اب تک نماز پڑھ رہی ہوں۔

تو جس طرح بی بی تمیزہ کا وضو نہ پیشاب پاخانہ سے ٹوٹتا تھا نہ زنا اور بدکاری سے (وضو کیا لوہا لاٹ تھا) اسی طرح آج کل کی پیری جب چل جاتی ہے تو نہ وہ شراب خوری سے ٹوٹتی ہے نہ زناء کاری سے نہ صوم وصلوۃ کے چھوڑنے سے نہ داڑھی منڈانے سے، نہ ننگا پھرنے سے بلکہ اگر کوئی لنگوٹا بھی اتار کر پھینک دے تو اس کے اور زیادہ معتقد ہوتے ہیں۔ اگر پیر صاحب خاموش رہیں تو چپ شاہ بلکہ فنا فی اللہ ہیں۔ اگر اینڈی بینڈی باتیں ہانکنے لگیں تو رموز ہیں گو وہ کفریات ہی کیوں نہ ہوں اور کوئی ٹھیک بات کہہ دی تو عارف اور محقق ہیں۔

منشاء اس غلطی کا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات جم رہی ہے کہ شریعت اور ہے، طریقت اور ہے اس لئے اگر کوئی شخص ظاہر میں شریعت کے بالکل خلاف ہو اس سے بھی ان کا اعتقاد زائل نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ بھی طریقت کا کوئی رمز ہوگا۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

عورتیں اور نماز

عورتیں نماز کا ارادہ ہی نہیں کرتیں ورنہ کچھ مشکل بات نہ تھی۔ لیجئے میں ایک تدبیر بتلاتا ہوں جس سے بہت جلد نماز کی پابندی حاصل ہو جائے گی۔ وہ یہ کہ جب ایک وقت کی نماز قضاء ہو تو ایک وقت کا فاقہ کرو۔ پھر دیکھیں نماز کیسے قضا ہوتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نماز کی پابندی تو فاقہ سے ہوگی مگر فاقہ کی پابندی کیوں کر ہوگی اس کی بھی تو کوئی ترتیب تجویز

بتلاؤ کیونکہ یہ تو نماز سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ فاقہ کس سے ہوسکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ فاقہ کے لئے تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا بلکہ چند کاموں سے اپنے کو روکنا پڑتا ہے اور یہ اختیاری بات ہے کہ ایک کام مت کرو۔ کسی کام کا کرنا تو مشکل ہوتا ہے مگر نہ کرنا کیا مشکل ہے۔

اگر کسی سے یہ نہ ہو سکے تو وہ اپنے ذمہ کچھ جرمانہ مالی مقرر کر لے کہ اتنے پیسے فی نماز خیرات کیا کروں گی یا کچھ نمازیں مقرر کر لیں کہ ایک نماز قضا ہوئی تو مثلاً دس رکعتیں نفل جرمانہ کی پڑھا کروں گی اس طرح چند روز میں نفس ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ ذرا عمل کر کے تو دیکھو۔ (اسباب الغفلۃ ج ۴)

امام اور مقتدیوں کی حالت

بعض لوگ تو تراویح سے جلدی فارغ ہونے کے لئے اس قدر عجلت کرتے ہیں کہ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ بھی نہیں پڑھتے۔ اور التحیات کے بعد درود شریف تو شاید کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا اور التحیات بھی بہت تیز پڑھتے ہیں۔ ان سب امور سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ اس کے اجزاء میں یہ کتر بیونت نہ کرتے۔ اور قرآن بھی اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ بجز غفوراً اور شکوراً کے کچھ سمجھ نہیں آتا کیا پڑھا۔ غرض یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے خلاصی ہو۔ (التہذیب ج ۴)

ایک ہمت افزا واقعہ

حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت (مجدد زماں) سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ لشکر کے ساتھ جا رہے تھے اور خود امیر عسکر تھے کہ راستہ میں نماز کا وقت آ گیا تو آپ نے اپنی بی بی صاحبہ کو برقع اوڑھا کر نماز کے لئے سب کے سامنے بہلی سے اتارا اور بلند آواز سے فرمایا کہ صاحبو! دیکھ لو یہ عبدالحیٔ کی بیوی ہے جو نماز کے واسطے سب کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

نماز اور وساوس

حدیث شریف میں ھے۔ "الشیطان جاثم علٰی قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس۔" (مشکوۃ المصابیح : ۲۲۸۱)

(یعنی ابن آدم کے قلب پر شیطان چڑھا ہوا بیٹھا ہے جب وہ ذکر اللہ کرتا ہے اس وقت تو ہٹ جاتا ہے اور جب خالی رہتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے)

اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ اگر نفس کو مشغول نہ کرو گے تو یہ خود مشغلہ تجویز کرے گا اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ نماز کا تو کوئی رکن بھی ذکر سے خالی نہیں، قرأت، تسبیح، تکبیر، تشہد، غرض سب ذکر ہی ہے مگر باوجود اس کثرت کے ساتھ اس کے مشتمل ''علی الذکر'' (ذکر کو مشتمل) ہونے کے سب سے زیادہ وسوسے نماز ہی میں پیدا ہوتے ہیں تو ہم یہ کیسے مان لیں کہ جب کسی کام میں مشغول ہوں تو وسوسہ نہیں آتا۔ اس مادہ جزئیہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ صحیح نہیں کہ

''جب نفس کو کسی کام میں مشغول نہ کرو گے تب ہی وہ کسی کام میں لگ جاوے گا۔''

بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم بخت تو کام کے اندر بھی اپنا کلام چلاتا رہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر کہتے ہیں یاد کو خواہ وہ تنہا قلب سے ہو، خواہ زبان بھی اس میں شریک ہو مگر محض زبان سے نہ ہو۔ اگر محض زبان سے یاد ہے تو وہ واقع میں ذکر نہیں بلکہ وہ تو صورت ذکر ہے۔ اب شبہ جاتا رہا کیونکہ دیکھ لیجئے کہ جہاں جس شخص کو وساوس آتے ہیں وہاں واقع میں ذکر کا وجود نہیں بلکہ محض ذکر کی صورت میں صورت ہوتی ہے۔ قلب اس کی طرف مشغول نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس نماز میں وساوس آتے ہیں اس میں قلب نماز میں پورا مشغول نہیں ہوتا ورنہ "النفس لایتوجه الی شیئین فی آن واحد" (ایک آن میں نفس دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا) کے قاعدہ سے پوری مشغولی کے ساتھ وساوس نہیں آ سکتے۔

اب اس پر ایک اور شبہ رہا وہ یہ کہ جب قلب متوجہ نہیں ہوتا تو پھر ادا کیسے ہوتا ہے کیونکہ فعل اختیاری تو بدون ارادہ قلب کے ہو ہی نہیں سکتا اور ارادہ کے لیے توجہ لازم ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ صحیح ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بالکل توجہ نہ ہو تو فعل نہیں ہو سکتا لیکن یہ ممکن ہے کہ شروع توجہ سے کیا ہو مگر استمرار میں توجہ نہ رہی ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے دو آدمی ساتھ ساتھ چلیں اور باتیں کرتے ہوئے راستہ طے کریں تو باتیں کرتے وقت توجہ فقط باتوں کی طرف رہے گی، چلنے کی طرف نہ رہے گی مگر مشی پھر بھی واقع ہوتی ہے جیسے گھڑی کی کوک کہ ابتداء میں حرکت چابی کو دینا پڑتی ہے پھر اس کی رفتار کے استمرار و بقاء کے لیے کوکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح مشی ممتد کے ساتھ قصد متجدد کی ضرورت

نہیں۔ وہی پہلا قصد کافی ہے اور وہی ساری مشق میں موثر ہے یا جیسے ہارمونیم باجہ کہ جب ایک دفعہ کوئی اسے بجانے بیٹھ گیا تو ہر قرعہ پر جدید قصد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ابتداء ایک دفعہ قصد کرلیا اور بجانا شروع کردیا۔ اس کے بعد خود بخود ہاتھ وہیں پڑتا ہے جہاں ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہ ارادہ تو کیا کرتا اسے بعض دفعہ ایسی محویت ہو جاتی ہے کہ ہاتھ چلنے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور جیسے قاری ہے کہ قرأت میں اگر ہر لفظ پر نیا قصد کرے تو اس کا لہجہ بے تکلف اور بے ساختہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ بارہا تجربہ ہوا ہوگا کہ جب کسی نے بنا کر پڑھا وہیں اس کا لہجہ بگڑ گیا بلکہ بے ساختہ اور بے ارادہ پڑھنے سے نہایت اچھا پڑھا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی فعل اختیاری کی جب عادت اور مشق ہو جائے تو پھر ابتداء کے لیے قصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ استمرار کے لیے قصد متجدد کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ ان تمام مثالوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ فعل اختیاری کے صدور کے لیے ضروری نہیں کہ ہر ہر آن میں اس پر توجہ ہو بس ابتداء کے لیے توجہ ضروری ہے۔

پس اب نماز اور وساوس کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہا کیونکہ ابتدائی توجہ سے نماز شروع ہوگئی اور وہ ہو رہی ہے اور درمیان میں وساوس کی طرف توجہ مبذول ہوگئی اس لیے وساوس بھی آرہے ہیں کیونکہ توجہ نماز کے ہر جزو کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ وہاں تو تکبیر تحریمہ سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک کسی توجہ کی ضرورت نہیں ہے، ہاتھ پاؤں اس کام کے لیے اس قدر منجھے ہوئے ہیں کہ جب موقع رکوع کا آتا ہے خود رکوع کر لیتے ہیں اور سجدہ کا وقت ہوتا ہے خود ہی سجدہ کر لیتے ہیں۔ پس یہ شبہ حل ہو گیا کہ نماز میں سب سے زیادہ فکر ہے یہ کیوں مانع نہیں ہوئی وساوس کی۔

حاصل جواب کا یہ ہوا کہ یہ مانع کیسے ہو، وہاں تو یاد اور توجہ ہی نہیں ورنہ یہ ممکن نہیں کہ توجہ کامل ہو اور پھر وساوس آویں۔ جب چاہو آزمالو۔ صاحب! تم ذرا ایک خط لکھنے بیٹھو اور پھر دیکھو کیسے وساوس آتے ہیں، میں نے بعض دفعہ ایسا کیا ہے کہ قرآن پڑھنے بیٹھا ہوں اور یہ چاہا کہ پڑھنے میں خط بھی لکھوں تو نہیں ہوسکا۔ شاید الحمد اور قل ہو اللہ کی دوسری بات ہو کیونکہ وہ تو خوب یاد ہے۔ وہاں شدید توجہ کی ضرورت نہ ہو، باقی اور جگہ یا تو پڑھنے میں اٹکے گا یا لکھنے میں بھٹکے گا۔ اب تمام شبہات دور ہو کر وہ دعویٰ اچھی طرح

ثابت ہوگیا کہ نفس بے شغل بھی نہیں رہ سکتا اور دو شغل میں بھی نہیں لگ سکتا، اس لیے فقط مضر سے بچنا کافی نہیں بلکہ نافع میں مشغول ہونے کی ضرورت ہے۔

حق تعالیٰ نے ان دو جملوں میں بھی رعایت کی ہے کہ پہلے تو یہ مرض بیان فرمایا کہ انسان غیر ضروری امور میں مشغول ہے اور غیر ضروری امور کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ دنیا میں اس کو انہماک ہے اس لیے سب سے پہلے اس کی مذمت بیان فرمادی اور اس کے بعد امر ضروری یعنی آخرت کا ذکر کردیا کہ ذکر آخرت میں مشغول ہونا چاہیے تاکہ اس انہماک کا ازالہ ہو۔ سو غیر ضروری کے ترک کرانے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اسکی مذمت کردی جاوے اور اس سے ہٹایا جاوے مگر ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے نفع نہیں ہوسکتا کیونکہ مشغلہ ضروری بتانا بھی ضروری ہے ورنہ یہ شخص اس غیر ضروری کو چھوڑ کر دوسرے غیر ضروری میں مبتلا ہوگا۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

اسی واسطے حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا عبداللہ لاتکن مثل فلان کان یصلی من اللیل ثم ترکھا۔ (الصحیح للبخاری ۲: ۲۸، الصحیح لمسلم الصیام: ۸۵)

(کہ اے عبداللہ! ایسے مت ہوجانا جیسے فلاں شخص تھے کہ اول تہجد کی نماز پڑھتا تھا پھر چھوڑ دی)

باقی یہ سمجھنا کہ مجھے کمال حاصل ہوگیا، یہ تو صاف اعجاب اور کفر کا شعبہ ہے۔ صاحب! تھوڑی سی سنسناہٹ پیدا ہوجانے سے کمال حاصل نہیں ہوجاتا اسے کسی شیخ کی تشخیص پر چھوڑ دو اپنی رائے سے کچھ مت سمجھو۔

صوفی نہ شود صافی تادرنکشد جامی　　بسیار سفر باید تاپختہ شود خامی

(صوفی جب تک جام محبت نوش کرکے بہت سے مجاہدات نہ کرے ناقص ہی رہتا ہے)

(الصلاح والاصلاح ج ۴)

نمائش وریا کا اثر

کلید در دوزخ است آں نماز　　کہ در چشم مردم گزاری دراز

وہ نماز دوزخ کی کنجی ہے جس سے دوزخ کا دروازہ کھل جائے گا جو ریا اور شہرت کے واسطے پڑھی جاوے کیونکہ لعب وہ شغل ہے جو ثمرہ سے خالی ہو اور یہ نماز بھی فی الواقع ثمرہ

سے خالی ہے تو یہ دنیا ہوئی، آخرت بمعنی دین نہیں ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ ایک شہید کو بلائیں گے۔

"فیسئل عنه ماذا قدمت فیقول قاتلت فی سبیلک حتی استشهدت فیقال لابل انما قاتلت لیقال انک لجری فقد قیل فیومر به فیلقی فی النار او کمال قال."

(اس سے پوچھیں گے کہ تم نے ہمارے لیے کیا کام کیا، وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے آپ کے راستہ میں جہاد کیا تھا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہو گا نہیں، جہاد اس لیے نہیں کیا تھا بلکہ اس لیے کیا تھا لوگ یوں کہیں کہ بھئی بڑا ہی بہادر ہے تو یہ کہہ دیا گیا۔ یعنی جس کے لیے تم نے جہاد کیا وہ تمہیں حاصل ہو چکا۔ پس اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا)

اسی طرح ایک سخی کو بلائیں گے اور اس کا بھی یہی حشر ہو گا کہ ہمارے لیے تم نے سخاوت نہیں کی بلکہ اس لیے تم نے سخاوت کی تھی "لیقال انک جواد فقد قیل" تا کہ لوگ یہ کہیں کہ بڑا سخی ہے تو بہت تعریف ہو چکی۔

اسی طرح ایک عالم کو بلائیں گے۔ سوال ہو گا تم نے کیا کیا؟ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی رضا کے لیے وعظ کیا اور یہ کیا وہ کیا۔ ارشاد ہو گا! نہیں اس لیے یہ کام نہیں کیا بلکہ اس لیے "لیقال انک لقاری" کہ یہ کہا جاوے کہ یہ بڑے عالم ہیں تو آپ کی بھی بہت تعریف ہو چکی، اب یہاں کیا رکھا ہے۔

تو دیکھئے شہادت، سخاوت، علم دین کی خدمت جو اس طریقہ مذکور فی الحدیث (حدیث میں مذکور) سے ہو وہ بھی دنیا ہی ہے۔ اگرچہ صورت اس کی آخرت کی ہے۔ چنانچہ ایک خرچ کرنا کفار کا تھا کہ اپنے نزدیک نیک کام سمجھ کر کرتے تھے مگر پھر بھی ان کی مذمت کی گئی کیونکہ وہ محض صورت دین تھی اور حقیقت میں وہ انفاق دین نہ تھا۔ (الصلاح والا صلاح ج ۴)

خلوص کی ضرورت

دو قسم کی طبیعت کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو دین کے واسطے کام کرتے ہیں جس کا مذموم ہونا ظاہر ہے اور ایک وہ جو دین کا کام اس لیے بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں کہ نیت تو

آخرت کی ہے ہی نہیں پھر بلانیت کر کے کیا کریں چنانچہ یہی سمجھ کر بہت سے جاہل لوگوں نے نماز چھوڑ دی کہ جیسی مطلوب ہے ویسی تو ہو ہی نہیں سکتی تو پڑھنے سے کیا فائدہ، بعض نے روزہ چھوڑ دیا کہ جیسا ہونا چاہیے ویسا تو ہو نہیں سکتا پھر رکھنے سے کیا فائدہ۔

اے صاحبو! یہ بڑی غلطی ہے۔ روزہ و نماز حقیقی کے حاصل کرنے کی تدبیر بھی یہی ہے کہ پہلے روزہ و نماز صوری کو اختیار کرو گو خلوص نہ ہو مگر شرط یہ ہے کہ اس کی ضد بھی نہ ہو، خلو کا درجہ ہو، اسی سے خلوص ہو جاتا ہے اور کرتے کرتے نیت بھی درست ہو جاتی ہے اور یہ نفس کا حیلہ و بہانہ ہے کہ جب کامل عمل نہیں ہوتا تو ناقص کیوں کریں۔ (الصلاح والاصلاح ج۴)

عمل کی قلت و کثرت

فقہاء نے کثرت عمل و قلت عمل کو نہیں دیکھا بلکہ مقصودیت پر نظر کی ہے۔ بعض نے رفع کو مقصود سمجھا کیونکہ نماز فعل وجودی ہے اور رفع بھی وجودی ہے تو دونوں میں تناسب ہے اور بعض نے عدم رفع کو مقصود سمجھا کیونکہ نماز کا مبنی سکون پر ہے۔ حدیث مسلم میں ہے اسکنوا فی الصلوۃ (الصحیح لمسلم کتاب الصلوۃ:۱۱۹) (نماز میں سکون سے رہو) اور تکرار رفع سکون کے منافی ہے اور کہیں کثرت و مقصودیت دونوں جمع ہو جاتے ہیں جیسے منبر سے نیچے نماز پڑھنا کہ صلوۃ تحت المنبر عملاً بھی کثیر ہے صلوۃ فوق المنبر کا وقوع قلیل ہے اور مقصودیت بھی تحت المنبر میں ہے اور زیادہ تر ایسا ہی ہے کہ جو عمل وقوع میں کثیر ہوتا ہے مقصودیت بھی اس میں غالب ہے مگر بعض دفعہ اس کے خلاف بھی ہوتا ہے اس لئے حضورؐ کے طرز عمل سے آپ کی عادت و سنت کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ محقق کا کام ہے یہ بات قابل تحقیق و تدقیق ہے کہ مقصودیت کہاں ہے کہاں نہیں اس لئے کسی بزرگ کے عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کثیر کے خلاف اور عمل قلیل کے موافق دیکھ کر ان پر اعتراض نہ کرنا چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے ان کے نزدیک عمل قلیل ہی میں مقصودیت ہو۔

مثلاً شاہ فضل الرحمٰن صاحب میں تیزی غالب تھی اور یہ بات حضور کی عادت غالبہ کے بظاہر خلاف ہے تو اپنے کو تو تم متہم سمجھو اگر تمہارے اندر ایسا ہو مگر بزرگوں پر اعتراض نہ کرو بلکہ یہ تاویل کرو کہ حضور کی تیزی مقتضی کی وجہ سے تھی یعنی معتوب کی بیہودگی کی وجہ سے اور اس وقت بوجہ سلامت طباع کے اس مقتضی کا وجود کم تھا۔ اس لئے تیزی کا وقوع بھی آپ سے کم ہوا۔ (اگر

حضورؐ کے زمانہ میں بھی مقتضی کا وجود زیادہ ہوتا تو آپ کی تیزی کا وقوع بھی زیادہ ہوتا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام میں ہوا) اور اب مقتضی زیادہ ہے اس لئے شاہ صاحب میں اس کا ظہور زیادہ ہوا۔

غرض اس طریق میں چین واطمینان اور بے فکری جائز نہیں چنانچہ اتباع سنت کی حقیقت عادت غالبہ کا اتباع بتلایا گیا تھا اب عادت غالبہ کی تحقیق میں خدشہ پیدا ہو گیا کہ اس کا مدار بھی محض کثرت عمل پر نہیں رہا۔ اب قدم قدم پر غور وفکر کی ضرورت ہے کہ کہاں عمل غالب ہے مع مقصودیت کے اور کہاں مقصودیت غالب ہے بدوں عمل کے اور پھر چین اور بے فکری کہاں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گہ چنیں بنماید و گہ ضد ایں ۔۔۔ جز کہ حیرانی نباشد کار دیں

(کبھی ایسی حالت اور کبھی اس کے ضد پس دین کے کام سوائے حیرانی و پریشانی کے اور کچھ نہ ہو)

اور فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش ۔۔۔ تادم آخر دم فارغ مباش

راہ سلوک میں بہت تراش خراش ہیں لہذا آخر دم تک ایک دم کے لئے فارغ نہ ہو بلکہ کام میں لگے رہو۔

تادم آخر دمے آخر بود ۔۔۔ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

حصول خشوع کا آسان طریقہ

مبتدی کے لیے تو یہ ہے کہ ذکر کی طرف توجہ کرے اس کا طریقہ نہایت سہل ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بتایا کہ نماز کے ہر جزو کو اپنے قصد سے ادا کرو۔ صرف یاد سے مت پڑھو یعنی اب تو یہ عادت ہے کہ گھڑی کی کوک کی طرح اللہ اکبر کہہ لیا کہ یہ تو نماز کی کوک ہے اور الحمد اور انا اعطینا اور قل ھواللہ یہ سب ہی کو ازبر ہے۔ بس شروع سے آخر تک سب خود بخود نکلتا چلا گیا تو ایسا مت کرو بلکہ اللہ اکبر کہو تو سوچ کے اور ارادہ سے کہو کہ میں اللہ اکبر کہہ رہا ہوں اس کے بعد سبحانک اللھم پڑھو تو اس طرح پڑھو کہ ایک ایک لفظ کو مستقل ارادہ سے کہو، پھر اسی طرح الحمد پڑھو پھر اسی طرح سورت ملاؤ۔ غرض ہر ہر لفظ ارادہ سے ادا کرو یہ تو مبتدی کا طریقہ تھا۔

منتہی کا یہ ہے کہ بلا واسطہ حضرت حق کی طرف توجہ کو قائم کردے اور یہ

حالت جب ہی حاصل ہوگی جبکہ اول مبتدی کی طرح عمل کرو گے بس تم اول ذکر پر توجہ کرو پھر شدہ شدہ مذکور کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔ (آثار العبادہ ج ۷)

تعلق باللہ کا اثر

کالپی کا قصہ ہے کہ ایک مسجد میں ایک سب انسپکٹر نماز پڑھ رہے تھے، نماز میں تعدیل ارکان نہ کرتے تھے، جلدی جلدی پڑھ رہے تھے، وہاں ایک گندھی بھی باہر کا آیا ہوا تھا۔ جب وہ تھانیدار صاحب نماز پڑھ چکے تو اس گندھی نے کہا کہ داروغہ جی آپ کی نماز نہیں ہوئی، آپ نماز پھر پڑھ لیجئے، داروغہ جی نے کہا کہ پاجی مردود تیرا منہ اور تو ہم کو نصیحت کرے بڑا نمازی بن کر آیا ہے۔ اس گندھی نے کہا، خیر پاجی مردود ہی سہی مگر خدا کے واسطے آپ نماز پڑھ لیجئے، اس کو اور زیادہ غصہ آیا اور اس گندھی بچارے کو خوب مارا لیکن اس نے بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ پٹ کر کہا کہ مجھے اپنے پٹنے کا غم نہیں مجھے آپ کی نماز کی بہت فکر ہے میرا دل بہت دکھتا ہے کہ آپ کی نماز مقبول نہ ہو، میرا جسم تو اچھا ہو جائے گا مگر آپ کی نماز کا کوئی بدل نہیں۔ اس لیے آپ نماز پڑھ لیں، ان داروغہ جی پر ایسا اثر ہوا کہ ان کو نماز پڑھنا ہی پڑی، اس گندھی کی تمام قصبہ کالپی میں شہرت ہوگئی جس طرف کو جاتا تھا لوگ کہتے تھے یہ ہے وہ شخص جس نے داروغہ کو نماز پڑھوائی تھی، سب اس کی قدر کرتے تھے۔ برکت کے واسطے اپنے یہاں لے جاتے تھے اور اس کا عطر خریدتے تھے تمام کالپی کا پیر بن گیا اور تجارت بھی خوب چمکی۔ خدائے تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ جو شخص ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی عزت ہوتی ہے۔ (الخضوع ج ۷)

عبادات پر ناز نہیں چاہیے

اے صاحب! اگر نمازی ہونے پر آپ کو ناز اور غرہ ہے تو یہ دیکھو اور غور کرو کہ نماز کا جو ہم کو حکم ہے آیا ہم اسی طرح کی نماز ادا کرتے ہیں اگر غور کرو گے تو خاک بھی نہ پاؤ گے، ہماری نماز کیا ہے نماز کی نقل ہے جیسے مٹی کے خربوزے اور آم کی نقل بنا کر بادشاہ کی بارگاہ میں لے جاویں، بادشاہ کا کرم ہے کہ نقل پر اصل کے برابر انعام دے دیں بلکہ اگر سچ پوچھو تو نقل بھی نہیں ہے کیونکہ نقل مشابہ تو اصل کے ہوتی ہے۔ یہاں مشابہت بھی نہیں اس پر بھی اگر ہمارا نام نمازی ہو جاوے تو محض رحمت اور عطا ہے جزا نہیں ہے اور ''اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ

اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ" کا مصداق ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہماری طاعات بھی سیئات میں داخل ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے ایسی نمازوں کو مکروہ فرمایا ہے اس لیے ہماری یہ طاعات بھی سیئات ہیں۔ کیا عجب ہے کہ جو حق تعالیٰ ان کو بدل کر حسنات میں داخل فرمادیں، غرض عبادات کے اوپر ناز کرنے کا کیا حق ہے۔ (الخضوع ج ۷)

کمال عبادت

ہمارے حضرت قدس سرہ کے خلفاء میں ایک مولوی صاحب ہیں صاحب کشف ان کی حکایت ایک شخص نے بیان کی کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ ایک مرتبہ تو ایسی نماز پڑھیں کہ جس کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے:

لایحدث فیهما نفسه مقبلا علیهما بقلبه.

"یعنی ایسی دو رکعتیں پڑھیں کہ اس میں اپنے نفس سے بالکل بات نہ کرے اور اپنے قلب سے اس پر متوجہ رہے۔"

ان کو خیال ہوا کہ عمر بھر میں ایک نماز تو ایسی پڑھ لیں جس کی یہ شان ہو۔ چنانچہ انہوں نے بڑا اہتمام کیا اور خطرات کے روکنے کے لیے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی، بعد نماز کے اس نماز کی حقیقت مثالیہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھوں میری نماز کیسی ہوئی دیکھا کہ نہایت حسین وجمیل ہر طرح کامل ہے لیکن غور سے جو دیکھا تو آنکھیں نہیں ہیں، بہت حیرت ہوئی کہ یہ کیا بات ہے، میں نے اس نماز کی تکمیل میں کوئی دقیقہ نہیں رکھا تھا۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں گئے اور حضرت سے اجمالاً سارا قصہ عرض کیا، حضرت نے فوراً فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی ہوگی، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی خطرات کے روکنے کے لیے میں نے ایسا کیا تھا اور فقہاء نے اس غرض کے لیے آنکھیں بند کرنا جائز بھی لکھا ہے، فرمایا کہ جائز ہے لیکن سنت کے خلاف ہے اگر آنکھیں کھول کر سنت کے موافق پڑھتے تو یہ اچھا تھا گو خطرات آتے غرض کامل عبادت کس سے ادا ہو سکتی ہے۔

از دست و زباں کہ برآید　　کز عہدہ شکرش بدر آید

(ہاں اور زبان سب طاعت وفا میں مصروف ہوں پھر بھی اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے)

حدیث میں آیا ہے کہ بقدر وسعت عمل کرو اور تم احصار اور احاطہ ہرگز نہ کر سکو گے،

پس کمال دین پوری طرح حاصل کرنا بندہ کے امکان سے باہر ہے پھر بایں ہمہ عجز ونقص ناز کا کیا منہ ہے پس ہمارے لیے تو یہی کمال ہے کہ اپنے کو ناقص در ناقص اور عاجز در عاجز سمجھیں، ہمارا وجود ہی سرتا پا گناہ ہے۔ ''وجودک رتب لایقاس بہ رتب'' (تیرا وجود ہی سراپا گناہ ہے اسے گناہ کے علاوہ کچھ اور قیاس نہیں کیا جا سکتا)

اور نقص بھی ایک قسم کا نہیں بلکہ جس پہلو پر نظر کی جائے نقصان ہے کچھ نقص اضطراری کچھ اختیاری ہیں۔ (الخضوع ج ۷)

عبادت شب برأت

صاحبو! وقت کو ضائع مت کرو ہر ہر وقت کی قدر کرو، خاص کر ایسی شب کہ جس کا بیان ہو رہا ہے ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعض اوراد کی کتابوں میں پندرھویں شب شعبان میں خاص نوافل پڑھنے کو لکھ دیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اس کو بے قید ہی رکھو حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو۔ اس میں نوافل بھی آگئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں۔ (شب مبارک ج ۷)

بعض شرائط ایسے ہیں جمعہ کے بغیر جن کے جمعہ جائز ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً مصر ہونا یہ شرط ایسی ہے کہ بغیر اس کے جمعہ پڑھنا جائز ہی نہیں، یہ شرط صرف واجب ہونے کی نہیں بلکہ جواز کی بھی ہے، حاصل یہ ہوا دوسرے لفظوں میں کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں مگر گاؤں والوں کو جمعہ کا بڑا شوق ہوتا ہے۔

ایک گاؤں والے نے مجھ سے پوچھا کہ گاؤں میں جمعہ کیوں جائز نہیں، میں نے کہا ممبئی میں حج کیوں جائز نہیں، اس نے کہا وہ تو موقع حج کا نہیں ہے، میں نے کہا وہ موقع جمعہ کا نہیں ہے، اس نے کہا کیوں نہیں، میں نے کہا وہ کیوں نہیں، اس نے کہا شریعت کی دلیل سے میں نے کہا یہ بھی شریعت کی دلیل سے ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور تمہیں پہچان کیا شریعت کی، شریعت نے جو حکم مقرر کر دیا تم کون دخل در معقولات دینے والے بس چپکے ہو گئے۔ (شرائط الطاعت ج ۷)

ریل میں نماز

اتنا زمانہ ہوا میں نے ریل میں کبھی بے وضو یا بیٹھ کر یا بے رخ نماز نہیں پڑھی

اور میں اکثر تیسرے درجہ میں سفر کرتا ہوں، احباب بہت ترغیب دیتے ہیں کہ انٹر میں سفر کرو، بعضے اصرار کرتے ہیں کہ سیکنڈ میں بیٹھو، مگر غریبوں کو تو غریبوں ہی کی طرح رہنا چاہیے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ نہیں بڑھنا چاہیے، غرض اکثر تیسرے درجہ ہی میں سفر کرنے کا اتفاق ہوتا ہے جس میں اکثر مسافروں کی بہتات ہوتی ہے اور بہت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ نماز پڑھی۔ نیز وضو کے ساتھ رکوع وسجود کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر بات یہ ہے کہ اگر انسان ارادہ کرے تو حق تعالیٰ ساری رکاوٹوں کو دور کرتے چلے جاتے ہیں۔ خوب فرماتے ہیں مولانا:

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید　　　　خیرہ یوسف دارمی باید دوید

(گو رستہ نظر نہ آوے لیکن تم دوڑو تو سہی رستہ خود بخود پیدا ہوتا چلا جاوے گا)

شرائط جمعہ

بعضوں نے ایک اور مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ چاہے کھڑے ہونے پر قدرت ہو لیکن ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، بس بیٹھے اور ٹکریں مارلیں حالانکہ فرض نماز میں بشرط قدرت قیام فرض ہے۔

بعض نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ تشہد میں بیٹھنا ہی ضروری نہیں۔ پس پاؤں لٹکا کر اطمینان سے دوسرے تختہ پر سرٹیک دیا اور اپنے نزدیک نماز ادا کرلی، ذرا مشقت بھی تو گوارا نہیں، چاہے فرض سر سے اترے یا نہ اترے، بعضوں کو دیکھا کہ قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے، ریل میں کیا بیٹھے گویا اپنے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر پہنچ گئے۔

وہاں بڑا لطف آتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں بھی اندر پہنچنا نصیب کیا تھا ہم نماز پڑھ رہے تھے، بھیڑ بہت تھی، سجدہ کا موقع نہ ملا تو ہم نے گھوم کر دوسری طرف سجدہ کرلیا کیونکہ وہاں تو چاروں طرف کعبہ ہی کعبہ ہے ہر طرف سجدہ کرنا جائز ہے، مثلاً چار رکعتیں پڑھنی ہوں تو چاروں سجدے چار مختلف سمتوں میں کرسکتا ہے۔ ایک ادھر ایک ادھر ایک اس طرف مگر یہ آزادی صرف اندر اندر ہی ہے، باہر پہنچ کر دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہی نہیں جہاں یہ آزادی ہو کہ جس طرف چاہے سجدہ کرسکے۔ مولانا فرماتے ہیں:

در درون کعبہ رسم قبلہ نیست　　　　چہ غم ار غواص راچلہ نیست

(کعبہ کے اندر قبلہ رخ ہونے کے اہتمام کی ضرورت نہیں، ہر طرف قبلہ ہی ہے)

ایک لطیفہ

رڑ کی میں ایک امام نے لمبی نماز پڑھائی جب لوگوں نے دھوپ کی شکایت کی تو جواب میں کہا کہ ارے کمبخنو! تم دوزخ میں کیسے رہو گے جو ذراسی دھوپ سے گھبرا گئے ۔لوگوں نے کہا۔ کمبخت! جہنم میں تو ہی رہے گا ہم کیوں جہنم میں رہتے جو تو ہمیں جہنم میں رہنے کا اس طرح عادی بنا تا ہے۔ (الصبر والصلوۃ ج۹)

ایک طالب علم نے گاؤں میں جا کر وعظ کہا اور یہ کہا کہ بے نمازی سور کتے کے مثل ہیں اس جملہ پر گاؤں والوں کو جوش آ گیا اور سب نے چڑھائی کر کے مولوی صاحب کو مارنا چاہا۔ میزبان نے یہ رنگ دیکھ کر مولوی صاحب سے کہ آج خیر نہیں لوگ آپ پر چڑھائی کر کے آرہے ہیں کہا کیوں؟ کہا! آپ نے وعظ میں بے نمازیوں کو سور کتا بنایا تھا، بولے بس اتنی بات پر چڑھائی کر رہے ہیں کہا ہاں جی کہنے لگے تم بے فکر رہو۔ میں ابھی سب کو ٹھنڈا کیے دیتا ہوں۔ یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واقعی یہ تاویل کا دروازہ کھلا رہے تو بات کا بدلنا کچھ بھی مشکل نہیں چنانچہ گاؤں والے آئے اور مولوی صاحب پر حملہ کرنا چاہا۔ انہوں نے پوچھا کہ بھائی آخر میری کچھ خطا بھی ہے؟ کہا اس سے بڑھ کر کیا خطا ہوگی کہ تم نے ہم کو سور کتا بنایا۔ کہا میں نے تم کو نہیں کہا تھا۔ بلکہ بے نمازیوں کو کہا تھا۔ گاؤں والوں نے کہا پھر بھی تو بے نمازی ہیں۔ مولوی صاحب بولے ہرگز نہیں تم بے نمازی کیوں ہوتے۔ بتلاؤ کیا تم نے کبھی نئے کپڑے پہن کر آخری جمعہ کی نماز نہیں پڑھی بولے جی ہاں۔ آخری جمعہ کی نماز پڑھ لی ہے کہا اور عید بقر عید کی نماز۔ بولے وہ بھی پڑھتے ہیں کہا پھر تم بے نمازی کدھر سے ہوئے بے نمازی تو وہ ہے جو ایک دفعہ بھی عمر بھر میں خدا کے سامنے نہ جھکا ہو بس اس جواب سے سب خوش ہو گئے۔ (الجبر بالصبر ج۹)

نماز کی شان

لہٰذا نماز میں روزہ کی شان ہوئی بلکہ نماز کے اندر روزہ کی شان روزہ کے اعتبار سے علیٰ وجہ الکمال پائی جاتی ہے وہ یہ کہ نماز کے اندر بہت سے ایسے مباحات سے بھی روک دیا گیا ہے جن سے روزہ میں اس قدر روک نہیں کی گئی۔ اس میں تو صرف تین چیز سے روکا گیا ہے اور یہاں چلنے پھرنے، ہنسنے بولنے، کھانے پینے سب سے ممانعت ہے۔ بولنا بھی منع ہے حتیٰ کہ دعا بھی وہ درست ہے جو مشابہ کلام ناس کے نہ ہو۔ (الصلوۃ ج۱۰)

نماز میں کلام

ہمارے ایک دوست کہتے تھے کہ ہم نے منیہ میں پڑھا تھا کہ کلام ناس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ آپ اس کا مطلب یہ سمجھے کہ عربی کے سوا اردو وغیرہ بولنے سے نماز جاتی رہتی ہے اور عربی میں بولنے سے نہیں جاتی۔ اتفاق سے امام کو سہو ہوا کہ قعدہ اولیٰ کو قعدہ اخیر سمجھ گیا اس وجہ سے بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ سلام پھیرنے کے قریب ہوا تو آپ کہتے ہیں قُم۔ امام کو سن کر خود یاد آ گیا کہ یہ قعدہ اولیٰ ہے اس وجہ سے کھڑا ہو گا یہ دل میں کہنے لگے کہ عربی سے بڑا فائدہ ہے۔ نماز فاسد بھی نہ ہوئی اور کام بھی بن گیا۔ امام صاحب نے بعد نماز کہا کہ قُم والا کون تھا یہ بولے میں تھا۔ امام صاحب نے کہا کہ بھائی اس طرح نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے کلام ناس کے ساتھ تکلم تھوڑا ہی کیا ہے۔ آپ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جو بات عربی میں ہو وہ کلام ناس نہیں ہوتی۔ کلام ناس وہ بات ہوتی ہے جو کہ غیر عربی اردو وغیرہ میں ہو۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

نماز میں ہنسنے کی ممانعت

نماز میں ہنسی کی بھی ممانعت ہے ہنسی کے تین درجے ہیں۔ قہقہہ، ضحک، تبسم۔ قہقہہ میں نماز تو سب کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک وضو بھی جاتا رہتا ہے۔ اور ضحک سے نماز جاتی ہے وضو نہیں جاتا۔ اور تبسم بے ادبی تو ہے مگر اس سے نماز نہیں جاتی۔ کیونکہ شرعاً تبسم کو ہنسی قرار نہیں دیا گیا۔ گویا وہ ملحقات کلام ہی سے نہیں غرض ہیں یہ سب نماز کے خلاف گو تبسم سے نماز نہ فاسد ہو پس نماز میں ہنسنے کا بھی روزہ ہوا۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

نماز میں چلنا

نماز میں چلنے کا بھی روزہ ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر متصل چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایک قدم چلا اور ٹھہر گیا پھر ایک قدم چلا اور ٹھہر گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

شریعت کی مہربانیاں

اگر کوئی کہے کہ ایسی صورت میں اگر گھوڑا دوڑنے لگے تو پھر کیا کریں گے۔ سو اس کا جواب

یہ ہے کہ شریعت نے ایسے وقت میں نماز توڑنے کی اجازت دے دی ہے۔ یہاں تک کہ ایک درم یعنی چار آنے نقصان پر بھی نماز کے توڑ دینے کی اجازت ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص جوتا چرا تا ہو تو نیت توڑ کر اس کو پکڑ لینے کی اجازت ہے یا چار آنے کی ہانڈی جاتی ہو یا خراب ہوتی ہو تو اس وقت بھی نماز توڑ دینے کی اجازت ہے کون کہتا ہے کہ شریعت میں تشدد ہے۔ شریعت میں تو رائی برابر بھی تشدد نہیں بلکہ کی ممانعت ہے۔ دیکھئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاینبغي للمومن ان یذل نفسه. (یعنی مومن کو مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے)

صحابہؓ نے عرض کیا: **قالو ایارسول الله کیف یذل نفسه** (یعنی اپنے نفس کو ذلیل کرنا سے کس طرح مراد ہے)

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یتحمل من البلاء لما لایطیقه.** یعنی ایسی بلا میں اپنے آپ کو پھنسائے جس کی برداشت نہ کر سکے۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا

روزہ میں اِدھر اُدھر دیکھنا جائز ہے نماز میں وہ بھی نہیں گو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر ادب صلوٰۃ کے خلاف ہے۔ ہاں ادب نہ ہو نرا ضابطہ ہی ہو تو اور بات ہے۔ میرٹھ میں ایک مولوی صاحب تھے۔ نماز کے اندر ادھر ادھر دیکھنے کا مرض تھا۔ اتفاق سے ایک شخص جماعت میں ان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ مولوی کھڑے ہوئے اور حسب عادت حالت ان کی یہ تھی کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ نماز کے بعد اس شخص نے کہا کہ آپ نماز میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے آپ کی نماز ہی کیا ہوئی۔ بجائے اس کے کہ وہ مولوی ان کے ممنون ہوتے کہتے ہیں کہ میرے ادھر ادھر دیکھنے کی تمہیں جب ہی تو خبر ہوئی جب کہ تم نے مجھے دیکھا پس تمہاری نماز بھی نہیں ہوئی۔ بس وہ یہ کہہ کر سرخرو ہو گئے مگر کس کے سامنے مخلوق کے سامنے۔ اللہ کے سامنے تو سرخرو نہ ہوئے۔ مخلوق کے سامنے سرخرو ہونے سے کیا ہوتا ہے۔

کارہا باخلق آری جملہ راست باخدا تزویر وحیلہ کے رواست

کار بادراست باید داشتن رایت اخلاص وصدق افراشتن

(مخلوق کیساتھ تیرے سب کام درست ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر وحیلہ کب جائز ہے۔ حق تعالیٰ کیساتھ سب کام درست رکھنا چاہئیں، اخلاص اور صدق کا علم بلند کرنا چاہیے) (الصلوٰۃ ج ۱۰)

خشوع کی حقیقت

اب جہاں حق تعالیٰ نے ہمارے مرض کا بیان کیا ہے (کہ نماز بھاری ہے) وہاں اس کا علاج بھی بتلادیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

انها لكبيرة الاعلىٰ الخاشعين الذين يظنون انهم ملقوا ربهم و انهم اليه راجعون.

یعنی نماز سب پر بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر بھاری نہیں جن کو یقین ہے اس بات کا کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف جانے والے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ نماز بھاری ضرور ہے بوجہ قیود کے مگر جولوگ اپنے اندر خشوع پیدا کر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ سے ملنے اور ان کے پاس جانے کا خیال جمالیتے ہیں۔ ان پر بھاری نہیں رہتی۔ سو اس کے اندر ہمارے مرض کا پورا علاج بتلادیا کہ طریقہ خشوع سے نماز پڑھو تو کچھ گرانی نہیں رہے گی۔

اب خشوع کو لوگ جانے کیا سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اس کو اختیاری بھی نہیں سمجھتے سو خشوع کی حقیقت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے حق کے کسی قسم کا خطرہ نہ آئے یہ غلط ہے۔ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ خطرہ خود نہ لاوے گو از خود آجائے اور یہ نہ آنا تو غیر اختیاری ہے لیکن نہ لانا اختیار میں ہے۔ آورد خطرات منافی خشوع ہے۔ آمد خطرات منافی نہیں۔ آمد و آورد میں فرق ظاہر ہے ۔ ہاں البتہ یہ بھی کرنا چاہیے کہ جب وسوسہ بلا قصد آئے تو اس میں بقصد مشغول نہ ہو جائے۔ بعض ایسا کرتے ہیں کہ وسوسہ خود لاتے تو نہیں لیکن جب آتا ہے تو اس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غلطی ہے نہ قصد سے لانا ہو نہ قصد سے ابقاء ہو۔ کیونکہ بقصد باقی رکھنا بھی منافی خشوع ہے بس جب وسوسہ آئے تو اس کو رکھے نہیں دفع کر دے۔ (اصلوۃ ج ۱۰)

نماز میں حج

نماز میں حج بھی موجود ہے۔ کیونکہ حج کی حقیقت ہے تعلق بالبیت۔ سو نماز میں وہ موجود ہے۔ چنانچہ حکم ہے: فول وجهك شطر المسجد الحرام کہ نماز کے وقت، بیت الحرام کی جانب قصد کر کے رخ کر لیا کرو۔

سو تعلق بالبیت نماز کے اندر قلب میں بھی ہے اور ظاہر میں بھی ظاہر میں تو یہ کہ نماز کی حالت

میں اسی کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور اس کو فرض کر دیا گیا ہے۔ اور قلب میں یہ کہ استقبال کعبہ کی نیت کی جاتی ہے۔ پس جو نماز پڑھے گا اسے برکات حج بھی میسر ہوں گے۔

اسی طرح نماز میں اعتکاف بھی ہے کیونکہ اعتکاف کی روح وحقیقت ہے گناہوں سے رکنا المعتکف یعتکف الذنوب کلھا اھ۔ حدیث ہے اور یہ (خصوصیت) نماز کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ نماز کے اندر تمام گناہوں سے رکتا ہے۔ نماز میں کون گناہ کر سکتا ہے ان الصلوٰۃ تنھی کی بعض نے یہی تفسیر کی ہے کہ نمازی جب تک نماز میں رہتا ہے اس وقت تک وہ اس کو گناہوں سے روکتی ہے۔ گو اس کی اور تفسیریں بھی ہیں مگر یہ بھی ایک لطیف تفسیر ہے۔ تلاوت قرآن بھی نماز میں موجود ہے جس کے حدیث میں بہت فضائل آئے۔ چنانچہ قرأت نماز میں فرض ہے بدون قرأت نماز ہی نہیں ہوتی۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

نماز کی جامعیت

جو شخص نماز پڑھے گا اس کو تلاوت قرآن کے فضائل بھی حاصل ہوں گے۔ خیال تو کیجئے کہ ذرا سی مختصر چیز میں کیا کیا فضائل مل گئے۔ حج بھی مل گیا، روزہ بھی مل گیا۔ تلاوت قرآن بھی اور اعتکاف بھی۔

بعض اذکار کی فضیلت احادیث میں آئی ہے جیسے سبحان اللہ کہ اس کے بارہ میں آیا ہے کہ سبحان اللہ نصف میزان ہے نماز میں وہ بھی موجود ہے چنانچہ رکوع میں پڑھتے ہیں۔ سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ احادیث میں دعا کے بہت فضائل وارد ہیں اور قرآن میں کہیں کہیں اور خصوص فاتحہ میں تو ہر رکعت میں دعا بھی موجود ہے اور وہ نماز میں پڑھا ہی جاتا ہے۔ نیز درود شریف کے بعد بھی دعا کی جاتی ہے۔ پس نماز میں دعا کے فضائل بھی آ گئے۔ درود شریف کے کتنے فضائل ہیں وہ بھی نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ نمازی کسی برکت سے خالی نہیں۔ دعا ہے وہ اس میں موجود ثنا ہے وہ اس میں موجود، ذکر مبارک ہے وہ اس میں موجود۔ بعض لوگ اولیاء اللہ کا دم بھرتے ہیں اور ان کے تذکرے کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ سو ان کا تذکرہ بھی نماز میں موجود ہے۔ چنانچہ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ اس میں اولیاء اللہ بھی تو آ گئے۔

اب زکوٰۃ رہ گئی۔ شاید کوئی کہے کہ نماز میں زکوٰۃ کہاں ہے۔ سو سمجھ لیجئے کہ زکوٰۃ کی

روح ہے انفاق فی سبیل اللہ۔ظاہر ہے کہ نماز ننگے تو پڑھو گے نہیں۔کپڑا تو پہنو ہی گے اوراس میں خرچ بھی ہو ہی گا (خصوصاً اس زمانہ میں کہ کپڑے کی بہت زیادہ قیمت ہوگئی ہے) لہٰذا انفاق بھی ہوگیا۔اب کون سی عبادت رہ گئی جو نماز میں نہیں۔

شاید کوئی کہنے لگے کہ نماز میں قربانی نہیں تو سمجھ لیجئے کہ قربانی کی حقیقت باطنی ہے۔ اپنے کو فنا کردینا اوراپنی خواہشات کو مٹادینا۔سووہ نماز میں ایسی ہے کہ اپنے نفس سے پوچھو کہ قیود کے اندر مقید ہو کر اپنی خواہشات کو چھوڑنا پڑتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

معنی تکبیراین است اے ایم	کاے خدا پیش تو ما قرباں شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر مے کنی	ہم چنیں درذبح نفس کشتنی
گوئی اللہ اکبر وایں شوم را	سرببر تا وارہد جاں ازعنا
تن چوں اسمٰعیل جاں ہمچو خلیلؑ	کرد جاں تکبیر برجسم نبیل

(تکبیر کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ ہم تمہارے سامنے قربان ہوتے ہیں.... ذبح کے وقت تو تکبیر کہتا ہے ایسے ذبح نفس کے وقت جو مارنے کے لائق ہے اللہ اکبر ہو....اوراس منحوس کا سرکاٹ مارواور جان کو تکلیف سے رہائی دو....مثل تن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اور جان مانند خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تکبیر بزرگِ جسم مانند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اپنا سراس محبوب حقیقی کے سامنے رکھ اور ہنسی خوشی اس کی تلوار کے سامنے جان دے اوراللہ کی بڑائی بیان کر)

غرض کون سی عبادت ہے جو نماز میں نہیں۔(الصلوٰۃ ج ۱۰)

نماز کی روح

ذکر نماز کی روح ہے۔درمیان میں ایک کام کی بات بھی بیان کردی اور چونکہ ذکر نماز کی روح ہے اسی واسطے نماز کی فضیلت کے موکد کے لئے فرماتے ہیں۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ کہ اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے

اس لئے نماز میں اگر یہ خاصیت ہو کہ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ (برائیوں سے روکتی ہے) تو تعجب کی بات نہیں ہے بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ ذکر بڑھ کر ہے یعنی نماز سے بھی۔ پس ذکر ہی کرلیا کریں نماز نہ پڑھیں۔

اس کا ایک لطیف جواب میرے عرض سابق سے نکل آیا یعنی وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کی یاد بڑی چیز ہے) کا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذکر اللہ نماز سے بڑھ کر ہے بلکہ یہ علت ہے ماقبل کی۔ پہلے نماز کی ایک خوبی بیان کی ہے اب آگے اس کی علت بتلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز کی یہ خاصیت ہے کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے۔ مگر یہ خاصیت اس کی کیوں ہوئی اس لئے ہوئی کہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اس کی روح ہے ذکر اللہ اور) اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور ہر پہلو سے مفید ہے طبع سے، عقل سے، عشق سے۔ عشاق کی نظر تو بس اس خاصیت پر ہے۔

ان ذكر ني في نفسه ذكرته في نفسي وان ذكر ني في ملاء ذكرته في ملا خير منهم

یعنی جو دل میں یاد کرتا ہے تو خدا اس کو دل میں یاد کرتے ہیں (خدا دل سے پاک ہے مگر صرف شاکلۃً ایسا فرمادیا) جو مجمع میں یاد کرے تو حق تعالیٰ اس کو مجمع میں یاد کرتے ہیں۔

گویا ذکر کرنے سے حق تعالیٰ کے مذکور بنے۔ عاشق کے لئے کون سی دولت اس سے زیادہ ہوگی کہ اس کا محبوب اس کو یاد کرے۔ اول تو عاشق کو محبوب کا نام لینا ہی نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے اور پھر اس کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کہ محبوب اس کا نام لے۔

یہاں سے ایک بڑی بشارت معلوم ہوئی کہ جیسے ہم خدا تعالیٰ کو چاہتے ہیں ایسے ہی وہ بھی ہم کو چاہتے ہیں۔ مگر ان کے چاہنے کا بظاہر اعلان نہیں ہوتا۔ اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق معشوقاں نہاں است وستیز　　　عشق عاشق بادوصد طبل ونفیر
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند　　　عشق معشوقاں خوش وفربہ کند

(معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے، عاشق کا عشق دو سو طبل اور شہنائیوں کے ساتھ ظاہر و باہر ہے لیکن عاشقوں کا عشق دبلا کر دیتا ہے اور معشوق کا عشق موٹا اور فربہ کر دیتا ہے۔)

سو جیسے عاشق معشوق کا طالب ہوتا ہے اسی طرح معشوق عاشق کا طالب ہوتا ہے ؎

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پیاسے اگر پانی کے متلاشی ہیں تو پانی بھی ان کا طالب ہے) (الصلوٰۃ ج ۱۰)

کید نفس

بہت سے لوگ اس انتظار میں ہیں کہ نماز جب پڑھیں گے جب کہ حضور قلب ہوگا۔

ہم کیا نماز پڑھیں۔ دل تو ہمارے دنیا کے بکھیڑے بھر رہے ہیں۔ جب قلب پاک وصاف ہوگا اس وقت نماز پڑھیں گے۔

یاد رکھو! یہ نفس کا بڑا کید ہے۔ ظاہر میں تو تواضع ہے مگر واقع میں یہ تکبر ہے اس لئے کہ جو حالت اور جو وقت اس نے اپنے لئے نماز کا تجویز کیا ہے اس وقت کی نماز کو یہ سمجھا ہے کہ یہ نماز اس دربار کے لائق ہے۔ حالانکہ ہم عمل کرتے کرتے ہزاروں بار بھی مرمر کر زندہ ہو جائیں جب بھی ہم ناقص ہیں اور ہمارے اعمال اس وقت بھی ناقص ہی ہیں کسی طرح اس قابل نہیں ہیں کہ اس بارگاہ میں پیش ہوں۔ (التہذیب ج ۱۰)

توفیق منجانب اللہ ہوتی ہے

اب ہم نماز جو پڑھتے ہیں تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ ہم بڑا کام کرتے ہیں حالانکہ نمازی سوچ لیں کہ نماز کے وقت قلب میں نماز کا تقاضا ایسا ہوتا ہے اگر نہ پڑھیں تو جی براہوا اور دل پر بڑا بوجھ رہے۔ تو حضرت یہ وہ چیز ہے جو پانچوں وقت زبردستی نماز کے لیے کھڑا کر دیتی ہے۔ حدیث میں ہے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

(اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتے تو ہم کبھی ہدایت یافتہ نہ ہوتے نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے) (تکمیل الاعمال ج ۱۱)

حکمت اور مصلحت

حق تعالیٰ نے حیات میں بھی پردہ ڈھکا رکھا ہے اور بعد ممات کے بھی کیسی ستاری کی ہے حکم دیا ہے کہ لاش نہلاؤ تا کہ کوئی گندی چیز مرض کی حالت میں لگ لگا گئی ہو جس سے لوگوں کو نفرت ہو تو وہ دھل جائے اور جنازہ کا لے چلنا ان پر بار نہ ہو اور صاف ستھرے کپڑوں میں لپیٹو اور خوشبو لگاؤ اور خوشبو میں سے بھی کافور کو اختیار کیا جو مانع تعفن بھی ہے ان سب میں یہی حکمت ہے کہ اس سے کسی کو نفرت نہ ہو اور عیوب ڈھکے رہیں۔ (ادج قتوج ۱۱)

تاثیر صحبت

صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ بے نمازی آدمی چندروز نمازیوں میں رہنے سے نمازی ہو

جاتا ہے۔اور نمازی بے نمازیوں کی صحبت سے چند دنوں میں بے نمازی ہو جاتا ہے، پس کوئی اپنے کمال پر ناز نہ کرے میں بڑا نمازی ہوں یہ سب نمازیوں کے پاس رہنے کی برکت ہے پس یا تو اپنے سے بڑوں میں رہو اور اگر بڑے میسر نہ ہوں تو چھوٹوں میں ہی رہو بشرطیکہ وہ نیک اور صالح ہوں۔ بڑے کے پاس رہنے سے تو اس کی صحبت کا اثر اپنے اندر ہوگا۔اس کے حالات کو دیکھ کر ذوق شوق پیدا ہوگا اور کوئی لغزش ہو جائے تو وہ روک ٹوک کریگا اور چھوٹوں کی صحبت سے ان کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر شرم آئے گی کہ ہائے اتنے چھوٹے چھوٹے بچے تو کیا کچھ کرتے ہیں کسقدر خوف خدا ان میں ہے کس پابندی سے احکام کو ادا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے بڑی شرم کی بات ہے غرض جس طرح بڑے سے نفع ہوتا ہے ایسے ہی کبھی چھوٹے سے بھی نفع ہوتا ہے ۔یہی راز ہے صحبت کا کہ اس سے عمل میں پختگی ہوتی ہے (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۱)

پسندیدہ ادا:

ایک رئیس والی ملک کی ریاست میں ایک بار قحط ہوا استسقاء کی نماز پڑھی گئی اور لوگ دعا کر کے اُٹھنے لگے رئیس نے پوچھا کیا ان کو مدعا حاصل ہو گیا جو دعا کر کے چلنے لگے واللہ! میں تو ساری عمر یہیں ختم کر دوں گا اور بدون بارش کے کبھی نہ اُٹھوں گا، بھلا ہم جیسے ادنیٰ حاکموں کے دربار سے تو امیدوار ناکام نہیں لوٹتا اور احکم الحاکمین کے دربار سے ہم ناکام لوٹیں یہ نہیں ہو سکتا، اس بات کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بڑے زور کا بادل اُٹھا اور بارش موسلا دھار پڑنا شروع ہوئی، صاحبو! کوئی مانگنے والا ہو تو پھر ان کی عطاء کی بارش دیکھئے وہ تو ایسا بازار ہے کہ وہاں مبیع کی بھی تعیین نہیں ہے کہ اعمال صالحہ کے بدلہ میں کیا دیں گے، بس اجمال یہ ہے کہ جو تم چاہو گے وہ یہی دیں گے اور جو تمہارے وہم میں بھی نہیں آیا وہ بھی دیں گے (المودۃ الرحمانیہ ج ۱۴)

سلاطین دنیا کے یہاں یہ جرم ہے مگر حق تعالیٰ کو یہ ادا پسند ہے بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی باتیں سلاطین دنیا کے یہاں ادب ہیں اور وہاں بے ادبی میں داخل ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لا یقل احدکم اللھم اغفر لی ان شئت اللّٰھم ارحمنی ولیعزم المسألة فانه لا یکره له** (المصنف لابن أبی شیبة ۱۰:۱۹۹۔)یعنی دعا میں یوں نہ کہو کہ اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو مجھے بخش دیں (بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ مجھے ضرور بخش دیجئے ۱۲) کیونکہ دنیا میں جو سلاطین کو یوں لکھا جاتا ہے کہ اگر حضور.......... کی مرضی ہو تو

ایسا کردیجئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ لکھنے سے ان پر دباؤ ہوتا ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر قادر بھی نہیں ہیں اس لئے ان قیود کی ضرورت ہے اور حق تعالیٰ پر کسی کا کچھ بھی دباؤ نہیں ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر بھی قادر بھی ہیں تو وہاں ان شمت کی کیا ضرورت ہے پھر ایسے دربار میں اگر ثمرہ ادھار بھی ملے تو کیا حرج ہے جہاں ادھار کا ثمرہ اضعاف مضاعفہ دیا جاتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض دے قرض حسنہ تو اللہ تعالیٰ اس کا کئی گنا اضافہ فرمادیں گے اور اس کے لئے اکرام و اعزاز والا اجر ہوگا) یہاں قرض حسنہ کے وہ معنی نہیں جو عوام میں مشہور ہیں کہ بس خوشی سے ادھار دے دو اگر مقروض کے پاس ہوا تو ادا کردے گا۔

استغراق کمال نہیں

بعض لوگ استغراق کو کمال سمجھتے ہیں کہ نماز میں ایسا محو ہو جائے کہ کچھ بھی خبر نہ رہے، حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے بعض دفعہ ارادہ کرتا ہوں کہ لمبی سورت پڑھوں گا۔ مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر چھوٹی سورتیں پڑھتا ہوں کہ اس کی ماں زیادہ دیر سے بے چین ہو جائے گی۔ تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بچوں کے رونے کی خبر ہوتی تھی، تو استغراق حالت کمال نہیں بلکہ حالت توسط ہے اور کمال کے بعد استغراق وانقطاع کلی نہیں ہوتا، بلکہ اہل دنیا سے بھی تعلق ہو جاتا ہے، مگر یہ تعلق اور طرح کا ہوتا ہے، اُس تعلق میں جو قبل از کمال (کمال سے پہلے ۱۲ص) ہوتا ہے اور اُس میں جو بعد کمال ہوتا بڑا فرق ہوتا ہے۔ پہلے سب سے تعلق اپنی نسبت کی وجہ سے تھا کہ یہ میرا باپ ہے، یہ بھائی ہے یہ بیوی ہے یہ بچہ ہے، اب خدا تعالیٰ کی نسبت کی وجہ سے تعلق ہوتا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کی ذات کے مظہر ہیں اور اُس کے حقوق کے محل ہیں، پس یہ بھی اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کی محبت ہے۔ مگر وسط میں یہ نہیں رہتی۔ یہ حالت کمال ہی کی ہے کہ غیر میں بھی ذات خدا تعالیٰ کا مشاہدہ ہو۔ حاصل یہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور طرح کی ہوتی ہے اور ماں کی اور طرح کی بیوی کی دوسری قسم کی۔ (وحدۃ الحب ج ۱۰)

رخصت دینا حق تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لہذا ہمیں حق تعالیٰ کی نعمت کو قبول کرنا چاہئے۔ اس قسم کے تقوی سے بعض اوقات نماز بھی ترک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک عرب بڑے نیک

جہاز میں ہمارے ساتھ سفر میں تھے۔ انہوں نے نماز ترک کر دی۔ اُن سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میاں پاخانہ کے پانی کی شُرشُر سے کوئی اطمینانی حالت نہیں کپڑوں کا اعتبار نہیں اس لئے کامران جا کر پڑھ لیں گے۔ یعنی کامران جا کر کامرانی کریں گے سو اس قسم کے تقویٰ کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے جو ہم کو رخصت کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ یہ اس لئے تا کہ ہم شکر کریں۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اور تا کہ تم شکر کرو) تو جب تک ہم نعمت کو قبول نہ کریں اور اس پر عمل کر کے سہولت حاصل نہ کریں۔ اس وقت تک شکر مشکل ہے اگر کوئی شخص کہے کہ ہم بلا نعمت ملے اور بغیر نعمت قبول کئے شکر ادا کر لیں گے تو اصل یہ ہے کہ یہ شکر صرف زبان سے ہوگا۔ اس شکر کے ساتھ دل شریک نہ ہوگا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پی کر زبان اور دل دونوں سے الحمدللہ نکلتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ رمضان میں افطار کے وقت سرد پانی ملنے سے کتنی مسرت ہوتی ہے بلکہ اہتمام سے برف وغیرہ سے سرد کیا جاتا ہے۔ غرض مریض کو جب تیمم کی اجازت ہو تیمم کر لیا جاوے اور جب کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لی جاوے۔ پھر جب کھڑے ہونے پر قدرت ہو۔ کھڑے ہو کر پڑھ لی جاوے۔ اصل یہ ہے کہ ہماری کوئی عبادت متعین نہیں۔ جس وقت جو حکم ہو اس وقت وہ کر لیا۔ اگر سونے کا حکم ہو تو سوئے۔ ہم تو اپنے خلاف مرضی مالک اپنے نفس میں کوئی تصرف جائز نہیں کیونکہ وہ نفس ہماری چیز نہیں سرکاری چیز ہے۔ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

خودرائی

ہمارے حضرتؒ کے پاس ایک شخص آیا اور آ کر یہ عرض کیا کہ میں بیمار ہو گیا تھا۔ اتنی مدت تک مجھ کو حرم کی نماز نصیب نہیں ہوئی۔ حضرتؒ نے اپنے خواص سے فرمایا کہ عارف ان باتوں سے مغموم نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقصود تو حق تعالیٰ کا قرب ہے۔ اور جس طرح حالت اختیار میں حرم کی نماز قرب کا ایک طریق ہے اسی طرح قُرب کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بیمار ہو جائیں اور بیماری کا اجر ملے اور بحسب حدیث اس کے ساتھ ہی نماز کا بھی وہی اجر ملے جو تندرستی کی حالت میں حاضری حرم سے ملتا۔ اس کے بعد

فرمایا کہ بندہ کو مولیٰ پر فرمائش کرنے کا حق نہیں کہ مجھ کو فلاں طریق سے قرب عنایت ہو ۔ دونوں راستے خدا تک پہنچنے کے ہیں جس طریق سے چاہے پہنچائے ۔ بندے کو کیا حق ہے کہ ایک طریق کو تجویز کرے ۔ خوب کہا ہے ؂

بدردو صاف ترا حکم نیست دم درکش　　　　که آنچه ساقی ما ریخت عین الطافست

(تجھے یہ نہ سوچنا چاہئے کہ شراب میلی ہے یا صاف چاہیے ہمارے ساقی نے جو کچھ ہم کو دیا ہے وہی عین مصلحت ہے) اور

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن　　　　که خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط لگا کر عبادت مت کر ۔ جو آقا ہے وہ خود اپنے غلاموں کی پرورش کے طریقے جانتے ہیں)

فکر خود ورائی خود در عالم رندی نیست　　　　کفرست دریں مذہب خود بینی وخود رائی

(عاشقی کے معاملہ میں اپنی فکر کرنا اپنی رائے پر چلنا درست نہیں ۔ عشق کے مذہب میں خود کو کچھ سمجھنا اور اپنی رائے پر چلنا کفر کے برابر ہے) پس جس طرف سرکار لے جائیں بالکل خیر ہے

درطریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست　　　　برصراطِ مستقیم ایدل کسی گمراہ نیست

(درویشی کے راستہ میں درویش کے سامنے جو مصیبت بھی آ جائے اس کو بہتر ہی سمجھے ۔ اے دل صراط مستقیم میں کوئی شخص بھی گمراہ نہیں ہوا) (قطع التمنی ج ۱۵)

شیطانی دھوکہ

ہم نے ایک عابد زاہد کو سفر حج میں دیکھا کہ نماز بالکل چھوڑ بیٹھے تھے ۔ شیطان نے ان کو اسی قسم کے پاکی اور ناپاکی کے توہمات میں مبتلا کر دیا تھا فقیہ ان باتوں میں کبھی نہ آئے گا تو حدیث میں جس فقیہ کو ہزاروں عابد سے زیادہ شیطان پر بھاری بتلایا گیا ہے یہ وہی فقیہ ہے جس کو دین کی سمجھ ہو صرف کتابیں پڑھنے والا فقیہ مراد نہیں ۔ حضرات فقہاء شیطان کی ان چالوں کو خوب سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے پاکی اور ناپاکی کے مسائل میں بہت توسع فرمایا ہے ۔ (انج امبر درج ۱۷)

نمازی کی حالت

دیکھو اگر کسی نمازی کو نماز کے وقت دو آدمی پکڑ کر رسے باندھ دیں تو وہ رسے توڑ کر

بھاگے گا تو اس میں کیا راز ہے یہی ہے کہ اس کی طبیعت بدل گئی ہے وہ کشاں کشاں اس کو اپنے مقتضیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو ملکہ راسخہ اور طبیعہ ثانیہ کہتے ہیں۔

کسی بزرگ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک آقا اور غلام چلے جا رہے تھے غلام نمازی تھا نماز کا وقت آ گیا وہ مسجد میں نماز پڑھنے گیا اور آقا صاحب مسجد سے باہر رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو آقا نے پکارا کہ آؤ۔ غلام نے کہا کہ آنے نہیں دیتا۔ فرق کیا تھا کہ نماز اس غلام کی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ اور مولیٰ کی طبیعت مہذب نہ تھی۔

اس کی وہ حالت تھی جیسے کسی قصائی کا بیل چھوٹ کر مسجد میں گھس گیا۔ لوگوں نے ملامت کی تو کہنے لگا کہ میاں جانور بے عقل تھا چلا آیا کبھی ہم کو بھی دیکھا ہے۔ اللہ اکبر طبیعت کا کیسا اختلاف ہے اور یہی طبیعت کبھی ایسا پلٹا کھاتی ہے کہ تکبیر اولیٰ بھی اگر قضا ہو جائے تو گویا غم کا پہاڑ آ گرتا ہے۔

؎ بر دل سالک ہزاراں غم بود   گرز باغ دل خلالے کم بود

اس لئے بہت زیادہ ضروری طبیعت کا مسخر کرنا ہے۔ (التھذیب ج ۱۷)

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی احمد غزالی جماعت سے نماز نہ پڑھتے تھے۔ مغلوب الحال زیادہ تھے ایک مرتبہ امام غزالی نے والدہ سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے ان کو سمجھایا بجھایا' خیر جماعت میں آ کر کھڑے ہوئے۔ امام غزالی امام بنے نماز پڑھنی شروع کی' بس تھوڑی ہی دیر میں ان کے بھائی صاحب نیت توڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو جو معلوم ہوا کہ نیت توڑ کر چلے گئے بہت ناگوار ہوا آ کر والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی' والدہ نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی وہ کہنے لگے اگر کسی کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جاوے تو نماز نہیں ہوتی' ان کے قلب میں حیض کا خون لگ رہا تھا' بس میں اقتداء سے جدا ہو گیا اور ہوا یہ کہ اس زمانہ میں ایک فقہ کی کتاب لکھ رہے تھے تو اس وقت ایک خاص جزئیہ اس باب کا ان کے قلب میں گزرا ان کو مکشوف ہو گیا۔ اب دیکھئے کہ ان کی والدہ صاحبہ کیا فیصلہ فرماتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ محمد (امام غزالی کا نام ہے) واقعی تم نے نماز کا حق ادا نہ کیا' مسائل کے حل کے لیے دوسرا وقت ہے نماز میں کیوں ادھر التفات

کیا اور دوسرے سے فرمایا کہ احمد تم نے بھی خطا کی تمہارا حضور بھی کامل نہ تھا تم کو حق تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر ادھر کیوں التفات ہوا؟ کہ امام کیا کر رہا ہے کیا سوچ رہا ہے دونوں کے حضور میں نقصان ہے۔ واقعی کیا اچھا فیصلہ کیا۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ نماز میں ایسی حالت ہونی چاہیے:

دلارامے کہ داری دل دروبند　　دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہو تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کرلو)

اے صاحبو! اگر ہم کو ہر وقت یہ حالت نصیب نہیں تو کم از کم نماز میں تو ایسا ہو جانا چاہیے کہ تمام عالم سے آنکھیں بند کرلیں جس نے نماز میں بھی عالم سے آنکھیں بند نہیں کیں وہ پھر اور کس وقت خدا کی طرف لگے گا' تب احمد سمجھے کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں' خشوع و خضوع کا ہمارا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ والدہ صاحبہ ہم سے بھی بڑھی ہوئی ہیں' کتنی بڑی غلطی پر متنبہ کیا جس کو ہم غلطی بھی نہ سمجھتے تھے ہم تو بھائی صاحب ہی کو الزام دیتے تھے کہ وہ نماز میں خشوع نہیں کرتے۔ اب معلوم ہوا کہ ہم خود بھی خشوع سے خالی ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے خشوع میں پھر بھی بہت زیادہ نقصان نہ تھا کیونکہ ان کو تو ایک شرعی مسئلہ ہی کا خیال آیا تھا اور مسائل شرعیہ اگرچہ غیر خدا ہیں مگر پھر ان کو خدا کے ساتھ ایک گونہ تعلق ہے تو خدا کی طرف سے اگر دھیان ہٹا تھا تو اسی کے احکام میں لگا ہوا بھی تھا اور شیخ احمدؒ کا دھیان خدا کی طرف سے ہٹ کر امام کی حالت پر متوجہ ہوا اور ایک خاص واقعہ کا ان کو انکشاف ہوگیا تو ان کو خدا کی طرف خیال نہ رہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ کا خدا کے احکام کی طرف تو یہ تھا تشتت ان کے تشتت سے اور ادون تھا' اب اس واقعہ کو سن کر فرمایئے! کہ ہم میں خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے آدمی ہیں؟ غرض نماز ہی کو دیکھ لو! تو معلوم ہو جائے کہ ہماری کوئی طاعت طاعت کہنے کے قابل نہیں۔ (الجلاء والابتلاء ج ۱۸)

رفع اشکال

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "**اجھز جیشی وانا فی الصلوٰۃ**" کہ میں نماز کے اندر لشکر بھیجنے کا سامان کیا کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں نماز کے اندر لشکر کا خیال آتا تھا اور ایک آن میں دو چیزوں کی طرف التفات نفس محال ہے تو یقیناً لشکر کے خیال کے ساتھ حق تعالیٰ کی

طرف خیال نہ رہتا ہوگا یا کم رہتا ہوگا تو اب یا تو یہ مانا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں خشوع نہ کرتے تھے یا یہ کہا جائے کہ خدا کے سوا دوسرے خیالات میں مشغول ہونا خشوع کے منافی نہیں۔ اشکال ہے ہر ظاہر میں سخت۔ اسی لیے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس دو عالم جھگڑتے آئے تھے ایک تو خطرات کو آنے کو خشوع کے منافی سمجھتے تھے دوسرے اس کو خشوع کے منافی نہ سمجھتے تھے اور اس قصہ سے استدلال کرتے تھے۔ پہلے شخص کو اس کی حقیقت نہ معلوم ہونے سے کوئی جواب نہ پڑا تھا۔ اس لیے بعضے لوگ اس واقعہ سے خشوع کے عدم وجوب کے قائل ہوئے ہیں کیونکہ ان پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کی حقیقت واضح نہیں ہوئی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کی حقیقت کو منکشف فرمایا' آپ نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجہیز جیش خشوع کے منافی نہیں کیونکہ وزیر جب بادشاہ کے دربار میں آتا ہے تو اس کا خشوع یہی ہے کہ سرکاری کاغذات کو دیکھے اور بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ اس سے احکام دریافت کرے اور اس کے موافق فرمان شائع کرے تو ایک شخص تو وہ ہے جو بادشاہ کے دربار میں محض حاضری دینے آتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ بادشاہ کی عظمت وجلال ظاہر کرنے کے لیے دست بستہ اس کے سامنے کھڑا رہے۔ چنانچہ دربار شاہی میں بہت سے خدمت گار صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں۔ دوسرا کوئی کام ان کے ذمہ نہیں ہوتا۔ سو اس کا خشوع تو یہی ہے کہ ہاتھ باندھے سر جھکائے بادشاہ کے سامنے کھڑا رہے کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور ایک وزیر ہے جس کا کام یہ ہے کہ سلطنت کا انتظام کرے اور بادشاہ کے حکم کے موافق فرمان نافذ کرے اس کا خشوع یہی ہے کہ تمام کاغذات کو دیکھے بھالے' ڈاک کو پڑھے ان کے جواب کو لکھ کر بادشاہ کو سنائے۔ پس ظاہر میں اگرچہ پہلے شخص کا خشوع بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نظر بادشاہ کے سوا کسی چیز میں نہیں اور وزیر بظاہر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ معلوم ہوتا ہے وہ دست بستہ بادشاہ کے سامنے یکسو ہو کر نہیں کھڑا ہوتا مگر کون نہیں جانتا کہ وزیر کا مرتبہ پہلے شخص سے کس قدر بڑھا ہوا ہے اور اس کی اطاعت اور خشوع یہی ہے کہ دوسرے کاموں میں مشغول ہو جو بادشاہ نے اس کے سپرد کیے ہیں اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت میں خلیفۃ اللہ تھے جن کے سپرد انتظام عام کا کام کیا گیا تھا ان کا خشوع یہی تھا کہ نماز میں کھڑے ہو کر حق تعالیٰ سے لشکر وغیرہ کی بابت احکام دریافت کریں اور نماز میں جو بات

ان کے دل پر القاء ہو اس کے موافق عمل کریں اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ نماز میں جو کچھ القاء ہوتا ہے وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجہیز جیش کی وہی مثال ہے جو وزیر کی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر حالت ہوتی ہے۔ حضرت عمر کو تجہیز جیش میں بھی حضور حق ہی حاصل ہوتا تھا اس لیے ان کی یہ حالت کسی طرح خشوع کے منافی نہ تھی بلکہ عین خشوع تھی بلکہ مثال سے واضح ہو گیا کہ دوسروں کے خشوع سے آپ کا خشوع اس حالت میں بھی بڑھا ہوا تھا۔ غرض معلوم ہو گیا کہ یہ حالت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خشوع کی منافی کسی طرح نہیں اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو اس واقعہ سے خشوع کے عدم وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔ (الجلاء الا بتلاء ج ۱۸)

صحابہ کی حقیقت شناسی

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک شخص نے یہ طعن کیا کہ تم کو تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہگنا موتنا بھی سکھلاتے ہیں تو ان صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے نہایت دلیری سے یہ جواب دیا کہ بیشک ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو ہگنا موتنا بھی سکھلاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ حقیقت سمجھتے تھے ایسے مواقع میں اعداء دین سے الجھتے نہ تھے (ازالۃ الغفلۃ ج ۱۸)

وساوس کا علاج

آپ کی وسعت میں ہے کہ ایک خطرہ قلب میں آئے اور آپ کو اس کو ہٹا کر دوسرے خیال میں لگ جائیں۔ اب دوسری طرف توجہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ پہلا خیال رہے یہ بے اختیاری ہے۔

اور جو درجہ بے اختیاری ہے اس کیلئے حدیث میں ہے ان اللّٰہ تجاوز عن امتی ماوسوست به صدور. یہ ہے اس کی تفصیل باقی یہ سمجھنا کہ دل پر اختیار نہیں بالکل غلط ہے اور اسی غلطی نے لوگوں کو رذائل قلب کے ازالہ سے مایوس کر دیا ہے۔ مثلاً یہ بات انسان کے قبضہ میں ہے کہ نماز میں کھڑا ہو اور قلب کو اس کی طرف متوجہ کرے مگر اس کی پرواہ نہیں کیونکہ اس کو اپنے جہل سے غیر اختیاری سمجھے ہوئے ہیں۔

اے صاحبو! اگر قلب کا متوجہ کرنا اختیار میں نہ ہوتا تو حدیث میں نماز کے باب میں مقبلا علیهما بقلبه لایحدث فیهما نفسه کیوں ہوتا۔ اگر قلب کا متوجہ کرنا اختیار میں نہیں تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے۔

صاحبو! نماز کی طرف توجہ کرنے سے ضرور توجہ ہوگی۔ مگر توجہ کا ارادہ بھی تو ہو۔ ارادہ کرکے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ احضار قلب اختیار میں ہے اور جب یہ اختیار میں ہے تو حضور قلب بھی اختیار میں ہوگا کیونکہ وہ احضار کا مطاوع ہے البتہ اس کے بعض مراتب اختیار میں نہیں۔ مثلاً یہ تو اختیار میں ہے کہ نماز کی طرف قلب کو متوجہ کردے اور یہ توجہ واقع بھی ہوجاوے گی لیکن دوسری طرف جو پہلے سے توجہ تھی اس کا زائل ہوجانا یہ اختیار میں نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز کی طرف توجہ کی گئی مگر دوسری چیز بھی پہلے سے دل میں موجود ہے وہ جاتی ہی نہیں یہ غیر اختیاری ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک چیز کو قصداً آنکھ سے دیکھا تو عادتاً دیکھنے والے کی شعاع بصری فقط اسی چیز تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ شعاع پھیل کر اور چیزیں بھی بلاقصد کے نظر آنے لگتی ہیں۔ سو ایک تو نظر آنا ہے یہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک نظر میں لانا ہے یہ اختیاری ہے۔ اسی طرح ذہن کو جس وقت کوئی شخص ایک جانب متوجہ کرتا ہے تو مقصود بالتصور تو وہ چیز ہوتی ہے مگر دوسری چیزیں بھی بلا اختیار خیال میں آجاتی ہیں۔ جن کو یہ قصداً ذہن میں نہیں لایا بلکہ بلاقصد آگئیں اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔ پس ذہن میں لانا یہ تو اختیاری ہے اور آنا اختیاری نہیں۔ (الھوی والھدی ج۱۹)

حقیقت حضورِ قلب

بعض لوگ قلب کا متوجہ کرنا اس کو سمجھتے ہیں کہ دوسری چیز کا تصور ہی ذہن میں نہ رہے اور کوئی چیز حاضر ہی نہ ہو اور اسی لئے اپنے کو اس میں ناکام دیکھ کر توجہ مامور بہ کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی چیز کو قصداً دیکھیں اور شعاع کو قصدی تعلق بھی اسی سے ہو کسی اور چیز سے نہ ہو مگر ایسا ممکن نہیں کہ شعاع کسی اور چیز کی طرف بلاقصد بھی متصرف نہ ہو۔ اسی طرح ذہن کی شعاع بھی ایک ہی چیز پر مقصود نہیں رہتی۔ بس یہاں بھی قصد کیجئے کہ توجہ نماز کی طرف ہو اگر اس کے بعد دوسری چیزیں بھی آپ کے ذہن میں ازخود آجائیں تو اس کو مانع حضور قلب نہ سمجھئے۔ یہ دوسری چیزوں کا آجانا لوازم عادت سے ہے اب تو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ حضورِ قلب ایسا ہو جسے ہم حضورِ قلب سمجھیں حالانکہ حضورِ قلب کے یہ معنی نہیں جس کو لوگ سمجھے ہوئے ہیں۔

دیکھئے ناواقفیت سے کتنی بڑی خرابی ہوگئی کہ امر اختیاری کو غیر اختیاری سمجھ لیا گیا۔ اور اس کا اہتمام چھوڑ دیا۔ پس ایک سبب حضورِ قلب سے مایوس ہو جانے کا یہ بھی ہے کہ ذہن پر اس کے حصول کے لئے اس قدر زور ڈالتے ہیں کہ ذہن اِدھر اُدھر جانے ہی نہ پائے۔ حالانکہ ذہن میں خطرات کی لہریں اٹھتی ہیں جیسے سمندر میں مدوجزر (جوار بھاٹا) کہ اس کیلئے سخت بند کی ضرورت ہے اور بند میسر نہیں ہے مبالغہ تو بہت کرتے ہیں اس کی روک تھام کا مگر کہاں تک کر سکتے ہیں آخر ذہن تھک جاتا ہے اور یوں سمجھ لیتے ہیں کہ حضورِ قلب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے چھوڑ بھی دو۔ اس کے بعد ارادہ ہی نہیں کرتے۔ یہ مبالغہ کرنے کا نتیجہ ہے اس لئے مبالغہ نہ کرنا چاہیے۔ میں اس کی ایک مثال واضح عرض کرتا ہوں کہ قلب کا کتنا حاضر کرنا ضروری ہے۔

دو حافظ تجویز کر لیجئے ایک تو ایسا جسے قرآن مجید اس طرح یاد ہے کہ شروع کرتے وقت تو توجہ اور قصد کی ضرورت پڑتی ہے پھر سوچنے کی ضرورت نہیں مشین کی طرح نکلتا ہوا چلا جاتا ہے۔ جیسے ہم الحمد پڑھتے ہیں کہ ادھر شروع کی اور اُدھر ختم سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اور ایک وہ حافظ ہے جسے قرآن کچا یاد ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہر لفظ کو سوچ کر پڑھے گا جیسے ناظرہ خوانوں میں سے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو تو وہ ہر ہر لفظ کو سوچ کر پڑھے گا۔ بے سوچے نہیں پڑھ سکتا تو اس کچے حافظ کو جتنی توجہ ہر لفظ کے پڑھنے میں ہوتی ہے بس اتنی ہی توجہ کا نماز میں انسان مکلّف ہے اور یہی کافی ہے۔ (الھدی والھدی ج ۱۹)

دین میں اعمال کی اہمیت

دین میں آسان طریقہ تو یہ تھا کہ نہ نماز کی ضرورت ہوتی نہ زکوٰۃ کی نہ حلال وحرام کے اہتمام کی نہ رشوت چھوڑنے کی نہ تکبر چھوڑنے کی بس لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر نہایت آزادی کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے یہ نہایت سہل طریقہ تھا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تجویز فرماتے تو لوگ نہایت آسانی سے اسلام قبول کر لیتے مگر باوجود اس کے آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اعمال کی بھی تاکید اور تعلیم فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ...... کافی نسخہ نہیں ہے دوسرے اجزاء کی بھی ضرورت ہے مگر آج کل اہل الرائے کی عجیب حالت ہے چنانچہ ایک شخص نے یہاں تک رائے دی کہ اگر سب علماء مل کر نماز کو اسلام سے خارج کر دیں تو اسلام کو بہت ترقی ہو اور اس کے باقی رکھنے سے اسلام کی ترقی رک رہی ہے کیونکہ جب کوئی شخص سنتا ہے کہ

اسلام لا کر نماز گلے مڑھی جائے گی تو وہ اسلام لانے سے رک جاتا ہے بہت سے لوگ اسلام لانے پر آمادہ ہیں مگر نماز کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی اس لئے اس کو حذف کر دینا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ واقعی ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز نہ ہوتی تو مسلمان ہونا کچھ بھی مشکل نہ تھا بہت سہل ہوتا، مگر باوجود اس کے پھر کیا وجہ ہے کہ نماز فرض فرمائی گئی اور اس کے تارک پر وعید ارشاد فرمائی اور وعید بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ یوں فرمایا: مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ یعنی جس نے عمداً نماز کو چھوڑا تو وہ کافر ہو گیا۔ یہاں ایک بات سمجھئے کہ مولویوں کی عجیب کم بختی ہے کہ جب وہ اس قسم کا مضمون بیان کرتے ہیں تو لوگ ان کو یوں کہتے ہیں کہ بس جی ان کو تو کافر بنانا آتا ہے۔ بھائی یہ تو رسول کا فتویٰ ہے مولویوں کے گھر کی تو بات نہیں اور اگر کہو کہ حدیث کوئی چیز نہیں چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بعض اسکے بھی قائل ہیں تو صاحبو! قرآن شریف کا سیاق و سباق بھی تو تارکِ نماز کو مشرک بتلا رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ. (نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت ہو)

تو کیا قرآن شریف کو بھی حجت نہ کہا جاوے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ اس درجہ جو نماز کی تاکید کی گئی یا حج و زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے بارے میں وعید سنائی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض ایمان لانا کامیابی کے لئے کافی نہیں بلکہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ کے یہ معنی ہی نہیں کہ کوئی عمل نہ کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کا بھی اقرار کرے اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی کرے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔ (جب کوئی شئی ثابت ہو جائے تو اس کے بعد لوازم ثابت ہوئے) (العاقلات الغافلات ج ۲۰)

شادی کے وقت نماز

جہاں شادی وغیرہ دھوم دھام سے اور رواج کے موافق ہوتی ہے وہاں عورتوں کو اور مردوں کو اور صاحب خانہ کو اور نوکروں چاکروں کو نماز کا مطلق ہوش نہیں ہوتا رات بھر جاگنے اور کھانے دانہ میں اور مہمان داری اور لینے دینے میں کٹ جاتی ہے مگر نماز کی فرصت کسی کو نہیں ہوتی یہ حد شرعی سے خروج ہے کہ نہیں نماز جس کا چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں بے ضرورت چھوڑ دی جاتی ہے۔

بعضی عورتوں کو یہ ہی عذر ہوتا ہے کہ گھر میں اتنا مجمع ہو گیا کہ نماز کے لئے جگہ ہی نہیں

اتنی عورتیں کہاں نماز پڑھیں کیوں بیبیو! سارے کاموں کے لئے جگہ ہے اور نماز کے لئے جگہ نہیں کیا جس وقت سونے کا وقت آئے گا، اس وقت ان کو لیٹنے کے لئے بھی جگہ نہ ملے گی، لیٹنے کے لئے تو ضرور جگہ ملے گی اگر کسی بی بی کو ذرا سی بھی تکلیف ہو گی تو ساری برادری میں نک کٹی ہو جائے گی اگر بیبیاں سونے کے برابر بھی نماز کو ضروری سمجھیں تو نماز کی جگہ نہ ملنے پر بھی برادری میں ناک کٹی کر دیں مگر نماز پڑھنا ہی نہیں۔ یہ سب حیلے بہانے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جتنی جگہ سونے کے لئے چاہئے نماز کے لئے اتنی بھی درکار نہیں عورتوں کا سجدہ بہت دب کر ہوتا ہے ذرا سی جگہ کافی ہے پھر جگہ نہ ملنے کا حیلہ کیسے چل سکتا ہے اور کچھ بھی ہو فرض کر لیجئے جگہ بالکل نہیں ہے تو حق تعالیٰ اس کے کب ذمہ دار ہیں۔ حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ایسے مجمع میں جاؤ جہاں نماز بھی نہ پڑھ سکو جب وقت آئے لاکھ تدبیر کرو اور نماز ادا کرو۔ مجمع میں پڑھو یا مجمع پر خاک ڈالو گھر جا کر نماز ادا کرو جس صورت سے بھی ہو۔ نماز چھوڑ کر گناہ سے نہیں بچ سکتیں۔

سفر میں نماز

اسی ضمن میں ایک اور مسئلہ یاد آ گیا وہ یہ ہے کہ سفر میں بھی عورتوں کو یہ عذر ہوتا ہے کہ ریل میں جگہ نہیں ملی، یا یہ کہ پانی نہیں ملا، یا یہ کہ قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہوئی۔ یہ سب عذر اپنے گھڑے ہوئے ہیں۔ شریعت نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ ریل میں بیٹھنے کی جگہ تو مل جاتی ہے اور بچہ یا اسباب ساتھ ہوتا ہے تو اس کی بھی جگہ بُری بھلی ہو ہی جاتی ہے تعجب ہے کہ نماز کی جگہ نہیں ہوتی اسی طرح بچہ پیاسا ہو تو کہیں نہ کہیں پانی مل جاتا ہے مگر نماز کے لئے نہیں ملتا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر اسٹیشن پر تم ہو تو وہاں پانی مانگ لو اگر پانی نہ مل سکے یا پانی ملنے میں ریل چھوٹ جائے گی تو تیمم کر لو، مگر تیمم کے مسئلے سیکھ لو۔

ایک بی بی نے ریل کے تختوں پر تیمم کیا اس خیال سے کہ جیسے گھر کی دیوار ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ یہ غلطی ہے دیوار مٹی کی ہوتی ہے اور وہ لکڑی ہے، ہاں اگر ریل کی بنچ پر خوب گرد پڑی ہوئی ہو تو اس پر تیمم جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ گرد پاک ہو، ناپاک مٹی پر تیمم نہیں ہو سکتا، اور اتنا بھی بکھیڑا کیوں کیا جاوے مٹی کا کوئی برتن پاس ہو تو اس پر تیمم کر لو اس پر گرد ہونا بھی شرط نہیں اول تو ریل کے سفر میں تیمم کی نوبت ہی آنے کی امید نہیں۔ پانی ہر جگہ ملتا

ہے۔ اگر یوں ملنے میں دقت ہو تو پیسہ دو پیسہ خرچ کرو پھر جا ہے جتنا پانی لے لو جہاں دنیا کی آسائش کے لئے تیسرے درجہ کی جگہ ڈیوڑھا یا دوئم درجہ کا ٹکٹ لیتے ہو اگر دو چار پیسے خرچ کر کے نماز مل جائے تو کیا حرج ہو گا ہاں خیال رکھنا اور مستعدی شرط ہے۔ (دعوات عبدیت ج ۲۰)

اعلیٰ درجہ کی نماز حاصل کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے

نماز کی کمی کی اصلاح کرو اور اسی اصلاح میں جب تک اعلیٰ درجہ کی نماز حاصل نہ ہو سعی کرتے رہو کہ درجہ علیا صلوٰۃ کا حاصل ہو جاوے۔ جب تم اپنی سعی کر لو اور پھر بھی وہ درجہ میسر نہ ہو تو عنداللہ بری ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ وہ ایسے ہی قبول فرما لیں گے شکایت تو اسی کی ہے کہ اس طرف توجہ ہی نہیں پس سعی کے بعد ہم جیسی نماز پڑھیں گے اگر وہ صلوٰۃ مطلوبہ کے درجہ میں بھی نہ ہو گی مگر حق تعالیٰ کا کام ایسا وسیع ہے کہ وہ اسی کو مطلوب کے درجہ میں کر دیں گے۔ چنانچہ اسی بنا پر آیت **فاولئک یبدل اللہ سیئا تھم حسنات** (پس یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔) تفسیر حضرت مرشدی علیہ الرحمتہ یہ فرماتے تھے کہ سیئات سے مراد ہمارا نماز روزہ ہے کہ درحقیقت ہی عبادت نہیں بلکہ واقع میں گستاخی اور بے ادبی ہے اور ہم ایسی عبادت کو پیش کر کے بے ادب بنتے ہیں جیسے اس آدمی کا لانے والا بے ادب اور احمق شمار کیا گیا تھا اور ہمارا ایسے عبادات پر اپنے کو مستحق اجر سمجھنا ایسا ہی ہے کسی آقا کا گستاخ نوکر پنکھا جھلے اور ہر دفعہ میں اس کے سر پر پنکھا مارتا ہو اور پھر انعام کا طالب ہو اس پر تو اگر وہ آقا سزا ہی نہ دے تو بڑی عنایت ہے اسی طرح ہماری عبادت بے ادبی اور گستاخی ہے اس پر اگر ہم کو سزا بھی نہ ہو تو بڑی رحمت ہے لیکن حق تعالیٰ کی وہ رحمت ہے کہ ہمارے اس گمان کے موافق کہ ہم ان کو عبادت سمجھے ہوئے ہیں سچ مچ عبادت کر کے اس پر بھی ثواب دیں گے امراء کے یہاں دیکھا ہو گا کہ غرباء مٹی کے خربوزے تربوز بنا کر لاتے ہیں ان کو بھی انعام ملتا ہے ایسی ہی یہ ہماری نماز ہے کیسا عجب ہے جو اس پر بھی انعام مل جاوے لیکن واقع میں تو ضرورت اسی کی ہے کہ ہماری ایسی نماز ہو جیسی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور جب تک پر حاصل نہ ہو سعی کرتے رہیں غضب تو یہ ہے کہ ہماری تو صورت نماز بھی درست نہیں کیونکہ درستی ہوتی ہے صبر سے یعنی خلاف نفس مشقت اٹھانے سے اور اس

سے نفس گھبراتا ہے بلکہ بعضوں نے تو یہ حکم لگا دیا ہے کہ ہم سے خشوع خضوع حضور قلب نماز میں ہو ہی نہیں سکتا میں کہتا ہوں کہ ہو کیوں نہیں سکتا مگر ہاں ذرا نفس کو روکنا پڑتا ہے اور اس میں ہوتی ہے مشقت اس لیئے اس سے جی گھبراتا ہے باقی ہو سب کچھ سکتا ہے۔

عورتوں کی نماز میں کوتاہیاں

عورتوں میں بہت سی عورتیں جو نماز کی پابند ہیں وہ ساری ساری عمر نماز پڑھتی رہتی ہیں مگر ان کی نماز اس سے زیادہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ کا دھوکا دینا ہے نہ وقت کی پہچان ہوتی ہے نہ پاکی کے مسئلے جانتی ہیں وضو کرتی ہیں تو اس کے ارکان ادا نہیں ہوتے ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ وضو ہوتا ہی نہیں' نماز پڑھتی ہیں تو نماز نہیں ہوتی' اول تو وضو ہی نہیں ہوا تھا پھر اگر نماز درست کر کے بھی پڑھتیں جب بھی درست نہ ہوتی۔ چہ جائیکہ نماز بھی ایسی ہی پڑھتی ہیں کہ وضو کی طرح اس کے ارکان بھی ادا نہیں ہوتے' نماز فاسد ہوتی ہے۔ یہی رواج چل گیا ہے کہ باریک کریپ کا دوپٹہ یا تنزیب کا دوپٹہ سر پر رکھ کر نماز پڑھ لیتی ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نماز پڑھتی ہیں مگر یہ نماز نہیں ہوتی محنت ضائع ہوتی ہے۔ کپڑا ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں بال ذرا نہ چمکیں کیونکہ بال بھی عورت مستورہ میں داخل ہیں پھر رکوع کریں گی تو وہ رکوع نہیں ہوتا سجدہ کریں گی سجدہ نہیں ہوتا۔ ساری ساری عمر اسی طرح گزر جاتی ہے۔

نماز سے متعلق

مردوں سے بھی شکایت ہے ہم نے بہت سے مردوں کو دیکھا ہے کہ ایک نمک کھانے میں کم زیادہ ہو جانے پر عورت کو تنبیہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور اگر اس پر بھی نہ مانے تو نکال باہر کرتے ہیں اور یہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ نمازیں ضائع کرنے پر کوئی عورت کو نصیحت بھی کرتا ہو۔ الا ماشاء اللہ اور اگر کسی نے کیا تو بہت سے بہت یہ کہ ایک دفعہ یا دو دفعہ سمجھا دیا پھر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں تو جان تیرا کام جانے برا کرے گی' آپ بھگتے گی۔ کیوں صاحب جب نمک کھانے میں ٹھیک نہ تھا تو ایک دو دفعہ کہہ کر کھانے کو کیوں نہ کھالیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" یہ ایک حدیث کا ٹکڑا جس میں بیان ہے کہ بادشاہ اپنی رعیت کا ذمہ

دار ہے حاکم اپنے محکوم کا ذمہ دار ہے۔ غرض ہر بڑا اپنے چھوٹے کا ذمہ دار ہے یہاں تک کہ گھر والا اپنے گھر بھر کے افعال کا ذمہ دار ہے تو سب اپنے چھوٹوں کے ذمہ دار ہوئے اور سب سے ان کے افعال کی باز پرس ہوگی۔ مردوں کو خدا تعالیٰ نے وہ ذرائع دیئے ہیں جن سے وہ گھر کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ اسی بناء پر "قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" (عورتوں پر حاکم) فرمایا ہے تو جیسا کہ عورتوں کی دنیا کو درست کرتے ہیں ایسا ہی عورتوں کی آخرت کو بھی درست کرنا چاہیے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ الا ماشاء اللہ کہ اس نے اپنی بی بی کا وضو درست کرایا ہو یا اس کی نماز درست کرائی ہو' اپنے سامنے بٹھا کر وضو کرایا ہو' اپنے سامنے قرآن پڑھایا ہو' نماز کا ایک ایک رکن سکھایا ہو' اے مردو! اپنے اعمال بھی درست کرو اور اپنے گھر والوں کے اعمال کو بھی درست کرو اور اے عورتو! تم ان کے کہنے پر چلو اور اپنے اعمال کو درست کرلو پھر اپنے بچوں کے اعمال کو اور اپنے خادموں کے اعمال کو بھی درست کرو۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

غیبت کے مفاسد اور اس کا علاج

غیبت میں احتیاط یہی ہے کہ پیٹھ پیچھے بلا ضرورت شدیدہ کسی کا ذکر کسی قسم کا بھی نہ کرو اور باتیں بھی تو بہت ہیں' مسئلے مسائل آپس میں پوچھا کرو' یہی باتیں ہو جائیں گی مگر مجھے بیبیوں سے اس کی امید کم ہے۔ جانے دو دنیا ہی کی بات کرو' کسی علم وفن کی تحقیق کرو' سینے پرونے' کھانے پکانے کے متعلق باتیں کرو' تم کو اس سے اور اس کو تم سے کچھ حاصل ہوگا' کسی کی برائی بھلائی میں کیا رکھا ہے۔

لطف یہ ہے کہ غیبت میں صرف دین ہی کی خرابی نہیں ہے دنیا کی بھی خرابی ہی خرابی ہے ہم کوئی گھر ایسا نہیں پاتے جس میں عورتوں میں لڑائی جھگڑا کچھ نہ کچھ نہ ہو اس کے اسباب اور اس کے دفعیہ کی تدابیر کچھ بھی ہوں اس وقت ان کے بیان کا موقعہ نہیں میں صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ اگر گھر کی ساری بیبیاں ایک غیبت ہی کے چھوڑنے پر تلی ہو جائیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ لڑائی جھگڑا نہ رہے جو خاندان چاہے امتحان کر لے خوب سمجھ لے کہ جو شخص غیبت نہیں کرتا وہ ہر دلعزیز ہوتا ہے لوگوں کو اس پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ ہماری عیب جوئی نہ کرے گا' ہماری بات کسی سے نہ کہے گا' اس کے پاس بیٹھ کر دوسرا آدمی خوشی کے ساتھ اٹھتا ہے۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

صرف ذکر لسانی کافی نہیں

خوب سمجھ لو کہ محض ذکر زبانی کافی نہیں ہے بلکہ اعمال نماز روزہ وغیرہ کی بھی ضرورت ہے۔ دین بدون ان کے کامل نہیں ہوتا ذکر میں شیطان کو بھگانے کی خاصیت بے شک ہے۔ (القاف ج ۲۲)

بے نمازیوں کو وظیفہ بتانے کی ایک ضروری شرط

حضرت سے تو اگر کوئی بے نمازی دنیا کا وظیفہ پوچھتا ہے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایسا وظیفہ تجویز کر دیتے ہیں جس میں پانچوں نمازوں کے پڑھنے کی قید ہوتی ہے کہ اسی بہانہ سے نماز کی پابندی نصیب ہو جائے اور دنیا ہی کے طفیل آخرت کی طرف توجہ ہو جائے۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

وساوس کے دو درجے

وسوسہ کے دو درجے ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری اور کمال صلوٰۃ کے منافی وسوسہ اختیاری ہے اور غیر اختیاری وسوسہ منافی کمال صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ اس حالت میں اپنے کام میں لگا رہنا بوجہ شاق ہونے کے زیادہ ثواب کا موجب ہے جیسے حدیث میں آیا ہے: "وَالَّذِیْ یَقْرَاءُ الْقُرْآنَ وَھُوَ یَتَعْتَعُ فِیْہِ لَہٗ اَجْرَانِ" (اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں اٹکتا ہے اس کے دو اجر ہیں) غرض وسوسہ غیر اختیاری سے نماز ناقص نہیں ہوتی بلکہ یہ واقع میں کمال ہے مگر بصورت نقصان مگر اس میں بعض اوقات یہ غلطی ضرور ہوتی ہے کہ ایک وسوسہ ابتداء تو بلا قصد و اختیار آیا پھر یہ شخص با اختیار خود ادھر متوجہ ہوا اور اسی میں مشغول ہو گیا۔ اس وقت دھوکہ ہو جاتا ہے کہ سالک اس وسوسہ کو غیر اختیاری سمجھتا ہے حالانکہ یہ توجہ غیر اختیاری نہیں ہے بلکہ اختیاری ہے۔ حاصل یہ کہ شیخ وساوس غیر اختیاریہ کی طرف التفات اور توجہ کرنے سے اسی لیے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس کے دفع میں بھی کوشش نہ کرو جس سے ظاہر بینوں کو شبہ ہوتا ہے کہ وساوس کی اجازت دیتے ہیں اور نماز ناقص کی تعلیم دیتے ہیں حالانکہ غیر اختیاری وساوس کے ساتھ نماز حقیقت میں کامل ہے گو ظاہر میں ناقص ہو۔ پس ظاہر میں شیخ کا یہ حکم ناقص نماز کا حکم ہے مگر وہ حقیقت بین ہے اور دور بین یہی سمجھتا ہے کہ وسوسہ دفعۃً تو قطع ہو گا نہیں اور جب قطع نہ ہو گا تو یہ اس کو

ناقص نماز سمجھے گا اور یہ سمجھ کر چھوڑ بیٹھے اس لیے بھی وہ ایسی نماز کو کامل بتاتا اور اسی کی ترغیب دیتا ہے اور وساوس کی طرف التفات سے منع کر دیتا ہے۔ (زکوۃ النفس ج ۲۲)

شیطانی نسیان

ایک شخص نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں نے گھر میں ایک جگہ روپیہ دفن کیا تھا اب وہ جگہ بھول گیا' کسی طرح یاد نہیں آتی کوئی ترکیب بتلائیے جس سے جگہ یاد آجائے۔ اول تو امام صاحب نے عذر کیا کہ بھائی اس کی ترکیب میں کیا بتلاؤں کوئی شرعی مسئلہ پوچھو تو میں بتلا سکتا ہوں مگر جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر نماز پڑھو اور یہ عزم کرلو کہ جب تک وہ جگہ یاد نہ آئے گی برابر نماز پڑھتا رہوں گا۔ چنانچہ اس نے دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں کہ جگہ یاد آ گئی۔ اس کا راز پوچھنے پر امام صاحب نے فرمایا کہ اس کو شیطان نے پریشان کرنے کے لیے بھلا رکھا تھا اس لیے میں نے یہ تدبیر بتلائی کہ میں جانتا ہوں کہ شیطان کو یہ کب گوارا ہوگا کہ ساری رات نماز پڑھے اس لیے اس نے جلدی ہی یاد دلا دیا۔ مگر یہ ترکیب ہر جگہ کام نہیں دے سکتی یہ ترکیب وہاں کام دیتی ہے جہاں نسیان شیطان کے سبب ہو طبعی نہ ہو یہ امام صاحب کا کمال ادراک تھا کہ اس شخص کی حالت سے سمجھ گئے کہ اس کو طبعی نسیان نہیں ہے بلکہ شیطانی نسیان ہے۔ شیطان نے پریشان کر رکھا ہے اس کا یہ علاج بتلا دیا کہ نماز پڑھتے رہو یاد آجائے گا کیونکہ شیطان جب یہ دیکھے گا کہ بدون میرے یاد کرائے یہ شخص نماز سے باز نہ آئے گا تو جلدی یاد دلا دے گا۔ غرض نماز میں شیطان ایسی باتیں خوب سوجھاتا ہے اسی لیے حساب بھی نماز میں خوب یاد آتا ہے جس طرح نیند بھی خوب آتی ہے۔ (زکوۃ النفس ج ۲۲)

نماز میں احضار قلب مطلوب ہے

بعض سالکین کو جو یہ خیال ہوتا ہے کہ ذکر و صلوٰۃ میں حضور نہیں ہوتا میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ احضار مطلوب ہے حضور مطلوب نہیں اور یہ بات وحی نے ہم کو بتلائی ہے حدیث میں آیا ہے **مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ مُقْبِلاً عَلَیْهِمَا بِقَلْبِهٖ لَا یُحَدِّثُ فِیْهِمَا نَفْسَهٗ اَوْ نَحْوَهٗ** (جو شخص دو رکعت پڑھے کہ ان دونوں پر اپنے دل سے متوجہ ہو اور اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہ آئے)۔ (استمرار التوبہ ج ۲۳)

عورتوں کو صوم وصلوٰۃ کا پابند کرنے کی آسان تدبیر

اور میں جس روز نماز وغیرہ میں عورتوں کی ذرا سستی دیکھو اس روز ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ یہ ایسی سخت سزا ہے کہ اس کے بعد بہت جلد اصلاح ہو جائے گی کیونکہ جس روز تم ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ گے اس روز یقیناً ان کا بھی فاقہ ہو گا بس جب دو چار روز ایسا ہو گا خود سنبھل جائے گی۔ تو طریقہ یہ ہے۔ صاحبو کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ نرے الفاظ سے نہیں ہوتا تو زیادہ تر الزام مردوں پر ہے۔ بہر حال چونکہ اسباب عورتوں کی تعلیم کے کم ہیں اس لئے مناسب ہے کہ جب عورتوں کو کچھ سنائے تو انہیں کی ضرورت کا زیادہ لحاظ رکھے، مردوں کی رعایت نہ کرے (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

عورتوں کو نماز کا بہت کم اہتمام ہے:

آج کل نماز کا اہتمام بہت ہی کم کیا جاتا ہے، خصوصاً عورتوں کو روزہ رکھنا تو آسان ہے، چنانچہ عورتیں مردوں سے زیادہ روزے رکھتی ہیں، مگر نماز کے نام سے ان کو جاڑا چڑھتا ہے، دن بھر کھانا پکانے، سینے پرونے میں گزر جاتا ہے مگر اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ذرا سی دیر کو اٹھ کر چار رکعت پڑھ لیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کھانا پکانا تو فرض ہے اور نماز فرض نہیں حالانکہ شرعاً عورتوں کے ذمہ کھانا پکانا کوئی ضروری نہیں، اگر وہ چاہیں شوہر کو مجبور کر سکتی ہیں کہ کھانے کا انتظام کسی اور سے کرائے اور نماز پڑھنا ہر عورت اور مرد کے ذمہ فرض ہے مگر کھانا پکانے کا بھی ایک بہانہ ہے، میں پوچھتا ہوں کہ مگر کھانا پکاتے ہوئے انکو پیشاب یا پاخانہ کا تقاضا ہونے لگے تو یہ کیا کریں گی؟ کیا اس وقت بھی چولہے ہانڈی کو نہ چھوڑیں گی، پھر اس کی کیا وجہ کہ نماز کا بھی دل پر تقاضا ہوتا تو بدوں نماز پڑھے دل کو چین نہ اتی۔ پھر چولہے ہانڈی کا عذر وہ عورتیں کر سکتی ہیں جو خود کھانا پکاتی ہیں جو کہ نادار اور غریب ہیں مگر وہ تو اکثر نمازی بھی ہیں اور جن کے گھر میں ماما ئیں کام کرتی ہیں اور زیادہ تر بے نمازی وہ ہی ہیں پھر ان کا یہ عذر کیونکر قبول ہو سکتا ہے اور جو خود پکاتی ہیں میں نے ان کو بھی جواب دے دیا کہ اگر ان کے دل پر تقاضا ہوتا تو وہ ہرگز یہ بہانہ نہ کر سکتیں، رات دن کا مشاہدہ ہے کہ عورتیں ہانڈی چولہے کا کام تمام دن نہیں کرتیں بہت تھوڑا سا وقت اس کام میں صرف ہوتا

ہے اور اس میں بھی اگر کوئی محلہ والی ان سے ملنے آ جائے تو سارے کام چھوڑ کر اس سے باتیں بنانے بیٹھ جاتی ہیں۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ تم کو ہانڈی چولہے کے کام میں نماز کے لئے تو فرصت ملتی نہیں باتیں بنانے کے لئے کہاں سے فرصت آ گئی۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

چھوٹے بچوں کے عذر کے سبب مستورات کو نماز قضا نہ کرنا چاہئے

بعض عورتوں کو بچوں کا عذر ہے کہ بچوں کے گوہ موت میں ہر وقت کپڑے ناپاک رہتے ہیں، پانچوں وقت کپڑے کس طرح پاک کریں، میں کہتا ہوں کہ جو عورتیں نماز کی پابند ہیں، آخر وہ کس طرح کرتی ہیں، کیا ان کے بچے نہیں ایسا کرتے، کیا تم ہی کو سارے بچے مل گئے ہیں، کیا ان کے بچے پیشاب پاخانہ نہیں کرتے، ان کے بدن پر ناپاکی نہیں لگتی مگر پھر بھی بعض اللہ کی بندیاں پانچوں وقت پابندی کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں، کپڑوں کا ایک جوڑا نماز کے واسطے الگ رکھ دیتی ہیں، نماز کے وقت بدن پاک کر کے وہ جوڑا پہن لیا اور نماز پڑھتے ہی اس کو جدا کر دیا اور ناپاک جوڑا پہن لیا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

حضرت سلطان جی کے سفر کی ایک حکایت:

حضرت سلطان جی ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ نماز کا وقت آ گیا۔ آپ اس فکر میں تھے کہ کوئی دوسرا آدمی آ جائے تو جماعت ہو جائے کہ اتنے میں سامنے سے ایک گھسیارا گھاس کا گٹھڑ سر پر رکھے ہوئے آیا۔ سلطان جی نے اس سے کہا بھائی نماز پڑھو گے؟ کہا ہاں، اسی واسطے آیا ہوں۔ فرمایا پھر جلدی وضو کر لو۔ کہا نظام الدین مسلمان کہیں بے وضو بھی رہا کرتا ہے۔ اب جو سلطان جی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے مقام کا شخص ہے، معمولی بزرگ نہ تھا۔ تو ظاہری صورت سے کسی کو حقیر نہ سمجھو۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(ہر جنگل میں گمان مت لے جاؤ کہ خالی ہے، ممکن ہے کہ چیتا سویا ہوا ہو)

(خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

تارکِ نماز میں ایک فعل کفار کا موجود ہے:

حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر (کنز العمال:۸۰۰۸ء۵) (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا) پر سے بھی اشکال رفع ہوگیا۔ معنی یہ ہوئے کہ تارک صلوٰۃ میں ایک فعل کفار کا موجود ہے یعنی ترک صلوٰۃ کیونکہ یہ کام کفار ہی کا ہے اس وجہ سے اس پر کفر کا اطلاق فرما دیا اس سے تارک صلوٰۃ کا کافر ہونا لازم نہیں آیا جیسے جواریوں میں ایک صفت پاک بازوں کی ہو جیسے اس کا پاکباز ہونا لازم نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ باوجود دیندار کہلانے کے غفلت میں مبتلا ہیں جوام الامراض ہے۔ نماز، روزہ سب کچھ کرتے ہیں مگر یہ غفلت ضرور ساتھ رہتی ہے۔ نماز میں ہیں مگر اس کا تصور کبھی بھی نہیں آتا کہ ایک دن تو مریں گے لاؤ نماز کو ٹھیک طور سے پڑھ لیں۔ ایمان سے کہیے اور دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیجئے کہ کبھی بھی یہ خیال آتا ہے۔ آخر جب ایک بات یقینی ہے تو تمام عمر میں کبھی تو اس کا واہمہ گزرنا چاہئے تھا۔ بچپن میں تو اتنا بھی تھا کہ جنازہ کو دیکھ کر ڈرتے تھے اب جنازہ کو دیکھ کر بھی خوف نہیں ہوتا۔ ہماری حالت بتاتی ہے کہ ہمارے دل میں یہ خیال اچھی طرح سے مرکوز ہے کہ یہ چارپائی اور گڑھا اور یہ کفن اس طرح مرنے والے کے لئے تھا ہم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

قربانی سے مقصود

یہ اللہ اکبر جو نماز میں کہا جاتا ہے یہ وہی ہے جو جانور کے ذبح کے وقت کہا جاتا ہے وہاں جانور کو اللہ کے نام پر قربان کرتے ہو۔ نماز میں اپنے نفس کو قربان کرتے ہو اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ قربانی سے مقصود اظہار عظمت حق ہے کہ ہم نے اپنی محبوب چیز کو اللہ کے نام پر قربان کر دیا اور یہ مقصود نماز میں اس سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ یہاں انسان تکبیر کہہ کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا اور اللہ اکبر کہہ کر خدا کے سامنے جھکتا اور زمین پر سر رکھ دیتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنی عزت اور بڑائی کو خدا کے سامنے فنا کر دیا اور دماغ سے تکبر کا خناس نکال دیا۔ صاحبو! مال کو خدا کے نام پر قربان کرنے سے یہ زیادہ دشوار ہے چنانچہ متکبرین کو خیرات کرنا قربانی کرنا آسان ہے مگر نماز دشوار ہے۔ کیونکہ اس میں عاجزی اور غلامی کی ایسی صورت بنانا پڑتی ہے جو تکبر سے نہیں ہو سکتی غرض نماز میں توجہ

الی اللہ شرط ہے۔ جو بدون افناء غیر کے نہیں ہوسکتی۔ قربانی میں تو افناء حیوان ہی تھا یہاں افناء نفس وافنائے صفات نفس ہے اور گویا یہ بات زبان سے اللہ اکبر کہنے کے بغیر بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ مگر زبان سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ عظمت حق کا دل میں رسوخ ہوجائے کیونکہ مشاہدہ ہے کہ ذکر لسانی سے قلب میں ذکر کو رسوخ ہوتا ہے (الحدود والقیود ج ۲۵)

نماز تمام عبادات کی میزان الکل ہے

نماز ایسی شے ہے جو تمام عبادات کی میزان الکل ہے۔ گو ظاہر میں مختصر شے ہے۔ اور میزان الکل تو ذرا سا ہوتا ہے دیکھو کئی لاکھ کا حساب کرکے میزان الکل تو اس کا اسی طرح میں لکھ دیا جاتا ہے مگر تفصیل میں کئی رم کاغذ صرف ہوجائینگے تو چاہیے تھا کہ نماز میں حدود وقیود بالکل نہ ہوتے بلکہ اطلاق ہی اطلاق ہوتا مثل مشہور ہے کہ مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو منہ مارو مگر یہاں مصری کی ڈلی میں بھی حدود ہیں ایک بار میں دیوبند میں بیمار ہوگیا تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سے نسخہ لکھوایا کیونکہ مولانا بڑے حاذق طبیب بھی تھے۔ جب مولانا نسخہ لکھ چکے تو میں نے پوچھا حضرت اس کا پرہیز کیا ہے۔ فرمایا گناہ سے پرہیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے مصری کی رغبت زیادہ ہے وہ کھالوں یا نہیں فرمایا ہاں کھالو مگر سیر دو سیر نہ کھانا۔ غرض نماز جیسی شے بھی حدود وقیود ہیں حالانکہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ حدود وقیود موجب تقلیل محدود ہیں۔ دیکھو رجل میں کیسا عموم تھا اس کے ساتھ جب عالم کی قید بڑھا دی گئی تو اس کی تقلیل ہوگئی۔ اسی طرح اگر نماز میں اطلاق ہوتا تو اس کا وجود کثیر ہوتا حدود وقیود کی وجہ سے اس میں تقلیل ہوگئی۔ مگر شریعت کو تکثیر مطلوب نہیں بلکہ کمال مطلوب ہے گو قلت ہی کے ساتھ ہو۔ اب میں کہتا ہوں کہ جب مقاصد میں اتنی قیود وحدود ہیں جن سے مقاصد کی تقلیل ہوگئی اب اگر غیر مقاصد میں قیود ہوں تو کیا عجب ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

صلوۃ الکسوف میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب

صلوۃ الکسوف میں امام ابوحنیفہؒ ایک ہی رکوع کے قائل ہیں جیسا کہ سب نمازوں میں ایک ہی رکوع معروف ہے اور شافعیہ دو رکوع کے قائل ہیں۔ کیونکہ بعض روایات صحیح میں یہ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف میں دو رکوع کیے تھے حنفیہ کی دلیل

یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف کے بارہ میں فرمایا ہے صلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا کہ اس سے پہلے جو نماز سب سے قریب تم پر پڑھی ہے اسی طرح دو رکعتیں پڑھو اور نماز کسوف سے قریب تر نماز فجر ہے اور اس میں ایک ہی رکوع ہے تو اس جیسی نماز بھی ایک ہی رکوع سے ہوگی اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ (رواہ النسائی والحاکم وصححہ علی شرطہا)

اور قولی ہے اور فعلی حدیث سے قولی مقدم ہے۔ یہ تو حنفیہ کی دلیل تھی مگر چونکہ حدیث فعلی بھی صحیح ہے اس لئے اس میں تاویل ضروری ہے تو علماء ظاہر نے تو یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں رکوع تو ایک ہی کیا تھا مگر طویل بہت تھا۔ تو ممکن ہے بعض لوگوں کو طول کی وجہ سے یہ شبہ ہوا کہ شاید حضور کھڑے ہوگئے ہوں اور ہم نے سمع اللہ لمن حمدہ کی آواز نہ سنی ہو اس لئے وہ کھڑے ہوگئے انکو دیکھ کر پچھلی صف والے بھی کھڑے ہوگئے۔ پھر اگلوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک رکوع ہی میں ہیں تو وہ پھر رکوع میں چلے گئے پچھلی صف والے بھی ان کو دیکھ کر رکوع میں چلے گئے اب اگلوں کو تو اپنے کھڑے ہونے اور دوبارہ رکوع میں جانے کی حقیقت معلوم تھی مگر پچھلے یہ سمجھے۔ کہ اگلوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر دو رکوع کئے ہیں اور اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دو رکوع کئے ہیں۔ یہ تاویل اس معنی کو کافی ہے کہ مانع کا احتمال کافی ہے مگر اس میں یہ کلام ہے کہ بعض روایات سے رکوعین کے درمیان قیام طویل ثابت ہے اور اس شبہ کی حالت میں قیام طویل نہیں ہوسکتا۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نے جو کہ عارف کامل تھے حدیث فعلی کا یہ جواب دیا ہے کہ نماز میں جو قیام ورکوع وسجدہ ہے یہ تجلیات خاصہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اس نماز میں تجلیات کا تعاقب تھا جس وقت آپ رکوع میں گئے کچھ دیر کے بعد آپ پر وہ تجلی منکشف ہوئی جس کا حق قیام تھا اس لئے آپ کھڑے ہوگئے۔ پھر دوسری تجلی منکشف ہوئی جس کا حق رکوع تھا اس لئے آپ پھر رکوع میں چلے گئے یہ وجہ تھی آپ کے بار بار قیام ورکوع کی مگر یہ امر آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اس کا منشا انکشاف خاص تھا اور ہم لوگوں کو تجلی کی خبر تو ہوتی نہیں اس لئے ہمکو قاعدہ ہی کا اتباع کرنا چاہیے۔ خلاف ضابطہ دو رکوع اور دو قیام نہ کرنا چاہیے

اوقات مکروہ نماز

طلوع فجر کے بعد فرض ادا ہونے تک دو سنتوں سے زیادہ نفل نماز مکروہ ہے۔

اور فجر وعصر کے فرضوں کے بعد بھی طلوع وغروب تک نفلیں مکروہ ہیں اور عین طلوع وغروب واستواء کے وقت تو کوئی نماز بھی جائز نہیں نہ فرض نہ نفل بجز اسی دن کے عصر کے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ پھر ہر نماز فرض کا وقت مقرر ہے یہ نہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت پڑھ لو عصر کی مغرب کے وقت۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

دین اور دنیا

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دین پر دنیا کے لئے توجہ کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں ، تہجد کو اٹھتے ہیں، وظیفے پڑھتے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ اسی ذریعہ سے ہمارے مقدمات میں آسانی ہو جائے ہم کو رزق میں فراخی حاصل ہو کیونکہ کسی مولوی سے سن لیا تھا کہ گناہوں سے روزی میں تنگی ہو جاتی ہے۔ مصائب نازل ہوتے ہیں تو یہ لوگ محض اسی غرض سے دین دار بنے ہوئے ہیں کہ دنیا کے کام چلتے رہیں۔ جیسے ایک گنوار سے کسی مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا کہ نماز سے مجھے کیا ملے گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ چالیس دن کے بعد تجھے ایک بھینس دونگا اس نے نماز شروع کر دی اور دن گننے لگا گویا بھینس ہی میں فنا ہو گیا اسی سے اس کی حالت معلوم ہو گئی کہ اس کو نماز مقصود نہ تھی۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو مولوی صاحب کے پاس گیا کہ لاؤ وعدہ پورا کرو انہوں نے کہا جا کیسی بھینس لئے پھرتا ہے میں نے تو اس واسطے کہہ دیا تھا کہ جو شخص چالیس دن تک نماز پڑھتا رہتا ہے اسے شوق ہو جاتا ہے میں نے سوچا کہ اس بہانہ سے تجھے نماز کا شوق ہو جائے گا یہ جواب سن کر وہ گنوار کیا کہتا کہ جاؤ۔ پھر یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی بس پھر نماز چھوڑ دی۔ اور چونکہ اس ظالم نے بے وضو ہی ٹرخائی تھی اسی لئے اس کو شوق بھی نہ ہوا بھلا ایسی نماز کیا اثر کرتی اس حکایت پر تو لوگ ہنسے مگر صاحبو! ہم جیسے بھی سب اس میں مبتلا ہیں ہمارے اس ہنسنے کی ایک مثال ہے۔

حملہ برخودمی کنی اے سادہ مرد   ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

بے وقوف اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا۔

غور کر کے ایسا شخص دیکھ لے کہ اس کو دین کے کاموں میں دنیا مقصود ہے یا نہیں بعض لوگ جب تک تنگی معاش میں مبتلا رہتے ہیں اس وقت تک نمازی اور روزہ دار ہوتے ہیں

پھر جہاں فراخی میسر ہوئی اورانہوں نے ان کاموں کو بلائے طاق رکھا گویا دین کو محض دنیا کیلئے اختیار کیا تھا جب وہ حاصل ہوگئی پھر دین کی کیا ضرورت رہی۔(الباب الاولی الالباب ج ۲۵)

احکام نماز

اگر کسی پر پیشاب و پاخانہ کا تقاضا ہو تو اس دباؤ کی حالت میں اس کو نماز پڑھنا مکروہ ہے اوراس وقت بول وتغوط لازم ہے۔تو کیا کسی وقت بول وتغوط کے مامور بہ ہونا اور نماز سے مقدم ہونا اس کو مقصود بالذات بنا دے گا اور کیا آپ اس کو مقصود بالذات کہیں گے ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ بعض جہات سے اور بعض عوارض کی وجہ سے مقصود بالغیر ہوگیا ہے فی نفسہ ہرگز مقصود نہیں اور وہ عارض کیا ہے جس کی وجہ سے تغوط نماز پر مقدم کیا گیا یہاں ضرور امام ابوحنیفہؒ جیسے فقہاء کی یہاں محض روایت کافی نہیں کہ محض راویوں کی طرح حدیث بیان کئے جائیں اور علل احکام میں نظر نہ کریں گو ایک مسلک یہ بھی ہے مگر مسلک منصور یہی ہے کہ احکام غیر تعبدیہ کی علل میں غور کیا جائے تو امام صاحب نے ایک حدیث میں یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کھانا اور نماز مجتمع ہو جائیں اور تم کو بھوک کا تقاضا ہو تو کھانے کو مقدم کرو اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے اگر نماز پڑھنے میں کھانے کی لذت میں فرق آنے کا اندیشہ ہو مثلاً ٹھنڈا مٹی ہو جائے گا تو جب بھی تقدیم طعام کی اجازت ہے مگر اس مسئلہ کو عام طور پر بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ آج کل اہل ہوی زیادہ ہیں۔نہ معلوم وہ اس سے کہاں کہاں کام لیں گے بہر حال بعض وقت میں شریعت نے طعام کو صلوٰۃ سے مقدم کر دیا ہے امام صاحب سے اس کی وجہ میں منقول ہے۔**لان یکون اکلی کله صلوۃ احب الی من ان یکون صلوتی کلها اکلا**، کہ میرا کھانا نماز بن جائے یہ اس سے اچھا ہے کہ نماز کھانا بن جائے۔یعنی شریعت کا قاعدہ ہے کہ انتظار صلوۃ بحکم صلوٰۃ ہے تو جو شخص کھانا کھاتا ہو اور اس کا دل نماز کی فکر میں مشغول ہو تو وہ حکماً نماز ہی میں ہے اس طرح اس کا کھانا نماز بن گیا اور جو شخص نماز کی حالت میں کھانے کی فکر میں ہو تو وہ حکماً نماز کھانا بن جائے گی اس حکمت کی وجہ سے شریعت نے تقاضے بول وتغوط کے وقت قضاء حاجت کو نماز سے مقدم کیا اور نماز کو اس حالت میں مکروہ کہا ہے۔(الرغبۃ المرغوبۃ ج ۲۵)

حضرت امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی حکایت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک معتبر عالم سے سنا ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ سفر میں تھے۔اونٹ کی سواری تھی جو بہت آرام کی سواری ہے۔ کچھ تو آرام ملنے کی وجہ سے کچھ تعب سفر کی وجہ سے سواری ہی کی حالت میں نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ صبح دیر میں آنکھ کھلی پہلے میں اس سے بہت ڈرا کرتا تھا کیونکہ بچپن میں ایک بار اس پر سوار ہوا تھا تو وہی تصور ذہن میں تھا کہ وہ بہت لمبا تھا اور میں بہت چھوٹا تھا گو اب وہ تصور تو عقلاً نہ رہا مگر اس کا اثر یعنی خوف طبعًا باقی تھا مگر جب میں سفر سندھ میں گیا اور بعض مقامات میں اونٹ کی سواری تجویز کی تو میں نے اول انکار کیا کہ مجھے تو اس سے ڈر لگتا ہے انہوں نے کہا آپ سوار ہو کر تو دیکھیں یہ تو بہت آرام کی سواری ہے اس وقت میں انکے کہنے سے سوار ہوا تو میرا خوف زائل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ واقعی بہت آرام کی سواری ہے غرض کچھ تو سواری آرام کی تھی اور کچھ سفر میں وقت پر سونے کا موقع نہیں ملتا اس لئے ان حضرات کی آنکھ صبح کو دیر میں کھلی جلدی سے اتر کر وضو کیا اور امام صاحب نے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو نماز میں آگے بڑھا دیا انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر نماز میں بہت اختصار کیا کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا تھا راوی کو یہ یقینی یاد تھا کہ انہوں نے سنن کو ترک کر دیا اور اس میں شبہ بیان کیا تھا کہ واجبات کو بھی ترک کیا اور محض فرائض ہی پر اکتفا کیا تھا یا واجبات ترک نہیں کئے غرض بہت ہی جلدی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور دل دل میں ڈر رہے تھے کہ امام صاحبؒ نماز کے بعد دیکھئے اس تعجیل سے خفا نہ ہوں مگر امام صاحب نے نماز کے بعد فرمایا الحمدللّٰہ صار یعقوبنا فقیہا، خدا کا شکر ہے کہ ہمارا یعقوب (امام ابو یوسفؒ کا نام ہے) فقیہ ہو گیا، جس فعل سے ان کو گرفت کا اندیشہ تھا اسی نے ان کو استاد کی زبان سے فقیہ کا خطاب دلوا دیا اور جس کو امام ابوحنیفہؒ فقیہ کہہ دیں سمجھ لو وہ کس درجہ کا فقیہ ہوگا میں اسی کو بیان کر رہا تھا کہ بعض دفعہ اختصار ہی مطلوب ہو جاتا ہے اور تطویل مکروہ ہو جاتی ہے اور اس کی رعایت کرنا فقیہ ہی کا کام ہے۔نرا صوفی اس کی رعایت نہیں کر سکتا اور جاہل تو بھلا کیا خاک رعایت کریں گے چنانچہ بہت لوگ طلوع آفتاب سے پہلے

اٹھ جاتے ہیں۔ مگر علم نہ ہونے کی وجہ سے نماز کو قضاء کر دیتے ہیں ان کی تو نیت ہی اتنی دیر میں بندھتی ہے کہ جاننے والا اس میں ایک رکعت پڑھ لے۔ (الرغبۃ الرغوبۃ ج ۲۵)

امامت میں کون افضل ہے؟

ایک دفعہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ شاہ جانپور میں گئے ہوئے تھے واپسی کے وقت اسٹیشن پر مغرب کی نماز پڑھی جو عین گاڑی آنے کا وقت تھا۔ مجمع میں ایک قاری صاحب بھی تھے میں نے ان کو امامت کیلئے آگے کیا کیونکہ حدیث میں ہے یؤم القوم اقراھم (سنن ابی داؤد ۵۸۲، سنن النسائی ۲:۷۶) (لوگوں کی امامت وہ کرے جو ان میں قرآن پاک زیادہ قرأت سے پڑھتا ہو) مگر اس بندہ خدا نے قرأت میں ترتیل سے بڑھ کر ترسیل شروع کر دی اس وقت میری طبیعت کو بہت الجھن ہوئی اور بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ اب گاڑی آئی بڑی وقت سے نماز پوری کی خیر شکر ہے کہ گاڑی آنے سے کچھ پہلے ہی ختم ہوگئی تھی۔ اس دن میں سمجھا کہ امام صاحب نے جو اقراھم کی تفسیر اعلمھم (ان میں زیادہ مسائل کا علم رکھنے والا ہو) سے کی ہے واقعی وہ صحیح سمجھے ہیں کہ نماز میں اعلم ہی کو امام بنانا چاہیے۔ (گو اقراء نہ ہو مگر بقدر ضرورت صحیح قرآن پڑھتا ہو) نرا قاری تو بعض دفعہ نماز کو فاسد کر دے گا۔ (الرغبۃ الرغوبۃ ج ۲۵)

عبادت میں ضرورت اعتدال

اتنی مشقت برداشت نہ کرو جس سے نفس گھبرا جائے ورنہ اس کا انجام تعطل ہوگا کہ جتنا کام کر سکتے تھے وہ بھی نہ کرو گے مگر یہ بھی نہ ہوا کہ بالکل خراب نواب ہی ہو جاؤ کہ اتنی کم عبادت کرو جس میں نفس کو ذرا بھی مشقت نہ ہو بلکہ اعتدال کی رعایت چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں اسی کی بہت رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ امامت میں آپ نماز کو مختصر فرماتے تھے اور اسی کا حکم بھی فرمایا ہے۔ من ام منکم فلیخفف فان وراء ہ الضعیف والمریض وذوا الحاجۃ ومن صلی لنفسہ فلیطول ماشاء (الصحیح لمسلم، الصلاۃ ۱۸۶، مسند احمد ۴:۲۱۶) کہ جو امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بیمار اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے لئے نماز پڑھے یعنی منفرد ہو وہ جتنی چاہے تطویل کرے گویا نہ اختصار دائما مطلوب ہے نہ تطویل بلکہ ہر اک کا ایک موقع

ہے مگر آج کل اس حدیث کے برعکس حالت ہے کہ جماعت میں تو لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں اور تنہا نماز میں انا اعطینا اور قل ھواللہ ہی ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ سورہ بقرہ پوری تو شاید ہی کبھی کوئی پڑھتا ہوگا ہاں صلوٰۃ الکسوف میں کسی متبع سنت نے کبھی پڑھ لی ہو وہ بھی جماعت ہی میں پڑھی ہوگی تنہا کون پڑھتا ہے پس یہ صورت اعتدال کے خلاف ہے بلکہ چاہیے کہ امامت میں تو مقتدیوں کے لحاظ سے اختصار کریں اور تنہا ذرا کسی قدر تطویل کیا کریں ہاں اتنی تطویل نہ کریں جو نفس پر زیادہ شاق ہو جس کو نباہ نہ سکیں غرض نہ تو الفقد ہو نہ انحد ہو شاید آپ نے الفقد کے معنی نہ سمجھے ہوں گے یہ اختصار ہے الحمدللہ قل ھواللہ کا جس میں الحمد کا الف لیا گیا اور الضالین کا نون اور قل ھواللہ کا قاف اور احد کی دال یہ الفقد ہو گیا اور انحد میں ان نفی کا کلمہ ہے یعنی بیحد وہ یہ ہے کہ اتنی تطویل ہو جو حد سے گزر جائے کیونکہ ایک مفرط ہے ایک مفرط ہے اور افراط و تفریط دونوں معیوب ہیں۔ (الرغبۃ المرغوبۃ ج ۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نماز میں انتظام لشکر کشی

کم از کم خلوت میں تو ایسی توجہ ہونا چاہیے کہ اس وقت دل خیالات غیر سے پاک ہو ورنہ وہ خلوت خلوت نہ ہوگی بلکہ جلوت ہوگی البتہ اگر ایسا خیال ہو جس کی اجازت محبوب کی طرف سے ہو یعنی دین کا ہو اور ضرورت کا ہو تو وہ خلوت کے منافی نہیں اور ایسا خیال قرب مقصود کے خلاف نہیں ہے۔ اس خیال کی ایک نظیر وہ ہے جس کو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ انی لا جھز جیشی و انا فی الصلوۃ، کہ میں نماز میں لشکر کشی کا انتظام کرتا ہوں وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ بھی دین ہی کا کام تھا اور ضروری تھا۔ اور ذکر اللہ و ماوالاہ، میں داخل تھا کیونکہ اس سے مجاہدین کے ذکر کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور غافلوں کو ذاکر بنا کر اس سے کثرت ذاکرین کی تحصیل ہوتی ہے اور کثرت مشاغل کے سبب خارج نماز اوقات بعض دفعہ اس کیلئے کافی نہ ہوتے تھے اور نماز میں یکسوئی ہوتی ہے اور تدبیر و انتظام کا کام محتاج یکسوئی تھا اس لئے حضرت عمرؓ نماز میں بضرورت یہ کام کر لیتے تھے اور یہاں سے غلطی معلوم ہوئی ان لوگوں کی جو آج کل مشوروں کے لئے جلسے کرتے پھرتے ہیں بھلا مشورہ بھی کہیں جلسوں میں ہوا کرتا ہے۔ صاحب مشورہ کیلئے یکسوئی اور اجتماع قوت فکریہ کی ضرورت ہے اور مجمع کثیر میں قوت فکریہ کیسے مجتمع ہوگی۔ صاحبو! ایسے مہمات میں نظر کرنے کا طریقہ تو حق تعالیٰ

نے خود قرآن میں ہم کو بتلا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **قل انما اعظکم بواحدۃ**، اس میں کفار کو رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت معلوم کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں **ان تقوموا للّٰہ مثنی و فرادیٰ**، کہ تم اللہ کے واسطے دو دو اور تنہا تنہا کھڑے ہو جاؤ یعنی آمادہ ہو جاؤ **ثم تتفکروا مابصاحبکم من جنۃ**، پھر سوچو کہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے یا نہیں تو تمہارا دل اس وقت یہی کہے گا کہ جنون نہیں ہے۔ اس میں سوچنے کا خاص طریقہ بتلایا گیا جس کے یہ اجزاء ہیں ایک یہ اہتمام کرو دوسرے یہ کہ یہ اہتمام اللہ کے لئے یعنی خلوص سے ہو تیسرے یہ کہ فکر کرو چوتھے یہ کہ مجمع نہ ہو کہ اس سے فکر میں تشتت ہوتا ہے یا تو اس کو اکیلے سوچو یا کوئی دقیق بات ہو تو ایک کو اور شریک کر لو اور ایک کی تحقیق نہیں مطلب یہ کہ اتنا تعدد ہو جو مشوش فکر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کام یکسوئی کے محتاج ہیں وہ جلسوں میں طے نہیں ہو سکتے مگر آج کل لوگ عام طور پر اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ مشورہ کیلئے جلسے کرتے ہیں جس میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں بھلا اس طرح مشورہ کیا خاک ہوگا غرض حضرت عمرؓ کی یہ خلوت میں جلوت چونکہ باذن حق تھی اس لئے الی ربک فارغب کے منافی نہ تھی خوب سمجھو۔ (الرغبۃ المرغوبۃ ج ۲۵)

اہمیت نماز

سات برس کے بعد خود شریعت کا حکم ہے کہ نماز پڑھواؤ جس سے معلوم ہوا کہ بچپن ہی میں دین کی عادت ڈالنا چاہئے پس یہ خیال آنا کہ ابھی تو ہم بچے ہیں بوڑھے ہو کر کر لیں گے۔ یہ وسوسۂ شیطانی ہے۔ کرنے کا زمانہ یہی ہے۔ اس وقت کے خیالات خوب پختہ ہوتے ہیں۔

اس لئے میں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر جنازہ کی نماز کی دعائیں یاد نہ ہوں تو وضو کر کے جنازہ پر چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ دیا کرو نماز ہو جائے گی اس لئے چار تکبیریں ہی اس میں فرض ہیں اور درود و دعائیں سنت ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

عقل پرستوں کی بیہودہ رائے

اس زمانہ میں تو اعمال صالحہ لوگوں پر بہت ہی بھاری ہیں چنانچہ بڑے ضروری اعمال صلوۃ صوم حج زکوۃ ہیں لیکن دیکھا جاتا ہے کہ ان سب کے اندر بے حد سستی کی جاتی ہے بلکہ مصیبت سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اخبار میں شائع ہوا تھا کہ نماز نے ترقی کو

روک دیا ہے کیونکہ یہ سن کر کہ مسلمان ہو کر پانچ وقت کی نماز پڑھنی پڑے گی اسلام سے بعضے آدمی رک جاتے ہیں اس لئے اس کو اسلام سے خارج کر دیا جاوے نعوذ باللہ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ جس اسلام میں نماز نہیں وہ کیا اسلام ہوا۔ اس بے ہودہ رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عقل پرستوں پر نماز بہت ہی بھاری ہے۔ (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

منطقیوں کی صحبت کا اثر

ہمارے مدرسہ دیوبند میں ایک طالب علم نو وارد آئے تھے منطقیوں کی صحبت میں بہت رہے تھے دین کی مطلق پروانہ تھی نماز کی پابندی نہ تھی اور یہاں دیوبند میں نماز کا بڑا اہتمام ہے پانچ وقت سب طلبہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو جب نماز کا وقت آتا ان کو بھی زبردستی لے جاتے ایک روز کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو معراج میں تشریف لے گئے تھے وہاں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں پھر کم ہوتے ہوتے پانچ رہی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں پوری پچاس کی پچاس ہی باقی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ نماز ان کو سخت مصیبت معلوم ہوتی تھی۔ (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

موذن کی فضیلت

بیچارے موذنوں کو تو کون پوچھتا ہے ان کو تو بہت ذلیل اور اپنا خادم سمجھتے ہیں۔ سب کام موذنوں کے ہی ذمہ ہے۔ پانی گرم کرنے کے لئے۔ گوبر اور کوڑا لانا بھی اسی کے ذمہ ہے۔ اور محلہ بھر کے گھروں کا کام کرنا بھی اس کے ذمہ سمجھا جاتا ہے۔ صاحبو! موذنوں کی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ان کی قدر کرنا چاہئے۔ یہ سرکاری آدمی ہیں سمن الٰہی لانے والے ہیں۔ دیکھو اگر سمن لانے والے چپڑاسی کی کوئی اہانت کرے تو سخت جرم ہے۔ اسی طرح ان کی عزت کرنا چاہئے اور موذنوں کو بھی چاہئے کہ اپنے منصب کی حفاظت کریں۔ یعنی افعال ناشائستہ سے احتراز کریں۔ اور قرآن شریف کے پڑھانے والوں کی بھی قدر کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن شریف کی تعلیم کرے۔ ہمت سے زائد ان کی خدمت کرو۔ یہ نہیں کہ پانچ روپیہ میں ٹال دو۔ دیکھو ابھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف سورہ بقرہ کے ختم پر تین سو دینار کی اونٹنی کہ

ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے اور ایک ایک درہم تقریباً سوا چار چار آنے کا اتنے کی ذبح کردی جو آج کل یہاں کے سکہ سے ایک ہزار روپیہ سے زیادہ کی ہوتی ہے اس وقت کوئی تمام قرآن شریف کے ختم پر ایک ہزار پیسے بھی نہیں دیتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ حضرات اس کی قدر جانتے تھے اور اس کو ہی دولت سمجھتے تھے۔ اور زبان حال سے کہتے تھے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ﴿﴾ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(اپنی قیمت دونوں عالم کے برابر بتلائی ہے مگر تمہارا یہ نرخ ابھی سستا ہے ذرا اسے اور مہنگا کریں)

صاحبو! اس نعمت کے مقابلہ میں تو ساری دنیا بھی ہیچ ہے۔ (اشرف المواعظ ۲۶)

فراغت قلب کی دولت

حضرت غوث اعظم کو بادشاہ سنجر نے لکھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حضرت کی خانقاہ کے لیے ملک نیمروز کا کوئی حصہ وقف کردوں تا کہ ذاکرین وشاغلین کے خرچ کو کافی ہو جایا کرے۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ﴿﴾ دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ﴿﴾ من ملک نیمروز بیک جونمی خرم

(چتر سنجری کی طرح میرا بخت سیاہ رو ہو اگر میرے دل میں سنجر کے ملک ہوس بھی ہو جب سے مجھے آدھی رات کی بادشاہت ملی ہے میں ملک نیمروز کو ایک جو کے بدلے میں نہیں خریدتا)

آخر کوئی بات تو ان کو نصیب ہے جو دنیا کی لذتوں سے اس قدر سیر ہو گئے۔ صاحبو! ان کے دل میں ایک دولت ہے جس نے ان کو سب دولتوں سے بے نیاز کردیا ہے وہ کیا ہے وہ یہ دولت ہے جس کو عارف شیرازی نے بیان فرمایا ہے:

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے ﴿﴾ بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے وہوئے

(فراغ دل سے کچھ وقت محبوب کے چہرہ پر نظر کرنا تمام دن ہو وہائے کی چتر شاہی سے بہتر ہے)

واللہ ایک بار فراغت قلب کے ساتھ محبوب کی طرف نظر کرنا سلطنت ہفت اقلیم سے افضل ہے۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

وساوس نماز کا علاج

اگر نماز کو بے فکری اور مشق سے نہ پڑھا جائے بلکہ ہر لفظ کو توجہ اور ارادہ سے نکالا جائے تو

پھر وسوسے بہت کم آئیں بلکہ چند روز میں آنا ہی بند ہو جائیں۔ البتہ اس طریق میں گرانی ضرور ہے وجہ یہ کہ توجہ اور فکر سے کام کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے اس لئے ایسی نماز بہت گراں ہے لیکن اگر اس ثقل کو دور کرنا چاہو تو اس کے متعلق سلوک قرآن سے سیکھو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ نماز واقعی گراں ہے مگر خاشعین پر گراں نہیں خشوع کے معنی ہیں قلب کا یکسو ہونا سو ظاہر ہے کہ جس شخص کو یکسوئی قلب حاصل ہوگی اسے نماز گراں نہ ہوگی کیونکہ گرانی کا منشاء تو یہی ہے کہ نفس آزاد رہنا چاہتا ہے اور نماز میں بہت پابندی ہے تو جس کا قلب پہلے سے پابندی اور یکسوئی کا عادی ہو اس پر گرانی نہ ہوگی۔ (مظاہر الاقوال ج ۲۸)

خشوع کیونکر حاصل ہو اس کا طریقہ بھی حق تعالیٰ نے اسی جگہ بتلایا ہے اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (جن لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور بلاشک وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں) جس کا حاصل یہ ہے کہ لقاء رب کا اعتقاد حاصل کرو اس سے خشوع پیدا ہوگا مگر اعتقاد سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت اس کا استحضار رکھو جب ہر وقت اس کا استحضار رہے گا تو قلب میں دوسرے خیالات کم آئیں گے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ نفس ایک وقت میں دو باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی بات کی طرف بھی متوجہ نہ ہو اس لئے نفس کو ایسے خیال میں مشغول کرو جو نماز کے مناسب ہو منافی نہ ہو اور وہ یہی خیال ہے لقاء رب (اللہ کے ملنے) کا کیونکہ نماز میں بھی حق تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوتی ہے تو جس کے دل میں یہ خیال جما ہوا ہوگا اس کو نماز گراں نہ ہوگی مگر ظاہر ہے کہ ایسے لوگ کم ہیں زیادہ حالت تو یہی ہے کہ لوگوں پر نماز گراں ہے خصوصاً نفل نماز کہ یہ تو فرض سے بھی زیادہ گراں ہے چنانچہ مجھے خود اپنا واقعہ یاد ہے کہ پہلے تو بہت نفلیں پڑھا کرتا تھا مگر جب سے منیۃ المصلی میں یہ پڑھا کہ نفل و مستحب کے معنی یہ ہیں کہ کرو تو ثواب ہے اور نہ کرو تو گناہ نہیں اس دن سے نفلیں کم ہو گئیں اب اگر ہر گناہ کے بعد دو رکعت نفل لازم کر لو گے تو بوجہ مؤنت نفل (نفل کی مشقت) کے نفس گناہ سے ایسا گھبرائے گا۔ (مظاہر الاقوال ج ۲۸)

نماز کسی مقام پر معاف نہیں ہوتی

جیسے بہت سے لوگ متقی ہیں نمازی ہیں مگر اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ ایک مقام پر پہنچ کر نماز فرض نہیں رہتی اسی خیال کے ایک شخص مجھ سے ملے میں نے کہا یہ ایک دعویٰ ہے

اور ہر دعویٰ کے لئے دلیل چاہئے اس کی دلیل کیا ہے کہا شیخ عبدالقدوس نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے میں نے کہا دکھایئے کہاں لکھا ہے ہر چند تلاش کیا مگر نہیں ملا میں نے کہا دس برس کی مہلت ہے شیخ عبدالقدوس کے کلام میں تو کیا کسی شیخ کے کلام میں بھی نہیں مل سکتا اور شیخ کے مکتوبات میں تو ہر ایک مکتوب میں سخت تاکید ہے اتباع شریعت کی اور سب کے کلام میں یہی ملے گا سعدیؒ اتنے پرانے ہیں ان کے کلام میں ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(سعدی یہ مت خیال کر کہ سیدھا راستہ بغیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طے ہوسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کرنے والا کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا) (الظاہر ج ۲۸)

خلقی موٹاپا مذموم نہیں

ایک صاحب موٹے بہت تھے وہ اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ اٹھنے بیٹھنے میں تکلف ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ موت کا مراقبہ کروائے موت کی یاد دبلا کر دیتی ہے واللہ اسی موٹے پن کی نسبت حدیث میں ہے ان اللّٰہ لا یحب الحبر السمین یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا موٹے آدمی اس سے متوحش نہ ہوں کیونکہ موٹاپا جو خلقی ہو وہ برا نہیں کیونکہ اس میں اختیار کو دخل نہیں برا وہ موٹاپا ہے جو خوش عیشی اور آرام طلبی اور بے فکری سے پیدا ہوا ہو کہ پڑے ہوئے لوٹ مار کر رہے ہیں نماز تک کے لئے نہیں اٹھتے یہ موٹاپا اختیاری ہے اور یہ جب ہی پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو کچھ فکر نہ ہو اور مشقت نہ کرنا پڑے اور بے فکر ہونا اور آرام سے پڑا رہنا مسلمان کی شان سے نہایت بعید ہے کیونکہ مثلاً ہر شخص سے کچھ نہ کچھ گناہ ہو ہی جاتے ہیں پھر جو شخص آخرت پر یقین رکھتا ہے ان گناہوں کی سزا اس کے پیش نظر کیسے نہ ہوگی اور سزا ایسی ہے کہ اس کا تصور بھی خلقی موٹاپے کو بھی ڈھول ہونے لگے نیز آرام سے مسلمان کیسے پڑا رہ سکتا ہے دن میں نماز اس کو پانچ مرتبہ پڑھنی ہے وضو کرنا ہے صبح کو نیند چھوڑ کر اٹھنا ہے سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنے ہیں جن میں موٹاپا باقی رہ ہی نہیں سکتا اور حج کا بھی سفر کرنا ہوتا ہے اس میں ہر قسم کی مشقت ہے مسلمان کو

تو زیادہ موٹا ہونا مشکل ہی ہے تو یہ عذر کس قدر لغو ہے کہ موٹاپے کے مارے نماز پڑھی نہیں جاتی ایسے موٹے ہی کیوں ہوئے حضرت یہ سب روٹیاں ملنے اور بےفکری کی باتیں ہیں فکر میں آدمی موٹا ہو ہی نہیں سکتا آزمانے کے طور پر طبیب کسی سے کہہ دے کہ تم دو مہینہ میں مر جاؤ گے اور طبیب بھی معمولی ہو کوئی حاذق طبیب نہ ہو تب بھی موٹے سے موٹا آدمی دبلا ہو جائے اور سب بادی تحلیل ہو جاوے یہ بےفکری ہی ہے جس نے موٹا کر رکھا ہے کہ غم نہیں ہے دنیا کا نہ دین کا انسان کو تو بڑے مرحلے طے کرنے ہیں غم نہ ہونا کیا معنی آخرت کا ذرا سا بھی غم ہو تو موٹاپا تو پاس کو بھی نہ آئے غم ہی نہیں ہے جس سے آپ اس قدر موٹے ہیں کہ نماز پڑھنے میں تکلف ہوتا ہے غرض کوئی کچھ عذر کرتا ہے کسی کو نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے میں یہی عذر ہوتا ہے کہ دھوپ تیز ہے اس عذر کی سنئے۔ (الظاہر ج ۲۸)

نماز میں حضور قلب کی ضرورت

فقہاء کرام اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمادے چونکہ بڑے شفیق ہیں اور ان کی نظر جیسی معاد پر ہے معاشی پر بھی ہے اور جس طرح تدین ان کا منظور الیہ ہے اسی طرح تمدن بھی محط لحاظ ہے اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب مسلم ہے لیکن نماز کے درجات مختلف ہیں اور حضور قلب کے مراتب بھی متفاوت ہیں۔ اگر حضور اعلیٰ درجہ کا ہے تو نماز بھی اکمل مرتبہ کی ہوگی اور اگر حضور میں کمی ہوگی تو اسی درجہ میں نماز بھی ہوگی حتیٰ کہ نفس صلوٰۃ کی صحت کے لیے یہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تھوڑا سا حضور قلب جس کو نیت کہتے ہیں ہونا ضروری ہے اگر اس قدر بھی نہ ہوگا تو وہ نماز ہی نہ ہوگی اور مستند فریقین کا وہ حدیث اعرابی کی ہے کہ اس نے آکر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز بغیر تعدیل ارکان جلدی جلدی پڑھی جب نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وعلیک السلام ارجع فصل فانک لم تصل" یعنی تجھ پر بھی سلام لوٹ نماز پڑھ اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ حضرات صوفیاء کا تو اس طرح مستند ہے وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے جلدی جلدی بلا حضور نماز پڑھی تھی اس کی نسبت آپ نے فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ معلوم ہوا کہ بغیر حضور نماز نہیں ہوتی اور اسی حدیث میں ہے کہ اس اعرابی نے پھر اسی طرح نماز پڑھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا

تیسری مرتبہ اس نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، مجھ کو تو ایسی ہی نماز آتی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طریقہ نماز کا بتلایا اور مع تعدیل ارکان وخشوع وخضوع کے اس کو نماز تعلیم فرمائی اور آخر میں یہ فرمایا کہ جس قدر اس میں سے کمی کرے گا اسی قدر تیری نماز میں سے کمی ہو جاوے گی۔ یہ مستند فقہاء کا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ خشوع وخضوع وتعدیل ارکان کی کمی سے نماز میں کمی ہوگی، نماز بالکل نہ جاوے گی۔ چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ سن کر فرمایا "لم تذهب صلوته كلها" اسی واسطے ہم صوفیاء کے اس قول کے کہ نماز بلا حضور نہیں ہوگی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ بلا حضور کامل نہیں ہوگی ورنہ نفس صلوٰۃ کی صحت کے وہ بھی قائل ہیں۔ (التوبہ ج ۲۹)

اقامت صلوۃ کا مفہوم

نماز کو درست کرو۔ جب ہی ہوگی جبکہ اس کے پورے حقوق ادا کئے جائیں اس وقت کہا جائے گا کہ نماز کو درست کیا۔ درست کرنے کا ترجمہ عربی میں اقامت ہے اور اگر ایسا نہ کیا اس کے اجزاء پورے ادا نہ کئے یا ان اجزاء کے تناسب کو قائم نہ رکھا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز کو درست کیا بلکہ یہ کہیں گے کہ نماز کو بگاڑا اور خراب کیا تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے یہ معنے ہوئے کہ نماز پڑھو اور اس طرح پڑھو کہ پورے حقوق ادا ہوں نہ کہ ایسی نماز کہ فقط نام نماز کا لگ جاوے اس کو نماز ہی نہ کہا جائے گا۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

نماز کی کوتاہیاں

لوگ نماز ایسی پڑھتے ہیں کہ نہ طہارت کی خبر نہ کپڑے کی خبر بعض لوگ ایسا چھوٹا کپڑا باندھتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں ستر کھل جاتا ہے۔ اگر چوتھائی گھٹنا بھی کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں نہ سجدہ ٹھیک نہ رکوع نہ دو سجدوں میں فصل بعض لوگ سجدہ میں سے اتنا سر نہیں اٹھاتے جو فاصل بین السجدتین ہو جائے کتابوں میں لکھا ہے ایسے دونوں سجدے ایک ہی سجدہ کے حکم میں ہیں تو اس صورت میں ایک سجدہ ہوا جب دوسرا سجدہ ہی نہیں ہوا تو نماز کیسی ایک سجدہ کر لینے کے بعد چاہئے کہ سیدھا بیٹھ جائے اور سب اعضاء ٹھہر جائیں تب دوسرا سجدہ کرے اگر اتنا وقفہ بھی نہ ہو تو اتنا ضرور ہے کہ اتنا سر اٹھایا جائے کہ

اقرب الی القعود ہو جائے گو ایسی نماز مکروہ ہوگی اور ایک اور نئی ایجاد ہوئی ہے نماز میں کہ بہت لوگوں نے عادت کر لی ہے کہ قومہ بالکل ہی ندارو کر دیتے ہیں۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

قومہ اور اس کا وجوب

قومہ کہتے ہیں رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کو یہ نماز میں واجب ہے بلا اس کے نماز نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ سب نماز پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔ گو بعض کو اس کا وجوب نہ معلوم ہو تب بھی یہ تو ضرور معلوم ہے کہ رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ (جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا) یا ربنا لک الحمد (اے ہمارے پروردگار حمد وثنا صرف آپ کے لئے ہے) کہا جاتا ہے معلوم نہیں جن لوگوں نے قومہ اڑا دیا ہے یہ دونوں لفظ وہ کس وقت کہتے ہوں گے شاید رکوع میں کہتے ہوں مگر رکوع بھی ان کا لمبا نہیں دیکھا جاتا بس سوائے اس کے کیا کہا جاوے کہ نماز کا ایک جزو اڑا ہی دیا یہ تو خدا کی بتائی ہوئی نماز میں ترمیم ہے جب نماز پڑھتے ہی ہو تو اس سے کیا فائدہ کہ پڑھی پڑھائی کو غارت کرو اگر اعلیٰ درجہ کی نہیں ہو سکتی تو ادنے درجہ کی تو ہو جائے اس کے اجزاء ضرور یہ تو ادا ہو جائیں جس سے کسی درجہ میں تو کہا جا سکے کہ نماز ہے نماز کی صورت تو درست ہو جائے حقیقت نہ سہی مگر ہم نے تو صورت کی بھی یہ گت بنائی ہے روح تو الگ رہی ہماری اس نماز کی مثال تو وہ بھی صحیح نہیں رہی جو ابھی میں نے بیان کی تھی کہ پنساری کے یہاں جائیں اور بادام مانگیں اور وہ نرے چھلکے مغز سے خالی دیدے یا کوئی آدمی منگائے اور ایک اپاہج بیمار کو اس کے سامنے پیش کر دیں۔ اب یہ مثالیں بھی ہماری نماز کی نہ رہیں بلکہ ہماری اس نماز کی مثال اب تو یہ ہو گئی کہ کسی سے بادام مانگیں اور وہ بادام کے کوئلے ہاتھ میں رکھ دے یا آدمی مانگا جائے اور وہ مرگھٹ میں سے ایک مردہ لا کر پیش کر دے صاحبو یہ کیا بے ہودگی ہے کیا ایسی نماز سے ہمارا پیچھا چھوٹ سکتا ہے ذرا تو ہم کو خیال چاہئے یہ کیا غضب ہے کہ اپنی فرمائش پر تو نام کی چیز ملنے سے بھی ناراض اور خدا تعالیٰ کی فرمائش پر نام کی چیز بھی نہیں مہیا کی جاتی حالانکہ حق تو یہ تھا کہ حق تعالیٰ کی فرمائش پر وہ چیز پیش کی جاتی جو کام کی بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی اگر یہ بھی نہ ہو تو علی سبیل التنزل کہا جاتا ہے کہ ایسی چیز تو ہوتی جو اپنی فرمائش پر پیش کی جا سکے کام کی چیز تو وہ ہوتی ہے جس میں روح ہو نماز کی روح کیا چیز ہے۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

نماز کی روح

نماز کی روح کا بیان آیت میں اس طرح ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ یعنی نماز کو درست کرو میری یاد کے واسطے خدا تعالیٰ کا تصور قلب میں اور اس کو یاد رکھنا نماز کی روح ہے اس سے تو ہم کوسوں دور ہیں کام کی نماز تو یہی ہے جس میں حق تعالیٰ ہی کی طرف دھیان ہوتا یہ اگر میسر نہیں تو کاش نام ہی کی نماز ہوتی کہ رحمت خدا کیا عجب ہے اسی وقت قبول کر لیتی مگر جبکہ اس کے اجزاء ضروریہ ہی ندارد ہیں تو اس پر تو نماز کا نام بھی نہیں لگ سکتا۔

آگے فرماتے ہیں وَلَاتَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مشرکین میں سے مت ہو اس میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ نماز کے حکم میں اور اسی نہی میں جوڑ کیا ہے۔ اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ مشرکین عرب حج کرتے تھے مگر نماز نہ پڑھتے تھے چنانچہ حج کرنے والوں کو نہ روکتے تھے اور نماز پڑھنے والوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ سو وہ حج کے تو خلاف نہ تھے لیکن نماز کے بالکل خلاف تھے اور یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے حج نہ کرتے تھے اس لئے حج نہ کرنے پر حدیث میں یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی وعید کی گئی ہے اور یہاں آیت میں بے نمازی کو مشرک سے تشبیہ دی گئی اور گویہ دونوں فرقے ہیں کافر لیکن یہود و نصاریٰ سے مشرک اور زیادہ برے ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ موحد تو ہیں گو ان کی توحید کارآمد اور کافی نہیں اور عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں تو نماز کا ترک کرنا دوسرے عبادات کے ترک سے زیادہ برا ہوا پس مطلب یہ ہوا کہ نماز چھوڑ کر مشرکوں کے مشابہ نہ بنو اور اس عنوان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو۔ اب رہا یہ کہ آیت میں وَاَقِیْمُواالصَّلٰوۃَ پر کیوں نہیں اکتفا کیا تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ مسلمان بے نمازی سے نفرت پیدا ہو کیونکہ کوئی ایسا نہیں جس کو شرک سے نفرت نہ ہو کیونکہ توحید ہر شخص کو محبوب ہے اور توحید کی ضد مبغوض ہے۔ جب فرمایا کہ نماز پڑھو اور مشرک نہ بنو تو اس لفظ سے وحشت ہوگی یہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اطاعت اختیار کرنا بغاوت سے بچنا ہے اور ترک اطاعت بغاوت ہے ایسے ہی نماز پڑھنا شرک سے بچنا ہے اور نہ پڑھنا مشرک بننا ہے گو اس کے معنی یہ نہیں کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کافر و مشرک ہو

جاتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ یہ عمل مشرکوں کا سا ہے۔ جیسے حدیث میں وارد ہے من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر عملاً (جس نے جان کر نماز چھوڑی پس اس نے کفر کیا) یعنی کام کافروں کا سا کیا جیسے کہتے ہیں کہ فلانا چمار ہو گیا اس کے یہ معنی نہیں کہ واقعی چمار ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چماروں کے سے کام کرنے لگا تو نماز نہ پڑھنے والے کو مشرک فرمانا بمعنی حقیقی تو نہیں ہے مگر جس معنی میں بھی ہو لفظ نہایت موحش ہے مشرک سے برا کوئی نہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے نفرت دلانے کے لئے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے ساتھ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ بھی بڑھا دیا کیونکہ صرف نماز کے حکم سے اتنی تاکید نہ ہوتی اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مشرک بننا ترک نماز سے بہت زیادہ برا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے تو وجہ شبہ مشبہ بہ میں زیادہ ہوتی ہے خواہ زیادتی کسی حیثیت سے ہو مثلاً کہتے ہیں کہ زید شیر ہے یعنی ایسا بہادر ہے جیسا شیر تو اس میں ضرور ہے کہ بہادری شیر میں زید سے زیادہ ہے' ایسے ہی جب ترک نماز کو مشرک بننے کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو یہ بات مسلم ہوئی کہ شرک ترک نماز سے بھی زیادہ برا ہے تو شرک کس قدر بری چیز ہوگی۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

اصطلاحی نماز کی قبولیت کی مثال

آپ کی نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ مجھے آدمی کی ضرورت ہے اور آپ اس کے سامنے ایک اپاہج مضغہ گوشت کو لاکر پیش کر دیں اور جب وہ کہے کہ میں اس اپاہج کو لے کر کیا کروں یہ بھی کوئی آدمی ہے تو آپ اس کے جواب میں کہیں کہ صاحب تو نے آدمی کو کہا تھا میں نے آدمی لا دیا دیکھ لو یہ حیوان ناطق ہے یا نہیں تو بے شک وہ معقولی آدمی تو ہے مگر معقول آدمی نہیں وہ اس قابل نہیں ہے جس سے آدمیوں کے کام لئے جائیں بس یہی حال ہماری نماز کا ہے کہ نام کو تو وہ نماز ہے مگر اس کی شان یہ ہے کہ نہ اس کے ہاتھ ہے نہ پیر نہ سر ہے نہ آنکھیں اگر ہاتھ ہیں تو سر کٹا ہوا ہے سر ہے تو آنکھیں اندھی ہیں اہل حقیقت تو ایسی نماز کو کالعدم سمجھتے ہیں جیسے اپاہج مضغہ گوشت کو کالعدم سمجھا گیا تھا مگر فقہاء نے یہ دیکھ کر کہ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے اگر نہ ہونے کا حکم لگایا جاوے گا لوگ اسے بھی چھوڑ بیٹھیں گے اس پر صحت کا حکم لگا دیا ہے مگر یہ حکم صحت ویسا ہی ہے جیسے آپ نے اس اپاہج کو حیوان ناطق ہونے کی وجہ سے آدمی کہا تھا

بس ایسے ہی آپ کی نماز اصطلاحی نماز تو ہے مگر حقیقی نماز نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں آپ اس کو بے کار سمجھ کر چھوڑ دیں نہیں صاحب بے کار یہ بھی نہیں نہ ہونے سے اس کا ہونا پھر بہتر ہے کیونکہ بعض دفعہ اگر نظر عنایت ہو جائے تو حق تعالیٰ کے یہاں صورت بھی قبول ہو جاتی ہے۔مولانا نے ایسی نماز کے قبول ہونے کی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں۔

ایں قبول ذکر تو از رحمت است — چوں نماز مستحاضہ رخصت است

(تیرے ذکر کی قبولیت رحمت سے ہے جس طرح مستحاضہ کی نماز رخصت کی وجہ سے قبول ہے)

یعنی جس طرح عورت مستحاضہ کی نماز شرعاً صحیح مانی گئی ہے حالانکہ نماز کے اندر بھی اس کا خون جاری ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ ناپاک ہے مگر محض رحمت کی بنا پر اس کو قبول کرلیا جاتا ہے یہی حالت ہماری تمام نمازوں کی ہے کہ گو حقیقت کے لحاظ سے وہ کالعدم ہیں مگر حق تعالیٰ کی نظر عنایت سے کبھی یہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔ (ایواء الیتامیٰ ج ۳۰)

خشوع سہل ہے

عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ خشوع کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے بس یہ تو بڑے بڑے بزرگوں ہی کو حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ خشوع کا ہر مسلمان مکلّف ہے اگر یہ ہر شخص کی قدرت میں نہ ہو تو تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے اور وہ شرعاً ممتنع ہے سو میں کہتا ہوں کہ خشوع کی حقیقت بہت سہل ہے کچھ مشکل نہیں۔

ہاں کرنے کی چیز ہے اگر آپ یوں چاہیں کہ بدون کچھ کیے کام ہو جائے تو پھر روٹی بھی نہ کھایا کیجئے کیونکہ اس میں بھی تو کچھ کرنا پڑتا ہے باقی اس کا میں اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کو زیادہ مشقت نہ کرنا پڑے گی صرف ارادہ کرنا پڑے گا اور یہ بھی کوئی مشکل کام ہے خشوع کا جو نسخہ میں بتلاؤں گا وہ میرے استاد علیہ الرحمۃ کا فرمایا ہوا ہے واقعی لاکھوں روپیہ کا نسخہ ہے جو بہت ہی سستے داموں بلکہ بلا داموں مل گیا قدر کی چیز ہے وہ نسخہ یہ ہے کہ نماز میں جو ہم لوگ دعائیں اور سورتیں پڑھتے ہیں وہ چونکہ ہم کو حفظ ہوگئی ہیں اس لئے ہم ان کو روانی کے ساتھ اس طرح پڑھتے ہیں کہ ان کے ہر جزو کے لئے ارادہ اور قصد کی ضرورت نہیں ہوتی بس ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد گھڑی کی طرح زبان خود بخود چلتی رہتی ہے آپ چاہے توجہ کریں یا نہ کریں سب دعائیں خود بخود زبان سے ادا ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ

سورتیں بھی ساری عمر کے لئے دو تین ہی چھانٹ رکھی ہیں اس لئے ان کی تعیین کے لئے بھی توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو تمہید تھی اب خشوع کا طریقہ سمجھو کہ تم حافظوں کی طرح ان دعاؤں اور سورتوں کی نمازیں نہ پڑھا کرو بلکہ ناظرہ خانوں کی طرح پڑھا کرو اور ناظرہ خواں بھی وہ جس کا قرآن کچا ہو یا ایسے حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا ایسا حافظ ہر لفظ کو غور سے دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے اسی طرح تم نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کرو کہ اب سبحانک اللھم کہہ رہا ہوں اب بحمدک کہہ رہا ہوں اب الحمد للہ کہہ رہا ہوں اب رب العالمین زبان سے نکال رہا ہوں اسی طرح ساری نماز پڑھو پس خشوع حاصل ہو گیا۔ کیونکہ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی وسوسہ اور خیال نماز میں نہ لایا جاوے بلکہ اپنی توجہ کو نماز کی طرف رکھا جائے اس طرح ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ اور توجہ کرنے سے پھر آپ کو عمداً کوئی وسوسہ نہ آئے گا کیونکہ قاعدہ ہے النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد یعنی ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہو سکتی۔

انائے کہ پر شد دگر چوں پرد

(جب برتن بھر جائے پھر کیوں بھرے)

جب آپ پوری توجہ کو الفاظ پر مبذول رکھیں گے تو آپ کے ارادہ سے کوئی خیال نہ آئے گا۔ اول تو ان شاء اللہ کوئی بھی خیال نہ آئے گا اور آئے گا تو بلا ارادہ آئے گا جیسے نگاہ کو آپ ایک جگہ پر جمائیں تو شئے منظور کے سوا آس پاس کی چیزیں بھی خود بخود مبصر ہو جاتی ہیں بصارت کی طرح بصیرت کا بھی یہی حال ہے کہ ایک طرف توجہ جمانے سے بھی خود بخود بعض مخزونات خیال سامنے آجاتے ہیں مگر یہ خشوع کے لئے مضر نہیں اور ان کا نہ آنا اختیار میں نہیں۔ (ابواء الیتامی ج ۳۰)

ایک غلطی کا ازالہ

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صلوۃ الخوف وقت قتال کے لئے مشروع ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ صلوۃ الخوف وقت خوف قتال کے لئے مشروع ہے اور یہ جب خوف سے بڑھ کر وقوع قتال کی نوبت آجائے اس وقت نماز موخر ہو جاتی ہے قتال کے ساتھ نماز کی اجازت نہیں بلکہ صلوۃ الخوف میں بھی اگر قتال شروع ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ نماز کو توڑ دیں اور اس میں نماز کی بے وقعتی نہیں بلکہ نماز کی وقعت یہی ہے کہ ایسے وقت میں اس کو توڑ دیا جائے

کیونکہ اس سے نماز کی سہولت واضح ہوتی ہے اور سہل کام پر دوام ہوسکتا ہے اگر نماز میں یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو لوگ ہمت ہار جاتے اسی طرح اگر وسط صلوٰۃ میں اسٹیشن پر ریل چھوٹ جائے تو جائز ہے کہ نماز توڑ دی جائے اور بعض بزرگوں سے جو منقول ہے۔ کہ انہوں نے نماز نہیں توڑی یہ ان کا حال ہے ورنہ شرعاً قطع صلوٰۃ کی اجازت ہے بہر حال اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال درپیش تھا اور ایسی حالت تھی کہ صلوۃ الخوف بھی نہ پڑھ سکتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قضا کی۔ (الاخوۃ ج ۳۰)

رکوع وسجود کی اہمیت

جہلاء صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز کی روح حاصل ہے اس لئے ہم نماز نہیں پڑھتے میں ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی انگلی کاٹ لوں اگر آپ خوشی سے اجازت دیں تو فبہا ورنہ پوچھا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ اپنی تو انگلی اور ناخن تک پیارے اور نماز کے ہاتھ پاؤں اڑانے کے لئے تیار ہو یہ قیام رکوع وسجود نماز کے ہاتھ پاؤں ہیں اور میں ان سے کہوں گا کہ زوجہ حسین کیوں ڈھونڈتے ہو جان تو یکساں ہے اور حقیقت سب کی ایک ہے خلاصہ یہ ہے کہ رکوع وسجدہ بڑی چیز ہے مگر مغز اس کا وہی ہے اگر یاد نہ ہوگی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کسی سے فرمائش کی کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے وہ تھوڑی دیر میں ایک کھٹولی چار آدمیوں کے سر پر لایا جب اس پر سے چادر اتاری گئی تو دیکھا ایک مردہ ہے جس کے ہاتھ پاؤں سب درست ہیں تو جیسے اس کو انسان نہیں کہہ سکتے گو ہاتھ پاؤں سب درست ہیں ایسے ہی بے ذکر کی نماز نماز کہلانے کی مستحق نہ ہوگی گو رکوع سجدہ سب کچھ ہو اور اگر نری یاد ہو اور رکوع سجدہ میں کتر بیونت کرے تو ایسی مثال ہے جیسے ایک مضغہ گوشت ہے کہ آنکھوں سے اندھا پاؤں سے لولا ہاتھوں سے لنجا ناک سے نکٹا دانتوں سے پوپلا سر سے گنجا کانوں سے بہرا نہ ہل سکتا ہے نہ چل سکتا ہے جہاں چاہیں اس کو اٹھا کر پھینک دیں تو وہاں سے کہیں نہیں جا سکتا پوچھا کہ یہاں تم یہ کیا لائے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ آدمی لاؤ یہ آدمی ہے ظاہر ہے کہ اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ ہمارا مقصود یہ تھا اس کو ہم کیا کریں گے تو جیسے اس مضغہ گوشت تعریف انسان کے صادق ہے تو ایسے ہی وہ نماز کہ جس میں رکوع سجود نہیں یا رکوع سجود ناقص ہے کہنے کو نماز ہے لیکن فی الواقع کچھ نہیں غرض نہ ہاتھ پاؤں بلا جان کے کافی ہیں اور نہ جان بغیر ہاتھ پاؤں کے کام آسکتی ہے۔ (الذکر ج ۳۰)

نماز کا اصل مقصود ذکر ہے

ایک مقام پر ارشاد ہے فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ یہ صلوۃ الخوف کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خوف لاحق ہو تو نماز پیادہ یا سوار ہو کر پڑھو اور جب امن میں ہو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم کو اللہ نے سکھایا ہے فاذکروا اللہ سے مراد اس آیت میں صلوۃ ہے اصل کلام یہ تھا فاذا امنتم فصلوا کما علمکم فصلوا کے مقام پر فاذکرو فرمانے سے یہ بتلا دیا ہے کہ صلوۃ کا اصل مقصود ذکر ہے اور اس مقام پر غور کرنے سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ صلوۃ الخوف میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ (پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو پہلے کے موافق پڑھنے لگو) اور آیت میں فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ پر فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ مرتب جو فرمایا تو اس میں نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ صلوۃ الخوف میں دشمن کی طرف مشغولی ہوتی ہے اس لئے مقصود اصلی جو کہ ذکر ہے مظنہ ہے اس سے غفلت کا اس لئے ارشاد ہے کہ اس سے غفلت نہ ہونے پائے اور اس کے بعد فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پہلے کی طرح نماز پڑھنے لگو) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صلوۃ الخوف میں بوجہ مشغولی دشمن صلوۃ کا مکمل یعنی ذکر علی وجہ الکمال ادا نہیں ہوا اس لئے کہ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جب تم کو اطمینان ہو تو نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرو اس سے اشارۃ یہ نکلا کہ خوف کی حالت میں نماز کامل نہیں ہوئی یعنی باعتبار صورۃ کے بہر حال ان آیات سے ثابت ہوا کہ صلوۃ کا لب اور مغز ذکر ہے۔ (الذکر ج ۳۰)

ایک دیندار والی ملک نواب کی حکایت

ایک دیندار نواب صاحب والی ملک کی حکایت ہے کہ ایک غریب آدمی نماز میں ان کے دوش بدوش کھڑا ہو گیا تھا وہ غریب ان سے بالکل مل کر نہیں کھڑا ہوا جیسا کہ نماز میں حکم ہے صرف اسی خوف سے کبھی یہ برا مانیں وہ بچ بچ کر کھڑا ہوتا تھا اور سلام کے ساتھ ہی فوراً بھاگا۔ نواب صاحب نے اس کو طلب کیا وہ بہت ڈرا کہ کہیں کپڑا وغیرہ لگ گیا ہے اس کی باز پرس

ہوگی مگر لوگوں نے سمجھا دیا کہ تو ڈر نا مت اور دین کے خلاف بات مت کہنا۔ جب حاضر ہوا تو نواب صاحب نے پوچھا تم ہم سے بچ بچ کر کھڑے ہوتے تھے کیا ہم سے ڈرتے تھے اس نے کہا تم سے کیا ڈرتا خدا کے دربار میں سب برابر ہیں میں اس لئے بچتا تھا کہ کہیں مجھ میں دنیا کا اثر نہ ہو جائے۔ بڑے خوش ہوئے اور درباریوں سے کہا دیکھو اللہ کے بندے کیسے کیسے ہیں اور اس کی کچھ ماہواری تنخواہ مقرر کر دی اور بہت معتقد ہوئے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

رکوع کا طریقہ

رکوع کا قاعدہ یہ ہے کہ سر اور کمر اور سرین سب برابر سطح مستوی کی طرح رہیں یہاں یہ حالت ہے کہ کمر اونچی رہتی ہے سر کبھی بہت جھکا ہوا ہے کبھی اونچا اٹھا ہوا رکوع میں نظر پیروں پر ہونی چاہئے ہماری نگاہ بہت دور پہنچتی ہے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے مگر بہت لوگ سیدھی طرح کھڑے نہیں ہوتے بس یوں ہی سر کا ذرا سا اشارہ کر کے دہم سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں بعض لوگ جلدی میں تین بار بھی تسبیح پوری نہیں کرتے پھر سجدہ کی ہیئت بھی خلاف قاعدہ بنا رکھی ہے کہنیاں زمین پر رکھی ہوتی ہیں بازو اچھی طرح نہیں کھلتے کمر جھکی ہوئی رہتی ہے حالانکہ سجدہ میں کمر اونچی ہونی چاہئے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھ کر دوسرا سجدہ کرنا چاہئے بہت آدمی سجدہ کر کے سیدھی طرح نہیں بیٹھتے بس ذرا سا سر کا اشارہ کر کے دوسرا سجدہ شروع کر دیتے ہیں تو بھلا اس حالت میں صورت بھی درست کہاں رہی۔ (درجات اسلام ج ۳۰)

حضور قلب

حضور قلب کی حقیقت نہایت سہل ہے مگر ہوتی ہے کرنے سے وہ ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **من صلی رکعتین مقبلاً علیهما بقلبه لم یحدث فیهما نفسه دخل الجنة** جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھ لے کہ دل سے ان پر متوجہ ہو اور اپنے جی سے باتیں نہ کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس سے حضور قلب کی یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ نماز پر دل سے متوجہ ہو یعنی ہر رکن کے ادا کرنے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں پھر ہر رکن کو نماز کے قاعدہ پر ادا کرے بتلائیے تو یہ کیا مشکل کام ہے۔ اگر کسی کو خطرات و وساوس آتے رہیں تو یہ حضور قلب کے منافی نہیں پس اتنا ضروری ہے کہ خود وساوس نہ

لاوے اور جو آتے ہوں ان کی طرف التفات نہ کرے دیکھئے کس قدر تو آسان مگر ہم سے یہ بھی نہیں ہوسکتا وجہ ساری یہ ہے کہ دین کا اہتمام ہی قلب میں نہیں رہا۔(درجات اسلام ج ۳۰)

مسائل نماز سے بے خبری

ایک قریب کے قصبہ کے ایک بوڑھے میاں جو مہذب اور لکھے پڑھے ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس طرح فرضوں میں دو رکعتیں بھری ہوتی ہیں اور دو خالی کیا سنتوں میں بھی یہی حکم ہے میں نے کہا نہیں بلکہ سنتوں میں سب رکعتیں بھری ہوتی ہیں تو وہ بڑے میاں یہ سن کر بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو اب تک سنتیں بھی دو بھری اور دو خالی پڑھتے تھے یہ تو آج ہی معلوم ہوا کہ سنتوں میں کوئی رکعت خالی نہیں ہوتی۔اب بتلایئے کہ بڑے میاں کے پیر تو قبر میں لٹکے ہوئے ہیں اور اب تک نماز کا طریقہ معلوم نہیں یہ ساری خرابی علم نہ ہونے کی ہے اسی طرح بعض صورتوں میں کسی غلطی سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور کسی غلطی سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر بدون علم کے لوگ نہ معلوم کیا کیا گڑبڑ کرتے ہیں بس بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں احکام الٰہیہ کی وقعت نہیں رہی اس لئے کچھ فکر نہیں کہ نماز درست ہوتی ہے یا فاسد اور اگر درست بھی ہوتی ہو تو اس بے علمی کے سبب بہت لوگوں کو جماعت کا اہتمام نہیں وقت کا خیال نہیں بعضے بہت تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں افسوس اگر عدالت میں ایک چپڑاسی آواز دے کہ فلانا حاضر ہے تو اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ پکارنے کے بعد حاضری میں دو منٹ کی بھی دیر نہ ہو گھنٹہ بھر پہلے سے تیار بیٹھے رہتے ہیں اور یہاں پانچ وقت منادی پکارتا ہے اور کان پر جوں تک نہیں رینگتی بلکہ اذان کے بعد اقامت بھی ہونے لگے اور امام کی آواز اور سورت کا شروع ہو جانا بھی سن لیں جب بھی کچھ اثر نہیں ہوتا حی علی الصلوۃ سن کر تو کیا اثر ہوتا افسوس ہم پر حی علی الفلاح سن کر بھی اثر نہیں ہوتا۔(الاکرامیہ بالاعملیۃ ج ۳۰)

کلمات اذان میں رحمت خداوندی

حق تعالیٰ کی بھی کیا عنایت ہے کہ وہ ہماری حالت سے خوب واقف ہیں جانتے ہیں کہ یہ ایسے بھدے اور ناقدرے ہیں کہ محض حی علی الصلوۃ کہنے سے نماز کو نہ آئیں گے اس لئے جس

طرح بچوں کو مٹھائی وغیرہ سے لبھایا اور بہلایا کرتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ نے ہم کو لبھانے کے لئے حی علی الصلوۃ کے ساتھ حی علی الفلاح بھی اذان میں بڑھا دیا کہ نماز میں فلاح و کامیابی بھی ہے اسی کے لئے آ جاؤ کیونکہ اس جگہ فلاح مطلق ہے جس میں فلاح دنیوی و اخروی دونوں داخل ہیں۔

فلاح کی حقیقت

غرض بعض لوگ مال ملنے ہی کو فلاح سمجھتے ہیں اور نماز پڑھ کر چونکہ فوراً مصلے کے نیچے سے روپے نہیں نکلتے اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ نماز میں کیا فلاح ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کیا مال خود مقصود بالذات ہے بھلا اگر ایک شخص کے پاس ہزار روپے کے نوٹ ہوں یا نقدی ہو اور وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں کوسوں تک نہ کھانا ہے نہ پانی ہے اور اس وقت اس کو بھوک پیاس لگی تو بتلائیے یہ ہزار روپے اس کے کس کام کے اب اگر وہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دی تو کیا آپ اس کو مفلح اور کامیاب کہیں گے ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ مال خود فلاح نہیں اب شاید آپ یہ کہیں کہ کھانا پینا تو فلاح ہے ہم اس کے طالب ہیں سو یہ بھی غلط ہے کھانا پینا بھی مقصود بالذات نہیں کیونکہ بعض دفعہ کھانا کھا کر ہیضہ ہو جاتا ہے اس وقت یہی کھانا سبب ہلاکت ہو جاتا ہے معلوم ہوا کہ مقصود اور کچھ ہے وہ کیا ہے چین و آرام جب یہ سمجھ میں آ گیا کہ فلاح کی حقیقت راحت ہے تو اب دعوے سے کہا جاتا ہے کہ نماز سے یہ فلاح ضرور حاصل ہوتی ہے نماز سے قلب کو وہ راحت ملتی ہے جو ہزار کھانوں سے بھی نہیں مل سکتی مگر جیسے بعض دواؤں کا نفع ایک خاص میعاد پر ہوا کرتا ہے چنانچہ اطباء کہا کرتے ہیں کہ اس دوا کو تین دن یا تین ماہ استعمال کر کے پھر آنا اس مدت سے پہلے نفع ظاہر نہ ہوگا اگر چھ ماہ کا اندھا کسی قیمتی سرمہ کو دو تین دن لگا کر سوانکھا ہونا چاہے تو وہ بے وقوف ہے اسے چاہئے کہ کم از کم مثلاً تین ماہ تو استعمال کر کے دیکھے اسی طرح نماز کی راحت کا احساس ایک خاص میعاد کے بعد ہوتا ہے جو ہر شخص کے لئے اس کے مناسب ہوتی ہے پس یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ چار دن نماز پڑھ کر مراقبہ کرنے بیٹھ گئے کہ دیکھوں راحت قلب حاصل ہوئی یا نہیں صاحب کسی جاننے والے طبیب روحانی سے پوچھ کر نماز کو قاعدہ سے شروع کرو اور کچھ عرصہ تک ادا کرتے رہو پھر دیکھو کیا حال ہوتا ہے ان شاء اللہ چند ہی روز میں یہ حالت مشاہد ہوگی۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

سلطان اللیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (فتح الباری

۳۴۹:۱۱' کنز العمال ۱۸۹۱۲) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے جو شخص نماز کا عادی ہے وہ جانتا ہے کہ نماز پڑھ کر کیا راحت ہوتی ہے مشہور ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر آدمی سلطان اللیل (رات کا بادشاہ) ہو جاتا ہے۔ واقعی سلاطین کو کیا راحت نصیب ہوگی جو نمازی کو عشاء کی نماز پڑھ کر حاصل ہوتی ہے قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا ادراک ضد کو دیکھ کر کامل ہوتا ہے تو نماز کی راحت کا احساس بھی اس طرح ہوگا کہ کبھی ریل میں نماز پڑھنا دشوار ہوا ہو تو یاد کیجئے اس وقت کیسی پریشانی ہوئی ہوگی اور خدا خدا کر کے کسی اسٹیشن پر آدمیوں کے اترنے سے جگہ ملی ہوگی تو نماز پڑھ کر کیسا چین ملا تھا مگر یہ بات ایک زمانہ تک نماز کی عادت ہونے سے نیز اہل اللہ کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (الاکرامیۃ بالاعملیہ ج ۳۰)

نماز میں ظاہری و باطنی فلاح

ان لوگوں کو بھلا نماز میں تو کیوں حظ نہ آئے گا جو خاص قرب محبوب اور حاضری دربار کی حالت ہے اس وقت واقعی طور پر ان کو حی علی الفلاح کا ادراک ہوتا ہے کہ نماز عجیب راحت کی چیز ہے یہ تو نماز میں فلاح عاجل باطنی ہے اس کے علاوہ نماز میں ظاہری فلاح عاجل بھی بہت کچھ ہے چنانچہ نماز میں ایک نفع یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کو فضول مخالطت فضول مکالمت سے ایذا دینا چاہے تو نماز شروع کر دو جب تک نماز پڑھتے رہو گے کوئی تمہیں کچھ نہ کہے گا دوسرے اگر تم کسی آنے والے کی تعظیم نہ کرنا چاہو اور تعظیم نہ کرنے میں خطرہ کا اندیشہ ہو تو اس کو آتا ہوا دیکھ کر نماز شروع کر دو اس طرح تعظیم سے بھی بچے رہو گے اور دوسرے کو اپنی بے تعظیمی کا بھی خیال نہ آئے گا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ نماز میں انسان دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا تیسرے اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اس طرح خلوت اختیار کروں کہ گوشہ نشین بھی مشہور نہ ہوں کیونکہ اس شہرت کے بعد پھر خلوت نہیں رہ سکتی لوگ تنگ کرتے اور ہجوم کرنے لگتے ہیں تو اس کی سہل صورت یہ ہے کہ ہر وقت نفل نماز پڑھا کرے ہمارے ایک عزیز بزرگ نے جو مشرب سماع رکھتے تھے اسی طرح خلوت اختیار کی تھی کہ بیٹھک ہی میں عام منظر پر رہتے اور ہر وقت نماز پڑھتے تھے جب کوئی ملنے آیا تو سلام کے بعد دو چار باتیں خیر و عافیت کی پوچھ لیتے اور پھر نماز شروع کر دیتے مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا کہ نہ تو وہ بداخلاق ہی مشہور ہوئے کیونکہ جو کوئی بھی آتا تھا اس سے ضرورت کی قدر مل

بھی لیا کرتے تھے اور نہ عزلت گزینی میں خلل آیا اور نہ خلوت نشین مشہور ہوئے جو عوام کا ہجوم ہوتا ایک برکت نماز کی یہ ہے کہ اس میں بڑے بڑے سلاطین اور روساء کی برابری ہو جاتی ہے ایک انگریز کالج علی گڑھ میں گیا تو وہاں دیکھا کہ رئیسوں کے لڑکے پڑھتے ہیں جن کے ساتھ نوکر اور ملازم بھی ہوتے ہیں مگر خدمت کے وقت تو وہ نوکر دور کھڑے رہتے ہیں آقا کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتے اور نماز کے وقت آقا کے برابر پاس مل کر کھڑے ہوتے ہیں اس نے ان رئیس زادوں سے دریافت کیا کہ نماز میں برابر کھڑے ہونے سے یہ ملازم گستاخ نہیں ہو جاتے انہوں نے کہا کیا مجال ہے جو نماز کے بعد ہماری ذرا بھی برابری کر سکیں اس وقت کا یہی حق ہے کہ سب برابر ہوں اور دوسرے وقت کا دوسرا حکم ہے اس کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو نوکر نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ نماز میں آقا کے برابر بھی ہو جاتا ہے مگر پھر بھی اس میں انقیاد کی صفت بڑھ جاتی ہے یعنی وہ آقا کی خدمت اور اس کے حقوق کی بجا آوری بے نمازی نوکر سے زیادہ کرتا ہے واقعی یہ بات مشاہد ہے کہ دیندار آدمی جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے بندوں کے حقوق بھی خوب ادا کرتا ہے اسی برابری پر ایک اور قصہ یاد آیا نواب ٹونک جن کا نام وزیر الدولہ تھا بڑے دیندار تھے ایک دفعہ کسی نماز میں وہ آئے اور کسی غریب مزدور کے پاس کھڑے ہو گئے وہ بے چارا ڈرا کہ کہیں نواب صاحب کو میرا دامن وغیرہ نہ لگ جاوے پھر مصیبت آوے اس لئے وہ ذرا سمٹا کر دب کر کھڑا ہوا جس سے صفت میں فرجہ ہو گیا نواب صاحب صف ملانے کے لئے ادھر کو اور کھسک گئے تو وہ اور ہٹ گیا اب نواب صاحب تو اس سے ملتے ہیں اور وہ الگ ہوتا جاتا ہے خدا خدا کر کے نماز پوری ہوئی تو وہ غریب فوراً ہی بھاگا نواب صاحب نے دعا سے فراغت کر کے فرمایا کہ یہ ہمارے پہلو میں کون شخص کھڑا تھا اس کو حاضر کرو خدم حشم نے اس کو حاضر کیا اب تو وہ سمجھا کہ میری کم بختی آوے گی لوگوں نے کہا ڈرو نہیں کچھ نہیں کہیں گے مگر نواب صاحب کے سامنے دب کر گفتگو نہ کرنا دلیرانہ بات چیت کرنا پھر وہ کچھ نہ کہیں گے چنانچہ نواب صاحب کے سامنے پہنچے انہوں نے فرمایا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی کہ ہم تو صف میں خوب ملنا چاہتے تھے کیونکہ سنت بھی ہے اور تم ہم سے الگ ہوتے تھے کیا نماز میں بھی تم ہم سے ڈرتے تھے اس نے دلیر بن کر جواب دیا کہ نماز میں آپ سے میں کیوں ڈرتا یہ تو خدا کا دربار ہے جس میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کسی

ادنی مسلمان پر ترجیح نہیں رکھتا۔نواب صاحب نے فرمایا پھر کس لئے تم بچتے تھے کہا میں اس لئے بچتا تھا کہ کہیں آپ کی دنیا مجھ کو نہ لگ جائے یہ سن کر نواب صاحب اس کے بڑے معتقد ہوئے اور حاضرین سے تعریف کی اور رونے لگے اور کہا واقعی اس غریب کی کچھ تنخواہ مقرر کردی۔

وسوسہ نماز سے متعلق اہل تحقیق کا جواب

حدیث یہ ہے کہ جو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ایسے پڑھے کہ ''لایحدث فیھما نفسہ'' یعنی اس میں اپنے جی سے باتیں نہ کرے یعنی حدیث النفس کے طور پر جو ہم لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں سوچا کرتے ہیں اس سے وہ نماز بالکل خالی ہو۔ بے سوچے اگر اِدھر اُدھر کے خیالات آ جاویں تو کچھ ڈر نہیں مگر خود نہ سوچے اور بے سوچے آنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ انہیں دل میں رکھے بھی نہیں یعنی احداث اور ابقاء دونوں اس کی جانب سے نہ ہوں یعنی نہ خود پیدا کرے نہ خود باقی رکھے۔بس متوجہ الی اللہ رہے اور اگر کوئی خیال خود بخود آ جائے تو کچھ حرج نہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضور بہت آسان ہے جس کو لوگوں نے خواہ مخواہ مشکل سمجھ رکھا ہے تو مولانا کی خدمت میں یہ حدیث ہو رہی تھی کہ جو ایسی دو رکعت پڑھ لے گا ''غفرلہ ماتقدم من ذنبہ'' یعنی اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ایک طالب علم بولا! کیوں حضرت کیا ایسی نماز ممکن ہے جس میں خیالات نہ آویں' اول تو اس نے سوال ہی غلط کیا۔ حدیث شریف میں تو یہ ہے ''لایحدث فیھما نفسہ نہ کہ لاتتحدث فیھما نفسہ'' مگر مولانا نے اس مواخذہ سے تعرض نہ فرما کر کیا خوب جواب دیا کہ میاں کبھی ارادہ بھی ایسی نماز پڑھنے کا کیا تھا جس میں کامیابی نہ ہوئی' کبھی پڑھ کر بھی دیکھی تھی' اگر پڑھ کر دیکھتے اور ناکامی ہوتی تب تو پوچھتے ہوئے بھی اچھے معلوم ہوتے' شرم نہیں آتی کہ کبھی ارادہ تو کیا نہیں اور پہلے ہی اعتراض کرنے بیٹھ گئے۔حدیث پر بھائی کبھی اس حدیث پر عمل تو کر کے دیکھا ہوتا۔ جب قدرت نہ ہوتی جبھی اعتراض کیا ہوتا۔ (ملت ابراہیم ۳۱)

حجؓ

- ☆ حج کی صورت وحقیقت
- ☆ قبولیت حج کی علامات
- ☆ حج کے انوار وبرکات
- ☆ حج اور قربانی
- ☆ حج کے احکام ومسائل
- ☆ نماز عید الاضحیٰ کے احکام
- ☆ عشاق حج کے واقعات
- ☆ فریضہ حج میں تاخیر کے حیلوں اور بہانوں کا شرعی جائزہ

ضرورت بیت اللہ الکریم

وسائط میں سے ایک واسطہ بیت اللہ ہے کہ اس کے خاص تعلقات حق تعالیٰ کے ساتھ ظاہر کئے گئے اور اس اظہار کی تقریر کے لئے اس کے کونہ میں ایک پتھر جنت کا نصب کیا گیا ہے جس کا لقب یمین اللہ رکھا گیا کیونکہ اگر آپ محبوب حقیقی کو دیکھتے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے۔ ایک معاملہ تو یہ ہوتا کہ اس کو محبوب و مطلوب اور معبود و مسجود سمجھتے اس کو تو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس کے سوا جو معاملہ بھی آپ محبوب کے ساتھ کرتے۔ ان سب معاملوں کی بیت اللہ کے ساتھ اجازت ہے اگر آپ محبوب کے گھر پہنچتے تو جب تک صاحب خانہ سے نہ ملتے اس وقت تک گھر کے گرد گھومتے پھرتے دیواروں کو چومتے (جیسا کہ مجنوں کہتا ہے)

امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذالجدار و ذالجدار

وما حب الدیار شققن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

(میں لیلیٰ کے گھر پر گزرتا ہوں کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو میرے قلب کو گھر کی محبت نے نہیں بلکہ اس گھر کے رہنے والے کی محبت نے پھاڑا ہے۔)

اسی طرح یہاں بھی بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اور کعبہ کے بعض ارکان کی تقبیل کی جاتی ہے۔ اور ایک معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے مصافحہ کرتے تو یمین اللہ سے مصافحہ کیجئے عاشق محبوب کے مکان پر پہنچ کر جب تک محبوب سے ملاقات نہ ہو اس کے گھر کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑا رہتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی نماز میں استقبال بیت کیا جاتا ہے۔

اور یہ معاملات جس طرح ناشی ہوتے ہیں محبت سے اسی طرح یہ منشا بھی ہو جاتے ہیں۔ محبت کے کسی لباس کو روزانہ بتکلف آنکھوں سے ملا کرو۔ دیکھو چند روز میں محبت کا ولولہ پیدا ہو جائے گا۔ کسی کے گھر پر روزانہ ایک دو گھنٹے بیٹھ کر چلے آیا کرو۔ چند روز میں اس گھر سے اور اس کے مالک سے محبت ہو جائے گی۔ یہ نری باتیں نہیں ہیں تجربہ کر کے دیکھ

لو۔اسی طرح طواف بیت اللہ بعض تو محبت کے بعد کرتے ہیں اور بعضوں کو طواف کے بعد محبت حق پیدا ہو جاتی ہے غرض اس کی ضرورت عقلی تھی کہ کوئی چیز ایسی بنائی جاوے جس کے ساتھ اظہار محبت کا معاملہ کیا جاوے تا کہ انسان کو اس واسطہ سے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو اور جس کو پہلے سے محبت ہو اس کی محبت قوی و دائم ہو کیونکہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ غائب کے ساتھ توجہ اور محبت بلا واسطہ قائم نہیں رہتی۔ چنانچہ وہ چیز بیت اللہ ہے جس کے ساتھ محبت کا برتاؤ ظاہر کیا جاتا ہے اور چونکہ اس کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت واضافت ہے اور اس میں انوار و برکات بھی ہیں اس لئے بیت اللہ کے ساتھ اس برتاؤ سے خدا کے ساتھ تعلق و محبت پیدا ہوتا اور قوی و مستحکم ہو جاتا ہے۔(الحج المبرور ۱۷)

حقیقت حج

حج کی حقیقت مشاہدہ ہے۔ چنانچہ ابھی معلوم ہو جائے گا تو اب مجاہدہ کے بعد جو کہ عبادات رمضان میں مرعی ہیں مشاہدہ کا وقت ہے۔

شاید اس لئے رمضان کے متصل شوال ہی سے اشہر حج شروع ہو جاتے ہیں کیونکہ مجاہدہ کے بعد ہی ہدایت سبیل کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور جو لوگ ہمارے راستہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھادیں گے) اور میں بدلیل کہہ چکا ہوں کہ ہدایت سبیل اس آیت میں ایصال کو مستلزم ہے اور وصول الی المقصود ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ مشاہدہ کا وعدہ مجاہدہ سے متصل ہے۔ اسی لئے اشہر حج رمضان سے متصل ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ گو حج ذی الحجہ میں ہوگا اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ بعض افعال حج بھی شوال ہی سے شروع ہو جاتے ہیں یعنی احرام کہ قبل شوال مکروہ ہے اور احرام تیاری ہے مشاہدہ کی۔ اور مشاہدہ کی تیاری بھی اسی کے حکم میں ہے تو اب رمضان کے بعد بلا رہے ہیں کہ آؤ مشاہدہ کرو اور ہم سے ملو اور وہ ملنا یہ ہے کہ جب تک تم ہمارے دیکھنے کے قابل ہو اس وقت تک ہمارے گھر کیساتھ وہی برتاؤ کرو جو ہمارے ساتھ کرتے۔ بجز مقصودیت و مسجودیت کے کہ اس کی اجازت نہیں یہ صرف ذی واسطہ کا حق ہے واسطہ کو مقصود و مسجود سمجھنا شرک وکفر ہے۔ باقی اور سب برتاؤ کی اجازت ہے۔

اسی لئے میں نے کہا تھا کہ حج کی حقیقت مشاہدہ ہے چنانچہ محبوب سے ملنے کے لئے عاشقانہ انداز سے تیاری کرتے ہیں احرام باندھتے ہی سر ننگے ہو جاتے ہیں۔ سلے ہوئے کپڑے چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ عاشق کو یہ تکلفات کہاں سوجھتے ہیں کہ اچکن ہو کرتہ ہو۔ پاجامہ وہ تو ویسے ہی کپڑوں کو لپیٹ لیا کرتا ہے اس لئے احرام میں بھی چادر و لنگی پہنی جاتی ہے اور سر کھلا رہتا ہے مگر پیر نہیں ننگے ہوتے کیونکہ کانٹا وغیرہ لگنے کا اندیشہ ہے جس سے تکلیف کا خوف ہے تو وہ عاشق نواز بھی ہیں کہ اپنے عشاق کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔

دوسرے یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارا عشق چاہے کتنا ہی زیادہ ہو ناتمام ہی رہے گا۔ کامل کبھی نہ ہوگا۔ اس لئے نقصان ظاہر کرنے کو جوتہ نکالنے کا حکم نہیں کیا

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است   بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

(جمال محبوب ہمارے عشق و عرفان ناتمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ وروپ خط وخال کی احتیاج نہیں ہے)

اسی لئے کھانے کی اجازت ہے ہاں وحشی کے شکار کی ممانعت ہے اور مچھلی کے شکار کی اجازت ہے نہانے کی اجازت ہے اور خوشبو لگانے خط بنوانے ناخن کترنے کی ممانعت ہے حالانکہ عاشق کو تو نہ مچھلی کے شکار کی فرصت ہوتی ہے نہ وحشی کے نہ نہانے کی فکر ہوتی ہے نہ حجامت کی۔ تو چاہیے تھا کہ ان سب افعال کی ممانعت ہو جاتی مگر ایسا نہیں کیا بلکہ بعض کی اجازت دی اور بعض سے روک دیا تاکہ معلوم ہو کہ ہمارا عشق ناتمام ہی رہے گا۔

غرض نفس حج کا مشروع ہونا تو عقلی مسئلہ ہے خود عقل اس کا تقاضا کر رہی ہے آگے افعال عاشقانہ ہیں ان کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔

اور اگر اس بناء کا لحاظ کیا جاوے جس کی وجہ سے عقل مشروعیت حج کا تقاضا کر رہی ہے تو یہ افعال بھی عقلی اور سراسر مطابق عقل ہیں۔ کیونکہ مشروعیت حج کا منشی تو یہی ہے کہ کسی چیز کے ساتھ جس کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہے ایسے افعال کئے جائیں جن سے تعلق بالغائب مستحکم و دائم ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو۔ اور یہ بناء تمام افعال حج میں موجود ہے کیونکہ وہ سب عاشقانہ افعال ہیں تو اب وہ بھی عقلی ہو گئے چنانچہ احرام وطواف کا عاشقانہ فعل ہونا تو معلوم ہو چکا۔

اب آگے چلو تو عاشق کبھی جنگلوں مارا مارا پھرا کرتا ہے اسی طرح حجاج کبھی منیٰ میں جاتے ہیں کبھی مزدلفہ میں کبھی صفا پر چڑھتے ہیں کبھی مروہ پر کبھی آہستہ چلتے ہیں کبھی دوڑ کر پھر

کبھی عاشق کو اپنے گھر سے نکال بھی دیا کرتے ہیں یا تو عتاب کی وجہ سے یا کسی حکمت کی وجہ سے۔ محبوب اگر حکیم ہو تو تجدید نشاط کیلئے کبھی عاشق کو اپنے سے الگ کر دیتا ہے کیونکہ ہر وقت ایک جگہ میں رہنے سے شوق کم ہو جاتا ہے اور ولولہ عشق فرو ہو جاتا ہے۔ اہل مکہ میں جو حکماء ہیں وہ تجدید نشاط کے لئے مکہ والوں کو باہر جانے کی ترغیب دیا کرتے ہیں تا کہ سفر میں کعبہ سے غیبت ہو تو پھر شوق تازہ ہو اور ولولہ پیدا ہو اسی طرح حجاج کو ایک دن حد حرم سے باہر جانے کا حکم ہوتا ہے یہ وقوف عرفہ ہے۔ رمی جمار کی یہ حکمت ہے کہ عاشق رقیب کے ڈھیلے پتھر مارا کرتا ہے۔ حجاج بھی شیطان کے جلانے کو خاص موقع پر پتھر مارتے ہیں گو شیطان رقیب نہیں کیونکہ حق تعالیٰ سے اس کو محبت نہیں مگر عشاق کے لئے مانع تو ہے۔ دشمن تو ہے۔ پھر جس طرح کہ عاشق محبوب کے سامنے نذر پیش کرتا ہے اسی طرح حجاج خدا کے نام پر قربانی کرتے ہیں جو ان کی جان کا فدیہ ہے۔ عشق کا مقتضا تو یہ تھا کہ اپنی جان کو نذر میں پیش کرتے مگر حق تعالیٰ عاشق نواز ہیں اس لئے جان کے عوض میں ان کے محبوب جانوروں کی جان کو قبول فرما لیتے ہیں اس کے بعد پھر دوبارہ مشاہدہ بیت کے لئے بلاتے اور طواف زیارت میں اظہار محبت کی اجازت دیتے ہیں۔ غرض اول سے آخیر تک سب افعال عاشقانہ ہیں۔ (الحج المبرور ر ۱۷)

افعال حج کے اثرات

جب حق تعالیٰ نے ان افعال کو مشروع کیا ہے تو ان میں اثر بھی رکھا ہے اس کا مشاہدہ اس سے ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے برابر کسی چیز کا دل پر اثر نہیں ہوتا۔ بیت اللہ کو دیکھ کر گھڑوں پانی آنکھوں سے اُمڈتا ہے جس کو حج نصیب ہو وہ جا کر دیکھ لے آخر کوئی تو بات ہے حجاج جب لبیک کہتے ہیں تو پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔ دل پر ایک چوٹ لگتی ہے جب ننگے سر ننگی چادرہ پہنے ہوئے فقیر بادشاہ ایک صورت میں نظر آتے ہیں تو کفار کے دل پر بھی اثر ہوتا ہے کہ کس چیز نے سب کو برابر کر دیا۔ بس سب کا یہ حال ہوتا ہے کہ

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(جامی تو بندہ عشق ہے نسب کو چھوڑ کر اس راستہ میں فلاں بن فلاں کوئی چیز نہیں ہے)

عشق نے سب کو برابر کر دیا۔ نہ بادشاہ بادشاہ معلوم ہوتا ہے نہ غلام غلام سب ایک صورت میں ننگے سر ہوتے ہیں۔ سب کے بال بڑھے ہوئے ناخن لمبے لمبے ہیں اور گو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے جو جگہ مس کیے ہوئے ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو بیت اللہ سے بدرجہ اولیٰ بایں ہمہ روضہ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم (قبہ خضرا) کو دیکھ کر جو حالت ہوتی ہے وہ اس قسم کے نہیں جو بیت اللہ کو دیکھ کر ہوتی ہے وہاں رونا محبت جمال سے ہوتا ہے اور یہاں محبت جلال سے۔ اور کیوں نہ ہو مشاہدہ بیت میں مشاہدہ رب البیت کا اثر کچھ تو ہونا چاہیے۔

پس حج کا حاصل یہ ہے کہ ایسے وسائط سے تعلق پیدا کیا گیا ہے جن سے تعلق مع اللہ کو قوت ہو بعبارت دیگر یوں کہئے کہ اور تمام عبادات تو مجاہدہ ہیں اور حج مشاہدہ ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود　　　حج رب البیت مردانہ بود

(حج خانہ کعبہ کی زیارت کرنا ہوتا ہے حج رب البیت مردانہ ہوتی ہے)

جو لوگ طریق مجاہدہ کو صحیح طور پر طے کر چکے ہیں وہ واقعی صرف حج بیت نہیں کرتے بلکہ حج رب البیت کرتے ہیں ان کو ظاہری آنکھوں سے گو دیدار نصیب نہ ہو مگر حج میں قلب سے ان کو مشاہدہ حق ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔

حج کا لفظ بھی اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ لغت میں حج کے معنی قدوم غلبہ کے بھی ہیں اور قدوم وصال کا ہم معنی ہے اور غلبہ کامیابی کا مرادف ہے۔ بس لفظ حج میں وصال و کامیابی پر دلالت ہے اور اس کو اصطلاح میں مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ ۱۲ جامع) حج کی حقیقت مشاہدہ ہونا خود اس کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ جس طرح لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھا دیں گے) میں سبیل کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اسی طرح حج کے بارے میں مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا (جو شخص استطاعت رکھے اس کی طرف راستہ کی) فرمایا گیا ہے دونوں جگہ لفظ سبیل ہے مادہ ایک ہی ہے معلوم ہوا کہ جس مشاہدہ کا وعدہ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھا دیں گے۔) میں فرمایا ہے اس کا ظہور حج میں ہوتا ہے اشارہ کے لئے اتنا کافی ہے باقی مدلول نص تو میں اس کو کہتا نہیں خلاصہ یہ کہ اعمال رمضان مجاہدہ ہیں اور اعمال حج مشاہدہ ہیں اور مشاہدہ بعد مجاہدہ کے ہوا کرتا ہے اس لئے حج رمضان کے متصل مشروع ہوا۔ میں اسی اتصال زمانی کی وجہ سے اکثر رمضان کے بعد حج کا معمولاً بیان کیا کرتا ہوں۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج و رمضان میں باہمی مناسبت

اعمال رمضان سے جو محبت اور توجہ الی اللہ پیدا ہوتی ہے حج سے اس کا دوام

واستحکام کیا جاتا ہے۔ اجمالاً یہ مضمون میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ان وسائط سے محبت کو باقی رکھا گیا ہے۔ اس اجمال کی برکت سے یہ تفصیل میرے قلب پر وارد ہوئی کہ غائب کے ساتھ تعلق بلاواسطہ دائم نہیں رہ سکتا توجہ بلاواسطہ تھوڑی دیر ہوتی ہے پھر غائب ہو جاتی ہے اس لئے ایسے وسائط کو اختیار کیا گیا جن کے واسطہ سے یہ محبت اور توجہ دائم ہو جاوے۔

اس پر شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ پھر چاہیے تھا کہ حج ہر سال فرض ہوتا یا ہر شخص پر فرض ہوتا کیونکہ جب حج کو دوام محبت واستحکام توجہ الی اللہ کے لئے مشروع کیا گیا ہے تو لازم آتا ہے کہ جن لوگوں نے حج نہیں کیا بس ان کی محبت فنا ہو جائے گی دائم نہ رہے۔

جواب یہ ہے کہ جس طرح ان وسائط میں یہ دخل ہے کہ ان کو دیکھ کر محبت قوی ہوتی ہے اسی طرح ان وسائط کے تذکرہ میں بھی یہ اثر ہے اور ان عشاق کو دیکھنے میں بھی یہ اثر ہے جو ان کی زیارت کو جاتے ہیں چنانچہ ایک بڑے عارف فرماتے ہیں

؎ نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(عشق محض دیکھنے ہی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اکثر یہ دولت محبوب کے تذکرہ اور گفتگو سے حاصل ہوتی ہے) صاحبو! مشاہدہ کرلو کہ جب کوئی حج کو جاتا ہے تو اس کو دیکھ کر مسلمانوں کا کیا حال ہوتا ہے دل پر ہر سال ایک نشتر سا لگتا ہے کہ ہائے ہم بھی جاتے اگر بیت اللہ کا وجود ہی نہ ہوتا تو یہ اثر کیوں کر ہوتا۔ پس بیت اللہ کی زیارت سے تو حجاج کی محبت قوی ہوتی ہے اور حجاج کو جاتے ہوئے دیکھ کر دوسروں کے دل پر جو نشتر لگتا ہے اس حسرت و شوق سے ان کی محبت قوی ہوتی ہے۔ پس بیت اللہ کی وہ شان ہے

؎ بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو اپنے حسن صوری سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو اپنے حسن معنوی سے تروتازہ رکھتی ہے)

صاحبو! حج کے تذکرہ میں بھی ایک تاثیر ہے جس سے دل اُمڈتا ہے۔ یہ تو ان کا حال ہے جن کو حج نصیب نہیں ہوا اور جن کو ایک دفعہ نصیب ہو چکا ہے ان کا حال کچھ نہ پوچھو کہ ہر سال موسم حج میں ان کے دل پر کیا گزرتی ہے۔

؎ غائباں راچوں نوالہ مے دہند حاضراں از غائباں لاشک بہ اند

(غائبوں کو جب لقمہ دیتے ہیں تو حاضر غائبوں سے بیشک بہتر ہیں) واللہ اکثر لوگ کلیجہ مشوش کر رہ ہو جاتے ہیں اور ہر دن یہ خیال ہوتا ہے کہ ہائے آج حاجی مکہ میں پہنچے ہوں گے، کل کو منیٰ جائیں گے آج عرفات میں ہوں گے اب عرفات سے لوٹ رہے ہوں گے۔ یہی ایک عبادت ایسی ہے کہ ایک بار کر کے دوبارہ اس کو جی چاہتا ہے جو لوگ حج کر چکے ہیں ان کے دل سے پوچھو کہ وہ بار بار حج کرنے کی کیسی تمنا کرتے ہیں۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج وشہادت میں باہمی مناسبت

حج کی مثال شہادت جیسی ہے شہید بھی جنت میں یہ تمنا کرے گا کہ میں دوبارہ دنیا میں جاؤں اور خدا کے راستہ میں بار بار شہید ہوں بھلا اور تو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل بھی بار بار شہادت کی تمنا فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

وددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل الحدیث
(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی ۴/۷)

(میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں ۱۲) آخر آپ کے دل پر کچھ تو گزرتی ہوگی جو یوں بار بار قتل کی تمنا فرماتے ہیں۔ یہی حال حج کا ہے کہ اس سے بھی دل کبھی سیر نہیں ہوتا۔ بیت اللہ میں کچھ خاصیت ہے کہ وہ دل کو کشش کرتا ہے۔ ملاحدہ یورپ بھی اس کشش کا انکار نہ کر سکے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل بھی کعبہ کی طرف کھنچتے ہوں گے چنانچہ ایک انگریز محقق نے لکھا ہے کہ جس طرح مقناطیس میں حدید کی خاصیت ہے اسی طرح حجر اسود میں جذب قلوب کی خاصیت ہے یہ لوگ برکت وغیرہ کے تو معتقد نہیں اسباب طبعیہ کے معتقد ہیں اس لئے اس بیچارہ نے اپنے مذاق کے موافق حجر اسود کی کشش کو بھی اسباب طبعیہ میں داخل کر دیا۔ خیر کچھ ہی ہو اس کا اقرار تو ان کو بھی ہے کہ حجر اسود قلوب کو کشش کرتا ہے خواہ سبب کچھ ہی ہو۔ اب یہ اشکال جاتا رہا کہ جو لوگ حج کو نہیں گئے کیا ان کی محبت زائل ہو جائے گی جواب کا حاصل یہ ہوا کہ بیت اللہ کا نام سن کر ہی ان کے دل میں زیارت کا ولولہ اٹھتا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ تمنا حج سے کوئی مسلمان غالباً خالی نہ ہوگا۔ تو یہ ولولہ بھی ان کی محبت باقی رکھنے کے لئے کافی ہے۔

پھر حجاج کو دیکھ کر یہ ولولہ اور تیز ہو جاتا ہے جس سے محبت کو ترقی ہوتی ہے اور جو لوگ

ایک دفعہ حج کر چکے ہیں ان کی محبت باقی رکھنے کے لئے ایک ہی حج کافی ہے۔ دوبارہ فرضیت حج کی ضرورت نہیں کیونکہ بیت اللہ کی کشش کی وجہ سے ہمیشہ ان کے دل مشتاق زیارت رہتے ہیں اور ہر سال ان کے دل پر نشتر لگتا ہے یہی نشتر ان کی محبت بڑھانے کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور اگر دنیا میں بیت اللہ کا وجود نہ ہوتا اور کوئی اس کی زیارت کو نہ جاتا تو نہ حاضرین کی محبت بڑھتی نہ غائبین کی۔ اب اس کے وجود سے جانے والوں اور نہ جانے والوں سب کی محبت قوی ہو رہی ہے (بشرطیکہ دل میں کچھ ایمان کا اثر ہو اور جن کے دلوں پر محبت دنیا نے اتنا غلبہ کر لیا ہے کہ دین کا ان کو کچھ بھی خیال نہیں ان کا یہاں ذکر نہیں۔ گو کشش کعبہ سے ان کے قلوب بھی ضرور متاثر ہیں۔ مگر وہ اثر ایسا ہی ہے جیسے ملاحدۂ یورپ کے قلب پر اس کا اثر ہے اور یہ ضعیف اثر محبت بڑھانے کے لئے کافی نہیں جامع ۱۲) (الحج المبرور ج ۱۷)

عاشق نوازی

عشق کا مقتضا تو یہ تھا کہ مشاہدۂ محبوب کے لئے سب پر حاضر ہونا فرض کر دیا جاتا مگر حق تعالیٰ بڑے عاشق نواز ہیں۔ وہ اپنے عشاق کی راحت و آسائش کا بھی بہت لحاظ فرماتے ہیں اس لئے حج سب پر فرض نہیں کیا بلکہ ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا اور اللہ کے لئے لوگوں پر حج بیت اللہ واجب ہے اس پر جو بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور طاقت سے یہ مراد نہیں کہ جوان ہو ہٹا کٹا ہو۔ محض جوان ہونے پر فرضیت حج کا مدار نہیں کیونکہ بعض جوان پیدل نہیں چل سکتے۔ بلکہ استطاعت سبیل سے مراد زاد و راحلہ ہے یعنی جو سوار ہو کر آرام سے آ سکے اور آرام سے لوٹ سکے وہ آئے اور جو سواری پر نہ آ سکے اس کے ذمہ حج فرض نہیں۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی رعایت ہے کہ زاد و راحلہ کا خرچ حوائج اصلیہ ضروریہ سے زائد ہو اور مدت سفر تک یعنی جانے سے لوٹنے تک اپنے اہل و عیال کا خرچ بھی اس سے الگ دے سکے تب حج فرض ہوتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی رعایت ہے کہ راستہ میں امن ہو کوئی اس کو تنگ نہ کر سکے۔ خطرہ کا یقین یا احتمال غالب نہ ہو باقی اوہام کا اعتبار نہیں۔ جیسا بعض لوگ ذرا ذرا سی بات سن کر حج ملتوی کر دیتے ہیں سو خوب یاد رکھو کہ حج تو ہم خطرہ سے ساقط نہیں ہوتا ایسا کونسا سفر ہے جس میں خطرہ کا وہم بھی نہ ہو۔ یوں تو سہارنپور سے مظفر نگر تک بھی خطرہ ہے کہ شاید ریل

لڑ جائے اور کبھی کبھی ایسے واقعات ہو بھی جاتے ہیں۔ مگر شاذ و نادر جن کا کوئی اعتبار نہیں کرتا تو ایسے اوہام کا حج میں بھی اعتبار نہیں بحمد اللہ آج کل حج میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ہاں سفر مدینہ میں کچھ خطرات بعض دفعہ بڑھ جاتے ہیں۔ سو وہ سفر مستحب ہے مستحب کی وجہ سے فرض کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ غرض فرضیت حج میں امن طریق بھی شرط ہے۔ یہ اتنی رعائتیں اس لئے ہیں کہ ہمارا عشق ناتمام ہے اگر راستہ میں خرچ کے کم ہو جانے سے کوئی تکلیف پیش آ ئی یا کسی نے تنگ کر دیا تو رہا سہا عشق بھی جاتا رہے گا۔ جیسے ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ روز ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ مجھے کھینچ۔ ایک مسخرے نے سن لیا اس نے یہ حرکت کی کہ ایک دن سویرے سے درخت پر رسی لے کر جا بیٹھا۔

جب اس نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے کھینچ تو اس نے آہستہ نرم آواز سے کہا کہ اے میرے بندے یہ رسی اپنے گلے میں ڈال لے میں کھینچ لوں گا۔ اور رسی میں پھانسی بنا کر لٹکا دی۔ یہ بڑا خوش ہوا کہ دعا قبول ہوگئی بس آج میں اللہ میاں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ (مسخرہ نے تدبیر تو خدا تعالیٰ کے پاس پہنچانے ہی کی تھی گلا گھٹ کر مر جاتا تو خدا تعالیٰ کے پاس ہی پہنچتا ۱۲) اس نے خوشی خوشی رسی گلے میں ڈال لی۔ اس نے کھینچنا شروع کیا جب یہ زمین سے ایک دو بالشت بلند ہوا تو رسی گلے میں پھنسی اور گلا گھٹنے لگا تو تڑپ گیا اور کہنے لگا اے اللہ مجھے مت کھینچ میں نہیں کھنچتا۔ بس ذرا سی تکلیف میں سارا عشق ختم ہو گیا۔ یہی حال ہمارا ہے کہ محبت کے سارے دعوے اسی وقت تک ہیں جب تک آرام سے گزر رہی ہے اور جہاں تکلیف پہنچتی ہے بس عشق و محبت سب جاتا رہا دوسرے ان رعایتوں میں یہ بھی نکتہ ہے کہ عاشق کامل و عاشق ناقص کا کمال و نقصان چھپا رہے اگر زاد و راحلہ کی قید نہ ہوتی تو ہمت والے جاتے اور کم ہمت نہ جاتے اس وقت یہ لوگ رسوا ہو جاتے کہ ان میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں ہے فرض کو ترک کر رہے ہیں۔ اب رسوا نہیں ہوتے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس زاد و راحلہ نہیں اس لئے نہیں گئے۔ ہمارے ذمہ حج فرض ہی نہیں۔ (الحج المبرور ج ۱۷)

پیدل سفر حج

بعض خشک مولوی ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ پیدل سفر کرنا اور نفس کو مشقت میں ڈالنا جائز نہیں مگر ان لوگوں نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کردو تو وہ آپ کے پاس پیدل چل کر آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی سوار ہو کر آئیں گے۔

اس میں بتلا دیا گیا کہ بعضے عشاق پیدل بھی حج کو جائیں گے اگر پیدل سفر کرنا مطلقاً ممنوع ہوتا تو قرآن میں رجالاً کا بلانکیر ذکر نہ ہوتا اور ذکر بھی کیسا کہ پیدل آنے والوں کو سواروں سے پہلے ذکر فرمایا۔

اور بات یہ ہے کہ نفس کو مشقت میں ڈالنا بیشک ممنوع ہے لیکن اگر کسی کو اس میں مشقت ہی نہ ہو بلکہ لذت آوے تو پیادہ چلنا اس کے لئے القاء نفس فی التہلکہ (نفس کو ہلاکت میں ڈالنا) کہاں رہا۔ خوب سمجھ لو۔ غرض حج کی حقیقت مشاہدہ ہے اور اس بناء پر لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھادیں گے) میں حج کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

حج سے تسخیر طبیعت

عقل اور طبیعت کے آثار میں تفاوت ہے۔ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ نفس عبادت کا اہتمام ہو اور قیود اور ہیئات کا اہتمام بالکل نہ ہو اس لئے کہ عقل تجرد کو چاہتی ہے اور تعینات اور تشخصات سے اس کو تنفر ہے اور طبیعت چونکہ محسوسات سے مالوف ہے اس لئے اس کو قیود اور ہیئات وتعینات سے انس ہے اور جس شخص میں تجرد ہو اس کو الفت وانس نہیں ہے۔ مثلاً نماز ہے اس کی روح خشوع اور خضوع ہے تو عقل محض اس معنیٰ سے آشنا ہے اور جو قیود اس کے علاوہ ہیں وہ دو قسم ہیں ایک تو وہ ہیں جو نماز کے مقام اور محقق ہیں جیسے رکوع اور سجدہ عقل کو ان سے بھی گریز نہیں۔ اس لئے کہ یہ سب خشوع اور خضوع کی صورتیں ہیں اور اسی طہارت کی قید سے بھی اس کو انکار نہیں اور دوسری قسم قیود کی وہ ہیں جو زائد اور خارج ہیں جیسے مکان خاص یا زمان خاص عقل اس قسم کی قیود کو تجویز نہیں کرتی ایسے قیود طبیعت کا حظ ہیں۔ اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ نماز کے اندر عقلیت کی شان کا غلبہ ہے اور طبیعت مغلوب ہے پس عقل ایسی عبادت کی مجوز ہے جو زمان اور مکان کی قید سے مبرا ہو جیسے ذکر اللہ کہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً اور حدیث میں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل حین لیکن طبیعت کی

رعایت کر کے بعض عباداتوں میں قیدیں لگائی گئی ہیں اس لئے کہ طبیعت کا تعلق جزئیات محسوسہ سے ہے اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر قسم کی قید ہو پس جو عبادت عقل کی تسخیر کے لئے ہیں ان میں قیدیں نہ ہونی چاہئیں۔ اور جو طبیعت کی تسخیر کے لئے ہیں ان میں قیود ہونا ضروری ہے اس لئے ہر قسم کی عبادتیں حق تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔

اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ قیود کی تین قسمیں ہیں۔ اول قید زمان' دوسرے قید مکان' تیسرے علاوہ ان دونوں کے کوئی قید مناسب ہو۔ ان تینوں قسموں کے درمیان جو غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو زمان کی قید عقل سے اتنی بعید نہیں ہے جس قدر کہ مکان کی قید بعید ہے۔ اس لئے کہ زمان بھی ہر چند کہ قید ہے لیکن وہ ایسی قید ہے کہ اطلاق کے مناسب ہے اس لئے کہ زمان خود ایک ایسی شئے ہے کہ اس کے اندر ایک قسم کا اطلاق ہے خواہ فلاسفہ کے قول کے موافق فلک الافلاک کی حرکت کو کہا جائے یا متکلمین کے قول کے موافق ایک امتداد موہوم سے تعبیر کیا جائے۔ ہر صورت میں زمانہ ایک ایسی شے ہے کہ اس میں اطلاق کی مشابہت ہے پس اس قید سے بھی عقل کو زیادہ انکار نہیں ہے۔ باقی رہی قید مکان کی یا وہ قید جو محسوس ہونے میں مکان کی طرح ہو اس سے عقل کو بالکلیہ انکار ہے وہ خالص طبع کے موافق ہے۔ پس حج چونکہ بیت کی طرف مضاف ہے اور بیت نام ایک مکان خاص کا ہے اس لئے یہ عبادت طبع کی تسخیر کے لئے ہوئی اور عقل اس کو بالکل تجویز نہیں کرتی ہے۔ (التہذیب ج ۱۷)

مجاہدہ حج

حج کو اول سے آخر تک دیکھ لیجئے کہ اس کے سب افعال ایسے ہی ہیں دیکھئے سب سے پہلے حج میں کیا ہوتا ہے سب سے اول یہ ہوتا ہے کہ اپنے گھر آرام سے اپنے اہل وعیال اور عزیزوں میں بیٹھے ہوئے ہیں دل میں آیا کہ حج کریں سفر کی تیاری ہوئی عقل یہاں سے ہی مانع ہوتی ہے کہ کیا ضرورت ہے۔ خصوصاً جبکہ عقل نے یہ اشعار بھی سن لئے ہیں

؎ اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(اے حج کو جانے والی قوم کہاں جا رہے ہو؟ آؤ محبوب اس جگہ ہے)

حالانکہ یہ شعر خاص ان لوگوں کے واسطے ہے جو حج کر کے خدا سے اور زیادہ دور ہو جاتے ہیں یعنی پاس کچھ نہیں ہے اور شوق ہوا حج کا چلدیئے اور راستہ میں نمازیں قضا کر

رہے ہیں اورلوگوں سے بھیک مانگ رہے ہیں ایسے لوگوں کو خطاب ہے کہ محبوب تو یہاں ہی ہے یعنی اس کی مرضی نہیں ہے کہ تم وہاں جاؤ اور مرضیات کے خلاف کرو غرض عقل اول ہی سے سدراہ ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضرت حق تو مقید مکان کے ساتھ نہیں تم وہاں جا کر کیا کرو گے۔ غرض عقل کو سخت گنجلک ہوتی ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ آج کل جو بعض عقل پرست حج پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عقل کے خلاف ہے اس امر کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور اسی کو ہم ثابت کرتے ہیں کہ واقعی عقل کے خلاف ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ عقل جس بات کو تجویز نہ کرے وہ ضروری نہیں ہے یہ عبادت طبع کی تسخیر کے لئے ہے اور اس کا تسخیر کرنا ضروری ہے کما مر۔

اب آگے چلئے آگے یہ ہوتا ہے کہ اچھے خاصے آدمیوں کی صورت سے نکل کر یہ وحشت ہوئی کہ سب کپڑے اتار دیئے صرف ایک لنگی باندھ لی اور ایک چادر بدن پر اوڑھ لی اور سر ننگا کر لیا۔ یہاں بھی عقل کو وحشت ہوئی کہ ہائیں یہ کیا ہوا یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ ننگے سر رہو اور اچھے خاصے کپڑے اتار کر مردوں کا سا کفن بدن سے لپیٹ لیا۔

اس کے بعد دو رکعت پڑھ کر چلانا شروع کیا۔ لبیک اللھم لبیک اب عقل پھر روکتی ہے کہ یہاں چلاتے کیوں ہو یہ تم کو کیا سودا ہوا۔ لیکن وہ ایک نہیں سنتا۔ اس کے بعد آگے چلے جب خانہ کعبہ پہنچے اور اس کو دیکھا تو آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہو گئے۔ عقل کہتی ہے کہ باؤلے کیوں ہو گئے روتے کیوں ہو؟ آگے بڑھے تو کیا سوجھی کہ دیوانوں کی طرح ایک مکان کے چاروں طرف پھر رہے ہیں اور پھر یہ حرکت کہ آپ دوڑتے ہیں اور شانے ہلاتے جاتے ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ بس جی بالکل ہی دیوانگی آ گئی اور وہ جواب دیتا ہے

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　　مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　　مرعسس رادید و درخانہ نشد

(ہم اگر مفلس اور دیوانہ ہیں تو ہم اس ساقی اور پیمانہ سے مست ہیں)

(وہ دیوانہ دراصل دیوانہ نہیں ہے جو اتنی کششیں دیکھنے کے بعد گھر نہیں آتا)

غرض عقل وہاں لنگڑی، لنجی کھڑی تکتی ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ اس بھلی مانس سے کوئی پوچھے کہ تو یہاں آئی کیوں۔ اس کو مناسب تھا کہ یہ یہاں نہ آتی۔ لیکن طبیعت سے پوچھو وہ

باغ باغ ہے اور عقل کو ملامت کرتی ہے کہ تو یہاں کیوں آئی یہاں تیری دعوت نہیں ہے یہاں تو ہماری دعوت ہے تو یہاں محض طفیلی ہے ایک طرف چپکی کھڑی رہ اگر ذرا دم مارا تو کان پکڑ کر نکال دی جائے گی۔ خیر عقل بے چاری چپ ہوگئی اس نے اور صبر کیا خیر۔

وہاں سے پھر پھرا کر صفا مروہ کی طرف گئے وہاں کیا حرکت کی کہ اچھے خاصے متانت کے ساتھ چلتے چلتے میلین اخضرین کے درمیان ایک دم سے بھاگے۔ عقل کو سخت وحشت ہوئی پھر ایک دفعہ نہیں سات مرتبہ یہی کیا۔ اس کے بعد خیر عقل نے مغلوب ہو کر تسلیم کر لیا کہ یہ اللہ میاں کا گھر ہے یہاں ایسے ہی افعال مناسب ہیں اس کے بعد آٹھویں تاریخ جب آئی تو عرفات کو چلے عقل یہاں بھی روکتی ہے کہ میاں یہ کیا وحشت ہے۔ اللہ میاں کے گھر کو چھوڑ کر جنگل کیوں چڑھ گئے پھر وہاں کوئی شئے نہیں محض ایک میدان ہے اور وہاں جا کر کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا۔ ایک نماز تھی جو عقل کا حظ تھا وہ بھی اپنے وقت پر نہیں ہے۔ یعنی عصر کی نماز اس روز ظہر کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ خیر عقل نے جوں توں کر کے تمام دن گزارا۔ اب مغرب کا وقت آیا عقل کہتی ہے کہ نماز پڑھو لیکن نماز نہیں پڑھتے اس لئے کہ اس روز مغرب کی نماز مزدلفہ میں جا کر عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے مغرب کا وقت گزر رہا ہے اور عقل سخت پیچ وتاب میں ہے کہ یہ کیا اسرار ہے کہ نماز بھی اڑ گئی۔ عقل اس پارلیمنٹ سے بالکل علیحدہ ہے اس کے بعد منیٰ میں پہنچے وہاں تین پتھر ہیں ان کو کنکریاں مارو یہاں بھی عقل منع کرتی رہی کہ یہ کیا دیوانگی ہے پھر جانور ذبح کرو۔ ذبح خود عقل کے خلاف نہ کہ اس شان کے ساتھ۔ اس کے بعد سر منڈواؤ اچھے خاصے تھے سب کے سر کدو سے نکل آئے۔ اور عورتوں کے لئے بجائے سر منڈانے کے تھوڑے سے بالوں کو کترانا ہے اس لئے کہ عورتوں کے سر کے بال مردوں کی داڑھیوں کے قائم مقام ہیں جیسے مردوں کی زینت داڑھی سے ہے عورتوں کی زینت سر کے بالوں سے ہے۔ اس لئے حج اور غیر حج کسی وقت ان کا بالکل کتر ڈالنا یا مونڈنا جائز نہیں۔

اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں ان کو چاہیے کہ عورتوں کے سر کے بال منڈایا کریں۔ اس لئے اگر داڑھی کے منڈانے سے ان کے زعم میں زینت ہوتی ہے تو عورتوں کے سر کے بال منڈانے سے بھی ہونی چاہیے۔

غرض حج کے جس قدر افعال ہیں اول سے آخر تک سب عقل کے خلاف ہیں۔ اس

لئے کہ اس مجاہدہ میں عقل کی رعایت نہیں ہے طبیعت کے مذاق کے موافق ہے اس لئے کہ طبیعت قیود مکانیہ کو مقتضی ہے یہ تو اجمالی بیان تھا۔ حج میں رعایت طبیعت کا۔ (التہذیب ج ۱۷)

حج سے ازدیاد محبت

حق تعالیٰ کی محبت اور عبد کی محبت میں اتنا فرق ہے کہ عبد کی محبت کا تو آثار سے شور و غل ہو جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی محبت مثل حق تعالیٰ کے پوشیدہ ہوتی ہے

؎ عشق معشوقاں نہاں ست دستیر ۔۔۔ عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر
لیک عاشق عاشقاں تن رہ کند ۔۔۔ عشق معشوقاں خوش و فربہ کند
عشق من پیدا و معشوقم نہاں ۔۔۔ یار بیروں فتنہ اودر جہاں

(معشوق کا عشق پوشیدہ اور پہنچ سے باہر ہے اور عاشق کا عشق سو انقاروں اور شور کے ساتھ ہوا کے درستی پر ہے عاشق کا عشق تن کو گھلاتا ہے اور معشوق کا عشق خوشی اور فربہی کا باعث ہے میرا عشق تو ظاہر ہے اور میرا معشوق پوشیدہ۔ دوست تو باہر ہے اور اس کا فتنہ پورے عالم میں ہے)

اور حج سے محبت کا بڑھنا ایک ایسا امر ہے کہ ہر مسلمان اس کو سمجھتا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے قلب میں بیت اللہ شریف کی طرف ایک کشش اور انجذاب محسوس کرتا ہے اور جو وہاں گئے ہیں ان سے پوچھ لو کہ کیا حالت ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی دل بے قابو ہو جاتا ہے اور بالاضطرار آنسوؤں کا مینہ برسنے لگتا ہے اور یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ خانہ کعبہ پر ضرور کوئی جلوہ گر ہے ورنہ ایک تعمیر میں رولانے کا اثر کیا معنی

؎ چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں ۔۔۔ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

یہ ضروری بات ہے کہ حق تعالیٰ مقید بالمکان نہیں ہے لیکن مکان کے ساتھ ایک بے کیف اتصال اور تعلق ضرور ہے لیکن وہ اتصال ایسا نہیں کہ جس کی ہم کیفیت یا کمیت بتلا سکیں مولانا اسی مضمون کے متعلق فرماتے ہیں

؎ اتصال بے تکیف بے قیاس ۔۔۔ ہست رب الناس را باجانان ناس

(اللہ کے لوگوں کے ساتھ ہونے کی کیفیت کو نہ بیان کیا جا سکتا ہے نہ کسی پر قیاس۔ اتنی بات ہے کہ لوگوں کا رب ان کی جانوں کے ساتھ ہے) اور مولانا کعبہ کی نسبت فرماتے ہیں

؎ کعبہ راہر دم تجلی میفزود ۔۔۔ ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

(کعبہ پر ہر دم تجلیات بڑھتی جارہی ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی وجہ سے ہے)
اور یہ تجلیات اگر نہ ہوتیں تو اس میں کیا تھا۔مثل دیگر امکنہ کے وہ بھی ایک مکان تھا پس حجاج دراصل حج البیت نہیں کرتے بلکہ حج رب البیت کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں

؎ حج زیارت کردن خانہ بود　　　حج رب البیت مردانہ بود

(حج خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا نام ہے حج مردانہ دراصل رب البیت کی زیارت کا نام ہے)
یہ حج کے اسرار ہیں جو بزرگوں کے کلام سے اول کتاب اور سنت کے اشارات سے میں نے بیان کئے ہیں۔(التہذیب ج ۱۷)

خاصیت حج

حدیث میں آیا ہے کہ حج مبرور سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں عشق کا خاصہ یہی ہے کہ اس سے ماسوا محبوب کے سب فنا ہو جاتے ہیں۔عشق کی مثال آگ جیسی ہے کھیت میں اگر جاڑ جھنکار ہوں تو ایک کو اگر اکھاڑا جاوے تو بہت مدت صرف ہوگی اور اگر آگ لگادو تو ایک دم سے سب جل بھن کر خاک سیاہ ہو جائیں گے۔یہی حال آتش عشق کا ہے کہ ماسوا کو سوخت کر دیتی ہے۔اور یہ وہ آگ ہے کہ پل صراط پر جب مومن کا گزر ہوگا تو نار دوزخ کہے گی جزیا مومن **فان نورک اطفأ ناری** یعنی اے مومن جلدی گزر جا تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا۔بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ اس نور سے مراد آتش عشق ہے حاجی صاحب کا شعر ہے

؎ اگر ظاہر کروں سوز جگر کو　　　کروں شرمندہ دوزخ کی شرر کو

مولانا فرماتے ہیں

؎ عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت　　　ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑک اٹھتا ہے معشوق کے علاوہ ہر چیز کو جلا دیتا ہے)
اور گناہ بھی ماسوا میں داخل ہیں وہ بھی سوختہ ہو جاتے ہیں اس لئے ارشاد فرمایا کہ حج کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہو یہ حاصل ہے حج کا اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حج کا خاصہ کیا ہے چنانچہ حج کرنے والوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بعد حج کے ان پر محبت کا رنگ غالب ہو جاتا ہے اگر کوئی عارض مانع نہ ہو گیا۔
اب ایک شبہ رہ گیا وہ یہ ہے کہ جس کو حج کی استطاعت نہ ہو تو وہ ناقص رہے گا۔اس لئے کہ طبیعت اس کی مسخر نہ ہوگی۔اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ

حج سے تسخیر کامل ہوتی ہے اور نماز روزہ سے اس قدر نہیں ہوتی۔ گو رفتہ رفتہ بتدریج کمال حاصل ہو جائے لیکن حج سے دفعتاً ہو جاتی ہے ایسی مثال ہے جیسے کسی لکڑی کو آہستہ آہستہ کاٹو تو مدت کے بعد وہ کٹ جائے گی۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ دفعتاً کٹ جائے پس نماز روزہ سے بتدریج طبع پر اثر ہوگا اور حج سے فوراً رنگ بدل جائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ گو حج نہ کرے لیکن نیت بلکہ شوق ہو تو ہر مومن کو ثواب حج کا ہوتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ نیۃ المومن خیر من عملہ (المعجم الکبیر للطبرانی) (مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) پس وہ بھی مثل حج کرنے والے ہی کے ہوگا اور اس کے شوق اور دوسری عبادات کے شوق میں بھی فرق ہے اس کا شوق سب سے بڑھ کر ہے چنانچہ دیکھ لو کہ ساری دنیا کے مسلمان حج کے شوق میں مٹے ہوئے ہیں اگر ذرا تذکرہ آ جاتا ہے تو ہر مسلمان تمنا ظاہر کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو نصیب فرمائے یہ تو ان کا حال ہے جن کو نصیب نہیں ہوا اور جو مشرف ہو چکے ہیں ان کا ایک مرتبہ بلکہ دس مرتبہ سے بھی جی نہیں بھرتا۔ جتنی مرتبہ بھی جاؤ گے جی نہ بھرے گا پھر دل چاہے گا کہ جائیں۔ پس ایسا شوق بھی نائب ہو جاتا ہے۔ اصل کا۔

ایک شبہ اور ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں بھی تو قید مکان کی ہے کہ مسجد میں پڑھتے ہیں پس چاہیے کہ اس سے اسی درجہ کی تسخیر طبع کی ہو جواب یہ ہے کہ مسجد کی قید نماز میں فضیلت کی ہے نفس صلوٰۃ بغیر اس قید کے بھی ہو جاتی ہے بخلاف حج کے کہ وہ اس مکان کے بدوں متحقق نہیں ہوتا اور قید بھی ایسی عجیب و غریب ہے کہ وہ قید بھی خود مقید ہے۔ (التہذیب ج ۱۷)

تشبیہ بالحجاج

اور اسی تقریر سے قربانی کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ وہ ہماری جان کے قائم مقام ہے باقی اور مقامات پر جو سب مسلمان قربانی کرتے ہیں تو اس کا راز یہ ہے کہ حج کے برکات تو انہیں کو حاصل ہوتے ہیں جو حج سے مشرف ہوتے ہیں اور جو وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ اس کے برکات سے محروم تھے اس لئے حق تعالیٰ نے حج کا ایک جزو ان پر واجب کر دیا کہ تشبیہ بالحجاج سے ان کو بھی ان برکات کا ایک حصہ نصیب ہو جائے اور نیز اول بیان کیا گیا ہے کہ قربانی بھی منجملہ ان مجاہدات کے ہے جو طبیعت کی تسخیر کے لئے ہیں۔ اور طبیعت کی تسخیر کی ہر ایک کو ضرورت ہے اس لئے سب کو یعنی غیر حجاج کو بھی قربانی کا حکم ہوا اور یہ سنت ابراہیمی ہے۔ (التہذیب ج ۱۷)

سفر حج میں اہتمام نماز

مثلاً بعض لوگ حج کے سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں اور جو کوئی ان سے کہتا ہے کہ بھائی یہ کیسا حج ہے کہ نماز ہی موقوف کر دی تو کہتے ہیں کہ صاحب ایسی گندی حالت میں نماز کیسے پڑھیں۔ جہاز کے پاخانہ غلیظ ہوتے ہیں چھینٹیں اڑ کر کپڑوں پر آتے ہیں کپڑوں کا کیا اعتبار جوتوں کا کیا اعتبار خدا فقہا کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے وسوسہ کو اس قدر قطع کیا ہے کہ کوئی کیا قطع کریگا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب تک قسم کھا کر نہ کہہ سکے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا اس وقت تک وہ باوضو ہے اسی طرح کپڑوں کا حکم ہے جب تک یقین نہ ہو جائے کہ ان میں ناپاکی لگ گئی ہے اس وقت تک کپڑوں کو پاک سمجھنا چاہیے خواہ کیسی ہی پاخانے غلیظ ہوں احتیاط کر کے بیٹھو اور احتیاط سے اٹھو جب تم کو ناپاکی کپڑوں پر نظر نہیں آتی ان کو پاک ہی سمجھو۔ لیجئے شریعت میں کس قدر آسانی ہے اب بھی اگر کوئی نمازیں برباد کرے وہ خود بھگتے۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج کی لڑائی

ایک معصیت خاص حج کے متعلق زیادہ پیش آتی ہے کہ گھر سے نکل کر لڑنا شروع کر دیتے ہیں چنانچہ حج کی لڑائی مشہور ہے۔ اچھے اچھے دوستوں بلکہ باپ بیٹوں میں بھی لڑائی ہو جاتی ہے اور پیر مرید کا تعلق حالانکہ باپ بیٹے سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حج میں پیر مرید کو بھی لڑتے دیکھا ہے۔ مگر کمال یہ کہ پیر پھر بھی ان سے خفا نہ تھے۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج کی رقم میں احتیاط

بعض لوگ ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ رقم کی بابت احتیاط نہیں کرتے۔ رشوت وغیرہ کی رقم لے کر حج کو جاتے ہیں کبھی اور کوئی حرام کمائی ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے رب شعث اغبر یطیل سفرہ و ملبسہ حرام و ما کلہ حرام یرفع یدیہ یدعو اللہ فان یستجاب لہ اھ او کما قال (لم اجد الحدیث فی موسوعۃ) بہت سے پراگندہ بال خستہ حال آدمی جو لمبا سفر کرتے ہیں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعائیں کرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ لباس بھی حرام کا ہے اور غذا بھی حرام ہے پھر ان کی دعا کیونکر قبول ہو اس سے معلوم ہوا

کہ حرام کمائی کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوتی اور دعا بھی عبادت ہے تو اسی سے دوسری عبادات کا حال بھی سمجھ لیا جائے کہ اور عبادات بھی حرام مال سے اگر کی جائیں گی قبول نہ ہوں گی۔ پس حرام کمائی کے ساتھ حج بھی قبول نہ ہوگا اس لئے اس کا بہت خیال کرنا چاہیے کہ زاد و راحلہ اور روپیہ وغیرہ حرام مال سے نہ ہو حلال کمائی ہونی چاہیے۔

مال حرام سے حج

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ حرام مال کما کر جاتے ہوئے دوسرے شخص کے حلال مال سے اس کو بدل لیتے ہیں گویا خدا سے بہانہ کرتے ہیں مگر اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ بدلین کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اس بدلنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حلال مال بھی حرام ہو جاتا ہے۔

کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ فقہاء نے بھی تو ایسا حیلہ لکھا ہے جواب یہ ہے کہ اول تو وہ حیلہ اس طرح نہیں جس طرح تم کرتے ہو کہ حلال و حرام کا ادلہ بدلہ کرتے ہو وہ حیلہ دوسرا ہے۔ دوسرے فقہاء نے وہ حیلہ بھی اس لئے نہیں لکھا کہ اس کے سہارے سے حرام مال کمایا کریں اور اس کو اپنے تصرف میں لایا کریں۔ فقہاء نے وہ حیلہ صرف اس واسطے بیان کیا ہے کہ اگر کسی وقت کسی کے پاس ایسی رقم آ جاوے جو گانے والے نے تو حرام طریقہ سے کمائی ہو مگر اس کے پاس حلال طریقہ سے آئی ہو مثلاً کسی کو میراث میں رقم مل گئی اور مرنیوالا سود خور رشوت خور تھا۔ اب یہ پتہ نہیں کہ یہ ساری میراث سود اور رشوت ہی کی ہے یا بالکل حلال ہے یا دونوں قسم کا روپیہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ رشوت کس کس سے لی تھی اس صورت میں آسانی کے لئے وہ صورت بیان کر دی ہے۔ باقی جس نے خود رشوت لی ہے اور وہ جانتا ہے کہ فلاں فلاں سے میں نے رشوت لی ہے۔ اس کو اس حیلہ پر عمل کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ جس سے رشوت لی ہے اس کو رقم واپس کر دے اور جس سے سود لیا ہے اس کو سود واپس کر دے پھر اس کے بعد دیکھے کہ حلال آمدنی کتنی بچتی ہے اگر اس میں حج کر سکے تو حج کو جائے ورنہ اس پر حج فرض ہی نہ ہوگا۔

حج میں فخر وشیخی

ایک کوتاہی حج میں یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کو افتخار و اشتہار کی عادت ہوتی ہے جہاں بیٹھتے ہیں اپنے حج کے تذکرے کرتے ہیں تا کہ لوگ ان کو حاجی سمجھیں لوگوں سے

فخراً کہتے ہیں کہ میں نے سفر حج میں اتنا روپیہ خرچ کیا مکہ میں اتنا دیا۔ مدینہ میں اتنا خیرات کیا۔ یقول اھلکت مالاً لبداً حق تعالیٰ کفار کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ کافر خرچ کر کے گاتا پھرا کرتا ہے کہ میں نے مال کے ڈھیر خرچ کر دیئے یہ وہ معاصی ہیں کہ خشک مولوی بھی یہاں تک نہیں پہنچتے۔ حج میں افتخار اور اشتہار اور تعظیم وتکریم کی خواہش نہ ہونی چاہیے اس میں تواضع ومسکنت ذلت وخواری ہونی چاہیے۔ (الحج المبرور ۱۷)

سفر حج سفر آخرت ہے

یہ سفر سفر آخرت کے مشابہ ہے کہ اپنے گھر بار زمین جائیداد وغیرہ کو چھوڑ کر اقربا سے رخصت ہو کر جاتا ہے اور تھوڑا سا سامان ساتھ لیتا ہے جیسا کہ مردہ سب سامان چھوڑ کر صرف کفن ساتھ لے جاتا ہے بلکہ بعض حاجی بھی اس خیال سے کہ موت ہر اک کے ساتھ ہے نہ معلوم کس وقت موت آ جائے کفن بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور عوام تو اس کو بہت ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کفن ساتھ لے کر بھی وہ کام نہیں کرتے جو کفن پہننے والے کو کرنے چاہئیں۔ جب کفن ساتھ لیا تھا تو چاہیے تھا کہ اپنے آپ کو اسی وقت سے مردہ تصور کرتے اور ساری شیخی اور تکبر کو یہیں چھوڑ جاتے اور پہلے سے زیادہ اعمال آخرت کے لئے کوشش کرتے مگر کچھ نہیں یہ کفن ساتھ لینے کی بھی ایک رسم ہو گئی ہے ورنہ بعض لوگ سفر حج میں پہلے سے گناہ کرنے لگتے ہیں نماز چھوڑ دیتے ہیں جماعت کا اہتمام تو اچھے اچھے بھی نہیں کرتے اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور حج کر کے اپنے کو سب سے افضل سمجھنے لگتے ہیں کیا سفر آخرت کی بھی یہی شان ہونی چاہیے۔

سفر حج اس اعتبار سے بھی قبر کے مشابہ ہے کہ جس طرح قبروں میں کبھی دو آدمی پاس پاس دفن ہوتے ہیں مگر ہر اک کا جدا حال ہوتا ہے کوئی راحت میں ہے کوئی عذاب میں اور ایک کو دوسرے کے حال کی خبر نہیں ہوتی۔ اس طرح حج میں ایک شگفتہ ہے ایک دیگر ہے اور ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوتی ہے دوسرے کی فکر کسی کو نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ اور جو شخص اس سفر میں دوسروں کی خدمت کرے وہ تو گویا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج کا سفر نامہ لکھنا

بعض لوگ ایسے بیہودہ ہوتے ہیں کہ حج میں روزانہ کے واقعات قلمبند کرتے ہیں وہاں

بھی ان کو مضمون نگاری سوجھتی ہے اگر اس خیال سے کوئی شخص حالات قلمبند کرے کہ دوسروں کو سفر حج آسان ہو جائے گا اس کا مضائقہ نہیں مگر بعض لوگوں کو محض اخبار نویسی اور مضمون نگاری کا شوق ہوتا ہے ہمارے ساتھ ایک ڈپٹی کلکٹر تھے وہ ہندوستان کے اخباروں میں لکھ لکھ کر وہاں کے حالات بھیجتے تھے۔ اور سفر کی تکلیف کو بہت مبالغہ سے لکھتے تھے تا کہ پھر کوئی حج کا نام ہی نہ لے۔

اسی طرح ایک اور صاحب تھے وہ بھی وہاں کی شکایت جمع کیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ میرے پاس ایک محضر لکھ کر لائے جس میں وہاں کی تکالیف کو قلمبند کیا تھا کہ اس پر دستخط کر دو۔ میں نے کہا کہ حضرت تصدیق وہ کرے جس کو ان تکالیف کی اطلاع ہو مجھ کو تو کوئی تکلیف ہی پیش نہیں آئی۔ پھر کاہے کی تصدیق کروں، بس وہ خفا ہو گئے اور کہنے لگے کہ بس ہندوستانیوں میں اتفاق نہیں۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج میں خود بینی وخود رائی

بعض لوگ سفر حج میں پریشان ہو جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شوق سے خالی ہیں اور وہ اس کو سفر آخرت نہیں سمجھتے۔ نیز جو شخص اس کو سفر آخرت سمجھتا ہو گا اس میں دعویٰ اور افتخار بھی نہ ہو گا

؎ فکر خود ورائے خود در مذہب رندے نیست کفر ست دریں مذہب خود بینی وخود رائی

(اپنی رائے اور اپنی فکر محبت کے راستہ میں نہیں ہے مذہب عشق میں خود رائی اور خود بینی کفر ہے)

کلفت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اپنے کو بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے جب سفر میں کوئی بات اپنی شان کے خلاف پیش آتی ہے تو اس سے ناگواری پیدا ہوتی ہے پھر اسی سے دوسرے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اگر ہر شخص اپنے آپ کو مٹا دے اور عزت وآبرو کو بالائے طاق رکھ کر اپنے کو سب کا خادم سمجھے تو یہ باتیں پیش ہی نہ آئیں۔ مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھر سے چلتے ہیں یہی خیال کر کے کہ ہماری یوں آؤ بھگت ہو گی ہم جب لوٹیں گے لوگ ہم کو حج کی مبارکباد دینے آئیں گے اور جو مبارکباد دینے نہ آئے اس کی شکایت کی جاتی ہے کہ ہم حج کر کے آئے تھے ہم کو مبارکباد بھی نہ دی انا للہ (الحج المبرور ۱۷)

حج فرض ادا نہ کرنے پر وعید

حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ پھر بھی حج نہ کرے تو خدا کو پروا

نہیں چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔تو اگر تم حج نہ کرتے ان بلاؤں میں گرفتار ہوتے۔پھر کسی پر کیا احسان کیا جو دوسروں سے مبارکباد ملنے کے منتظر ہو۔(الحج المبرور ۱۷)

احرام کی ممنوعات

حج کے زمانہ میں جو گناہ ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ محظورات احرام کا ارتکاب کیا جائے یعنی جو باتیں حج میں ممنوع ہیں ان کو کیا جائے۔مثلاً حج میں مردوں کو سر ڈھانکنا حرام ہے عورتوں کو چہرہ پر کپڑا ڈالنا نا جائز ہے۔**احرام الرجل فی راسه و احرام المرء ة فی وجهها** مگر اس سے یہ استنباط نہیں ہوسکتا کہ پردہ عورتوں کو نہ کرنا چاہیے بلکہ اس سے تو اور پردہ کے تاکد پر استدلال ہوتا ہے کہ عورت کو ساری عمر چہرہ کا ڈھانکنا ضروری ہے صرف حج میں اس کو منہ کھولنا چاہیے۔اگر یہ حج کی خصوصیت نہ ہوتی تو **احرام المرء ة فی وجهها** کے معنی کچھ نہیں ہونگے۔اگر عورت کو ساری عمر چہرہ کا کھولنا جائز ہوتا تو اس کے کیا معنی کہ عورت کا احرام چہرہ میں ہے اسی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورت کے لئے چہرہ بہت قابل اہتمام ہے جیسا کہ مردوں کو سر ڈھانکنے کا اہتمام ہوتا ہے سو احرام میں ان دونوں کے خلاف حکم دیا گیا کہ مرد سر کھلا رکھیں اور عورتیں چہرہ کھلا رکھیں۔مگر مطلب اس کا یہ ہے کہ کپڑا چہرہ سے لگے نہیں یہ نہیں کہ اجنبی مردوں کو چہرہ دکھلاتی پھریں پس عورتیں اپنے چہرہ پر اس طرح کپڑا لٹکائیں کہ چہرہ سے علیحدہ رہے چنانچہ اس کے لئے ایک پنکھا ایجاد ہوا ہے جس سے چہرہ پر کپڑا نہیں لگتا۔اس کے علاوہ اور بھی محظورات احرام بہت ہیں جن کو فقہاء نے مناسک میں بیان کیا ہے اور قافلہ میں جو لوگ اہل علم ہیں ان سے وقت پر سب باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ان سے پوچھتے رہنا چاہیے پس یہ گناہ حج کے ساتھ ہوتا ہے کہ احرام میں جو چیزیں ممنوع ہیں ان سے پرہیز نہ کیا جاوے۔(الحج المبرور ۱۷)

حج کے بعد ریاء

ایک معصیت حج کے بعد یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ ریا کرتے ہیں ریاء سے اکثر طاعات کے انوار زائل ہو جاتے ہیں ثواب جاتا رہتا ہے اس سے بہت احتیاط چاہیے۔اور مستورات خصوصاً بہت ریاء کرتی ہیں کیونکہ ان کو ساری عمر میں ایک بار حج کے لئے گھر سے

نکلنا ہوتا ہے اس کو وہ بہت ہی بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں اور حج کے بعد اگر کوئی ان کو حجن نہ کہے اس پر خفا ہوتی ہیں اور وہاں سے آ کر سب کے سامنے گاتی ہیں کہ ہم نے سارے مقامات کی زیارت کی ہے اگر کسی غریب نے ایک جگہ کی زیارت نہیں کی ہے تو اس سے کہتی ہیں کہ تیرا حج ہی کیا ہوا تو جبل نور پر تو گئی ہی نہیں۔ حالانکہ اصل مقصود عرفات اور بیت اللہ ہے پھر بیت الرسول۔ مگر ان کی زیارت تو ہر شخص کرتا ہے اس لئے ان کو کوئی فضیلت میں بیان نہیں کرتا۔ ہاں جبل نور، غار ثور اور امیر حمزہ کا مزار سب گناتی ہیں۔

اور بعض لوگ صراحتہً اپنے حاجی ہونے کا اگر ذکر نہیں کرتے تو کسی نہ کسی پیرایہ سے مخاطب کو جتلا دیتے ہیں کہ ہم حاجی ہیں۔ ایک بزرگ کسی کے یہاں مہمان ہوئے تو میزبان نے خادم سے کہا کہ اس صراحی کا پانی لانا جو ہم دوسرے حج میں ساتھ لائے تھے۔ مہمان نے کہا کہ حضرت آپ نے ایک بات میں دونوں حج کا ثواب کھودیا۔ اس بات میں اس نے جتلا دیا کہ میں نے دو مرتبہ حج کیا ہے یہ ریا نہیں تو اور کیا ہے؟

ریاء کے طریقے بہت دقیق ہیں اگر کوئی شخص اپنے نفس کی نگہداشت کرے تو اس کو نفس کے دقائق معلوم ہو سکتے ہیں لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اکثر لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ حج کے بعد ہر مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ مسلمان کا مذہب تو یہ ہونا چاہیے۔

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم ۔۔۔ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندر اور دارا کا قصہ نہیں پڑھا ہے ہم سے حق تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کے سوا اور کوئی بات نہ پوچھو) نادار کو ترغیب حج جائز نہیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر شخص کے سامنے حج کی باتیں کرنا جائز نہیں کیونکہ تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جن پر حج فرض ہے۔ سو ایسے شخص کے سامنے تو ترغیبی مضامین بیان کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کہ دلالت علی الخیر ہے۔ دوسرے وہ جن پر نہ فرض اور نہ ممنوع ان کے روبرو بھی بیان کرنا جائز ہے تیسرے وہ جن پر حج فرض نہیں ہے اور ان کو جانا جائز بھی نہیں اس وجہ سے کہ نہ مالی استطاعت ہے اور نہ مشقت پر صبر و تحمل ہو سکے گا۔ ان کے سامنے تشویق اور ترغیب کے قصے اور مضامین بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے ان کو حج کا شوق پیدا ہوگا اور سامان ہے نہیں نہ ظاہری نہ باطنی تو خواہ مخواہ دقت اور

پریشانی میں مبتلا ہوں گے جس سے ناجائز امور کے ارتکاب کا بھی اندیشہ ہے اس لئے ایسے لوگوں کے سامنے حج کی ترغیب اور تشویق کے مضامین بیان کرنا جائز نہیں یہ وہ مسائل ہیں جن پر لوگوں نے امام غزالی کی تکفیر پر فتوے دیئے۔ (الحج المبرور ۱۷)

تکالیف حج کا تذکرہ

ایک کوتاہی بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ حج سے آکر وہاں کی تکالیف کا حال بیان کرتے ہیں۔ ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں چاہے وہ واقعی کلفتیں ہوں اور اگر واقعی کلفتوں میں اضافہ کر کے بیان کیا جائے تو یہ اس سے بھی بدتر ہے وہاں کی کلفتیں بیان کرنے کا یہ انجام ہوتا ہے کہ بہت لوگ حج سے رک جاتے ہیں اس کا سارا وبال ان لوگوں پر ہوتا ہے۔ جنہوں نے ان کو ڈرایا ہے۔ (الحج المبرور ۱۷)

قبولیت حج کی علامات

یاد رکھئے! کہ حج کے مقبول ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ دوبارہ پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پیدا ہو اور جو شخص وہاں سے آکر پھر دوبارہ جانے سے توبہ کرلے اندیشہ ہے کہ اس کا حج مقبول نہ ہوا ہو۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ دل میں پھر دوبارہ حج کا شوق پیدا ہو اس کی یہی تدبیر ہے کہ وہاں کے ثواب اور منافع اخروی پر نظر کرے اور یہ سمجھ لے کہ جنت میں جو درجات حج کی وجہ سے نصیب ہوں گے ان کے سامنے یہ تکالیف کیا ہیں ان جیسی ہزار بھی کلفتیں ہوں تو کچھ نہیں۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج کے منافع

حج میں علاوہ ثواب آخرت کے دنیا کا بھی تو نفع ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ حج کے بعد ضرور رزق میں فراخی ہو جاتی ہے پھر وسعت اور فراخی رزق کے لئے لوگ کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے ہیں اگر ذرا سی وہاں بھی تکلیف پیش آ گئی تو اس کی وجہ سے پریشان ہونا اور دوسروں کو پریشان کرنا اور حج کی دولت سے محروم کرنا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔

نیز حج سے اخلاق کی تہذیب پر خاص اثر پڑتا ہے اور اگر کوئی حاجی اس کے خلاف پایا

جاوے تو وہ ایک عارض کے سبب سے ہے وہ یہ کہ علماء محققین نے لکھا ہے کہ حجر اسود میں کسوٹی کی خاصیت ہے یعنی اس میں یہ خاصیت ہے کہ اس کے استلام کے بعد جیسا شخص ہوتا ہے وہ اپنی اصل خلقت میں ظاہر ہو جاتا ہے بعض لوگ حج سے پہلے ظاہر نہیں ہوتے کہ یہ اندر سے کیسے ہیں مگر حج کے بعد چھپا رہنا مشکل ہے اصلی حالت ضرور کھل جاتی ہے پس جس کی حالت حج کے بعد پہلے سے اچھی ہو جائے سمجھنا چاہیے کہ اس کا حج قبول ہوا۔ اور جس کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو جائے اس کے حج قبول نہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

شاید اس سے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ پھر حج نہ کرنا چاہیے تا کہ قلعی نہ کھلے اس کا جواب یہ ہے کہ حج نہ کرنے میں اس سے زیادہ اندیشہ ہے جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ پھر بھی نہ کرے تو خدا کو پرواہ نہیں ہے خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ پس اگر حج نہ کیا تب تو سوء خاتمہ کا اندیشہ زیادہ ہے اور حج کرنے میں تو صرف یہی اندیشہ ہے کہ قلعی کھل جائے گی وہ بھی اس وقت جبکہ اس کے آداب و شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے۔ ورنہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ شوق اور محبت کے ساتھ جو حج ادا کیا جاتا ہے اس سے دینداری میں ترقی ہی ہو جاتی ہے پس یہ اشکال فضول ہے۔ (الحج المبرور ۱۷)

حج سے اصلاح نفس

حج کے بعد بھی ہمیشہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ مگر حج میں احتیاط ہونا اسی وقت ممکن ہے جب حج سے پہلے نفس کی اصلاح کر لی جائے۔ ورنہ بالخصوص جھگڑے اور فساد کی تو ضروری نوبت آ جائے گی۔ نیز نماز وغیرہ میں بھی ممکن ہے کہ سفر کی وجہ سے سستی ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سفر کی تکالیف کی وجہ سے شوق اور محبت میں کمی ہو جائے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ حج سے پہلے اصلاح نفس کا اہتمام کیا جائے۔ مگر یہ سمجھ لو کہ نفس کی اصلاح خود اپنے آپ نہیں ہو سکتی اپنی عقل اور فہم اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتی کسی مربی کامل سے اس کا طریقہ پوچھو

؎ کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

(نفس کو مغلوب کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں کوئی خرگوش کسی تیتر کا شکار کب کر سکتا ہے)

کسی کو اپنی عقل پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے اس میں ضرورت ہے عنایت حق و عنایات خاصان حق کی (الحج المبرور ۱۷)

حج کے رموز

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض متعلقین سے دریافت کیا کہ تو نے حج کی نیت منعقد کی تھی اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے پوچھا جتنے علاقہ اس کے مخالف تیری پیدائش کے وقت سے تھے تو نے سب کو قطع کر دیا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ شبلی نے کہا تو بس حج کی تو نے نیت ہی منعقد نہیں کی (کیونکہ نیت حج کی روح یہی قطع تعلقات ماسوی اللہ ہے جب یہ نہ ہوا تو ظاہر ہے نیت مثل جسد بلا روح کے ہے جو غیر معتد بہ ہے)

پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا تو نے (احرام کے وقت پہلے سلے ہوئے) اپنے کپڑے اتارے تھے اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا کیا (کپڑے اتارنے کے وقت) تو ہر چیز سے مجرد ہو گیا تھا اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے کپڑے ہی نہیں اتارے (کیونکہ ان کپڑوں کے اتارنے کی روح یہی تجرد عما سوی اللہ ہے) بدوں اس کے کپڑے اتارنا جسد بلا روح ہے۔

پھر شبلیؒ نے پوچھا تو نے (احرام کے وقت) وضو یا غسل کیا تھا۔ اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا تیرے وضو یا غسل کے وقت تجھ سے تمام (باطنی) علتیں دور ہو گئی تھیں اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا کہ بس تو نے وضو و غسل ہی نہیں کیا (کیونکہ اس طہارت ظاہری کی روح یہی طہارت باطنی ہے۔ جب یہ نہیں تو وہ کالعدم ہے) پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا کہ تو نے (احرام کے وقت) لبیک کہی تھی۔ اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا تو نے لبیک کا جواب ویسے ہی لبیک سے پایا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے لبیک ہی نہیں کہی۔ کیونکہ اس کے لبیک یعنی حاضری کی روح محبوب کی طرف سے قرب و حضور کی دولت کا میسر ہونا ہے۔ جس کا اثر قلب پر ظاہر ہوتا ہے۔ بدوں اس کے لبیک کہنا خالی لفظ ہے)

اور اپنے بعض متعلقین سے جو حج کر کے آیا تھا حضرت شبلیؒ نے پوچھا (غالباً یہ کوئی اور شخص ہوگا اور ممکن ہے کہ پہلا ہی ہو مگر تفریق اجزاء قصہ کے سبب ناقل نے لفظوں میں ایسا عنوان اختیار کیا ہو جو دونوں شخصوں کے متغائر ہونے کا موہم ہو غرض اس سے پوچھا) کہ تو مسجد (حرام) میں داخل ہوا تھا اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے پوچھا کہ تو نے کسی مقام قرب میں داخل ہونا بھی معلوم کیا اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا تو بس تو مسجد ہی میں داخل نہیں ہوا۔ (کیونکہ دخول مسجد کی روح دخول مقام قرب ہے جس کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور جسد بلا

روح کالعدم ہے) پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا تو نے کعبہ کو دیکھا اس نے کہاں ہاں! انہوں نے کہا کہ تو نے اس کو بھی دیکھا جس کے لئے خود کعبہ کا قصد کیا تھا (یعنی حضرت حق اور یہ رویت بالقلب ہوتی ہے) اس نے کہا نہیں شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے کعبہ ہی کو نہیں دیکھا۔ (کیونکہ روح رویت کعبہ کی یہی تھی یہ نہیں تو وہ محض جسد ہے)

پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا کہ تو (طواف میں) تین بار دوڑ کر اور چار بار آہستہ چلا تھا اس نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تو دنیا سے اس طرح بھاگ گیا کہ تجھ کو معلوم ہو گیا ہو کہ اس سے جدا ہو گیا اور وہ تجھ سے منقطع ہو گئی (کہ یہ بھاگنا روح ہے اس طواف میں دوڑنے کی) اور کیا تو نے اپنے چار بار آہستہ چلنے میں اس (بلائے دنیا) سے امن پایا۔ جس سے تو بھاگا تھا پھر اس پر تو نے مزید شکر کیا ہو (کہ اس امن کا معلوم ہونا روح ہے اس آہستہ چلنے کی کیونکہ امن میں آہستہ چلتے ہیں اور خوف و بلا میں دوڑ کر پس یہ دونوں رفتاریں اشارہ ہے اس خوف اور امن کی طرف) اس نے کہا کہ نہیں۔ شبلی نے کہا تو بس تو طواف میں دوڑ کر ہی نہیں چلا (یعنی یہ چلنا محض صورت بے معنی ہوا۔ اور اسی طرح آہستہ چلنا بھی)

پھر اس سے پوچھا تو نے حجر اسود سے مصافحہ کیا تھا اور اس کو بوسہ دیا تھا اس نے کہا ہاں انہوں نے ایک چیخ ماری اور کہا کمبختی مارے واللہ یہ کہا گیا ہے (یعنی اکابر نے کہا ہے) کہ جو شخص حجر اسود سے مصافحہ کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے مصافحہ کرتا ہے اور جو خدا تعالیٰ سے مصافحہ کرتا ہے وہ مقام امن میں آ جاتا ہے (یعنی دوزخ سے محفوظ ہو جاتا ہے) کیا تجھ پر کچھ اثر امن کا ظاہر ہوا (مثلاً معاصی سے نفرت ہو گئی ہو کہ جو سبب ہے دوزخ میں جانے کا کہ یہ ظہور ہے اثر امن کا) اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے (حجر اسود سے) مصافحہ ہی نہیں کیا۔ (کیونکہ جب اس میں روح نہیں تو جسد محض صورت بے معنی ہوا۔)

اور ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا خواہ وہ پہلا ہی شخص ہو یا کوئی اور ہو جیسے یہی دو احتمال اوپر بھی آ چکے ہیں) حضرت شبلیؒ نے کہا کیا خدا تعالیٰ کے روبرو مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور دو رکعت (طواف) کی پڑھی تھی۔ اس شخص نے کہا ہاں! شبلیؒ نے پوچھا کہ تیرا جو مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے تو اس پر بھی قائم ہوا پھر تو نے اپنا مقصود بھی ادا کیا (جس کی طرف اشارہ ہے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مرتبہ قرب کا حاصل ہوا اور مقام

قرب کے مناسب جو مناجات و مکالمت ہے وہ میسر ہو) اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا بس تو نے نماز ہی نہیں پڑھی (کیونکہ جب اس نماز کی روح ہی نہیں تو قالب بے جان ہے۔ اور ایک شخص سے (کہ وہی شخص مذکور تھا یا دوسرا) حضرت شبلیؒ نے کہا کہ تو کوہ صفا کی طرف گیا تھا۔ اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا کہ تجھ سے تمام علتیں دور ہوگئی تھیں یہاں تک کہ تو (سب سے) صاف ہو گیا تھا۔ (جیسا مادۂ صفا میں بھی اس طرف اشارہ ہے و نیز صفا سے ابتداء ہوتی ہے حرکت سعی کی اور حرکت مسلمان کی تہذیب نفس کے لئے ہونا احق ہے اس لئے بھی اس حرکت کی روح زوال علل ہے اس شخص نے کہا نہیں شبلیؒ نے کہا تو بس تو نہ صفا پر چڑھا اور نہ اترا۔

پھر شبلیؒ نے کہا کیا تو (صفا و مروہ کی سعی میں میلین اخضرین کے درمیان دوڑا بھی تھا۔ اس نے کہاں ہاں شبلی نے کہا تو کیا اپنے سامان (ہوس) سے بھاگ کر اپنی ہستی (کی حقیقت پہچاننے) تک پہنچا (کہ روح اس دوڑنے کی یہی ہے اور مسلمان کے لئے یہی دوڑ نا لائق ہے کہ پندار کو حذف کر کے اپنی ہستی فانی پر نظر کر کے حق عبدیت ادا کرے) اس شخص نے کہا نہیں شبلیؒ نے فرمایا بس تو دوڑا ہی نہیں۔

پھر شبلیؒ نے پوچھا تو نے مروہ پر پہنچ کر (اپنے نفس میں) سکون (وطمانیت علی المرضیات الالٰہیہ) کو پایا کہ اس کو تو نے حاصل کیا ہو اور اس کا تجھ پر نزول ہوا (کہ مروہ پر اخیر پھیرے میں حرکت سعی ختم ہوتی ہے گویا یہ اشارہ ہے اس سکون نفس کی طرف جو بعد حرکت مجاہدہ کے میسر ہوتا ہے) اس شخص نے کہا کہ نہیں۔ شبلیؒ نے کہا بس تو مروہ ہی پر نہیں پہنچا۔

اور شبلیؒ نے ایک حج کرنے والے شخص سے (کہ وہی شخص سابق تھا یا اس کے علاوہ دوسرا) پوچھا تو منیٰ کی طرف گیا تھا۔ اس نے کہا ہاں۔ شبلیؒ نے پوچھا کیا تو نے (وہاں پہنچ کر) غیر حالت معصیت کی تمنا کی تھی۔ اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے فرمایا تو بس تو منیٰ ہی میں نہیں گیا۔ (کیونکہ منیٰ کے مادہ میں مینہ بمعنیٰ آرزو سے مناسبت ہے تو اس میں اس آرزو کی طرف اشارہ ہے)

پھر حضرت شبلیؒ نے اس سے پوچھا کہ تو مسجد خیف میں (جو کہ منیٰ میں ہے) داخل ہوا تھا۔ اس شخص نے کہا ہاں۔ شبلیؒ نے کہا تو نے اپنے اس آنے جانے میں خدا تعالیٰ سے خوف کیا تھا اور تو نے (اپنے دل میں) خوف کا ایسا درجہ پایا تھا جو اسی مقام میں تجھ کو حاصل ہوتا ہو۔ اس شخص نے کہا نہیں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو بس تو مسجد خیف میں داخل نہیں ہوا

(کیونکہ لفظ خیف کو مناسبت ہے لفظ خیفہ سے جس میں کسرہ ماقبل اور خود ساکن ہونے سے واؤ کو یا سے بدل لیا گیا ہے اور اس کی اصل خوف ہے پس وہاں جانا مذکر ہونا چاہیے۔

خوف حق کا جب یہ نہ ہوا تو وہاں جانا نہ جانا برابر ہوا۔ اور حضرت شبلیؒ نے دخول خیف و منیٰ وصحود وصفا میں الفاظ کو مذکر احوال کا قرار دیا کہ عبرت کے لئے ایسے ارشارات و مناسبات بھی کافی ہیں۔ اسی طرح آگے لفظ عرفات میں اسی مناسبت کا اعتبار فرمایا۔

اور شبلیؒ نے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا (یہاں بھی وہ دونوں احتمال ہیں اور اغلب مغائرت ہے) فرمایا تو عرفات گیا تھا اس شخص نے کہا ہاں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کیا تو نے اس حالت کی معرفت حاصل کی جس کے لئے تو (ماضی میں) پیدا کیا گیا ہے اور (اسی طرح) اس حالت کی جس پر تو (فی الحال) وارد ہوتا رہتا ہے اور (اسی طرح) اس حالت کی جس کی طرف تو (مستقبل میں) رجوع کرے گا۔ اور کیا معرفت بخشنے والے نے تجھ کو ان احوال کی معرفت کرائی۔ اور کیا تو نے اس مکان کو دیکھا۔ جس کی طرف یہ سب اشارات (مذکورہ) ہیں؟ مکان سے مراد مقام معرفت اور اشارات سے مراد عرفات کا احوال مذکورہ کی معرفت کی طرف مشیر ہونا) کیونکہ یہی مقام ہے جس نے انفاس عمر کو احوال مذکورہ میں سے) ہر حال میں غم سے رہائی دی ہے (یعنی حالات ماضیہ و حالیہ و استقبالیہ مذکورہ کو اسباب معصیت سے بعید رکھنا یہ شعر معرفت ہی کا ہے۔) اس شخص نے کہا نہیں حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو بس تو نے وقوف عرفات ہی نہیں کیا۔ (کیونکہ عرفات سے ان ہی معارف کی طرف اشارہ ہے جس کی مناسبت کا ابھی اوپر دخول مسجد خیف میں ذکر ہوا ہے)

اور حضرت شبلیؒ نے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا (خواہ وہ عین اول ہو یا غیر اول) فرمایا تو مزدلفہ کی طرف واپس آیا تھا۔ اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا تو نے مشعر حرام (جو کہ مزدلفہ میں ہے) دیکھا تھا۔ اس نے کہا ہاں انہوں نے کہا تو نے وہاں اللہ تعالیٰ کا ایسا ذکر کیا تھا جس نے ماسوائے کو بھلا دیا ہو اور تو اس میں مشغول ہو گیا ہو (جس کا حکم اس آیت میں ہے فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ الآیۃ۔ (پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس (مزدلفہ میں شب قیام کر کے) خدا تعالیٰ کو یاد کرو) اور ظاہر ہے کہ ذکر میں درجہ مطلوبہ وہ ہے۔ جس میں ماسوے سے

انقطاع ہو کما قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا الآیۃ (اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اس کی طرف متوجہ رہو) اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا بس تو نے وقوف مزدلفہ نہیں کیا۔ (کیونکہ وہاں جو حکم تھا وہ نہ بجالایا۔ اور حضرت شبلیؒ نے ایک شخص سے اپنے متعلقین میں سے جس نے حج کیا تھا فرمایا تو منیٰ میں داخل ہوا تھا۔ (اور یہی سوال پہلے ایک شخص سے آچکا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک شخص سے دوبار سوال بیکار ہے یہ قرینہ قویہ تحریجہ ہے کہ یہاں مخاطب اور ہے اور یہی ظن غالب سب جگہ ہے اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا تو نے وہاں (جانور) ذبح کیا تھا اس نے کہا ہاں پوچھا اپنے نفس کو بھی ذبح کیا تھا جس کی طرف اشارہ ہے ذبح حیوان میں) اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا کہ تو بس تو نے ذبح ہی نہیں کیا۔

پھر حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو نے رمی جمار کیا تھا اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تو نے اپنے جہل کو اپنی ترقی علم سے پھینک دیا تھا جس کا تجھ پر ظہور ہوا ہو (کہ رمی بمعنی پھینکنا اس کی طرف اشارہ ہے) اس شخص نے کہا نہیں انہوں نے کہا تو بس تو نے رمی ہی نہیں کی۔

پھر انہوں نے پوچھا کیا تو نے سر منڈایا تھا اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے کہا کیا تو نے اپنی ہوسیں اپنے سے زائل کر دی تھیں (کہ سر منڈانا اشارہ اس ازالہ کی طرف ہے) اس شخص نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا تو بس تو نے حلق ہی نہیں کیا۔

اور حضرت شبلیؒ نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا۔ پوچھا کیا تو نے طواف زیارت کیا تو اس نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تجھ کو کوئی بات خیرات میں سے مکشوف ہوئی؟ یا تو نے اپنے اوپر کچھ زیادات کرامات زیارت کے سبب دیکھی؟ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور جس کی زیارت کے واسطے کوئی جاوے اس پر حق ہوتا ہے کہ اپنی زیارت کے لئے آنے والوں کی خاطر داری کرے (سو تجھ کو کوئی اکرام بھی محسوس ہوا) اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا تو بس تو نے طواف زیارت ہی نہیں کیا۔

پھر انہوں نے اس سے پوچھا کیا تو حلال ہوا تھا۔ (یعنی احرام کھول دیا تھا جس سے سب ممنوعات احرام کے حلال ہو جاتے ہیں) اس نے کہا ہاں! انہوں نے پوچھا کیا تو نے اکل حلال کا عزم کیا تھا اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا تو بس حلال ہی نہیں ہوا۔

اور حضرت شبلیؒ نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا۔ پوچھا

تو نے طواف وداع کیا تھا۔ اس نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تو اپنے نفس اور روح سے بالکلیہ نکل گیا تھا۔ (کہ طواف وداع اس وداع نفس و روح کی طرف اشارہ ہے) اس شخص نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا تو بس تو نے طواف وداع ہی نہیں کیا تجھ پر دوبارہ جانا لازم ہے اور (دوبارہ حج میں) غور کرنا کہ کس طرح حج کیا جایا کرتا ہے۔ (التہذیب ج ۱۷)

پیدل حج

بعض لوگوں کا ان پر طعن کرنا جنہوں نے جانبازی کی اور غلبہ شوق میں پیدل ہی چل کھڑے ہوئے کہ یہ ایسے بیہودہ لوگ ہیں جو خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشانی میں ڈالتے ہیں یہ طعن ناشی ہے جہل سے۔

صاحبو! معلوم ہوتا ہے تم نے عشاق کو دیکھا ہی نہیں' خود جیسے کم ہمت ہو دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو۔ دو چار لنگاڑے فقیر تم نے دیکھے ہوں گے۔ بس اس سے حکم کلی لگا دیا کسی عطار ہی پر الٹ پلٹ کے نظر پڑتی رہی اس سے حکیم محمود خاں کے وجود کے منکر ہو گئے' یاد رکھو ہر زمانہ میں اللہ کے بندے ایسے ایسے رہے ہیں جو آپ کی نظر میں مسکین پریشان ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت کسی بزرگ کا الہام ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی کہ میرے دوست میرے دامن قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں۔ جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ تو آپ کو کیا خبر ہے

؎ اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانیکہ شمشیر بلا برسر خورند

(تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے) (روح الحج و التج ج ۱۷)

اصلاح حجاج

بعضے حج کر کے ناجائز افعال کرنے لگتے ہیں کیونکہ حاجی تو مشہور ہو گئے ہیں اب کسی عمل کی کیا ضرورت ہے بعضے ایک کافر کو مار کر خوش ہیں کہ ہم غازی مشہور ہو گئے ہیں یا خادم قوم کہلانے لگے ہیں۔ پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے بعض کچھ دنوں خوب ذکر و شغل کر کے پھر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ذاکر اور بزرگ مشہور ہو گئے ہیں اور اب اس لیے نہیں کرتے کہ لوگوں کو یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ ہمارا قلب جاری ہو گیا ہے اب ہم کو ذکر لسانی کی ضرورت نہیں رہی۔

غرض انسان میں طبعاً استیلاء کا تقاضا تو ہے مگر کبھی یہ استیلاء ضعیف یا استیلاء ظاہری کو کافی سمجھ لیتا ہے جو نقص طلب کی دلیل ہے کیونکہ جہاں اس کی طلب کامل ہوتی ہے وہاں بدوں استیلاء کامل کے اس کو صبر نہیں آتا۔ پس جب یہ عمل کر کے چھوڑ دیتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس پر توجہ کم کر دیتے ہیں کیونکہ اس نے خود ہی طلب چھوڑ دی یا کم کر دی ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ استیلاء علمی کافی نہیں بلکہ استیلاء حقیقی کی ضرورت ہے اس دھوکہ میں سو میں سے اٹھانوے سالک مبتلا ہیں جو احوال و کیفیات و مقامات کا قدرے ذوق حاصل کر کے پھر عمل سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اس دھوکہ سے بچنا چاہیے' طالب وہ ہے جو تکمیل کے بعد عمل سے بے فکر نہ ہو۔ (غریب الدنیا ج ۱)

حج میں قربانی

حج میں ایک دفعہ سو اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے قربانی کیے ہم نے تو کسی بادشاہ کو بھی نہیں سنا کہ اکیلے سو اونٹ کی قربانی کی ہو۔ اونٹ تو خود حضور نے دست مبارک سے ذبح فرمائے اس سے حضور کی قوت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیں تو ایک چڑیا کا بھی ذبح کرنا مشکل ہوتا ہے نہ کہ اونٹ اور ذبح کرنا بھی چھری پھیر کر نہیں بلکہ بھالے سے۔ اس زمانہ میں عرب کے اندر یہی رسم تھی کہ بھالا گلے میں مارا جاتا تھا اس کو نحر کہتے ہیں۔

اونٹ اس طرح ذبح کیا جاتا تھا۔ خیال کیجئے کہ بھالا کس قوۃ سے لگتا ہوگا۔

(۶۳) اونٹ اسی طرح ذبح کرنا سہل بات نہیں ہے۔ ۶۳ اونٹوں کو خود ذبح فرمایا بقیہ کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ پورے ۱۰۰ اونٹ کی قربانی فرمائی۔

اس کے متعلق ایک لطیفہ یاد آیا۔ روایت میں ہے کہ ان اونٹوں کی یہ حالت تھی کہ کلھن یزدلفن الیہ. جب وہ اونٹ ذبح کئے جانے کے لئے ایک قطار میں کھڑے کیے گئے کہ ہر اونٹ حضور کی طرف جھک جھک کر بڑھتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کریں۔ ہائے اس موقع پر مجھے وہ شعر یاد آتا ہے۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف   بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(تمام جنگل کے ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا اس امید میں کہ تو شکار کو آئے گا۔)

یہاں سے حضور کی شان محبوبیت بھی معلوم ہوتی ہے کہ جانور بھی حضور پر فدا تھے اور اپنا ذبح ہونا حضور کے ہاتھ سے چاہتے تھے بلکہ جانور کیا سب مخلوق حضور کو پہچانتی تھی صحیح روایت میں ہے۔

انی لاعرف حجرا کان یصلی علی (۲-الصحیح لمسلم: ۱۷۸۲، مسند الإمام أحمد ۵:۸۹، ۹۵، سنن الدارمی ۱:۱۲، المعجم الکبیر للطبرانی ۲:۲۵۷، مشکوۃ المصابیح: ۵۸۵۳، کنزالعمال: ۳۲۰۰۰)

یعنی فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ پتھر بھی آپ کو پہچانتے تھے۔پھر تعجب ہے کہ انسان نہ پہچانے بالخصوص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔اور یہ پہچاننا نہیں ہے کہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان سے کہہ لیا۔پہچاننا کہتے ہیں کسی کے حق پہچاننے کو۔(نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

عوام کی غفلت

اب میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹے چھوٹے عذروں کی بنا پر لوگ حج کو موقوف کر دیتے ہیں۔ذرا سن لیا کہ راستہ میں کچھ گڑبڑ ہے بس حج کو مت جاؤ، ذرا سن لیا کہ کچھ بیماری ہے بس حج کو مت جاؤ، ذرا یہ سن لیا کہ عملداری ترکوں کی نہیں بس حج کو مت جاؤ، آخر ترکوں کی عملداری میں اور حج میں جوڑ کیا، لوگوں نے آج کل یہی ایک مسئلہ خواہ مخواہ تراش لیا ہے۔
(شرائط الطاعت ج ۷)

ایک بدوی کی غفلت

مکہ معظمہ میں سوق حراج میں ایک بڈھا بدوی گاؤں کی چیزیں لاکر بیچتا تھا ساری عمر اسی بازار میں آتے جاتے گزر گئی تھی۔مگر حج کی توفیق نہ ہوئی۔ایک دفعہ وہ تعجب سے پوچھنے لگا کہ بعض موسموں میں لاکھوں آدمی یہاں کیوں جمع ہو جاتے ہیں اس کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ لوگ حج کے واسطے مکہ آتے ہیں ایک رئیس کو بڈھے کی بات پر بہت تعجب ہوا کہ مکہ میں ساری عمر گزر گئی اور آج تک اسکو حج کی توفیق نہیں ہوئی۔ (الصبر والصلوۃ ج ۹)

حج میں رضائے خداوندی

شیخ مسعود بک خطاب فرماتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اے لوگو حج کو کہاں جاتے ہو معشوق یہاں ہے۔ادھر آؤ، ادھر آؤ۔

مطلب یہ ہے کہ جس حالت سے تم حج کو جارہے ہو اس حالت میں رضائے محبوب اور وصال تم کو حاصل نہ ہوگا۔ ابھی تم کو اپنے گھر ہی میں کسی شیخ کے پاس رہ کر اصلاح نفس میں مشغول ہونا چاہیے۔ اور یہ مت سمجھو کہ شیخ حج سے روک رہے ہیں نہیں بلکہ وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کرر ہے ہیں۔ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں مگر ایمان کو مکہ ہی میں چھوڑ آتے ہیں۔ ان میں راستہ میں تکالیف کی جب برداشت نہیں ہوتی تو خدا اور رسول پر اعتراض کرتے ہیں اور حج کو فضول بتلاتے ہیں۔ بتلاؤ ان کا ایمان کہاں رہا۔ ایسے لوگوں سے یہی کہا جائیگا کہ تم ہندوستان میں رہ کر پہلے کسی شیخ سے نفس کی اصلاح کا نسخہ لے کر پی لو۔ جب وہ اجازت دے تب حج کرنا۔ البتہ حج فرض کے لئے جانے کی تو ہر حال میں اجازت ہے۔ ہاں حج نفل سے اس کو منع کیا جائیگا۔ کیونکہ بعض لوگ نفل حج کے لئے بہت سے فرائض ترک کردیتے ہیں۔ چنانچہ جہاز کے اندر آپ کو ایسے حاجی بہت ملیں گے جو دوسرے تیسرے حج کو جارہے ہوں گے مگر نماز ندارد۔

ہمارے ساتھ ایک سید صاحب عرب تھے وہ جہاز میں نماز نہ پڑھتے تھے اور روتے تھے کہ یہاں پاخانہ میں پانی شرشر چلتا ہے جس سے چھینٹیں پڑ کر کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں۔ میں نماز کیسے پڑھوں۔ میں نے کہا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازیں

مجھ سے شہنشاہ دین اگر طمع کا خواہاں ہو تو پھر ایسی قناعت پر خاک (محاسن الاسلام ج ۱۲)

حج اور اصلاح نفس

نفل حج کے لئے جانے سے پہلے نفس کی اصلاح ضرور کرلینی چاہیے۔ مکہ ایسی حالت میں جاوے کہ وہاں پہنچ کر ہندوستان یاد نہ آوے۔ نہ وہاں کی تکالیف سے گھبرا کر یہاں کی راحتوں کا خیال آوے۔ ہمارے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ مکہ میں رہنا اور دل ہندوستان میں اٹکا ہو۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ ہندوستان میں رہے اور دل مکہ سے وابستہ ہو کر دیکھئے کب زیارت نصیب ہو۔ کس دن جانا ملے۔

اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد درہ لے کر لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ بس حج ہو چکا۔ اب اپنے اپنے گھر کا راستہ لو یا اہل

الیمن یمنکم ویااہل الشام شامکم ویااہل العراق عراقکم (اے یمن والوتم یمن جاؤ، اے شام والوتم شام جاؤ، اوراے عراق والوتم عراق جاؤ) واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے حکیم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اب ایسی حالت میں مکہ کے اندر قیام کرنا باطن کے لئے مضر ہے اس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے نہ رہنا چاہیے کہ یہ بڑی گستاخی ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شام یا ہندوستان کا دہی یہاں کے دہی سے اچھا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں فرمایا کہ نکل جاؤ ہمارے یہاں سے وہیں جا کر رہو جہاں کا دہی اچھا ہے۔

صاحبو! یہ نقصان ہوتا ہے اس دربار میں پہنچ کر اپنے گھر بار کو یاد کرنے کا۔

اوراسی واسطے حضرت ابراہیم بن ادھم نے تکمیل سے پہلے حج کا ارادہ نہیں کیا جب سلوک کامل ہو گیا تب حج کو چلے۔ راستہ میں سمندر تھا۔ ایک جہاز میں سوار ہوئے۔ وہاں ایک رئیس رند مشرب بھی پہلے سے سوار تھا۔ اس کے ساتھ گانے بجانے والے بھانڈ بھی تھے۔ پہلے زمانہ کے روساء ان خرافات میں تو مبتلا ہوتے تھے مگر آج کل کے رئیسوں سے پھر بھی اچھے ہوتے تھے کیونکہ آج کل کے تعلیم یافتہ روساء گوان ظاہری خرافات سے بری ہیں مگر ان میں باطنی خرافات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ وہ کیا تکبر، غرور، حسد، بیمروتی اور بے رحمی اور پہلے روساء میں یہ باتیں نہ ہوتی تھی۔ وہ دل کے بہت نرم ہوتے تھے۔ مروت اور رحم اور ہمدردی ان کے اندر بہت ہوتی تھی۔ اپنے کو خاکسار سمجھتے تھے۔ متواضع ہوتے تھے اور آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے متکبر ہوتے ہیں کہ انگریزی پڑھ کر اپنے کو دین کا بھی محقق سمجھنے لگتے ہیں احکام شرعیہ میں رائے دیتے ہیں۔ مولویوں کی تو ہستی کیا ہے رسول کی بات کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک حکم عام بیان فرمائیں اور یہ بلا دلیل محض اپنے اجتہاد سے اس کو اس زمانہ کے لئے خاص بتائیں۔ پہلے رئیسوں میں یہ باتیں نہ ہوتی تھیں۔ باوجودیکہ وہ آج کل کے رئیسوں سے زیادہ دین کا علم رکھتے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں انگریزی پڑھنے کا نام تو علم تھا ہی نہیں۔ قرآن وحدیث فارسی کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا علم شمار ہوتا تھا اوران کتابوں میں دین ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی اس زمانہ کے روساء سے دین میں دخل اندازی منقول نہیں ہے اور اگر کسی سے منقول بھی ہے تو وہ بھی کسی عالم کے بہکانے سے خودان کو ایسی جرات نہ ہوتی تھی۔

غرض بھانڈوں نے ایک دن کہا کہ آج تو ہم اس طرح نقل کرنا چاہتے ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ مذاق کریں اس کے چپت اور دھول ماریں۔ اس لئے کوئی شخص اس کام کے لئے تجویز کیا جاوے وہاں بجز ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی شخص ایسا غریب نظر نہ آیا جس کو تختہ مشق بنایا جاوے اللہ اللہ۔

ایں چنیں شیخ گدائی کو بکو عشق آمد لا ابالی فاتقوا

ایسا فقیر صفت شیخ، عشق بڑا لا ابالی ہے ڈرتے رہو۔

چنانچہ ان کو لے چلے اور وہ ساتھ ہو لئے۔ وہ اس لئے ساتھ ہو لئے کہ۔

از خداداں خلاف دشمن و دوست گر گزندت رسدز خلق مرنج

کہ دل ہر دو در تصرف اوست کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج

دوستو اور دشمنوں کے مخالف ہو جانے کو بھی خدا کی طرف سے جانو، دونوں کے دل اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اگر خلق خدا سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو رنج مت کر کیونکہ مخلوق (بغیر حکم خدا) نہ راحت پہنچا سکتی ہے نہ تکلیف۔

وہ تو یہ سب معاملہ خدا کی طرف سے سمجھتے ہوئے تھے اور زبان حال سے یہ کہتے جا رہے تھے۔

بجرم عشق توام می کشند وغوغائیست تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشائیست

تیرے عشق کے جرم میں تکلیف اٹھا رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں۔ تو بھی کوٹھے پر آجا بہت اچھا تماشہ ہے۔

وہاں نقل شروع ہوئی اور حضرت ابراہیم کو چپتانے لگے۔ جب حضرت ابراہیم کا امتحان ہو چکا تو اب غضب الٰہی کو جوش ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کا امتحان کرنے کے لئے بعض دفعہ مخالفوں اور دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتے ہیں مگر پھر بہت جلد مخالفوں پر غضب وقہر کا نزول ہونے لگتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ ہم کو مخالفت کرتے ہوئے اتنے دن ہو گئے اور کچھ نہیں ہوا۔ اہل اللہ کا ستانا خالی نہیں جاتا۔

حلم حق باتو مواسا ہا کند چونکہ ازحد بگذری رسوا کند

خدا کا حلم تجھے ڈھیل دیتا رہتا ہے تاکہ جب تو حد سے گزر جائے تو تجھے ذلیل کرتے۔

اور اسی حالت میں حضرت ابراہیم کو الہام ہوا کہ تم ذرا زبان ہلا دو تو ہم ابھی ان سب

کو غرق کر دیں۔ اب ان کا ظرف دیکھئے اگر ہم جیسے ہوتے تو نہ معلوم کیسی تیز بد دعا کرتے وہ عرض کرتے ہیں کہ حضور جب میری خاطر سے آپ ان کے حق میں میری بد دعا قبول فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں تو میری خاطر آپ ان کی آنکھیں ہی نہ کھول دیں کہ جس باطنی بلاء میں یہ غرق ہو رہے ہیں۔ اس سے ان کو نجات مل جائے۔ دعا قبول ہوئی اور ان سب لوگوں کی قلبی آنکھوں پر سے غفلت کے پردے ہٹا دیئے گئے اور سب کے سب ولی ہو گئے۔ اب جو آنکھیں کھلی ہیں اور حضرت ابراہیم کا درجہ و حال معلوم ہوا اور اس پر اپنی حرکتوں کو دیکھا، تو بے اختیار سب قدموں میں گر پڑے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

حج کی خوبی

ایک عبادت حج کی مقرر فرمائی جس کی بناء یہ ہے کہ چونکہ بدوں حال کے قال بیکار ہے۔ دل پر بھی چرکہ لگانے کی ضرورت تھی اس لئے عشق و محبت کا چرکہ دل پر لگانے کے لئے یہ ایک عبادت ایسی بھی شروع ہوئی جس میں ابتداء سے انتہا تک جنون عشق کی کیفیت ہوتی ہے یعنی حج۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب باتیں ظاہری ہی ہیں نہیں صاحب ان کا دل پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ احرام کی کیفیت دیکھ کر دشمنوں پر بھی اثر ہوتا ہے کہ بادشاہ اور غلام سب کے سب ننگے سر ہیں۔ چادر لنگی پہنے ہوئے ہیں۔ ناخن بڑھے ہوئے بال پریشان ہیں۔ نہ خوشبو لگا سکتے ہیں۔ نہ ناخن کتر سکتے ہیں، نہ خط بنوا سکتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں۔ جب حاجی لبیک کہتے ہیں تو پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔ پھر جب مکہ پہنچتے ہیں اور کعبۃ اللہ پر نظر پڑتی ہے تو نظر کے ساتھ ہی آنکھوں سے گھڑوں پانی بہنے لگتا ہے۔ کیا سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ کوئی تو چیز ہے جو یوں بے تاب کر ڈالتی ہے۔ یہ رونا نہ معلوم خوشی کا ہے یا غم کا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہمارے حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ رونا گرم بازاری عشق کا ہے۔ جس کا ذکر ان اشعار میں ہے۔

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت ۔۔۔ واندراں برگ و نوا صد نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست ۔۔۔ گفت مارا جلوۂ معشوق دراں کار داشت

ایک بلبل ایک خوبصورت پھول کی پتی چونچ میں لئے ہوئے تھی اور اس پتی میں سینکڑوں نالوں کی صدائیں رکھے ہوئے نالے کر رہی تھی۔ میں اس سے عین وصال کے وقت گیا کہ یہ نالہ و فریاد کیسا۔ اس نے جواب دیا کہ جلوہ معشوق نے اسی کام کا رکھا ہے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

حدیث شریف میں ہے۔

سنة ابیکم ابراهیم (تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام) کیوں فرمایا سنۃ ابراہیم فرمادیتے ابیکم (تمہارے باپ) کا لفظ کیوں بڑھایا اس کے متعلق دو اعتبار سے کلام ہے اول تصحیح کے اعتبار سے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تمام امت کا باپ کیسے فرمادیا۔ دوسرے غرض کے اعتبار سے کہ اس نسبت کی تصریح سے کیا فائدہ نکلا۔ سو تصحیح کے اعتبار سے تو یہ ہے کہ ابیکم فرمانا ایک تو اس طرح اس لئے صحیح ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اکثر عرب کے باپ ہیں اس لئے کہ اکثر عرب بنو اسماعیل ہیں اور اسماعیل علیہ السلام بیٹے ہیں براہیم علیہ السلام کے اس لئے ابیکم فرمایا لیکن چونکہ آیت میں خطاب تمام امت کو ہے اس لئے کہ احکام مخصوص اہل عرب کے ساتھ تو ہیں نہیں اس لئے بہتر وجہ دوسری ہے کہ ابیکم سے مراد روحانی باپ لئے جائیں اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے روحانی باپ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت قرب ہے۔ نسباً بھی اور شریعۃً بھی۔ نسباً تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور شریعۃً اس لئے کہ شریعت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام شریعت ابراہیمی سے بہت ملتی جلتی ہے اصولاً بھی اور فروعاً بھی اسی واسطے فرمایا ہے۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا یعنی اتباع کرو ملت ابراہیم علیہ السلام کا یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تو تمام ملل وادیان کی ناسخ ہے پھر ملت ابراہیمی کے اتباع کا آپ کو امر کیوں فرمایا۔ جواب یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا امر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ وہ ملت ابراہیم ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ملت ابراہیمی بھی اس کا ایک لقب ہے اور یہ لقب اس لئے ہے کہ یہ دونوں ملتیں آپس میں اصولاً وفروعاً باعتبار فروع کثیرہ کے متناسب و متوافق ہیں اور اسی واسطے یہ نہیں فرمایا کہ اتبعوا ابراہیم کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو بلکہ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کرو) فرمایا اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہا جائے کہ مذہب حنفی اختیار کرو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ شریعت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتباع شریعت میں جو امام ابو حنیفہؒ کا

مسلک ہے وہ اختیار کرو اب یہاں سے ان معترضین کا اعتراض بھی جاتا رہے گا جو مقلدین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتے ہیں۔ (ترغیب الاضحیہ ج ۱۷)

قربانی میں بے رحمی کے شبہ کا جواب

لوگوں نے سلطان محمود سے پوچھا تھا کہ آپ ایاز کو زیادہ کیوں چاہتے ہیں کہ اس کے اندر کیا بات ہے۔

سلطان نے کہا کہ کسی وقت دکھلا دیں گے کہ اس کے اندر کون بات زائد ہے ایک روز خزانہ میں سے ایک بڑا قیمتی موتی نکلوایا اور وزیر اعظم کو حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ وزیر اعظم نے سمجھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو آج کچھ خلل دماغ ہے عرض کیا کہ حضور پھر ایسا نایاب میسر نہ ہوگا اس حکم پر پھر نظر ثانی کر لیجئے اس کے بعد دوسرے وزیر کو حکم دیا اور وزیر ثانی نے سوچا کہ جب وزیر اعظم نے باوجود مجھ سے زیادہ سمجھدار ہونے کے نہیں توڑا تو میں کیوں توڑوں اس نے بھی عذر کیا۔ غرض سب نے انکار کر دیا تو ایاز کو حکم دیا۔ ایاز نے کہا بہت اچھا فوراً دو پتھر لا کر ایک کے اوپر موتی رکھا اور دوسرے کو اس پر دے مارا وہ چکنا چور ہو گیا۔ وزیر اعظم نے ملامت کی کہ ایسا موتی توڑ ڈالا ایاز نے کہا کہ تم پاگل ہو۔ تم نے بادشاہی حکم توڑا اور میں نے موتی توڑا اور یہ کہا۔

نقض امر از کسر درد شوار تر لاجرم بستم بامراد کمر

(موتی کے توڑنے سے حاکم کا حکم توڑنا زیادہ برا ہے اسی لئے میں نے اس کے احکام بجالانے کی کمر باندھ رکھی ہے)

پس مسلمانوں کی مثال ایاز کی سی ہے کہ باوجود اس کے کہ گائے بکری سے بے حد محبت چنانچہ جس وقت یہ ذبح کرتے ہیں ان پر بے حد اثر ہوتا ہے جس کو مخالف معترض کیا جانیں لیکن محبوب حقیقی کے حکم کے سامنے اپنے اس جوش محبت کو روک لیا اور حکم شاہی کو نہیں توڑا حکم ہوا کہ ان کا گلا کاٹ ڈالو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا کہ بہت بہتر اور دل اندر سے گھلا جاتا ہے اور پگھلا جاتا ہے لیکن حکم کو خوشی خوشی بجالاتے ہیں۔

ہمارے استاد حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گائے کا بچہ قربانی کے لئے پالا تھا۔ اس کی بڑی خدمت کی جاتی تھی اور خود اس کو جنگل میں لے جا کر اس کے

ساتھ دوڑتے تھے۔ غرض اس سے بہت ہی محبت تھی اور تازہ اس قدر ہوئی تھی کہ قصائی اس کے ۸۰ روپے دیتے تھے جس روز اس کو ذبح کیا ہے تو میں نے سنا تھا کہ مولانا کے آنسو جاری تھے۔ اور گھر بھر کو رنج ہوا۔ دیکھو اگر مسلمانوں کے اندر رحم اور محبت نہیں تو یہ رونا اور آنسو بہانا کیوں تھا لیکن کیا بات ہے اس سے زیادہ محبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اس لئے اس کے حکم کے سامنے سب مقتضیات طبعیہ ہیچ ہو جاتے ہیں۔ (الضحایا ج ۱۷)

حج و قربانی میں مناسبت

قربانی کو حج سے ایک مناسبت تو اقتران فی الذکر کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے جوڑ چیزوں کو ذکر میں مقترن نہیں فرمایا کرتے اور میں نے وجہ جامع بھی بتلا دی ہے جس کی وجہ سے دونوں کو مقترن بالذکر کیا گیا ہے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ ایام حج و ایام قربانی متحد ہیں یا یوں کہئے کہ متصل ہیں کیونکہ حج کا ایک رکن طواف زیارت ہے یہ تو دسویں ذی الحجہ سے بارہ ہی تک ہوتا ہے اور یہی ایام قربانی کے ہیں اس کے لحاظ سے تو ایام حج و ایام اضحیہ متحد ہیں اور رکن اعظم حج کا وقوف عرفہ ہے یہ نویں کو ہوتا ہے اس رکن کے اعتبار سے یوں کہنا چاہیے کہ ایام قربانی ایام حج سے متصل ہیں تو جو لوگ حج کرتے ہیں وہ حج کے ساتھ یا یوں کہئے کہ اس کے متصل ہی قربانی بھی کرتے ہیں بہت سے حجاج پر قربانی واجب ہوتی ہے جو قارن یا متمتع ہوں اور بہت سوں کے لئے مستحب ہے جو مفرد بالحج ہوں۔

شاید یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ یہ وجہ مناسبت تو حجاج کیساتھ مخصوص ہوئی اور قربانی تو غیر حاج بھی بہت کرتے ہیں۔

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ مناسبت کے لئے اقتران فی الجملہ بھی کافی ہے گو اقتران کلی نہ ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ غیر حاج پر قربانی کا واجب ہونا تشبہ بالحاج کے لئے ہے کہ جو لوگ مکہ میں نہیں اور حج میں مشغول نہیں وہ حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہی کر لیں۔ چنانچہ جیسا حج میں تلبیہ ہوتا ہے یہاں اس کے مشابہ تکبیر تشریق ہے جو ہر مسلمان عاقل بالغ پر ایام تشریق میں واجب ہے جبکہ جماعت سے نماز پڑھے اور مفرد کے لئے مستحب ہے۔

نیز جو لوگ قربانی کرنے والے ہیں ان کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ یکم ذی الحجہ سے

قربانی تک اپنے ناخن اور بال وغیرہ نہ کٹوائیں بلکہ قربانی کے بعد حلق یا قصر کریں اس میں حالت احرام کے ساتھ تشبہ ہے (اور جن پر قربانی واجب نہیں اگر وہ بھی ایسا کریں تو بہت ثواب ہے) اب تو قربانی کی مناسبت حج سے بالکل ہی ظاہر ہے۔

تیسرے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا ما الحج یارسول اللہ کہ حج کی حقیقت کیا ہے تو حضور نے جواب میں فرمایا الحج و الثج (الترمذی) کہ حج کی حقیقت ہے آواز بلند کرنا (تلبیہ میں) اور خون بہانا (قربانی میں) اب تو مناسبت بوجہ اکمل ظاہر ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو داخل حقیقت حج کیا ہے گو وہ ارکان میں سے نہ ہو مگر اس کو تعلق حج کے ساتھ ایسا قوی ہے کہ گویا داخل حج ہے۔

اور حج کے افعال شوال سے شروع ہوجاتے ہیں تو قربانی کے احکام بھی اسی وقت سے شروع ہوجانے چاہئیں گو حکم مستحب ہی سہی یعنی تسمین نیز تعلق اضحیہ کا حج کے ساتھ اس سے بھی ظاہر ہے شرعاً سوق ہدی تلبیہ کے قائم مقام ہے کہ جو شخص احرام حج کے ساتھ سوق ہدی بھی کرے تو اس کا احرام تقلید ہدی سے منعقد ہوجاتا ہے تلبیہ پر موقوف نہ رہے گا پس اگر کوئی شخص شوال کے مہینہ میں احرام مع سوق الہدی کا ارادہ کرے تو اس کے ذمہ اسی ماہ میں ہدی کا خریدنا لازم ہے گو بعض صورتوں میں اس ماہ میں واجب نہ ہو مگر مناسبت کے واسطے یہ لطائف کافی ہیں کیونکہ یہ مضمون مبانی و مقاصد میں سے تو نہیں ہے جس کے لئے دلائل قطعیہ کی حاجت ہو۔ بہرحال جن تین مضامین کے بیان کا اس وقت ارادہ ہے ان میں سے دو کا تعلق تو اس ماہ سے بخوبی ظاہر ہوگیا ایک کا تعلق تو بدیہی تھا (یعنی حج کا) اور ایک کا تعلق وارتباط اس تقریر سے ظاہر ہوگیا۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

روح حج

سو روح حج وصول الی اللہ ہے۔ جس کی صورت حج البیت ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود　　　　حج رب البیت مردانہ بود

(خانہ کعبہ کی زیارت کرنا ظاہری حج کی صورت ہے حقیقت میں حج سے مقصود رب البیت ہے)

یعنی اصل میں مقصود حج رب البیت ہے زیارت خانہ کعبہ اس کی صورت ہے اس حقیقت کو حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ جوش میں بیان فرمایا تھا کہ اس وقت حکام مکہ

حضرت سے کچھ برہم تھے مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ اپنے کو مٹاتے ہیں ان کو رفعت حاصل ہوتی ہے کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۔

دیکھو اللہ ہے چھوٹوں کو بڑائی دیتا آسمان آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

واقعی جو لوگ اپنے کو مٹاتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو بلندی عطا فرماتے ہیں۔ حدیث میں ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ (مشکوٰۃ) مگر یاد رکھو جو بقصد رفعت تواضع کرے گا اس کو رفعت حاصل نہ ہوگی کیونکہ اس نے تواضع للہ نہیں کی بلکہ لغیر اللہ کی ہے تو تواضع للہ یہ ہے کہ حقیقت میں وہ اپنے کو لاشے اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے اور اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے حضرت حاجی صاحبؒ تو یوں چاہتے تھے کہ اپنے کو خاک میں ملا دیں اور جن لوگوں نے حضرت کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت میں کس قدر غلبہ فنا تھا مگر جتنا وہ مٹاتے تھے اتنا ہی بلند ہوتے تھے حتیٰ کہ حکام بھی آپ سے مرعوب تھے۔

تو جس زمانہ میں حکام مکہ حضرت سے برہم تھے۔ اسی زمانہ میں شریف صاحب کے ایک مصاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید حضرت ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے مگر حضرت نے ان کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کیا کہ ہم خدام بھی ڈر گئے کہ خدا خیر کرے فرمایا یاد رکھو شریف صاحب میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں بیش بریں نیست کہ مجھے مکہ سے نکال دیں گے سو خوب سمجھ لو کہ عارف جہاں بیٹھتا ہے وہی اس کا مکہ اور مدینہ ہے۔ کیونکہ مکہ کی حقیقت تجلی الوہیت اور مدینہ کی حقیقت ہے۔ تجلی عبدیت اور عارف اپنے اندر ہر وقت تجلی الوہیت و تجلی عبدیت کا مشاہدہ کرتا ہے وہ جہاں بیٹھے گا مکہ مدینہ اس کے ساتھ ہے پس وہ ہر جگہ خوش رہے گا کیونکہ مقصود سے ہر دم اس کو قرب حاصل ہے۔

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں فوق گردوں ست نے قعر زمیں

(جس جگہ محبوب ہو وہاں خوش و خرم بیٹھ وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند ہے نہ زمین پست) اور

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ

(جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو)

پھر چونکہ حضرت محقق تھے اس لئے مسئلہ کے دوسرے پہلو کو بھی سنبھالا اور فرمایا مگر جو محقق ہے وہ صورت کو بھی ہاتھ سے نہیں دیتا بلکہ حتی الامکان صورت و معنی کو جمع کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

بہر حال مجھے حضرت حاجی صاحبؒ کی اس حکایت سے اس مسئلہ کی تائید کرنا مقصود تھی کہ روح حج وصول الی اللہ ہے جس کی صورت یہ حج بیت ہے۔(السوال فی الشوال ج ۱۷)

عشاق کا حج

چنانچہ مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفر حج میں ایک نوعمر لڑکا ہمارے ساتھ تھا بدون زاد وتوشہ کے میں نے پوچھا کہ صاحبزادے تم نے توشہ نہیں لیا تو اس نے برجستہ جواب دیا۔

وقدت علی الکریم بغیر زاد من الحسنات والقلب السلیم

فان الزاد اقبح کل شئ اذا کان الوفود علی الکریم

(میں حسنات اور قلب سلیم سے بغیر زادراہ کے دربار میں جارہا ہوں اس لئے کہ جب کریم کے دربار میں جائے ہر چیز سے بری چیز زادوراہ ہے)

اس وقت میں سمجھا کہ یہ معمولی لڑکا نہیں بلکہ مرد طریق ہے پھر احرام باندھنے کا وقت آیا تو سب نے لبیک کہا اس لڑکے نے نہ کہا اور حیران ہو کر سب کا منہ تکنے لگا میں نے کہا صاحبزادہ لبیک کیوں نہیں کہتے کہا ڈرتا ہوں کہ میں لبیک کہوں اور وہاں سے جواب آئے۔

لالبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک

(تیرا نہ لبیک قبول ہے اور نہ سعدیک اور تیرا حج تجھ پر مردود ہے)

پھر حج سے فارغ ہو کر منٰی میں ہم سب آئے تو سب نے قربانی کی اس لڑکے نے آسمان کی طرف نظر کی اور کہا الٰہی سب اپنی ہمت کے موافق آپ کی جناب میں نذریں پیش کر رہے ہیں اور میرے پاس بجز اپنی جان کے کچھ نہیں اگر یہ نذر قبول ہو جائے تو زہے قسمت اور یہ کہہ کر چیخ مار کر جان بحق تسلیم ہوا۔

غیب سے آواز آئی کہ اس ولی کی قربانی کی بدولت سب کی قربانیاں قبول ہوگئیں۔ اور اس کے حج کی بدولت سب کا حج قبول ہو گیا۔ سبحان اللہ، اللہ کے بندے کیسے کیسے ہوئے ہیں۔

یہ واقعہ تو روض الریاحین یا کسی اور کتاب میں مذکور ہے اور ایک واقعہ زبانی سنا ہوا ہے کہ ایک شخص جواز ادوضع تھا حج کو جارہا تھا ہاتھ میں ایک دف تھا اور گاتا بجاتا چلا جاتا تھا لوگ یہ سمجھے کہ کوئی مسخرہ ہے بعض لوگ وضع کے پابند ہیں مگر ان کا دل بھی پائے بند ہے کہ میدان عشق میں ترقی نہیں کرتا کیونکہ ان لوگوں میں تکبر ہے جو سدراہ ہے اور بعض لوگ وضع

سوز ہوتے ہیں ان کا دل تکبر سے پاک ہوتا ہے بشرطیکہ وہ وضع سوز ہی ہوں شرع سوز نہ ہوں ہمارے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ شوخی علامت ہے روح کے زندہ اور نفس کے مردہ ہونے کی اور متانت علامت ہے نفس کے زندہ اور روح کے مردہ ہونے کی غرض وہ شخص وضع سوز تھا لوگ اس کو مسخرہ سمجھتے تھے جب مکہ معظمہ پہنچا اور معلم کے ساتھ سب کے سب طواف کعبہ کو چلے اور دروازہ کے قریب پہنچ کر بیت اللہ پر نظر پڑی اور معلم نے کہا ھذا بیت اللہ (یہ اللہ کا گھر ہے) تو اس شخص پر وجد طاری ہوگیا اور بے ساختہ یہ شعر زبان سے نکلا

چوں رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر　　　کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

(جب محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو تو اپنی جان کو فدا کردو شاید پھر اس تمنا کے حصول کا موقع نہ ملے)

یہ کہا اور گر کر وہیں جان دیدی بیت اللہ تک پہنچنے سے پہلے ہی رب البیت کے پاس پہنچ گیا گو اس شخص نے ظاہر میں نہ طواف کیا نہ حج کیا مگر یاد رکھئے کہ عشاق کا درجہ قرب میں عمال سے بڑھا ہوا ہے گو مناصب عمال کے زیادہ ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو ایاز تھا اور ایک حسن میمندی تھا۔ اختیارات تو حسن میمندی کے زیادہ تھے کیونکہ وہ وزیر تھا مگر قرب سلطان ایاز کو زیادہ تھا بعض وقت سلطان سے بات کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی بجز ایاز کے، اسی طرح بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں جو کسی خدمت پر مامور نہیں نہ تکوینی پر نہ تشریعی پر نہ قطب ہیں نہ غوث ہیں نہ مدرس ہیں نہ واعظ مگر خدا تعالیٰ کے پیارے ہیں غرض بعض لوگ حقیقتاً بھی جان فدا کردیتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اس لئے انہوں نے جانوروں کی جان کو ہماری جان کا عوض بنادیا۔

(السوال فی الشوال ج ۱۷)

صورت حج

روح حج کی وصول الی اللہ ہے لیکن صورت حج کو اگر دیکھا جائے تو اس صورت کو بھی سارا قصہ عاشقوں کا سا قصہ ہے چنانچہ احرام سے حج شروع ہوتا ہے اسی وقت سے یہ صورت ہوجاتی ہے کہ۔

لنگے زیرو لنگے بالا　　　نے غم وزد نے غم کالا

(ایک تہبند باندھے ہوئے تو ایک اوڑھے ہوئے نہ چور کا خطرہ نہ اسباب کا غم)

سر کھلا ہوا ہے سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتے گویا اسی وقت سے مجنونوں کی صورت اختیار کر لی اور کچھ پرواہ نہیں کہ کوئی کیا کہے گا کہ اس نے کیا صورت بنائی ہے ۔

نہ سازد عشق را کنج سلامت   خوشا رسوائی کوئے ملامت

(سلامتی کا گوشہ عشق کے موافق نہیں ہے کوچہ ملامت کی رسوائی بہتر ہے)

اس وقت اس رسوائی ہی میں عشاق کو مزا آتا ہے ایک اور شاعر کہتا ہے

۔ عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن (عاشقی کیا ہے؟ کہہ دو محبوب کا بندہ ہو جانا)

واقعی احرام کی صورت بالکل بندگانہ وغلامانہ صورت ہے

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن   دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

(اگر کوئی پوچھے عاشقی کیا ہے تو کہہ دو کہ محبوب کا بندہ بن جانا۔ دل کو دوسرے کے ہاتھ میں دے دینا اور حیران رہ جانا)

اس وقت سب لوگ ایک حال میں ہوتے ہیں امیر بھی غریب بھی سلطان بھی رعایا بھی عاشق بھی اور غیر عاشق بھی کسی کے لئے کوئی خاص امتیاز نہیں ہوتا کیونکہ عشق کے لئے امتیاز سد راہ ہے امتیاز سے شہرت ہوتی ہے اور شہرت بہت سی بلاؤں کا پیش خیمہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

اشتہار خلق بند محکم است   بند ایں از بند آہن کے کم است

(مخلوق میں مشہور بن جانا ایک سخت حجاب ہے جو فیوض سے محروم رکھتا ہے راہ خداوندی میں۔ یہ حجاب قید آہنی سے کم نہیں ہے)۔

خویش را رنجور ساز و زار زار   تا ترا بیروں کنند از اشتہار

(اپنے رنجور، زارونزار، پست وشکستہ بنالو تا کہ عوام الناس شہرت سے خارج کردیں)

اسی واسطے عشاق اپنے کو گمنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ شہرت سے لوگ ان کے درپے نہ ہوں اور محبوب کے درمیان اور ان کے درمیان حائل نہ ہوں تو حق تعالیٰ نے احرام میں سب کی صورت یکساں بنا دی تا کہ عشاق وغیر عشاق میں امتیاز نہ رہے کیونکہ عشاق تو احرام میں عاشقانہ صورت بناتے ہیں ان سے تو اس وقت لباس وغیرہ کا اہتمام نہ ہوسکتا پھر اگر تنہا وہی اس صورت میں ہوتے تو ان کا بھانڈا پھوٹتا ان کا عشق طشت از بام ہو جاتا اس لئے محبوب نے ان کی پردہ پوشی کے لئے سب کو عاشقانہ صورت بنانے کا حکم فرما دیا تا کہ عشاق کا عشق مخفی رہے ان کو امتیاز نہ ہو اور امتیاز سے شہرت نہ ہو اور شہرت سے عجب و پندار پیدا نہ ہو۔

نیز شہرت میں دنیا کے بھی خطرے ہیں مولانا فرماتے ہیں ۔

خشمہاؤ چشمہاؤ اشکہا بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

(لوگوں کی نظریں، انکے غیض وغضب، انکے حسد، ایسے شخص پر جیسے مشک سے پانی گرتا ہے برسنے لگے)

اہل شہرت ہی کے سب لوگ درپے ہوتے ہیں کوئی ان پر اعتراض کرتا ہے کوئی طعن کرتا ہے کوئی حسد کرتا ہے اور گمنام آدمی ان بلاؤں سے محفوظ ہے چنانچہ جو لوگ دنیوی وجاہت رکھتے ہیں وہ دنیا کے قصوں میں بہت پھنسائے جاتے ہیں آج حکام کی خوشامد ہے کل کو فوج کی بھرتی کا انتظام ان کے سپرد ہے اور اگر کہیں بدامنی ہو جائے تو سب سے پہلے ان کے مچلکے لئے جاتے ہیں غریبوں کو کون پوچھتا ہے اس لئے غریبوں کی زندگی نہایت بے فکر زندگی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے جب کوئی فقر وفاقہ کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ تم کو یہ دولت مفت مل گئی ہے اس لئے قدر نہیں مجھ سے قدر پوچھو کہ سلطنت چھوڑ کر فقر وفاقہ خریدا ہے تو حق تعالیٰ نے احرام میں سب کی صورت یکساں بنا کر عشاق کو شہرت کے تمام خطرات سے بچا دیا دینی خطرات سے بھی اور دنیوی خطرات سے بھی۔ بس ذرا سا امتیاز جائز رکھا گیا ہے کہ کوئی گاڑھے کی لنگی چادر پہن لے اور کوئی لٹھے کی یا اس سے بھی قیمتی کپڑے کی کوئی کمبل اوڑھ لے کوئی شال اوڑھ لے۔

اس میں ایک تو یہی حکمت ہے کہ امتیاز طبعی خاصہ انسان کا ہے اور طبعی جذبات کو بالکل فنا کرنے سے تکلیف ہوتی ہے سو حق تعالیٰ تکلیف دینا نہیں چاہتے دوسرے اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ سائلین کو اطلاع ہو جائے کہ یہ دوشالہ اوڑھنے والا مالدار ہے یہ خیرات دے سکتا ہے ان حکمتوں سے کسی قدر امتیاز جائز رکھا گیا ورنہ اصل وضع میں سب مساوی ہیں اور وضع میں زیادہ دخل لباس کی ہیئت ہی کو ہے مادہ کو نہیں۔ پھر سب کو حکم ہے کہ سر کھول دو تا کہ سب کا حال معلوم ہو جائے کہ ان کا سر کیسا ہے بعض لوگ گنجے ہوتے ہیں اس وقت سر کھولتے ہوئے ان کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ غرض احرام کے وقت تو یہ صورت بنائی جس سے سراپا نیازمندی اور عبدیت کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر جب دربار میں پہنچے اور طواف شروع ہوا جس میں رمل بھی مشروع ہے تو چال بھی ڈھنگ کی نہ رہی حالانکہ یہی حاضری دربار کا وقت تھا ادب ووقار کا مگر نہیں یہی وقت ہے فناء وقار کا اور یہاں کا یہی ادب ہے۔

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بہ جیب عدم درکشد
(جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں)
دربار حق میں جب عظمت حق کا علم بند ہوتا ہے وہاں کسی کی عزت کیونکر باقی رہ سکتی ہے بلکہ سب کو اپنی عزت و وقار کو فنا کر دینا چاہیے اور اگر کوئی اس ہیئت کو دیکھ کر انہیں دیوانہ کہے تو وہ یوں کہتے ہیں۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد مرعسس را دیدو درخانہ نہ شد
(جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے جس طرح جو شخص کوتوال کو دیکھتا ہے گھر میں چلا جاتا ہے اسی طرح جب محبوب حقیقی کا عشق غالب ہوتا ہے عقل رفو چکر ہو جاتی ہے) اور یوں کہتے ہیں۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم
(اگر ہم قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا پرواہ یہی دولت کیا کم ہے کہ ہم محبوب حقیقی اور اسکی محبت کے متوالے ہیں)

واقعی طواف میں رمل کی ہیئت بتلاتی ہے کہ یہاں کوئی بڑا دربار ہے جسکے سامنے سب کا وقار مٹ گیا سب کی عزت خاک میں مل گئی سب کے سب مجنونوں کی طرح شانے ہلاتے ہوئے دوڑ رہے ہیں یہ توجہ کی صورت تھی۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

روح قربانی

قربانی کی ہیئت بالکل نذر کی صورت ہے کہ جیسے کسی کے سامنے نذر پیش کر رہے ہوں کیونکہ کھانے پینے کے لئے قربانی ہوتی تو ہر شخص کو ایک سے زیادہ قربانی کی اجازت نہ ہوتی کیونکہ اس سے زیادہ کھانے کے کام میں نہیں آسکتی بلکہ ایک ایک قربانی بھی کریں تب بھی بہت سا گوشت بچ رہتا ہے مگر باینہمہ ایک شخص ہزار بکرے ذبح کرے تو شریعت اس کو منع نہیں کرتی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی روح نذر ہے۔

یہاں سے ان ملحدوں کا منہ بند کر دیا گیا جو یوں کہتے ہیں کہ اس قدر جانوروں کے ذبح میں فضول رقم ضائع کی جاتی ہے یہ رقم رفاہ عام میں خرچ کرنا چاہئے میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص جارج پنجم کے سامنے دس لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کرے تو وہاں کوئی نہیں کہتا کہ یہ روپیہ رفاہ عام میں خرچ کرنا چاہیے بلکہ وہاں تو تعریف ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے بڑی

ہمت سے کام لیا کہ دس لاکھ روپے نذرانہ میں پیش کیے افسوس خدا کے سامنے کوئی نذر پیش کرے تو اس کی رقم کو فضول ضائع کرنا کہا جاتا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ آج کل جو بعض مسلمانوں میں عقل کی کمی ہے اور وہ شریعت کے احکام پر اشکال کرتے ہیں تو اس کا بڑا سبب خدا سے تعلق کی کمی ہے اگر ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا تو ان کی عقلیں درست ہو جاتیں ان لوگوں کو رقم ضائع ہونے کا شبہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے قربانی کی غرض گوشت کھانا سمجھا حالانکہ اس کی یہ غرض نہیں بلکہ اس کی غایت صرف خدا کے نام پر جان فدا کرنا ہے مکہ معظمہ میں جا کر اس کا نمونہ نظر آتا ہے کہ قربانی کی کوئی حد ہی نہیں بالکل مقتل نظر آتا ہے کہ ایک جگہ ہزاروں لاکھوں جانیں خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کی جاتی ہیں۔

اب ہمارے رفارمر وہاں بھی رائے دیتے ہیں کہ سلطان کو ان جانوروں کی کھالیں کھینچنا چاہیے اور ان سے رفاہ عام کا کام نکالنا چاہیئے حالانکہ رئیس العقلاء سید الحکما افضل الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الحج العج والثج. کہ حج نام ہے شور برپا کرنے کا جو حرکت ہے۔ دیوانوں کی مراد اس سے بلند آواز سے لبیک کہنا ہے اور نیز حج نام ہے اس کے نام پر خون بہانے کا جو نذرانہ دربار ہے حضور نے فقط جان لینا اور خون بہانا فرمایا ہے۔ کھانے تک کا بھی تو ذکر نہیں فرمایا بس معلوم ہوا کہ اصل روح قربانی کی نذر الی اللہ ہے اور حج کی روح دیوانہ شدن ہے۔ یہ اسرار ہیں اور یہ راز ہیں افعال حج کے اور یہ تو وہ ہیں جہاں تک ہم جیسوں کی عقلیں پہنچ گئیں اور جو حکماء امت ہیں وہ تو اور زیادہ بیان کر سکتے ہیں۔ میں اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ علماء اور طلبہ کو چھیڑو نہیں ان کے تھیلے میں سب کچھ ہے یہ اسرار کو بھی سب سے زیادہ جانتے ہیں مگر

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

(مصلحت نہیں ہے کہ راز افشا ہو جاتے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی خبر ایسی نہیں جو کہ نہ ہو)

اور یہ جتنا کچھ بھی میں نے بیان کیا ہے رغبت سے بیان نہیں کیا کیونکہ علوم مکاشفہ سے مجھے زیادہ رغبت نہیں۔ مجھے زیادہ رغبت علوم معاملہ سے ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم ہیں مگر بعض طبائع کی خاطر سے یہ اسرار بیان کر دیئے ہیں کہ اگر کسی کے یہاں احباب کی دعوت آموں کی ہو تو وہ پال کے آم بھی پیش کرتا ہے اور ڈال کے بھی تاکہ جس کو جس سے رغبت ہو ویسے ہی کھا لے کسی کو کھٹے آم پسند ہوتے ہیں کسی کو میٹھے اور کسی کو

ایسے پسند ہوتے ہیں جو کچھ کھٹے ہوں کچھ میٹھے اس لئے میں نے بھی اس وقت ہر قسم کے مضامین جمع کر دیئے ہیں اب میں حج اور قربانی کا مضمون ختم کرتا ہوں۔ مضمون حج کا نام العج ہے اور مضمون قربانی کا نام الثج ہے۔ اور یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے ہیں اس لئے ہم دوسرے نام کیوں رکھیں حضور تو اگر ہمارے بیٹوں کے اور ہمارے نام بھی رکھ دیتے تو ہم اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور ہر گز خود کوئی نام نہ رکھتے۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

حج میں اخلاص کی ضرورت

مگر میں ابھی بتلا دوں گا کہ اخلاص کی ضرورت حج میں زیادہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حج کی ایک خاص شان ہے جس کی وجہ سے وہ اکثر اخلاص سے خالی ہو جاتا ہے اور یہ ہمارے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے کہ اس کی وہ خاص شان اس کو مقتضی ہوگئی کہ اس میں اخلاص کم ہوتا ہے ورنہ اس شان کا اصلی مقتضاء یہ تھا کہ اس میں دوسرے اعمال سے زیادہ اخلاص کا اہتمام کیا جاتا۔

حج کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو کام بار بار ہوتا ہے اس میں اگر پہلی بار اخلاص نہ ہو تو آہستہ آہستہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے اگر کسی کو اول روز اخلاص نصیب نہ بھی ہو تو وہ کوشش کر کے دو چار روز یا دو چار ہفتوں میں اخلاص حاصل کر سکتا ہے روزہ میں اتنا تکرار تو نہیں مگر ہر سال رکھنا پڑتا ہے اسی طرح زکوۃ ہے اگر کوئی شخص تمنا کے ساتھ بلوغ کے بعد پچاس سال کی عمر پائے تو پچاس مرتبہ زکوٰۃ فرض ہوگی اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ دوسرے اعمال میں اخلاص کا پیدا ہونا آہستہ آہستہ ممکن ہے اگر پہلی بار میں نہ ہو دوسری تیسری بار میں ہو جائے گا۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اخلاص کے وجوداً و عدماً تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ فعل کے وقت غایت صحیحہ کا قصد ہو یہ تو غایت اخلاص ہے اور یہی مقصود اور مرتبہ کمال کا ہے۔ دوسرے یہ کہ غایت فاسدہ کا قصد ہو۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے ایک یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو نہ غایت صحیحہ کا نہ غایت فاسدہ کا بلکہ یونہی معمول کے موافق ایک کام کر لیا یہ درجہ بین بین ہے۔ اس کو اخلاص سے اتنا بعد نہیں جتنا دوسرے درجہ کو بعد ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے اس کے سوا اور کچھ نیت نہ ہو یہ تو اخلاص کا درجہ کمال ہے ایک یہ

صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خشوع وخضوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جائے گا یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے موافق نماز پڑھ لیں نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو یہ مرتبہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجہ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں۔ اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیاری فاعل مختار سے بدوں کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا۔ تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں اور نیت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ محض عادت کی برکت ہے جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے اس کے لئے اب بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی۔

تکرار کی وجہ سے عادت ہو جاتی ہے اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہوا کرتا پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ قرب ہے اور جس میں تکرار نہ ہو اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ غایت صحیحہ کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔ (الحج المبرور ۱۷)

فضیلت قربانی باعتبار حقیقت

حقیقت کے اعتبار سے سنیے کہ قربانی کی دو حقیقتیں ہیں ایک حقیقت جنسیہ اور دوسری حقیقت نوعیہ۔ حقیقت جنسیہ میں جنس سے مراد جنس قریب ہے جنس بعید مراد نہیں ہے۔ تو حقیقت جنسیہ اس کی انفاق مال ہے اور حقیقت نوعیہ اراقۃ الدم ہے۔ قربانی کو دونوں اعتبار سے فضیلت ہے۔ انفاق مال کے حیثیت سے تو اس لئے کہ اول سمجھنا چاہیے کہ بڑی چیز اور اصل مدار فضیلت اور کمال کا حق تعالیٰ کی محبت ہے اور سب احکام اس کے لئے ہیں پس نفس کے انقلابات میں جو غور کیا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت بدنی اتنی دلیل محبت کی نہیں جس قدر کہ عبادت مالی ہے دنیا میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ ٹٹول کر دیکھئے کہ اگر کوئی بہت قیمتی شے اور پیاری شے آپ کے پاس ہو تو ہر محبوب کو دینا اس کا آپ پسند نہ کریں گے۔ بلکہ جس سے بے انتہا محبت ہوگی اس کو آپ دیں گے۔ مثلاً آپ کے پاس ایک گھوڑا ہے جس کے پانچ سو روپیہ قیمت ہے ایک دوست نے اس کو مانگا عذر کر دیا اور دوسرے نے مانگا فوراً بخوشی پیش کر دیا تو وجہ اس کی صرف یہ ہوئی کہ اس سے زائد محبت تھی۔ پس مال وہاں

ہی خرچ کیا جاتا ہے جہاں محبت ہو بخلاف جانی خدمت کے کہ ہر کسی کی کر دی جاتی ہے مثلاً کوئی کہے کہ پانی پلا دو خواہ اس سے محبت ہو یا نہ ہو تو فوراً پلاؤ گے۔ غرض جانی خدمت اس قدر علامت محبت کی نہیں جس قدر مالی ہے اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے

؎ گرجاں طلبی مضائقہ نیست در زر طلبی سخن دریں است

(اگر تو جان مانگتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے مصیبت تو یہ ہے کہ تو پیسہ مانگتا ہے) (انج البحر ور ۱۷)

قربانی کا راز

یہ تھی کہ بیٹے کی قربانی کریں لیکن چونکہ ہم ضعیف تھے اور بیٹا اپنی جان سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس لئے بجائے اسکے یہ حکم ہوتا کہ اپنی جان قربان کرو اس لئے کہ اپنی جان دینا بھی لوازم عشق سے ہے۔

چنانچہ بعض بزرگوں کو یہ دولت نصیب بھی ہوئی کہ خانہ کعبہ پہنچ کر انہوں نے اپنی جان دیدی ہے۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ یا کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک شخص آپ کی مجلس میں اس مصرع کا تکرار کرنے لگا

؎ جاں بدہ جاں بدہ جاں بدہ۔ (جان دے دو، جان دے دو، جان دے دو) حضرت کو جوش ہوا اور فرمایا کہ میاں محبوب جان مانگ رہے ہیں اور کوئی اتنا نہیں ہے کہ جان دیدے اور یہ کہہ کر فرمایا جان دادم جان دادم و جان دادم (میں اپنی جان پیش کرتا ہوں، میں اپنی جان پیش کرتا ہوں، میں اپنی جان پیش کرتا ہوں) اور وصال ہو گیا۔ پس اصل تو عشق کا مقتضی جان دینا ہے۔

اور اگر وہ جان مانگتے تو حق تھا چنانچہ ارشاد بھی ہے۔ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الخ (اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو (یعنی خودکشی کرو) اور وہ تو سلطان السلاطین ہیں دنیا کے جب ایسے خطرناک موقعوں پر لے جاتے ہیں کہ جہاں جان کا خطرہ ہے اور انکار نہیں کرتے تو وہ بطریق اولیٰ اس کے مستحق ہیں خاص کر جب کہ جان بھی ہماری نہ ہو ان کی ہی دی ہوئی ہو اگر وہ جان لے لے تو کیا حرج ہے۔ مولانا تو اہل اللہ کے لئے فرماتے ہیں

؎ آنکہ جاں بخشد اگر بکشند رواست نائب است اودست اودست خدا است
ہمچو اسمٰعیل بہ پیشش سربنہ شاد وخنداں پیش تیغش جاں بدہ

(جو جان عطا کریں اگر وہ قتل کریں تو جائز ہے)(حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ان کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔ ہنستے کھیلتے ان کی تلوار کے سامنے جان دے دے) یعنی اسماعیل علیہ السلام کی طرح تفویض محض کر دو کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی یعنی بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کرتا ہوں تم سوچ کر اپنی رائے بتلاؤ۔ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ یعنی اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا اے ابا آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابرین سے پائیں گے۔ اللہ اکبر کیسے باپ بیٹے تھے کہ دونوں راضی ہو گئے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پچھاڑ کر ان کے گلے پر چھری چلا دی لیکن حق تعالیٰ نے بجائے ان کے ایک مینڈھے کو رکھ دیا اور وہ ذبح ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ وہ مینڈھا جان کا فدیہ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قربانی جان کا عوض ہے۔ (التبذیب ج ۱۷)

خاکساران جہاں

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کہ ہم تو تم سے باعتبار علم کے نہایت قریب ہیں اور تم ہم سے باعتبار معرفت کے نہایت دور۔ اسی طرح اللہ کے بندے ایسے ایسے ہیں کہ ذات کے اعتبار سے تم سے بہت نزدیک ہیں مگر صفات کے اعتبار سے تم ان سے بہت ہی بعید ہو۔

ایک شخص بیان کرتے تھے کہ سفر حج میں ایک شخص نہایت آزاد وضع سے تھے۔ اس معنی کر آزاد نہیں کہ شریعت کی وضع سے بھی آزاد تھے بلکہ اس معنی کر آزاد وضع تھے کہ مخدومیت مولویت مشیخت کی شان ان میں نہ تھی۔

؎ زیر بار اندر درختاں کہ ثمر ہا دارند اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

(یعنی پھل دار درخت زیر بار ہیں سرو بہت اچھا کہ بند غم سے آزاد ہے)

تمام سفر میں ان کی یہ حالت تھی کہ رقص کرتے تھے عشقیہ اشعار پڑھتے تھے ان کو لوگ نقال مسخرہ سمجھتے تھے واقعی بظاہر ان کی وضع بھی ایسی ہی تھی آپ کے پاس ایک دفلی بھی تھی جو ایک طرف سے کھلی ہوئی تھی یونہی اپنے ہاتھ سے کسی چیز کے گھیرے پر جھلی منڈھ کر چھوٹے سے دف کی شکل بنا لی تھی کبھی کبھی اسے بھی بجایا کرتے تھے غرض لوگ انہیں ان باتوں سے بالکل مسخرہ سمجھتے تھے۔

ے خاکساران جہاں را بحقارت منگر ۔۔۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو)

اخیر تک بھی انہوں نے اس وضع کو نہ چھوڑا۔اسی حالت میں تھے کہ حرم میں یعنی مسجد حرام میں پہنچ گئے اور اس کو حرم میں میں نے بالمعنی العرفی کہہ دیا ورنہ یوں تو تمام مکہ حرم ہے عرف میں البتہ خاص مسجد مسجد بیت اللہ کو حرم کہتے ہیں ۔ میں نے بھی اسی اصطلاح کے اعتبار سے حرم کہہ دیا۔خیر جب خانہ کعبہ کے سامنے پہنچے اس کے سیاہ غلاف اور اس کی ایک محبوبانہ شان کو دیکھ کر اور بھی جوش بڑھ گیا مطوف نے کہا کہ یہی بیت اللہ ہے اب طواف کرو۔یہ کہنا تھا کہ ان پر ایک حالت طاری ہوئی اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا

ے چورسی بکوے دلبر بسپار جان مضطر ۔۔۔ کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا

کہ اب تو محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو اب اپنی جان فدا کر دو شاید پھر اس تمنا کے حصول کا موقع نہ ملے یہ کہہ کر فوراً گرے اور دم نکل گیا ۔ تب معلوم ہوا کہ یہ کوئی صاحب حال تھا مسخرہ نہیں تھا۔تو یہ ایک واقعہ ظاہر ہو گیا ورنہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیسے کیسے رتبے کے شخص ہوتے ہیں ۔ (روح الحج والحج ج ۱۷)

روح حج وقربانی

اصل قربانی کی بیٹے کو ذبح کرنا ہے کہ جو اپنے ذبح سے بھی اشد ہے۔اور یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ اشد اخف کو متضمن ہوتا ہے تو روح قربانی کی اپنا فدا کرنا اور اپنی قربانی کرنا ٹھہرا۔جس کی نسبت دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر ہم یہ فرض کر دیتے کہ:

أَنِ اقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ

خودکشی کیا کرو یا شہر بدر ہو جایا کرو تو بہت کم لوگ کرتے اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی ایسی چیز ہے کہ اس میں مشروعیت کی صلاحیت تھی چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت مشروع ہوئی اور انہوں نے اس کو کیا مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ فوراً ہی ایک عنایت کا ظہور ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا)

ذبح عظیم کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فوراً ایک دنبہ وہاں پر رکھ دیا گیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اسے ذبح کر دیا۔تو ابراہیم علیہ السلام کے دین میں قربانی مشروع ہوئی تھی۔انہیں کے

موافقت میں اس دین میں بھی مشروع ہوئی۔ تو اصل قربانی کی اپنے نفس کو فدا کر دینا ہے اور اعتبار اصل کا ہوا کرتا ہے۔ اب تو اس اصل کے اعتبار سے قربانی نری عبادت بدنیہ ہوئی اب مالیت کا پہلو مغلوب ہو گیا اور بدنیہ کا پہلو غالب ہو گیا۔ بہر حال یہ بھی مرکب ہوئی تو حج و قربانی کے درمیان میں ایک مابہ الاشتراک (وہ چیز جس کی وجہ سے اشتراک ہے) یہ بھی نکل آیا اور اس وجہ سے تشارک کے بیان کے ضمن میں اتفاقاً قربانی کی روح بھی مذکور ہو گئی جس کو بعد میں ذکر کرنے کا ارادہ تھا اور چونکہ ابھی متعدد وجوہ سے دونوں میں اشتراک ثابت ہو چکا ہے اسی مناسبت سے سمجھ لینا چاہیے کہ یہی فدا و فنا روح حج کی بھی ہے۔ تو گویا یہ دونوں عمل ایک جان دو قالب ہوئے تو روح دونوں کی کیا ہوئی اپنے کو فدا کرنا حق تعالیٰ کی راہ میں اہل ظاہر اس کو فدا کہتے ہیں۔ اور اہل معرفت اپنی اصطلاح میں فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ (روح الحج والثج ج ۱۷)

کیفیت آغاز سفر

جب میں والد صاحب مرحوم کے ساتھ حج کو چلا تو چھوٹی عمر تھی ایک خط میرے پاس آیا کہ اخبار کی خبر ہے کہ سمندر میں تلاطم و طوفان ہے اس حالت میں کہاں جاتے ہو میں نے جواب میں لکھا کہ

ے چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیبان
چہ پاک از موج بحراں را کہ باشد نوح کشتیبان

(امتیوں کو کیا غم ہے جب کہ آپؐ جیسا ان کا معاون و مددگار ہے سمندر کے طوفان سے اس کو کیا خوف جس کا کشتیبان نوحؑ ہے)

اور اس قدر دل بے فکر تھا کہ نہ مرنے کا غم نہ تکلیف کا اندیشہ۔ دل کو عجیب اطمینان تھا غازی آباد کے اسٹیشن پر ایک تحصیلدار والد صاحب کو ملے کہنے لگے کہاں چلے بڑا طوفان ہے والد صاحب نے فرمایا معاف کیجئے اور بلسان حال یہ کہا۔

عذل العواذل حول قلبی التاۂ وھوالا حبۃ منہ فی سوداۂ

(ملامت گروں کی ملامت تو دل کے چاروں طرف رہتی ہے اور دوستوں کی محبت سوادئے قلب ہے)

تجربہ کی بات ہے کہ جب ارادہ کر لیا تو پھر یہ حالت ہوتی ہے۔

نساز و عشق را کنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

(یعنی عشق کو گوشہ سلامتی موافق نہیں اس کے مناسب کوچہ ملامت کی رسوائی بہت اچھی ہے) کچھ بھی پرواہ نہیں۔ (روح الحج والحج ج ۱۷)

عورت کا احرام وتلبیہ

عورت کے لئے تلبیہ کا جہر نہیں کیونکہ اس کی آواز میں فتنہ ہے لباس بھی وہ نہیں اس واسطے کہ اس میں کشف عورت ہے۔ لیکن اس میں ایک جزو عقل کی رسائی سے آگے ہے کہ سر پر کپڑا اڈالنا تو فرض مگر منہ پر ڈالنا ناجائز۔ عورتیں یہ کرتی ہیں کہ خاص وضع کے پنکھے جو اسی لئے بنائے جاتے ہیں اور ان میں جالی بھی ہوتی ہے ماتھے پر لگا لیتی ہیں تاکہ منہ پر بھی نہ لگے اور چہرہ بھی نہ کھلے۔ (روح العج والثج ج ۱۷)

زیارۃ مدینہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام)

حج کے بعد ایک اور طاعت ہے جس میں خشک مزاج والوں نے اختلاف کیا ہے اور وہ زیارت مدینہ ہے۔ اس کی روح کیا ہے۔ اس کی روح یہ ہے کہ فنا کے مرتبے تک بھی جو کہ روح ہے حج کی مع قربانی کے پہنچ کر یوں سمجھ لے کہ سلوک و وصول میں تفرد کافی نہیں۔ اب بھی شیخ کی حاجت ہے کیونکہ بغیر اس کے فنا مثمر (نتیجہ خیز) نہیں تو شیخ الشیوخ کی زیارت سے اس وابستگی کو تازہ کر لو جو شیخ کے ساتھ حاصل ہے تاکہ فنا کا ثمرہ ظاہر ہو۔ واقعی زیارت مدینہ بڑی برکت کا عمل ہے۔ جو اہل قلب ہیں ان کو بڑے بڑے ثمرات عطا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حج سے پہلے زیارت کر لے تو استعداد ان ثمرات کے حصول کی پیدا ہوتی ہے جو حج یا بعنوان دیگر فنا پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر بعد میں زیارت کرے تو ان ثمرات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ عجیب جگہ ہے وہاں اللہ کے بندے بڑی بڑی دولتوں سے مشرف ہوئے ہیں۔

سید احمد رفاعیؒ کا واقعہ

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ حاضر ہوتے تو آپ نے روضہ مقدسہ پر جاکر با آواز بلند عرض کیا السلام علیک یا جدی (دادا صاحب السلام علیک) جواب آیا وعلیک السلام یا ولدی (بیٹا! وعلیک السلام) خلاف توقع جواب ملا تو وجد کرنے لگے اور عرض کرنے لگے۔

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی و ھی نائبتی

یعنی دوری میں تو روح کو قدم بوسی کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا۔)

فھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحظے بھا شفتی

(یعنی اب جسم کی باری آئی ہے اب تو ذرا ہاتھ بڑھا دیجئے تا کہ میں اس کو بوسہ دوں) دیکھا کہ ایک ہاتھ نکلا جیسے کالشمس فی نصف النھار (دوپہر میں سورج) جس کی نورانیت نے آفتاب کو بھی ماند کر دیا تھا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا تو نوے ہزار آدمی مشاہدہ کر رہے تھے۔ ایک ہل چل پڑ گئی پھر نہایت شوق و ادب سے ہاتھ چوما۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کو احمد رفاعی پر رشک بھی ہوا تو فرماتے ہیں ہم تو ہم اس وقت تو حاملان عرش رشک کر رہے تھے۔ اللہ اللہ یہ دولت۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو دیکھا کہ لوگوں میں بڑی عزت ہو رہی ہے آپ نے نفس کا معالجہ کیا۔

صاحبو! جب ایسے ایسوں کو علاج کی ضرورت ہے تو ہم کیسے مخدوم ہو سکتے ہیں ہمیں تو بدرجہ اولیٰ علاج کی حاجت ہے آپ نے معالجہ یہ کیا کہ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دہلیز پر لیٹ گئے۔ اور فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔

کہ میرے اوپر سے گزر و تا کہ ذلت ہو۔ لوگوں نے پھاندنا شروع کیا۔

ایک بزرگ تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نہیں پھاندے۔ فرمایا اگر میں ایسا کرتا تو مجھے آتش قہر جلا ڈالتی۔ وہ اندھے تھے جو پھاندے۔ تو اللہ کے بندوں کو وہاں یہ یہ دولتیں نصیب ہوتی ہیں۔

اتنی بڑی دولت کو بعض خشک مزاج بلا دلیل کہتے ہیں کس نا جائز ہے۔ (روح العج والثج ج ۱۷)

قربانی کی جگہ قیمت

ایک بزرگ اہل حال اس غلطی میں مبتلا تھے کہ ہمیشہ دام دیدیا کرتے قربانی نہ کرتے ایک روز خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔ سب کے پاس سواری ہے ان کے پاس نہیں۔ انہوں نے سواری طلب کی جواب ملا کہ یہاں کہاں سواری جو قربانی کرتے ہیں ان کو یہاں سواری ملتی ہے تم قربانی نہیں کرتے جاؤ گھسٹتے ہوئے۔ بیدار ہوئے تو بہت پریشان ہوئے فوراً توبہ کی اور قربانی کرنا شروع کر دیا۔

اس پر بعضے نوعمر ہنستے ہیں کہ بہت سے جانور ہوں گے کون سے جانور پر سواری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سب پر قادر ہیں۔ ایک تو یہ صورت ہے کہ سب کے عوض میں ایک بہت بڑا جانور دیدیں ورنہ سب کی ڈاک لگا دیں اگر کسی کے اصطبل میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوں تو کیا اس پر بھی کبھی تعجب کیا ہے کہ اتنے گھوڑوں میں کس پر سواری کرتا ہو گا۔ وہاں تو یہ سمجھ لیتے ہو کہ مثلاً یہ ڈاک لگانے کے کام میں آتے ہیں طویل سفر ہو تو ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ایک ایک گھوڑا بھیج دیا جاتا ہے اور نہایت سہولت سے اتنا بڑا سفر بہت جلد قطع ہو جاتا ہے۔ آخرت کی سب باتوں پر تعجب اور دنیا کی کسی بات پر تعجب نہیں دنیا کی سب باتوں کو عقل کے قریب کر لیتے ہیں۔

مولانا احمد حسن صاحب امروہی خود مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ میں ریل میں سوار تھا۔ دوسرے درجہ میں ایک مولوی صاحب پرانی وضع کے اور ایک نئی وضع کے میانہ عمر شخص سوار تھے۔ ایک اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو چند انگریزی خواں لڑکے آ کر اسی دوسرے درجہ میں بیٹھے اور ان مولوی صاحب کا اسباب منتشر کر کے خود اپنا اسباب جما کر بیٹھ گئے۔ وہ مولوی صاحب آئے تو ملامت کی شرمندہ ہوئے چاہا کہ مولوی صاحب کو شرمندہ کریں۔ کہنے لگے کیوں صاحب نماز پنجگانہ فرض ہے انہوں نے کہا ہاں کہا یہ سب جگہ پانچ ہی وقت فرض ہے انہوں نے کہا ہاں کہنے لگے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے وہاں بھی پانچ ہی وقت فرض ہے مولوی صاحب نے کہا کیا تم وہاں سے آ رہے ہو۔ یا وہاں جا رہے ہو کہنے لگے نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا تو بس ہم ایسے فضول سوال کا جواب نہیں دیتے۔ اس پر وہ سب قہقہہ مار کر ہنسے اور اس ہنسنے میں وہ میانہ عمر شخص بھی شریک تھے۔

مولانا فرماتے تھے کہ مجھ کو ان کا ہنسنا بہت ناگوار ہوا۔ آئندہ اسٹیشن پر وہ لڑکے تو اتر گئے میں وہاں جا کر بیٹھا اور ان صاحب سے میں نے پوچھا کیوں جناب آپ کا دولت خانہ کہاں ہے آپ ملازم کہاں ہیں۔ سب کا جواب ملا پھر میں نے پوچھا آپ کو شب و روز میں کے گھنٹہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کا بھی جواب دیدیا۔ میں نے کہا کیوں جناب اگر گورنمنٹ کی سلطنت اس مقام پر ہو جاوے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے اور آپ کی وہاں کی بدلی ہو جاوے تو کیا وہاں بھی

ایک شب و روز میں اتنے ہی گھنٹے کام کرنا ہوگا۔ کہنے لگے کہ نہیں بلکہ اندازہ وقت کا کر کے اس شب و روز کو سال بھر قرار دے کر سال بھر کا کام کیا جاوے گا۔

میں نے کہا افسوس سلطان دنیا کے احکام و تجویز کی تو آپ کے ذہن میں یہ وقعت کہ اس پر اشکال واقع ہو تو فوراً اس کی توجیہ کر لی اور سلطان دارین کے احکام کی اتنی بھی بے وقعتی کہ اس پر جو ایسا ہی اشکال واقع ہوا تو بجائے توجیہ کے اس کی تحقیر کی اور اس پر تمسخر اڑایا۔ وہ شخص بے حد شرمندہ ہوا اور معذرت اور توبہ کی۔ (روح العج والثج ج ۱۷)

اشہر حج

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول خداوندی الحج اشہر معلومات میں کہ وہ (یعنی حج کے معین مہینے) شوال اور ذیقعدہ اور ذوالحجہ (کے دس روز) ہیں الدر المنثور عن اوسط الطبرانی والخطیب وابن مردویہ ونقل عن کثیر من السلف فائدہ شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے اور احرام کے علاوہ افعال حج میں سے کوئی فعل شوال سے قبل ہو تو وہ بالکل غیر معتبر ہے مثلاً کسی شخص نے طواف قدوم کے بعد سعی بین الصفا والمروہ رمضان میں کر لی تو سعی کافی نہیں اھ اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا حج کرنا ہے ان پر جو کہ اس تک سبیل (یعنی زادراہ) کی طاقت رکھیں۔ (احکام حج ج ۱۷)

تاخیر حج

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ جلدی کرے۔ (ابوداؤد داری) یعنی فرض ہونے کے بعد اول ہی سال جانا لازم ہے اگر نہ گیا تو تاخیر حج کا گناہ ہوگا۔ اور اگر کئی سال تک تاخیر کرتا رہا تو فاسق مردود الشہادۃ ہے۔ کما فی الدر وغیرہ اھ۔ و نیز ارشاد فرمایا رسولؐ خدا نے کہ جس شخص کو حج سے کھلم کھلا ضرورت یا ظالم بادشاہ یا رکاوٹ کے قابل مرض نے حج سے نہ روکا ہو اور پھر بھی (باوجود فرض ہونے کے) اس نے حج نہ کیا ہو پس خواہ وہ یہودی ہو کر مرے خواہ نصرانی (داری) (احکام حج ج ۱۷)

فضیلت حج

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے (خالص) اللہ کے

لئے حج کیا اور اس میں فحش گوئی نہ کی۔ اور گناہ نہ کیا تو وہ شخص اس دن کی مانند لوٹتا ہے جس دن کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا (متفق علیہ) (احکام حج ج ۱۷)

عمرہ کی فضیلت

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں وہ سب ذیقعدہ میں تھے۔ سوائے اس ایک کے جو حج وداع کے ساتھ تھا (کہ وہ ذوالحجہ میں واقع ہوا تھا۔ متفق علیہ) (احکام حج ج ۱۷)

فائدہ: عمرہ سنت مؤکدہ ہے بلکہ بعض فقہاء نے واجب کہا ہے اور عمرہ اس کو کہتے ہیں کہ احرام میں عمرہ کی نیت کی جاوے اور طواف کعبہ اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرے پوری تفصیل کسی واقف سے زبانی معلوم کرلیں۔

فائدہ-۲: اس جگہ ایک بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ عام لوگ جو ماہ ذیقعدہ کو منحوس سمجھتے ہیں یہ بڑی سخت بات ہے اور باطل عقیدہ ہے دیکھئے آنحضرتؐ نے اس ماہ میں تین عمرے کئے ہیں اس سے کتنی برکت ثابت ہوتی ہے و نیز ذیقعدہ حج کے مہینوں میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیث اول میں گزر چکا اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حج اور عمرہ ملا کر کیا کرو کیونکہ وہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسا کہ بھٹی لوہے اور چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے اور حج مبرور (یعنی مقبول) کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (ترمذی ونسائی) (احکام حج ج ۱۷)

فضیلت یوم عرفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کسی دن عرفہ کے دن سے زیادہ ذلیل و راندہ ہوا اور حقیر و رنجیدہ نہیں دیکھا گیا اور نہیں ہے۔ یہ مگر اسی کی وجہ سے جو کہ وہ رحمت کا نازل ہونا۔ اور خدا تعالیٰ کا بڑے بڑے گناہ سے درگزر فرمانا دیکھتا ہے سوائے جنگ بدر کے (کہ اس میں تو یوم عرفہ کے برابر یا زیادہ اس کی خواری وغیرہ دیکھی گئی) کیونکہ (اس روز) اس نے جبریل علیہ السلام کو فرشتوں کی صفیں ترتیب دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ (مالک مرسلاً و شرح السنہ) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ (ایک) عمرہ (دوسرے) عمرے تک کفارہ ہے ان دونوں کے درمیان (کے گناہوں) کا (ترغیب عن مالک والشیخین والترمذی والنسائی وابن ماجہ) (احکام حج ج ۱۷)

خدائی مہمان

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر دعا مانگیں تو خدا قبول کرتا ہے اور وہ استغفار کریں تو خدا ان کی مغفرت کر دیتا ہے (ترغیب نسائی و ابن ماجہ) ۱۲ (احکام حج ج ۱۷)

زیارت مدینہ

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت ضروری ہوگئی۔ (آثار السنن عن ابن خزیمہ فی صحیحہ والدار قطنی وآخرین ونسائی واسنادہ حسن)

فائدہ: جن کو گنجائش ہو وہ حج کے ساتھ زیارت مدینہ کا شرف بھی ضرور حاصل کریں کہ اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے بلکہ تاکید بھی روایات میں آئی ہے اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر شریف کی نیت سے جانا بھی مضائقہ نہیں رکھتا۔ ۱۲۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہا گیا تھا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے کا) اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس (حج کے لئے) چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنی پر بھی جو کہ دراز رستوں سے پہنچی ہوں گی۔ (احکام حج ج ۱۷)

حج کے متعلق چند ضروری ہدایات

تارک حج

(۱) جس کے پاس ضروریات سے زائد اتنا خرچ ہو کہ سواری پر متوسط گزران سے کھانا پینا چلا جاوے اور حج کر کے چلا آوے اس کے ذمے حج فرض ہو جاتا ہے اور حج کی بہت بڑی بزرگی آئی ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو حج گناہوں اور خرابیوں سے پاک ہو اس کا بدلہ بجز بہشت کے اور کچھ نہیں ہے اسی طرح عمرہ پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے اور جس کے ذمے حج فرض ہوا اور وہ نہ کرے اس کے لئے بڑی دھمکی آئی ہے چنانچہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا سامان ہو کہ وہ بیت اللہ شریف تک جا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (نعوذ باللہ) غرضیکہ حج کی بیحد فضیلت آئی ہے اوراس کے تارک پر جبکہ اس پر فرض ہو چکا ہے سخت وعید آئی ہے سو اتنی بات تو اکثروں کو معلوم ہے لیکن اس میں بعض غلطیاں عام ہو رہی ہیں ان کو اس جگہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

مسائل حج

الف:۔ جب حج کے خرچ کا حساب لگاتے ہیں تو اس میں زیارت مدینہ منورہ کے خرچ کا بھی حساب لگاتے ہیں۔ پس اگر مدینہ منورہ تک جانے کا خرچ ہوتا ہے جب تو حج کو فرض سمجھتے ہیں ورنہ فرض نہیں سمجھتے تو یاد رکھو کہ اگر صرف سفر حج کے لئے جانے کا اور وہاں سے واپس چلے آنے کا خرچ ہو تو حج فرض ہو جاتا ہے گو مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے خرچ نہ ہو۔ البتہ اگر اس کی زیارت کا سامان یا ہمت ہو تو اس کا ثواب بھی بے حد وحساب ہے لیکن حج کا فرض ہونا اس پر موقوف نہیں اگر ایسا شخص حج نہ کرے گا تو اس کے لئے وہی وعید ہے جو مرقومہ بالا حدیث میں آئی ہے۔ (ب) راستہ میں اگر ذرا سا بھی شبہ ہوتا ہے تو لوگ حج کو فرض نہیں سمجھے حالانکہ معمولی اندیشہ کا اعتبار نہیں۔ پس اگر راستہ میں غالب گمان سلامتی کا ہے اور گمان بدامنی کا مغلوب ہے تو حج فرض ہو جاتا ہے۔ (ج) بعض لوگوں کو حج کی گنجائش ہوتی ہے ولیکن تعمیر مکان یا شادی وغیرہ میں خرچ کرنے کو مقدم سمجھ کر حج سے اپنے آپ کو سبکدوش خیال کرتے ہیں اس کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ جس زمانہ میں عموماً لوگ حج کو جاتے ہیں (مثلاً ہمارے ملک میں ماہ شوال) اس سے قبل اگر کسی نے دوسرے کام میں رقم وغیرہ خرچ کر دی تب تو حج فرض نہ ہوگا اور اگر سفر حج کا زمانہ آ گیا تو حج فرض ہو گیا۔ اور تعمیر مکان یا شادی وغیرہ امور غیر ضروریہ عند الشرع میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ گو اس تعمیر وغیرہ کی حاجت ہی ہو اگر خرچ کرے گا تو گنہگار رہو گا۔ اور حج ذمہ رہے گا خوب سمجھ لو۔

(۱) جس پر حج فرض ہو اور اس کے والدین منع کرتے ہوں اس کو جانا فرض ہے اس میں والدین کی اطاعت جائز نہیں (۲) اسی طرح جس عورت پر حج فرض ہو اور اس کے ساتھ اس کا محرم بھی ہو مگر اس کا شوہر منع کرتا ہو اس کو شوہر کا کہنا ماننا جائز نہیں۔ (۳) بعض

عورتیں بدوں محرم کے دوسری عورتوں کے ساتھ یا ثقہ مردوں کے ساتھ حج کو چلی جاتی ہیں یہ جائز نہیں (۴) عورت اگر عدت میں ہو اس کو حج کا سفر کرنا بھی جائز نہیں خواہ عدت وفات ہو یا عدت طلاق۔ اور طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلظہ حتیٰ کہ اگر حج کے راستہ میں عدت واجب ہو جاوے یعنی تین منزل سفر کرانے کے بعد راستہ میں خاوند نے طلاق بائن دے دی ہو یا اس کا انتقال ہو گیا ہو تو اسی جگہ عدت پوری کرے۔ البتہ اگر جہاز یا جنگل وغیرہ میں ایسا اتفاق پیش آ جاوے تو ساحل تک یا قریبی آبادی تک پہنچنا جائز ہے۔ اور یہ تفصیل جب ہے کہ مقام طلاق یا وفات سے مکہ معظمہ تین منزل ہو اور اگر تین منزل سے کم ہو تو پھر حج کو چلی جائے اور اگر خاوند نے طلاق رجعی دی ہے اور خاوند ساتھ جا رہا ہے تو سفر حج موقوف کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۵) جس نے نابالغی میں حج کیا ہو اور پھر اس کو گنجائش سفر حج کی ہو جاوے تو پھر اس پر حج فرض ہوگا وہ پہلا حج کافی نہیں۔ (۶) اگر بلوغ کے بعد ناداری کی حالت میں حج کیا ہو اور پھر مالدار ہو جاوے تو وہ پہلا حج کافی ہے۔

(۷) حج بدل کے مسائل بہت نازک ہیں جب کوئی حج بدل کے لئے جاوے یا کسی کو بھیجے تو کسی محقق عالم سے اس کے مسائل تحقیق کر لے۔ (۸) بعض لوگ تبرکات لانے کو ایسا لازم سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے زیادہ خریدنے کے لائق خرچ نہ ہو حج کو ہی نہیں جاتے یا اسی طرح واپس آ کر دعوت دینے کو بھی۔ سو ان امور کی وجہ سے حج کو ملتوی کرنا حرام ہے۔ (۹) عوام الناس میں جمعہ کے روز کے حج کا لقب حج اکبر مشہور ہے۔ سو یہ شریعت میں لفظی تحریف کرنا ہے کیونکہ اطلاقات شرعیہ میں حج اکبر مطلق حج کو کہتے ہیں اس عمرہ سے ممتاز کرنے کے لئے جس کو حج اصغر کہتے ہیں اور قرآن مجید میں جو شروع سورۃ براءت میں یَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ آیا ہے وہاں یہی تفسیر ہے اب اس اصطلاح مخترع سے احتمال ہے تفسیر میں غلطی کا اور عوام اس کے اہتمام میں بھی بہت غلو کرتے ہیں یہ شریعت میں تحریف معنوی یعنی بدعت ہے۔ البتہ حج یوم جمعہ کی فضیلت کا انکار نہیں ایک بڑی فضیلت یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج جمعہ کے روز واقع ہوا تھا۔ مگر عوام کی زیادات یہ محض بے اصل ہیں۔

فرضیت حج کے بارے میں تنبیہ:

عام طور پر یوں سمجھا جاتا ہے کہ جب نقد روپیہ مصارف حج کے لئے کافی موجود ہو

تب حج فرض ہوتا ہے۔ حالانکہ جس کے پاس حاجت سے زائد اتنی زمین وغیرہ ہو جس کی قیمت مصارف حج کے واسطے کافی ہو اس پر بھی حج فرض ہے لہٰذا عالمگیری سے وہ صورتیں مفصل لکھی جاتی ہیں جن میں بدوں نقد کے بھی حج فرض ہو جاتا ہے۔

(۱) رہائشی مکان کے علاوہ کوئی زائد مکان ہو تو اس کو بیچ کر حج کرنا فرض ہے۔ (یعنی جبکہ اس کی قیمت میں حج ہو سکے اسی طرح کسی کے پاس غلام ہو اور اس سے خدمت لینے کی ضرورت نہ ہو تب بھی فرض ہے کہ غلام کو فروخت کر کے حج کرے۔ (یہی حکم جب ہے جبکہ ضرورت سے زائد گھوڑا وغیرہ کسی کے پاس ہو) لیکن اگر کسی کے پاس صرف ایک مکان ہو اور وہ اتنا بڑا ہو کہ ایک حصہ اس کی رہائش کے لئے کافی ہے اور باقی کی قیمت حج کے واسطے کافی ہو سکتی ہے تو اس کا حصہ فروخت کرنا ضروری نہیں ہے اسی طرح اگر کسی کے پاس بہت قیمتی مکان ہے کہ اس کی قیمت میں حج بھی ہو سکتا ہے اور معمولی مکان بھی مل سکتا ہے تب بھی اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہے گو افضل یہی ہے کہ ان دونوں صورتوں میں حج کرے۔

(۲) اگر کسی کے پاس قیمتی کپڑے ہیں جو استعمال میں نہیں لائے جاتے تو لازم ہے ان کو فروخت کر کے حج کیا جائے۔ زائد برتنوں کا بھی یہی حکم ہے اور زیور تو شرعاً بالکل نقد کے حکم میں ہیں۔

(۳) اگر کسی جاہل کے پاس کتابیں ہوں تو ان کو حج کے واسطے فروخت کرنا ضروری ہے البتہ اگر عالم کے پاس فقہ کی کتابیں ہوں تو ان کو فروخت کرنا ضروری نہیں (اور کتب تفسیر وحدیث وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے اور شامی میں ہے کہ علوم الٰہیہ یعنی صرف‘ نحو وغیرہ کی کتابیں بھی کتب دینیہ کے ساتھ شمار کی جائیں گی اور طب ونجوم (وغیرہ) کی کتابوں کو فروخت کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ خواہ وہ جاہل کے پاس ہوں یا اہل علم کے اور گو وہ استعمال میں آتی ہوں اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ منطق فلسفہ وغیرہ کی کتابوں کا وہی حکم ہے جو طب کی کتابوں کا ہے۔ واللہ اعلم

(۴) اگر کسی دکاندار کے پاس اتنا مال تجارت ہے کہ اگر کچھ مال فروخت کر کے حج ہو سکتا ہے اور باقی ماندہ مال سے بقدر ضرورت تجارت ہو سکتی ہے تو حج کرنا فرض ہے۔

(۵) جس پیشہ ور کے پاس اتنی زمین ہے کہ اگر مصارف حج کی مقدار فروخت کر دے تو باقی زمین کی آمدنی سے گزر ہو سکتا ہے تو اس پر زمین فروخت کر کے حج کرنا لازم ہے۔

(۷) کاشتکار کے پاس اگر ہل اور بیل وغیرہ کے علاوہ اتنا سامان ہو کہ اس کو مصارف حج کے لئے کافی ہو سکتی ہے تو اس کے ذمہ بھی لازم ہے کہ زائد سامان کو فروخت کر کے حج کرے۔ فقط واللہ اعلم (احکام حج ج ۱۷)

نو دن کے روزے اور دسویں شب تک بیداری کی فضیلت

حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور طاق کی اور جفت کی۔ اس آیت کے متعلق درمنثور نے متعدد سندوں سے روایت درج کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا اس آیت میں دس راتوں سے عشرۂ ذی الحجہ مراد ہے اور طاق سے عرفہ کا دن اور جفت سے قربانی کا دن مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی دن ایسے نہیں جن میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں (کے عمل) سے زیادہ پسند ہو (بخاری)

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی دن ایسے نہیں جن میں عبادت کرنا خدا تعالیٰ کو عشرہ ذی الحجہ (کی عبادت) سے زیادہ پسند ہو (کیونکہ ان میں سے ہر ایک دن کا روزہ ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اور ہر ایک رات کا جاگنا شب قدر میں جاگنے کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ والترمذی وقال اسنادہ ضعیف) فائدہ: دسویں تاریخ سے تیرہویں تک چار یوم کا روزہ حرام ہے اس واسطے روزہ کی یہ فضیلت نو تاریخ تک کیلئے ہے اھ

اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ عرفہ (یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ) کا روزہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (مسلم) و نیز ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ عرفہ کا روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے (ترغیب عن البیہقی والطبرانی باسناد حسن)

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پے درپے دو سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (ترغیب عن ابی یعلی ورجالہ رجال الصحیح)

فائدہ: یعنی ایک سال گذشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں گزر چکا اھ اس عشرہ کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں مگر ہم نے اختصار کی وجہ سے چند حدیثیں لکھی ہیں اور انہیں سے معلوم ہو گیا کہ کیم سے نہم

تک ہر طرح کی عبادت میں کوشش کرنا چاہیے۔ اور حتی الوسع ان ایام کو صیام وقیام یعنی روزہ و شب بیداری میں گزارنا چاہیے۔ بالخصوص نو تاریخ کا روزہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے اب آگے ایک حدیث شریف لکھی جاتی ہے جس سے دسویں رات کو جاگنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص عیدین (یعنی عید الفطر و عید الاضحیٰ) کی دونوں راتوں میں طلب ثواب کے لئے بیدار رہا اس کا دل اس دن زندہ رہے گا جس دن سب کا دل مردہ ہوگا۔ (ترغیب عن ابن ماجہ) علاوہ ازیں جن روایتوں میں اس عشرہ میں نیک عمل اور صیام وقیام کی فضیلت گزر چکی ہے ان سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کما لا یخفی واللہ اعلم۔

ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس عشرہ (ذی الحجہ) سے افضل ہے اور نہ کسی دن میں عمل کرنا ان میں عمل کرنے سے افضل ہے۔ پس تم ان میں (خصوصیت سے) لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کی کثرت رکھو کیونکہ یہ دن تکبیر اور تہلیل کے ہیں (درمنثور عن البیہقی)

فائدہ: یوں تو اس تمام عشرہ میں تکبیر وتہلیل کی زیادتی پسندیدہ ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا ولیکن نو تاریخ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر کہنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آثار السنن میں بحوالہ ابن ابی شیبہ حضرت علی کرم اللہ کا معمول مروی ہے۔ (ونقل عن ابن حجر ان اسنادہ حسن) و نیز سنن بیہقی میں حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہی روایت کی ہے علاوہ ازیں بیہقی ہی نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفہ کی فجر سے آخر ایام تشریق کی عصر تک تکبیر پڑھا کرتے تھے۔

(وقال اسنادہ لا یحتج بہ وقال ایضا بعد سرد الطرق و فی روایۃ الثقات کفایۃ، واللہ اعلم) (احکام حج ج ۱۷)

نماز عید الاضحیٰ کے احکام

عید اور بقر عید کی نماز شہر اور قصبہ اور اس بڑے گاؤں کے لوگوں پر واجب ہے جو قصبہ کے مشابہ ہو جیسا کہ جمعہ اور جس طرح جمعہ چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں اسی طرح عیدین کی

نماز بھی جائز نہیں اس لئے چھوٹے گاؤں میں ہرگز نہ پڑھی جاوے۔اور بقیر عید! کے روز سنت یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے کچھ کھائیں پئیں نہیں جولوگ قربانی کریں ان کے لئے یہ مسنون ہے کہ نماز کے بعد نہ کھاویں بلکہ قربانی کے بعد اپنی قربانی میں سے۔

کھاویں اور نماز سے پیشتر غسل اور مسواک کر کے اپنے موجودہ کپڑوں میں سے عمدہ ترین کپڑے پہنیں اور خوشبو لگاویں اور جہاں تک ہو سکے جلدی عیدگاہ پہنچیں اور پیدل جاویں اور راستہ میں بآواز بلند تکبیر کہتے رہیں تکبیر وہی ہے جو ایام تشریق کے حاشیہ میں گزری یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد اور نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر پڑھیں کہ بعض فقہاء نے اس کو واجب کہا ہے اور خطبہ کے وقت اسی طرح صف بستہ چپ چاپ بیٹھے رہیں اکثر لوگ خطبہ نہیں سنتے وہ برا کرتے ہیں۔اور ترک سنت متوارثہ کے وبال میں گرفتار ہوتے ہیں۔اور جو لوگ خطبہ کے وقت بولتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت چپ رہنا واجب ہے پھر جب واپس ہوں تو جس راستہ سے گئے تھے اس راستہ سے نہ آویں بلکہ دوسرے راستہ سے لوٹیں اور واپسی میں اگر کسی چیز پر سوار ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔(احکام حج ج۱۷)

عورتوں کی جماعت: تنبیہ اول

بعض جگہ دستور ہے کہ جب عیدگاہ میں مرد نماز کو جاتے ہیں تو عورتیں جمع ہو کر اپنے گھروں میں نفل نماز پڑھتی ہیں پھر بعض جگہ تو جماعت کرتی ہیں اور بعض جگہ تنہا پڑھتی ہیں حالانکہ دونوں طرح کراہت سے خالی نہیں کیونکہ نماز عید سے قبل نفل پڑھنا مکروہ ہے اور جماعت ہونے سے زیادہ کراہت ہو جاتی ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے اور اہتمام سے نفل کی جماعت بھی مکروہ ہے۔

غرض جماعت میں تین مکروہات جمع ہو جاتے ہیں و نیز ایک گناہ بے پردگی کا ہوتا ہے کیونکہ یہ گمان کرتی ہیں کہ سب مرد چلے گئے اسلئے بے فکر نکلتی ہیں حالانکہ بعض آدمی راستے میں مل جاتے ہیں اسلئے نہایت اہتمام کے ساتھ بچنا لازم ہے اور اگر کوئی نفل پڑھنا چاہے تو نماز عید کے بعد اپنے گھر میں تنہا ہی نفل چاشت کی نیت سے پڑھ لے تو ثواب ہے۔

تنبیہ دوم نماز عید مسجد میں

عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے اس واسطے اگر امام عیدگاہ دیندار ہو تو عیدگاہ میں جانا چاہیے۔ البتہ اگر بیماری یا بڑھاپے کے سبب مسجد میں شریک ہو جاوے تو مضایقہ نہیں اور مسجدوں میں عیدین کی نماز معذور لوگوں ہی کے واسطے جاری بھی ہوئی ہے ولیکن جب امام عیدگاہ ایسا ہو جس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہو تو پھر دیندار امام کے پیچھے مسجد میں پڑھ لیں غرض بلا وجہ مسجدوں میں نماز عید نہ پڑھی جاوے۔

تنبیہ سوم دعا بعد خطبہ

عید کی نماز کے بعد تو دعا مانگنے کی گنجائش ہے لیکن خطبہ کے بعد دعا مانگنا محض بے دلیل ہے اس واسطے خطبہ کے بعد دعا نہ مانگی جاوے۔

تنبیہ چہارم اذان عید

نماز عیدین کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے اور یہ جو دستور ہے کہ الصلوٰۃ' الصلوٰۃ پکارتے ہیں یہ بدعت ہے اس کو ترک کرنا چاہیے۔

تنبیہ پنجم اوقات عید

عید الفطر کی نماز میں تاخیر بہتر ہے اور عید الاضحیٰ میں تعجیل اور معیار اس کا یہ ہے کہ شروع وقت سے اخیر تک یعنی اشراق سے نصف النہار تک کا حساب لگایا جاوے۔ جتنا وقت ہوتا ہو اس کا آدھا کریں آدھے سے پیشتر پڑھنا تعجیل ہے اور آدھے کے بعد پڑھنا تاخیر اس حساب سے بقرعید کی نماز چھوٹے دنوں میں طلوع آفتاب کے بعد اڑھائی گھنٹہ کے اندر اندر ہو جانا چاہیے اور بڑے دنوں میں اس سے کچھ دیر بعد اور عید الفطر کا مستحب وقت چھوٹے دنوں میں طلوع سے اڑھائی گھنٹہ بعد شروع ہو جاتا ہے اور بڑے دنوں میں ساڑھے تین گھنٹہ بعد۔

تنبیہ ششم التزام عربی خطبہ

خطبہ صرف عربی میں پڑھا جاوے اردو فارسی وغیرہ کوئی زبان شامل نہ کی جاوے۔

اور اگر ضروری مسائل سنانا مقصود ہو تو خطبہ ختم کر کے ممبر سے اتر کر سناویں بلکہ مجمع کی ہیئت بھی بدل دی جاوے اور اس کا بھی التزام نہ کیا جاوے بلکہ کبھی سناویں کبھی نہیں۔

امام یوں نیت کرے کہ میں دو رکعت واجب نماز عید چھ زائد تکبیروں سمیت پڑھتا ہوں منہ طرف کعبہ شریف کے۔ اور مقتدی اس کے ساتھ یہ نیت بھی کریں پیچھے اس امام کے۔ یہ نیت کر کے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور سبحانک اللھم پڑھیں اس کے سابعد تین تکبیریں اس طرح کہی جاویں کہ دو تکبیروں میں تو کانوں تک ہاتھ اٹھا اٹھا کر چھوڑتے رہیں اور تیسری تکبیر میں بھی ہاتھ اٹھاویں مگر چھوڑے نہیں بلکہ باندھ لیں بعد ازاں امام اعوذ باللہ اور بسم اللہ آہستہ پڑھ کر بلند آواز سے قراءت یعنی الحمد اور سورت پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ سورۂ اعلیٰ و غاشیہ پڑھی جاویں مگر اس پر ہمیشہ پابندی نہ کی جاوے اور مقتدی حسب معمول خاموش رہیں اور دوسری نمازوں کی طرح رکوع سجدہ وغیرہ کر کے دوسری رکعت میں اول امام بلند آواز سے قراءت پڑھے اس کے بعد تکبیریں کہی جائیں اور تینوں تکبیروں میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر چھوڑتے رہیں پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر رکوع کے واسطے کہہ کر رکوع میں جاویں اور دوسری نمازوں کی طرح سجدوں کے بعد التحیات وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دیں اور امام کو چاہیے کہ تکبیروں کے درمیان اتنا وقفہ کرے کہ مقتدیوں کے فارغ ہونے کا گمان ہو جاوے۔ (احکام حج ج ۱۷)

نماز عید کے احکام

اور جو شخص بعد میں آ کر شامل ہو اس کی چند صورتیں ہیں سب کو الگ الگ لکھا جاتا۔

پہلی صورت

اگر کوئی شخص تکبیروں سے پہلے ہی آ گیا۔ تب تو نیت باندھ کر شامل ہو جاوے اور اگر ایسے وقت پہنچا کہ تکبیریں ہو رہی ہیں تو جتنی تکبیر مل جاویں اتنی ساتھ کہہ لے اور باقی ماندہ بعد میں اسی وقت کہہ لے اور اگر کل تکبیریں ہو چکی ہوں تو نیت باندھتے ہی فوراً تینوں تکبریں کہہ لے خواہ قراءت شروع ہو چکی ہو اور ہاتھ اٹھانے اور باندھنے کا وہی طریقہ ہے جو اوپر گزر چکا۔

دوسری صورت:

اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں جا چکا ہے تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیریں

کہنے کے بعد رکوع مل جاوے گا تب تو طریقہ مذکورہ کے موافق تکبیریں کہنے کے بعد رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں جاوے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ رکوع نہ ملے گا تو رکوع میں شریک ہو جاوے اور رکوع ہی میں تسبیح کی جگہ بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیریں کہہ لے اور اگر ایک یا دو تکبیر کے بعد امام رکوع سے اٹھ جائے تو یہ بھی ساتھ ہی اٹھ جائے باقی تکبیر معاف ہے۔

تیسری صورت:

اور جو شخص دوسری رکعت میں اس وقت آیا ہو جب امام رکوع میں جا چکا ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی رکعت کے رکوع کا ابھی لکھا گیا ہے اور پہلی رکعت جو رہ گئی ہے جب امام کے سلام پھیر دینے پر اس کو پڑھے تو اول قرات پڑھنا چاہیے اس کے بعد تین تکبیریں زائد ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہنے کے بعد چوتھی تکبیر رکوع کے لئے بغیر ہاتھ اٹھائے کہتا ہوا رکوع میں جائے جیسا کہ دوسری رکعت میں حکم ہے۔

چوتھی صورت:

اگر دوسری صورت کے رکوع کے بعد کسی وقت آکر ملے تو پھر دونوں رکعت اس طریقہ سے پڑھے جو شروع میں لکھا ہوا ہے۔

چند ضروری مسائل

(۱) اگر امام نے پہلی رکعت کی تکبیر بھول سے چھوڑ کر قراءت شروع کر دی ہو تو یہ حکم ہے کہ اگر الحمد پڑھتے پڑھتے یاد آجائے تب تو تکبیریں کہہ کر دوبارہ الحمد شریف پڑھی جائے اور اگر سورت شروع کر دی ہے تو پھر سورت پوری کرنے کے بعد دوسری رکعت کی طرح تین تکبیریں زائد اور چوتھی تکبیر رکوع کے لئے کہہ کر رکوع میں چلے جاویں قرائت کا اعادہ نہ کیا جائے اور اگر رکوع میں یاد آوے تو تکبیروں کے لئے رکوع سے اٹھنا جائز نہیں بلکہ رکوع ہی میں آہستہ آہستہ کہہ لے اور مقتدیوں میں سے بھی جس جس کو یاد آئے اپنی اپنی تکبریں کہہ لیں خواہ ان کو امام کے تکبیر کہنے کا پتہ لگا ہو یا نہ لگا ہو۔ اور اگر کسی نے رکوع سے اٹھ کر تکبیریں کہنے کے بعد رکوع کیا تو نماز ہوگئی مگر برا کیا اور یہی تفصیل اس مسبوق کے لئے ہے جس کی دونوں رکعت رہ گئی ہوں۔

(۲) اسی طرح اگر دوسری رکعت میں امام تکبیریں بھول کر رکوع میں چلا جائے تب بھی تکبیروں کے واسطے رکوع سے واپس نہ ہو بلکہ رکوع ہی میں آہستہ آہستہ تکبیریں پڑھ لے اور مقتدی بھی جیسا کہ ابھی گزرا اور یہی حکم مسبوق کے بھول جانے کا ہے۔

(۳) نماز عیدین میں اگر بھول سے تکبیر رہ جاویں یا اور کوئی بات سجدہ سہو کی موجب ہو جائے تو امام کو چاہیے کہ سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ زیادہ مجمع کی وجہ سے لوگوں کو غلطی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ البتہ اگر مجمع کم ہو اور غلطی کا اندیشہ نہ ہو تو سجدہ سہو کر لے اور اگر مسبوق سے اس کی رہی ہوئی نماز میں کوئی بات سجدہ سہو کی موجب سرزد ہو تو اس کو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

(۴) اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے نماز بالکل نہیں ہوئی تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مجمع متفرق ہونے سے پیشتر ہی پتہ لگ گیا تب تو دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے اور اگر مجمع متفرق ہو چکنے کے بعد خبر ہوئی تو اعادہ نماز میں مختلف روایات ہیں۔ مگر آسانی اس روایت کو لینے میں ہے کہ اب جماعت کا دہرانا ضروری نہیں بلکہ صرف امام نماز لوٹا لے وھو حکم الاستحسان کما فی الشامی عن البدائع۔ ہاں اگر احتیاطاً اعلان کر کے دوبارہ پڑھ لی جاوے تو بہتر ہے اگر اس روز موقع نہ ملے تو عیدالفطر میں دوسرے روز بھی لوٹا سکتے ہیں اور عیدالاضحیٰ میں تیسرے روز بھی واللہ اعلم اور یہ سب تفصیل امام کی نماز فاسد ہونے میں ہے اور اگر مقتدی یا مسبوق کی نماز فاسد ہو جاوے تو کسی حال میں قضا نہیں ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص عیدگاہ میں ایسے وقت پہنچا کہ نماز ختم ہو چکی ہے تو یہ تنہا نماز عید نہیں پڑھ سکتا بلکہ اگر دوسری جگہ نماز ہوتی ہو وہاں چلا جاوے ورنہ چار رکعت چاشت کی نیت سے پڑھ لے اور اگر چند آدمی رہ گئے ہوں تو جائز ہے کہ کسی دوسری جگہ جماعت کر کے نماز عید پڑھ لیں۔ فقط والسلام (احکام حج ج ۱۷)

قربانی کی تاکید وفضیلت

یہ تاکید وفضیلت کا مضمون حیات المسلمین سے کسی قدر تغیر واختصار کے ساتھ لیا گیا ہے جو شخص پورا مضمون دیکھنا چاہے وہ اصل کتاب ضرور دیکھ لے بلکہ وہ پوری کتاب حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ بالخصوص دیباچہ کہ روح الارواح ہے اور تاکید تو اسی کیلئے ہے جس پر واجب ہو لیکن جس پر واجب نہ ہو اگر وہ بھی کر دے یا کوئی شخص اپنے بچوں کی

طرف سے بھی کردے تو اس کو بھی بہت ثواب ملتا ہے اور اگر کسی میت کی طرف سے کرے تو اس میت کو بھی بہت ثواب ملتا ہے اب اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

آیات (۱) فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (کوثر) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے کہ نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ فائدہ: اور یہ حکم امت کو بھی شامل ہے کیونکہ آنحضرتؐ کے لئے خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ عام ہونے کی دلیل موجود ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قربانی کی گنجائش رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آوے (حاکم) اس حدیث شریف سے کس قدر ناراضی معلوم ہوتی ہے ان سے جو کہ باوجود واجب ہونے کے ترک کرتے ہیں کیا اس کو وہ لوگ سن کر بھی بیدار نہ ہوں گے۔

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر (یعنی گائے اونٹ بکری بھیڑ سب کے نر و مادہ پر) اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ (ف ۱۰) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قربانی بڑی مہتم بالشان عبادت ہے جو کہ سب امتوں کیلئے مشروع رہی ہے۔

فائدہ (۲) بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ. جو اس آیت میں آیا ہے اردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس کا ترجمہ ہو سکے اس لئے جن جن چوپایوں پر یہ لفظ بولا جاتا ہے ان سب کا نام لکھ دیا اور گائے کے حکم میں بھینس بھی ہے اور دنبہ بھیڑ کی قسم ہے۔ پس قربانی بارہ چیزوں کی جائز ہے گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، مینڈھا، دنبہ، دنبی، ان کے سوا اور کسی کی قربانی جائز نہیں۔

(۳) اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے کہ ان کی قربانی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دین کی رفعت ظاہر ہوتی ہے اور اس حکمت کے علاوہ) ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔ (مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور اخروی فائدہ ثواب (فائدہ:۱) اگرچہ بکری بھیڑ بھی قربانی کے جانور ہیں اور اس لئے وہ بھی دین کی یادگار ہیں مگر آیت میں خاص اونٹ اور گائے کا ذکر فرمانا اس لئے ہے کہ ان کی قربانی بھیڑ بکری کی قربانی سے افضل ہے۔ اور حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ سب سے عمدہ قربانی سینگ والا مینڈھا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جنس میں مینڈھا سب سے افضل ہے یعنی بکری وغیرہ سے اور دنبہ بھی مینڈھے کے حکم میں ہے اور اگر پوری گائے یا اونٹ نہ ہو بلکہ اس

کا ساتواں حصہ قربانی میں لے لے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ساتواں حصہ اور پوری بکری یا بھیڑ قیمت اور گوشت کی مقدار میں برابر ہوں تو جس کا گوشت عمدہ ہو وہی افضل ہے اور اگر قیمت اور گوشت میں برابر نہ ہوں تو جو زیادہ ہو وہ افضل ہے۔ (شامی از تاتارخانیہ)

فائدہ ۲: اس سے معلوم ہوا کہ گائے کی قربانی خاص درجہ رکھتی ہے اور بعض جاہل جو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے گائے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے سو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کا گوشت شرعاً ناپسند ہے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی اہل عرب کو بوجہ خشک ملک ہونے کے موافق نہیں۔

نمبر ۴: اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان چوپایوں کو تمہارا زیر حکم کر دیا تاکہ تم اس بات پر اللہ کی برتری بیان کرو کہ اس نے تم کو توفیق دی اور (اے پیغمبر) اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے (سورہ حج)

فائدہ: اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ خاص حق تعالیٰ کو خوش کرنے اور اس سے ثواب حاصل کرنے کی نیت ہو کوئی دنیا کی غرض شامل نہ ہو۔

احادیث -۱: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن میں آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن مع اپنے سینگوں اور اپنے بالوں اور کھروں کے حاضر ہوگا۔ (یعنی ان سب چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا اور (قربانی کا) خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص درجہ میں پہنچ جاتا ہے سو تم لوگ جی خوش کر کے قربانی کیا کرو (زیادہ داموں کے خرچ ہو جانے پر جی برا مت کیا کرو) (ابن ماجہ، ترمذی و حاکم)

نمبر ۲: زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ قربانی کیا چیز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے (نسبی یا روحانی) باپ ابراہیمؑ کا طریقہ ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو اس میں کیا ملتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی انہوں نے عرض کیا کہ اگر اون (والا جانور یعنی بھیڑ دنبہ) ہو آپؐ نے فرمایا کہ ہر اون کے بدلہ بھی ایک نیکی (حاکم)

فائدہ: کتنی بڑی رحمت ہے کہ بکری وغیرہ کی قربانی کرنے سے حضرت ابراہیم خلیل

اللہ کے پیرو کار شمار کیے گئے جنہوں نے اپنے اس پیارے پہلوٹے کے بچے کو قربانی کیا تھا جو بڑھاپے میں بڑی تمناؤں کے بعد نصیب ہوا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی۔

نمبر۳: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہؓ اٹھو اور (ذبح کے وقت اپنی قربانی کے پاس موجود رہ کیونکہ پہلا قطرہ جو قربانی کا زمین پر گرتا ہے اس کے ساتھ ہی تیرے لئے تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی (اور) یاد رکھ کہ (قیامت کے دن) اس (قربانی) کا خون اور گوشت لایا جائے گا اور تیرے میزان (عمل) میں ستر حصے بڑھا کر رکھ دیا جاویگا۔ (اور ان سب کے بدلے نیکیاں دی جاویں گی) ابوسعید نے عرض کیا یارسول اللہؐ یہ (ثواب مذکور) کیا خاص آل محمدؐ کے لئے ہے کیونکہ وہ اس کے لائق بھی ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ خاص کئے جائیں یا آل محمدؐ اور سب مسلمانوں کے لئے عام طور پر ہے آپؐ نے فرمایا کہ آل محمد کے لئے (ایک طرح سے) خاص بھی ہے اور سب مسلمانوں کے لئے عام طور پر بھی ہے (اصبہانی)

فائدہ: ایک طرح سے خاص ہونے کا مطلب ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لئے فرمایا کہ نیک کام کا ثواب بھی اوروں سے دونا ہے اور گناہ کا عذاب بھی دونا ہے۔ سو قرآن مجید سے آپ کی بیبیوں کے لئے اور اس حدیث سے آپ کی اولاد کے لئے بھی یہ قانون ثابت ہوتا ہے اور اس کی بناء زیادہ بزرگی ہے۔

نمبر۴: حسین بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو کر (اور) اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو وہ قربانی اس شخص کیلئے دوزخ سے آڑ ہو جائے گی۔ (طبرانی کبیر)

نمبر۵: حنش سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ دو دنبے قربانی کئے اور فرمایا ان میں ایک میری طرف سے ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے میں نے ان سے (اس کے متعلق) گفتگو کی انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے میں اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا (ابوداؤد و ترمذی)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر بڑا حق ہے اگر ہم ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی ایک حصہ مقرر کر دیا کریں تو کوئی بڑی بات نہیں۔

نمبر۶: ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ کی اپنی طرف

سے قربانی فرمائی اور) دوسرے دنبہ کے ذبح میں فرمایا کہ یہ (قربانی) اس کی طرف سے ہے جو میری امت میں سے مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میری تصدیق کی (موصلی و کبیر و اوسط)

فائدہ: مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو ثواب میں شامل کرنا تھا۔ نہ یہ کہ قربانی سب کے طرف سے ایسے طرح ہوگئی کہ اب کسی کے ذمہ قربانی نہیں رہی۔

فائدہ-۱: غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں امت کو یاد رکھا تو افسوس ہے کہ امتی حضور کو یاد نہ رکھیں اور ایک حصہ بھی آپ کی طرف سے نہ کر دیا کریں۔

نمبر۷: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قربانیوں کو خوب قوی کیا کرو (یعنی کھلا پلا کر) کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

(کنز العمال فر عن ابی ہریرہؓ)

فائدہ: عالموں نے سواریاں ہونے کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ قربانی کے جانور خود سواریاں ہو جاویں گی اور اگر کئی جانور قربانی کئے ہوں یا تو سب کے بدلے میں ایک بہت اچھی سواری مل جاوے گی اور یا ایک ایک منزل میں ایک ایک قربانی پر سواری کریں گے دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ قربانیوں کی برکت سے پل صراط پر چلنا آسان ہو جائے گا جیسے گویا خود ان پر سوار ہو کر پار ہوگئے اور کنز العمال میں ایک حدیث اس مضمون کی یہ ہے کہ

نمبر۸: سب سے افضل قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو (حم ک عن رجل) اور ایک حدیث یہ ہے کہ

نمبر۹: اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پیاری قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو (ہق عن رجل) (والضعف غیر مضر فی الفضائل لا سیما بعد انجبارہ بعد د الطرق)

تاکید و فضیلت کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ کچھ ضروری احکام بھی مختصر طور پر لکھ دیئے جاویں لہذا اصلاح انقلاب سے مختصراً اور خطبات الاحکام سے کسی قدر اضافہ و تغیر کے ساتھ چند احکام لکھے جاتے ہیں۔ (احکام حج ج ۱۷)

احکام قربانی: (۱) ہر عاقل بالغ مرد و عورت مسلمان مقیم جس کے پاس بقدر نصاب چاندی یا روزمرہ کی حاجت ضروریہ سے زائد یا اتنی ہی مالیت کا اسباب ہو اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے قربانی کرے۔

(۲) اونٹ، بکرا، دنبہ، بھیڑ، گائے، بھینس نر ہو یا مادہ سب کی قربانی درست ہے گائے بھینس دو برس سے کم، بکری ایک برس سے کم کی نہ ہو۔ اور دنبہ چھ مہینہ کا بھی درست ہے جبکہ خوب فربہ ہو اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور اونٹ گائے بھینس میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں مگر کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔

(۳) جانور قربانی کا بے عیب ہو لنگڑا اندھا، کانا، اور بہت لاغر اور کوئی عضو تہائی سے زائد کٹا ہوا نہ ہو۔ خصی (یعنی بدھیا) کی اور جس کے سینگ نکلے ہی نہ ہوں قربانی درست ہے اور پوپلی جس کے دانت نہ رہے ہوں اور بوچی جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں اور اگر بکری وغیرہ کا ایک تھن خشک ہو گیا یا بھینس وغیرہ کے دو تھن خشک ہو گئے ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

(۴) دسویں تاریخ عید کی نماز کے بعد سے بارہویں کے غروب سے پہلے پہلے تین دن دو رات تک قربانی کا وقت رہتا ہے مگر دسویں افضل ہے پھر گیارہویں کا درجہ ہے پھر بارہویں کا اور رات کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دس تاریخ کو کسی وجہ سے نماز نہ ہوئی ہو مثلاً بارش تھی تو زوال کے بعد قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے اور اگر نماز عید ؏ چند جگہ ہوتی ہو تو ایک جگہ ہونے کے بعد قربانی جائز ہے اور دیہات کے باشندوں کو جائز ہے کہ نماز عید ؏ سے پہلے ذبح کر لیں بعد اس کے نماز کے لئے جائیں۔ (۶) اگر قربانی شرکت میں کریں تو محض انداز سے گوشت تقسیم کرنا جائز نہیں تول کر پورا پورا بانٹیں کسی طرف ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ ہاں جس حصہ میں کلے پائے بھی ہوں اس میں کمی چاہے جتنی ہو جائز ہے البتہ اگر مشترک ہی خرچ کرنا یا کسی کو دینا چاہیں تو تقسیم کی حاجت نہیں۔

(۷) بہتر ہے کہ کم از کم تہائی گوشت خیرات کر دے اور ایک تہائی اعزا و احباب کو دیدے۔ (۸) قربانی کی کوئی چیز قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔ (۹) قربانی پر جھول ڈالنا مستحب ہے اور پھر اس کی رسی جھول سب تصدق کر دینا افضل ہے۔ (۱۰) قربانی کی کھال تو اپنے کام میں لانا جائز ہے مثلاً مصلی وغیرہ بنوالے لیکن کھال کا بیچنا اپنے خرچ میں لانے کے لئے درست نہیں۔ ہاں اگر قیمت خیرات کرنے کے لئے بیچے تو خیر۔ مگر اولیٰ یہ ہے کہ کھال ہی کسی کو دیدی جاوے (۱۱) قربانی کے ذبح کے وقت دعا پڑھنا ایسی ضروری

نہیں کہ بدوں اس کے قربانی ہی نہ ہو۔ جس کو یاد نہ ہو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کر لے۔

(۱۲) اکثر لوگ قربانی کی کھال امام یا مؤذن وغیرہ کو دیدیتے ہیں یہ جائز نہیں کیونکہ اس کو ان کی خدمت مسجد کا صلہ سمجھا جاتا ہے اور کسی خدمت کے معاوضہ میں چرم قربانی وغیرہ دینا جائز نہیں البتہ اگر کسی امام وغیرہ سے صاف کہہ دیا جاوے کہ قربانی کی کھال بالکل نہ ملے گی اور پھر کوئی شخص بطور ہدیہ یا صدقہ کھال بعینہ دیدے تو کچھ حرج نہیں خواہ وہ امام مصرف زکوٰۃ ہو یا نہ ہو کیونکہ بعینہ کھال دینے میں مصرف زکوٰۃ ہونا شرط نہیں۔ بلکہ جس طرح گوشت خود کھاتے ہیں اور امیر غریب اور سید وغیرہ سب کو دیتے ہیں یہی کھال کا حکم ہے گوشت اور کھال میں صرف یہی شرط ہے کہ کسی کو بطور حق الخدمت نہ دیا جائے اور اگر کھال کے دام دینا ہوں تو جس کو دے اس کا مصرف زکوٰۃ ہونا بھی شرط ہے۔ یعنی صاحب نصاب اور بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں خوب سمجھ لو۔

(۱۳) ایک عام رسم یہ ہوگئی ہے کہ قربانی کے بعض حصص کو بعض لوگوں کا حق سمجھا جاتا ہے مثلاً سری کو سقے کا اور اگر وہ چیز ان کو نہ دی جاوے تو جھگڑا ہوتا ہے یہ حق سمجھنا اور ایسے موقع پر دینا بالکل ناجائز ہے۔ جس کسی کو کچھ دیا جائے محض تبرعاً دیا جائے جیسا کہ (۱۳) سے معلوم ہو چکا۔

(۱۴) بعض لوگ گابھن گائے بکری وغیرہ کی قربانی کو ناجائز سمجھتے ہیں یہ تو غلط ہے قربانی میں کوئی فرق نہیں آتا لیکن اگر پہلے سے معلوم ہو جاوے تو بہتر یہی ہے کہ اس کی قربانی نہ کرے۔ بلکہ اس کے بدلے میں دوسری کر دی جاوے لیکن اگر دوسری کم قیمت ہو تو جو دام باقی رہیں وہ خیرات کر دیئے جائیں۔

(۱۵) اگر کسی میت نے قربانی کی وصیت کی تھی تو اس قربانی کا گوشت خیرات کر دینا واجب ہے اور اگر بغیر وصیت کے ویسے ہی کسی نے ایصال ثواب کے لئے میت کی طرف سے قربانی کی ہو تو اس میں اپنی قربانی کی طرح اختیار ہے۔

(۱۶) بعض جگہ قربانی کی یا ویسے ہی کسی جانور کی کھال ذبح سے پہلے ہی فروخت کر دیتے ہیں یہ بالکل حرام ہے۔

(۱۷) اکثر جاہل یوں سمجھتے ہیں کہ اگر خاوند غریب یا قرضدار ہو تو بیوی کے ذمہ بھی

قربانی نہیں یہ بالکل غلط ہے جب بیوی صاحب نصاب ہو جیسا کہ اکثر مقدار نصاب زیور ان کی ملک ہوتا ہے تو اس پر مستقل قربانی وغیرہ واجب ہوتی ہے۔

(۱۸) قربانی کرنے والے کے واسطے یہ مستحب ہے کہ ذی الحجہ کے عشرہ میں بال اور ناخن نہ بنوائے بلکہ قربانی کے بعد بنوائے۔ فقط والسلام۔

باقی مسائل بہشتی زیور وغیرہ میں دیکھ لیں و نیز اصلاح الرسوم بھی قابل دید ہے (احکام حج ۱۷)

ریاکاری کا نقصان

ایک بزرگ کسی بزرگ کے یہاں مہمان ہوئے ان میزبان بزرگ نے خادم سے کہا کہ اس صراحی میں پانی لانا جو ہم دوسرے حج میں لائے تھے ان مہمان نے کہا کہ آپ نے ایک کلمہ میں اپنے دونوں حج غارت کیے۔ دیکھئے! انہوں نے کیسے عنوان سے اپنے عمل کو ظاہر کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت نے حج کیا اور ایک ہی نہیں دو حج کیے اس کا ریا ہونا تو ظاہر میں بھی سمجھ میں آتا ہے۔ (عمل الروح ۱۹)

احکام شرعیہ میں سہولتیں

حج میں کوئی دشواری نہیں ہے جس کے پاس اپنی حاجت اصلیہ سے زائد اس قدر خرچ ہو کہ مکہ معظمہ تک سواری میں چلا جائے اور چلا آئے اور سفر میں رہنے تک اہل وعیال کو خرچ دے جائے اس کے ذمے حج واجب ہے۔

شرعاً فقط حج ہی فرض ہے

کوئی کہتا ہے کہ صاحب حج تو بہت ہی مہنگا ہو گیا، پانچ سو چھ سو روپے میں تو حج کیا جائے، میں کہتا ہوں کہ آج حج مہنگا ہو گیا، پہلے تو سستا تھا، بیس پچیس روپے جہاز کا کرایہ تھا، اس وقت کتنوں نے حج کیا، یہ بھی ایک بہانہ ہے اگر حج مہنگا ہو گیا ہے تو جس کے پاس اتنی رقم نہ ہو اس پر حج فرض بھی نہیں، مگر جن کے پاس ہزاروں روپے ہیں اور جو شادیوں میں نام ونمود کے لئے سینکڑوں روپے خرچ کرتے ہیں ان کے پاس کیا عذر ہے، کچھ بھی نہیں، بس خدا کی مار ہے کہ حج نہیں کرتے اور اس میں یہ ساری حیلے بہانے ان کو سوجھتے ہیں۔ دوسری بات یہ

ہے کہ حج تو اب بھی بہت مہنگا نہیں، پہلے تین سو روپیہ میں حج اور مدینہ دونوں ہو جاتے تھے، اب اڑھائی تین سو میں صرف حج ہو جاتا ہے اور شرعاً فقط حج ہی فرض ہے، مدینہ جانا مستحب ہے اور سنت ہے تو اگر کسی کو ایسا ہی پانچ سو روپے خرچ کرنا گراں ہوتا ہے، وہ حج ہی کر کے واپس چلا آوے، البتہ جس کے پاس رقم کافی ہو اور محض بخل کی وجہ سے مدینہ نہ جائے اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت ضرور ہوگی، تاہم پھر بھی مدینہ کا جانا فرض نہیں ہے۔ کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کا خیال ہو وہ مدینہ بھی ہو آئے اور اگر اس کی پرواہ ہو تو حج نہ کرنے کے لئے مہنگے سستے ہونے کا بہانہ کیوں کرتا ہے، حج میں تو اب بھی کچھ زیادہ رقم صرف نہیں ہوتی، پھر بعضے تو حج کو چنداں ضروری ہی نہیں سمجھتے، اور بعض ضروری تو سمجھتے ہیں مگر کھیتی اور تجارت وغیرہ کے عذر پیش کرتے ہیں۔ سو جو لوگ ضروری ہی نہیں سمجھتے ان سے اس وقت میرا خطاب نہیں کیونکہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں، میں اس وقت مسلمانوں کو خطاب کر رہا ہوں، مسلمان کوئی ایسا نہیں ہوسکتا جو خدا کے فرض کیے ہوئے کام کو ضروری نہ سمجھے۔ رہا کھیتی وغیرہ کا عذر، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آج ان کی آنکھ بند ہو جائے اور یہ میاں ٹیں ہو جائیں تو اس وقت ان کی کھیتی وغیرہ کا کیا انتظام ہوگا۔ میں بدفالی نہیں کرتا مگر معاملہ کی بات ہے، میں پوچھتا ہوں کہ تمہارے پاس وحی آگئی ہے یا کسی اور ذریعہ سے یقین ہو گیا ہے تم ہمیشہ زندہ ہی رہو گے۔ ظاہر ہے کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن بھی نہیں۔ بہت لوگ کھاتے پیتے چل دیئے ہیں تو بس دل کو یہی سمجھا لو کہ اگر آج ہماری زندگی ختم ہو جائے تو اس وقت بھی تجارت اور کھیتی کا انتظام ہم سے آخر چھوٹے ہی گا تو چند مہینے کے واسطے آج ہی اس کو کیوں نہ چھوڑ دیں جو انتظام مرتے وقت کرتے ہو وہ آج ہی کیوں نہ کر لو اور میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ارادہ کیا جائے تو ہر چیز کا انتظام خاطر خواہ ہوسکتا ہے۔ کیا کھیتی والوں اور تجارت والوں کو سفر پیش نہیں آتے اور اس وقت وہ اپنے کاروبار کا انتظام نہیں کرتے یا کبھی چار پانچ مہینوں کے لئے وہ بیمار نہیں ہوتے، کیا اس وقت ان کا کام بند ہو جاتا ہے؟ مگر کچھ عادت یہ ہے کہ مجبوری کے وقت انسان سب کچھ انتظام کر لیتا ہے اور چلتے ہاتھ پیروں یہی چاہتا ہے کہ میں ایک دن کے واسطے بھی اپنے کام سے علیحدہ نہ ہوں، پھر سوا اس کے کہ یوں کہا جائے کہ دنیا کی محبت نے دل میں گھر کر لیا ہے اور اس کا سبب کیا ہوسکتا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

ایک عاشق مجذوب کی سفر حج کی حکایت

مجھ سے سرائے میران میں ایک وکیل صاحب نے بیان کیا کہ سفر حج میں ایک شخص اس وضع سے چلا کہ اس کے ہاتھ میں ایک ڈھپلی تھی۔ اسے بجاتا اور ناچتا کودتا تھا لوگوں نے کہا میاں سفر حج میں یہ حرکت۔ کہا تمہیں کیا ہم جانیں اور ہمارا اللہ۔ لوگ یہ سمجھے کہ یہ کوئی مسخرہ ہے اسی حال سے وہ مکہ تک پہنچا۔ جب مطوف کے ساتھ طواف بیت کے لئے چلے اور دروازہ حرم کے قریب پہنچے تو مطوف نے کہا دیکھو وہ ہے بیت اللہ کیونکہ وہ دروازہ کے باہر ہی سے نظر آنے لگتا ہے بس یہی سن کا اس شخص پر ایک حالت طاری ہوئی اور اس نے وجد کی حالت میں یہ شعر پڑھا:

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جاں مضطر　　　　که مباد بار دیگر نرسی بدیں تمنا

(اب تو محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو اب اپنی جان فدا کردو شاید پھر اس تمنا کے حصول کا موقع نہ ملے)

اور شعر پڑھتے ہی دھڑام سے گرا اور جان دیدی اس وقت معلوم ہوا کہ یہ مسخرہ نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کا عاشق مجذوب تھا۔ صاحبو! اللہ کے بندے بہت سے چھپے ہیں کسی کو ظاہری حالت کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر　　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد

(خاکسار لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب جاں ہو) (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

حج کے حدود و قیود

حج کے لئے بھی حدود و قیود ہیں۔ احرام شرط ہے وقوف عرفہ خاص تاریخ میں ضروری ہے۔ اگر وہ تاریخ نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اس سے پہلے حج کیا جائے تو لغو ہے۔ قربانی میں بھی حدود ہیں کہ خاص ایام ہی میں ہوسکتی ہے۔ ان ایام کے بعد ہزار جانور ذبح کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ پھر جانور میں ایسا ہو ایسا نہ ہو وغیرہ وغیرہ جب مقاصد میں اتنی حدود ہیں پھر غیر مقاصد میں کیوں نہ ہوں پس آج کل جو لوگوں نے ترقی دنیا کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ کسی شے کیلئے کوئی حد نہیں یقیناً یہ صورت اسلام کے بھی خلاف ہے۔ اور عقل کے خلاف ہونا اوپر معلوم ہو چکا۔ اب میں ان چیزوں کے حدود و قیود

کا ذکر کرتا ہوں۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے تاکہ انکا بھی کچھ بیان ہو جائے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہاں جتنے امور مذکور ہیں سب میں حفظ حدود بھی مرعی ہے سب سے پہلے یہاں پر التائبون ہے اوپر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانون کی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ اب انکی تعریف بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ مسلمان کیسے ہیں تو فرماتے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے ہیں۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

حج کے حدود

حج کیسی اچھی عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں عرفات میں جانے کا خاص دن مقرر ہے، منیٰ میں آنے کا خاص دن معین ہے ان تاریخوں کے بغیر حج نہیں ہوسکتا اگر یہ حدود نہ ہوتے تو جب چاہتے حج کر لیتے مگر اب اگر عرفات کا دن نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح احرام باندھنے کے مہینے مقرر ہیں۔ اشہر حج سے تقدیم احرام مکروہ ہے اشہر حج شوال سے شروع ہوتے ہیں گو ان سب میں حج نہیں ہوتا حج صرف ذی الحجہ کی بعض تاریخوں میں ہوتا ہے لیکن ان مہینوں میں احرام باندھنے کی اجازت ہے ان سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ پس یہ مہینے چونکہ محل احرام ہیں اور احرام شرط حج ہے۔ اس لئے ان سب کو اشہر حج کہا جاتا ہے۔ غور کیجئے ان اعمال سے بڑھ کر کونسا عمل ہوگا مگر ان سب کی حدود ہیں۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

سفر حج سفر عشق ہے

بعضے لوگ حج کا نام سن کر وہاں کی بہت مذمت کرتے ہیں کہ وہاں بدو مار ڈالتے ہیں لوٹ لیتے ہیں اور بعضے تو گئے بھی نہیں مگر اوروں سے سن سن کر وہ بھی مذمت کیا کرتے ہیں یہ سب کم ہمتی کی باتیں ہیں میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ایسے واقعات نہیں ہوتے بلکہ اگر وہاں کے مجمع پر نظر کی جائے تو حق تو یہ ہے کہ جس قدر واقعات ہونے چاہئیں ان سے بہت کم ہوتے ہیں ہندوستان میں اس کا عشر عشیر بھی اگر مجمع ہو جائے تو بہتیرے واقعات ہو جاتے ہیں بلکہ بغیر مجمع کے بھی راستوں میں واقعات ہو جاتے ہیں، ہم یہ نہیں کہتے جیسا بعض کہتے ہیں کہ بدوؤں کو لوٹ مار حلال ہے اس لئے کہ وہ دائی حلیمہ سعدیہ کی اولاد ہیں یہ تو بالکل لغو ہے وہ اگر ایسا کرتے ہیں تو زیادہ گنہگار ہوتے ہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے اور تم اس کو یاد

رکھو کہ حج کا سفر سفر عشق ہے راہ عشق میں تو سب کچھ پیش آتا ہے بلکہ پیش نہ آنا عجیب ہے دنیا کے محبوب سے ملنے کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں پیش آتی ہیں مگر تب بھی گوارا کرتے ہیں۔

نسازد عشق را کنج سلامت　　　خوشا رسوائی کوی ملامت

(عشق کے لئے سلامتی گوشہ مناسب نہیں بلکہ بدنامی کے کوچہ کی رسوائی بہترین چیز ہے)

عشق مولی کے کم از لیلیٰ بود　　　کوی گشتن بہر او اولے بود

(اللہ تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو گلی گلی پھرنا ہی بہتر ہے) (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

چند خوش نصیب بزرگ

ایک بزرگ ایسے باہمت تھے کہ انہوں نے ۳۲ حج کئے تھے۔ ایک شخص مولوی منظور احمد صاحب بنگالی تھے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے مگر ہر سال حج کیا کرتے تھے اور حج کر کے مدینہ طیبہ لوٹ جاتے تھے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھ کر ایک بار یہ شعر پڑھا۔

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول　　　گہے بہ بیت خداؤ گہے بہ بیت رسول

(وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کس قدر خوش نصیب ہے جو کبھی خدا کے گھر میں جا پہنچتا ہے اور کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں)

اور بعضے ایسے بھی ہیں کہ قریب بیت اللہ شریف کے رہتے ہیں اور ان کو اب تک بھی حاضری نصیب نہیں ہوئی ایک صاحب فرماتے تھے کہ ایک بدوی بیس پچیس برس سے مکہ معظمہ آتا تھا اس نے ایک دن پوچھا کہ یہ لوگ اطراف و جوانب سے اس کثرت سے یہاں کیوں آتے ہیں اللہ اکبر اس کو اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ یہاں کیوں آتے ہیں۔ (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

حکایت حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ان کے ایک خلیفہ خاص حج کو جانے لگے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم بارگاہ نبوی میں حاضر ہو تو میرا بھی سلام عرض کر دینا جب پہنچے تو سلام عرض کیا جواب میں ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ بدعتی اس لئے فرمایا کہ شاہ صاحب کبھی کبھی دو چار شعر سن لیا کرتے تھے۔ لیکن آج

کل کی طرح مجلس جما کر کہ جس میں عوام اور ہوا پرستوں کا ہجوم ہوتا ہے نہیں سنتے تھے۔اس لئے آج کل کے اہل سماع اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔اور ان مجالس مخترعہ پر کسی طرح دلیل نہیں ہوسکتی۔لیکن اگر غور کیا جاوے تو جیسا حضرت شاہ صاحب نے سنا ہے اس پر بھی انکار حضرت کی نبوت سے سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ یہ جواب حضور کا جیسے شاہ صاحب کی علو شان کی طرف شعر ہے ایسے ہی اس فعل کی ناپسندیدگی کو بھی ظاہر کر رہا ہے۔گو شاہ صاحب نے غلبہ حال میں سنا ہے اور وہ معذور بھی ہیں۔لیکن سنت کے خلاف تو ضرور کہا جاوے گا۔ القصہ جب وہ خلیفہ حج کر کے واپس آئے تو حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ ہمارا سلام بھی عرض کیا تھا کہا کہ حضرت عرض کیا تھا۔حضور نے بھی سلام فرمایا ہے۔فرمایا کہ نہیں اسی طرح کہو جس طرح ارشاد ہوا ہے۔انہوں نے کہا کہ حضرت آپ کو تو معلوم ہی ہے پھر آپ کیوں پوچھتے ہیں۔فرمایا کہ نہیں میں وہی لفظ سننا چاہتا ہوں سننے میں اور ہی مزہ ہے انہوں نے اسی طرح کہہ دیا کہ یوں ارشاد ہوا تھا۔شاہ صاحب پر اس وقت ایک حالت طاری ہوئی اور یہ شعر پڑھا ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

(مجھ کو تو نے برا کہا، میں خوش ہوں، اللہ تجھے معاف کرے تو نے صحیح بات کہی تیرے شیریں ہونٹوں کیلئے یہی تلخ جواب مناسب ہے)

غرض اہل محبت ایسے عتاب کا لطف جانتے ہیں۔ (اشرف المواعظ ج ۲۶)

دوران حج تجارت کا مسئلہ

حج میں اکثر لوگ عطر وغیرہ بھی لے جاتے ہیں تاکہ بکری ہو اور اس سے حج کے اخراجات میں آسانی ہو اور اس کو مقصود سمجھ کر نہیں لے جاتے کہ مال بیچیں گے اور نفع اٹھائیں گے اور مفت میں حج بھی کرلیں گے سو حج کی اعانت کے لیے ایسا کرنا مضائقہ نہیں اور اس صورت میں حج کا ثواب بھی پورا ملے گا ہاں اگر بکری ہی مقصود ہو جیسے بعض لوگ اس غرض سے جاتے ہیں اور وہ حج کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے پیران کلیر اور اجمیر کا عرس جس کی شان ایک میلہ سے زیادہ نہیں تو اگر حج اس واسطے کیا بکری ہوگی تو حج خراب گیا اور اس کا سارا سفر بکری ہی بکری ہو گیا اور اگر نیت حج کی ہے ضمناً بکری بھی کرلی تو بھی حج میں داخل ہوگئی۔(اشرف العلوم ج ۲۷)

حج فرض میں تاخیر نہ کیجئے

یہ بات معلوم ہے کہ حج فرض ہے اس افتراان سے ظاہراً اور دوسرے دلائل سے نصاً میں اس پر آپ کو اس وقت متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی کے ذمہ حج فرض ہوا تو وہ سستی نہ کرے کیونکہ اور عبادات اگر وقت پر ادا نہ ہوں تو فوراً ہی ان کی قضا ہو سکتی ہے بخلاف حج کے کہ یہ اگر وقت پر ادا نہ ہوا تو پھر سال بھر کے بعد اس کا وقت آئے گا اور سال بھر بڑی مدت ہے کیا خبر سال بھر تک زندگی ہے یا نہیں (الحج ج ۲۸)

حج سفر عاشقانہ

ایک بڑی بی کا قصہ سنا ہے کہ عذر سے پہلے جب کراچی کا سفر حاجیوں کو بہلی میں کرنا پڑتا تھا کیونکہ ریل اس وقت تک جاری نہ ہوئی تھی تو پچاس سو بہلیاں ساتھ مل کر چلتی تھیں تا کہ ڈاکوؤں سے امن رہے تو ایک دفعہ اسی طرح حاجیوں کی بہلیاں جا رہی تھیں کہ ایک بڑی بی نے جو جنگل میں بکریاں چرا رہی تھی بہلیوں کو دیکھ کر پوچھا کہ میاں یہ کس کی بارات ہے لوگوں نے کہا بارات نہیں ہے بلکہ حاجی لوگ اللہ کے گھر جا رہے ہیں یہ سن کر بڑھیا کے دل میں جاذبہ حق پیدا ہوا اور اس نے کہا پھر ہم بھی اللہ کے گھر کی زیارت کریں گے یہ کہہ بہلیوں کے ساتھ ہوگئی اور بکریوں کو وہاں ہی میدان میں چھوڑا ان کو گھر تک بھی نہ پہنچایا واقعی سچ ہے۔

تابدانی ہر کرا یزداں بخواند از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

(جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے گھر بیٹھے روزی ملتی ہے اسے کیا پڑی کہ وہ دنیا میں خوار ہوتا پھرے) اور

آنکس کہ تراں شناخت جانراچہ کند فرزند و عیال و خانمانرا چہ کند

(جس نے آپ کو پہچان لیا وہ جان کی کیا پرواہ کرے گا اور بی بی بچوں مال واسباب کو لے کر کیا کرے گا)

پھر بڑھیا کی ہمت تو دیکھئے کہ لاٹھی کے سہارے پیدل قافلہ کے ساتھ ہوگئی واقعی اپنے وقت کی رابعہ تھی اور رابعہ نہ تھی تو خاسہ تو ضرور تھی بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی ہمت بہت بلند ہوتی ہے ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ اسی برس کی عمر

ہوگئی تھی اور یوں تو ابتدا ہی سے حضرت نحیف الجثہ تھے مگر بڑھاپے میں اور بھی ضعف زیادہ ہوگیا تھا لیکن نماز کو جب کھڑے ہوتے تھے تو ذرا ضعف نہ معلوم ہوتا تھا بڑی لمبی لمبی رکعتیں پڑھتے تھے گویا بزبان حال یوں فرماتے تھے۔

ہر چند پیر خستہ وبس ناتواں شدم ہرگہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

(ہر چند بہت بوڑھا اور ناتواں ہوگیا ہوں مگر جس وقت تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا ہوں جوان ہوجاتا ہوں)

یہی حالت اس بڑھیا کی تھی کہ باوجود بڑھاپے کی ہمت ایسی تھی کہ جوانوں کو بھی مات کردیا اور عشاق کی ہمت بلند ہونے کا راز یہ ہے کہ ان کو اپنی سی کوشش کرلینا مقصود ہوتا ہے کامیابی ہو یا نہ ہو ان کا مذاق یہ ہے۔

دست از طلب نہ دارم تا کام من برآید یاتن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

(جب تک میرا مقصد پورا نہ ہوگا طلب سے باز نہ آؤں گا یا تو جسم محبوب حقیقی کی طرف پہنچے یا جان جسم سے نکل جائے)

اس لئے وہ ہر مشکل سے مشکل کام کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور وہ ان کی نظر میں مشکل نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا کام تو طلب ہے اور اپنی ہمت کے موافق عمل شروع کردینا آگے پورا ہونا نہ ہونا یہ ہمارے قبضہ میں نہیں یہ دوسرے کے قبضہ میں ہے اس سے ہم کو کیا سروکار۔

ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے پر تجھ کو چاہیئے کہ تک و دو لگی رہے

جب بڑھیا قافلہ کے ساتھ ہوگئی تو لوگوں نے اس کو بہت سمجھایا کہ بیت اللہ بہت دور ہے ایک دو منزل نہیں کہ تم پیدل وہاں پہنچ جاؤ مگر اس کا یہ حال تھا کہ جوں جوں نصیحت کرتے اس کا شوق دونا ہوتا تھا۔

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

لوگوں نے کہا کہ ہمارے بھروسہ پر نہ چلنا ہم بہلی میں سوار نہ کریں گے ہمارے پاس گنجائش نہیں اس نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ میں تمہارے بہلیوں کے بھروسہ پر نہیں چلتی ہوں اپنے خدا کے بھروسہ پر چلتی ہوں چنانچہ ایک بڑی مسافت پیادہ طے کی سب کو حیرت

ہوگئی پھر لوگوں نے ترس کھا کر بڑھیا سے کہا کہ اچھا بہلی میں سوار ہو جاؤ اس نے کہا ہرگز نہیں میں سوار نہ ہوں گی اور میں تو تمہارے ساتھ بھی نہ ہوتی الگ لپٹتی جاتی مگر عورت ذات ہوں میرا الگ تنہا سفر کرنا مناسب نہیں دوسرے مجھے راستہ بھی معلوم نہیں بس تمہاری رفاقت صرف اس لئے گوارا کی ہے اور کچھ مقصود نہیں مگر لوگوں نے خوشامد شروع کی منتیں کیں تب سوار ہوگئیں جب کراچی پہنچے تو جہاز کے مالک نے کہا کہ میں الگ الگ ہر شخص سے کرایہ نہیں کر لیتا بلکہ پورے جہاز کا کرایہ کرتا ہوں کیونکہ حجاج کم ہیں اگر پورے جہاز کا کرایہ ادا کرو تو میں چل سکتا ہوں ورنہ نہیں اب تمہیں اختیار ہے جس کو چاہو خود سوار کر لو مجھے ہر شخص سے الگ الگ کچھ واسطہ نہیں لوگ سمجھ گئے کہ یہ بڑی بی کی پہلی کرامت ہے پھر خیال ہوا کہ جہاز میں تو اس کے لئے یہ سامان ہوگیا آگے جدہ سے کیا انتظام ہوگا جب جہاز میں سوار ہوئے تو بچوں میں بیماری پھیل گئی اور بڑی بی نے بچوں پر دم کرنا شروع کیا جس پر دم کر دیا فوراً اچھا ہوگیا اب تو اس کی طرف بہت رجوعات ہوئیں اور خوب نذرانے ملے کہ بہت روپے اس کے پاس جمع ہوگئے اور آرام سے جدہ پھر مکہ معظمہ پہنچیں حج سے فراغت ہوئی تو حجاج نے مدینہ کا قصد کیا بڑی بی بھی قافلہ کی ہمراہ پیدل چل پڑی ایک منزل تو پیادہ طے کی اگلے دن کوچ سے پہلے ایک رئیس عورت کی بہن کا انتقال ہوگیا جس کی جگہ اونٹ پر سوار ہونے کے لئے ایک عورت کی اس کو تلاش ہوئی کیونکہ اونٹ شندف میں دو آدمی سے کم سوار نہیں ہوسکتے میزان برابر کرنے کے لئے دو آدمی ضروری تھے بیگم صاحبہ کے نوکر عورت کی تلاش میں تھے کہ بڑی بی کے سوا کوئی عورت نہ ملی وہ ان کے پاس آئے کہ بیگم صاحبہ آپ کو یاد کرتی ہیں۔ بڑی بی نے بے رخی سے جواب دیا کہ جاؤ میں نہیں آتی کون بیگم میں نہیں جانتی مگر زیادہ اصرار سے ان کے پاس آئیں بیگم نے کہا کہ میں آپ کو بمنزلہ ماں کے سمجھوں گی آپ میری سرپرستی قبول فرمائیں اور میرے ساتھ اونٹ پر سوار ہوجائیں میں ہر طرح آپ کے تمام مصارف کا تحمل کروں گی اور علاوہ مصارف کے اپنی اس مرنے والی بہن کا تمام ترکہ بھی آپ کو دوں گی کیونکہ اس کی وارث صرف میں ہی ہوں اور کوئی نہیں غرض بڑی خوشامدوں کے بعد بڑی بی راضی ہوئیں اور راحت و آرام کے ساتھ شندف میں سوار ہو کر مدینہ پہنچیں پھر اسی بیگم کے ساتھ جدہ واپس آئیں اور اسی کے خرچ سے جہاز میں سوار ہو کر کراچی پہنچیں اور اس کی بہن کا ترکہ لے کر جس میں نقد و زیور و کپڑا بہت کچھ تھا

اپنے وطن واپس گئیں حافظ محمد یوسف صاحب جو اس قصہ کے ناقل ہیں فرماتے تھے کہ ہمارا جہاز بعد میں کراچی پہنچا بڑی بی ہم سے بھی پہلے پہنچ گئیں جب کراچی پر اتر کر ہم بہلیوں کے راستہ سے چلے تو بڑی بی کے گاؤں میں پہنچ کر ہم نے دریافت کیا کہ یہاں کی ایک بڑھیا حج کو اس اس طرح ہمارے ہمراہ ہوگئی تھی وہ آگئی یا نہیں تو اس کے بیٹے ملے اور کہا وہ تو بالکل خیرت سے ہیں اور بہت دن پہلے اپنے گھر پہنچ گئی ہیں اور بہت سامان ساتھ لائی ہیں انہوں نے پوچھا کہ بکریوں کا ان کے پیچھے کیا حال ہوا کہا ہم نے شام تک ان کا انتظار کیا جب دیر ہوگئی تو جنگل میں جا کر دیکھا سب بکریاں صحیح سالم ہیں مگر بڑی بی نہیں ہیں ان کو ہر طرف بہت تلاش کیا جب ناامیدی ہوگئی تو بکریاں لے کر گھر کو آگئے اور یہ سمجھ لیا کہ ان کو بھیڑیا یا شیر کھا گیا ہے مدت کے بعد صحیح سالم آگئیں اور بکریوں میں خوب توالد تناسل ہوا تو دیکھئے یہ ایک عورت تھی جس نے کسی بات کی فکر نہ کی جب حج کا ارادہ کرلیا سب کام بیچ ہی میں چھوڑ دیا تو جو مرد عورت سے بھی کم ہو وہ کیا مرد ہے پس سب مشاغل بیچ میں چھوڑ دو اور کام کا ارادہ کرلو ورنہ کیا اطمینان ہے کہ آئندہ سال تم کو موقعہ ملے یا نہ ملے حدیث میں ہے من اراد الحج فلیعجل جو حج کا قصد کرلے اس کو جلدی کرنا چاہیئے اور ہمارے ائمہ تصریح کرتے ہیں کہ حج میں تاخیر کرنے سے ایک دو سال تک تو گناہ صغیرہ کا گناہ ہوتا ہے اور اس کے بعد اصرار میں داخل ہو کر گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے مگر جب حج کرلے گا تو یہ تاخیر کا گناہ بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ اس کو گناہ اس لئے تھا کہ فوت کا خطرہ تھا اور یہ خطرہ میں حج کو ڈال رہا تھا اور جب خطرہ فوت مرتفع ہوگیا اب گناہ بھی مرتفع ہوگیا یہ سب درمختار و ردالمختار میں مذکور ہے۔ (الحج ۲۸)

ایک عاشق کا سفر حج

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حج کے راستہ میں ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا جو بدوں زاد راہ کے جا رہا تھا میں نے کہا کہ تم بدوں زاد راہ کے اتنا لمبا سفر کرتے ہو؟ کہا

وفدت علی الکریم بغیر زاد ۔۔۔ من الحسنات و القلب السلیم

فان الزاد اقبح کل شیء ۔۔۔ اذا کان الوفود علی الکریم

کہ ہاں میں یوں ہی خالی ہاتھ جا رہا ہوں کیونکہ کریم کے گھر پر توشہ باندھ کر لے جانا نازیبا ہے اس جواب سے میں سمجھا کہ نوجوان عارف ہے معمولی آدمی نہیں اس کے

بعد احرام کا وقت آیا تو سب نے احرام باندھ کر لبیک کہا مگر اس لڑکے کا چہرہ مارے خوف کے زرد ہو گیا اور اس کے منہ سے لبیک نہ نکلا میں نے کہا صاحبزادے تلبیہ کیوں نہیں کہتے کہا ڈرتا ہوں کہ میں تو لبیک کہوں اور وہاں سے جواب آئے لا لبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک غرض تمام اعمال حج میں اس کی ایک نئی شان ظاہر ہوتی تھی حتیٰ کہ منیٰ میں جب حجاج پہنچے اور سب لوگ قربانی کرنے لگے تو نوجوان نے حسرت کے ساتھ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور عرض کیا خداوند آپ کے سب بندے آپ کی جناب میں نذریں پیش کر رہے ہیں مگر میرے پاس کچھ نہیں جو پیش کروں ہاں یہ جان حقیر ہے اگر قبول ہو تو جان حاضر ہے یہ کہنا تھا کہ دفعۃً ایک چیخ ماری اور جان بحق ہو گیا کما قیل۔

چو رسی بکوے دلبر بسپار جان مضطر　　　　که مباد بار دیگر نرسی بدیں تمنا

(در محبوب جب پہنچ جاؤ تو اپنی جان کو اسی پر فدا کر دو شاید تمنائے دل پورا کرنے کا موقع نہ ملے)

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ اس نوجوان نے ہم سب کو میدان عشق میں پیچھے چھوڑ دیا اور عشاق کے دل پر خاص نشان لگا دیا اس کے بعد ہم نے اس کو غسل و کفن دے کر نماز پڑھ کر دفن کر دیا پھر مجھے غنودگی طاری ہوئی تو میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ اے مالک! اس سال اس نوجوان کی برکت سے سب صاحبوں کا حج قبول کیا گیا اور اس کی قربانی کی برکت سے سب کی قربانیاں قبول ہو گئیں۔ (الحج ج ۲۸)

احکام حج سیکھنے کی ضرورت

مولانا رحمت اللہ صاحب نے ایک عالم کی حکایت بیان کی جنہوں نے مناسک (یعنی احکام حج) میں بھی ایک کتاب لکھی تھی اس کے بعد حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کسی کو مطوف بنائیں گے یا نہیں کہا ہم کو مطوف کی کیا ضرورت ہے ہم احکام حج کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ (کیونکہ اس باب میں کتاب تصنیف کر چکے تھے ۱۲) مگر پھر جو تنہا افعال حج شروع کئے تو ان میں متواتر دو غلطیاں کیں جس پر ایک مطوف لڑکے نے متنبہ کیا آخر کار اس بچہ ہی کو مطوف بنایا جب کام چلا اس لئے میں کہتا ہوں کہ خط سے ترکیب افعال کی نہیں معلوم ہو سکتی۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

روزہ

☆ روزہ کے ذریعے قرب خداوندی میں ترقی

☆ روزہ کے احکام وآداب

☆ ظاہر وباطن کی اصلاح میں روزہ کا کردار

☆ تراویح‘ اعتکاف

☆ شب قدر کے متعلق ضروری احکام وہدایات

روزہ کا ادب

دیکھ لیجئے کہ کتنے ہیں ایسے لوگ جنہوں نے رمضان سے پہلے کی حالت بدل دی ہو۔ جو حالت رمضان سے پہلے تھی وہی اب بھی ہے جن کو لڑکوں اور عورتوں کو گھورنے کی عادت تھی وہ اب بھی گھورتے ہیں ۔ جو غیبت کیا کرتے تھے وہ اب بھی کرتے ہیں جن کو کسی سے کینہ تھا وہ اب بھی ہے اور جو پہلے سے پرایا حق کھا رہے تھے وہ اب بھی کھا رہے ہیں۔کون سا فعل ہے کہ کسی نے اس کو رمضان کی وجہ سے چھوڑا ہو بلکہ رمضان کے آنے سے اور زیادہ وبال بڑھ جائے گا۔اس لئے کہ جیسا کہ مکان کے مقدس ہونے سے معصیت کے اندر شدت آجاتی ہے۔اسی طرح زمان کے مقدس ہونے کا بھی یہی اثر ہے کہ اس سے معصیت زیادہ بڑھ جاتی۔ جیسے کوئی مسجد کے باہر بیٹھ کر شراب پیئے تو گناہ ہے لیکن مسجد کے اندر بیٹھ کر پینا اور زیادہ گناہ ہے پس رمضان سے جس سے نیکیاں بڑھتی ہیں اسی طرح اگر اس میں معاصی ہوں گے تو وہ بھی شدید ہوں گے۔ رمضان کا ادب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں، تمام جوارح کی حفاظت کرو۔ (الصیام ج۱۰)

روزہ کی حکمت

روزہ کی حکمت یہی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ روزہ سے مقصود تو مجاہدہ اور کسر قوۃ نفس ہے اور مجاہدہ اور مشقت جب ہی ہوگا جب کہ کم کھائے گا اور اگر ہمیشہ کی عادت سے بھی زیادہ کھایا پیا تو مجاہدہ ہی کیا ہوا تو جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ حکمت مجاہدہ ہے، لیکن مجاہدہ تقلیل طعام وشراب میں ہونے میں کلام ہے۔ مجاہدہ نام کھانے پینے کے ترک یا تقلیل کو نہیں کہتے بلکہ مجاہدہ نام ہے ترک عادت کا۔ اگرچہ رات بھر کھاؤ پیو لیکن دن کو جب وقت کھانے کا آئے گا تو فوراً تقاضا کھانے کا ہوگا اور یہ اس تقاضے کے خلاف کرے گا۔ بس یہی مجاہدہ ہے

گو بھوک بھی نہ ہو لیکن میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تقلیل طعام مطلوب نہیں بیشک مطلوب ہے اور احادیث میں ترغیب بھی اسکی آئی ہے کلام اس میں ہے کہ آیا تقلیل طعام وشراب مکمل صوم ہے یا نہیں اس پر کوئی دلیل نہیں۔ دلیل ظنی تخمینی یا قرائن کا تو اعتبار ہے نہیں۔ کتاب وسنت، یا اجماع قیاس سے دلیل ہونا تقلیل طعام کی وجہ سے جو برکت ہوتی ہے وہ جدا شے ہے اور روزہ کی وجہ سے جو برکت حاصل ہوتی ہے وہ علیحدہ ہے اول موقوف علیہ ثانی کی نہیں ہے۔

روزہ کی برکت خاص یہ ہے کہ عادت کے وقت نفس کو نہیں ملا۔ اور یہ کوئی نہ کہے کہ عادت دو چار روز میں بدل جائے گی پھر یہی عادت ہو جائے گی کہ رات کو کھایا کریں۔ بات یہ ہے کہ نفس ایسی شے ہے کہ خواہ کتنا ہی زمانہ گزر جائے مگر وہ تقاضا اس کا نہیں جاتا۔ (الصیام ج ۱۰)

روزہ کا مطلوب

حدیث میں آیا ہے: خلوف فم الصائم اطیب عند الله من ريح المسك

یعنی صائم کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔

اور یہ بو اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ معدہ میں کچھ نہ ہو۔ جب معدہ بالکل خالی ہوتا ہے تو اس سے کچھ روائح اوپر کی طرف صعود کرتے ہیں۔ ان کا اثر منہ میں بھی آتا ہے تو اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم کھانا مطلوب ہے ورنہ اگر زیادہ کھایا اور وہ کھانا معدہ میں رہا تو خلوف کا وجود کہاں ہوگا اور لیجئے ایک دوسری حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ وصول نہیں ہوتا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ روزہ میں بھوک پیاس مطلوب ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ جناب اگر حدیث میں تقلیل طعام کو مکمل صوم ہونا نہیں آتا تو اس کے خلاف پیٹ بھرنے کا بھی ذکر نہیں آیا تو اس اعتبار سے دونوں مساوی ہو گئے۔ اگر چہ یہ شبہ سطحی ہے مگر ہمارے مدعا کو مضر نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ تقلیل مکمل صوم نہیں ہے اور یہ ثابت ہے لیکن تبرعاً اب ہم اس کے خلاف کے دلائل بیان کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ اگر کوئی روزہ دار کو افطار کرا دے اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے سب کے پاس

روزہ دار کے افطار کرانے کی قدر نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی دے دیتے ہیں جو تھوڑے دودھ یا ایک چھوہارہ یا ایک گھونٹ پانی پر افطار کرا دے اور جو اس کو پیٹ بھر کر کھلا دے اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے سیراب کریں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ بھر کر کھلانا ثواب کی بات ہے اور اس کا پیٹ بھر کر کھانا ذرا نقص نہیں ورنہ اس کی اعانت باعث فضیلت نہ ہوتی۔ پس بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ تقلیل طعام کو روزہ سے کوئی تعلق نہیں۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ بہت زیادہ کھانا اور اناڑی کی بندوق کی طرح بھرنا یہ ناپسند ہے۔ (الصیام ج ۱۰)

امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اخیر شب ہوتی ہے رمضان کی تو اللہ پاک میری امت کی مغفرت فرماتے ہیں۔ عرض کیا صحابہؓ نے کیا وہ لیلۃ القدر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں لیکن العامل انما یوفی اجرہ اذاقضی اعملہ یعنی جب کام کرنے والا کام پورا کر دیتا ہے تو اس کو پوری مزدوری مل جاتی ہے۔

مگر یہ سمجھ لو کہ پورا ہونا کسے کہتے ہیں۔ ٹھیکے داروں سے پوچھ لو جب کہتے ہیں کہ پل پورا ہو گیا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانچ میں پورا ہو گیا۔ چنانچہ جب جانچ میں وہ تعمیر پوری نہیں ہوتی تو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کو از سر نو بناؤ پیمائش میں پورا ہونا معتبر نہیں جب تک منظوری کے نمونہ کے موافق نہ ہو جائے۔ ذرا متنبہ ہونا چاہیے۔

مگر یہاں اور وہاں کے معاملہ میں اتنا فرق ہے کہ یہاں تو اگر حکم ہوا تھا تیس فرلانگ سڑک بنانے کا اور اس کو انتیس تک ہوش نہیں اور تیسویں میں ہوش آیا تو تمہارے تیس کے تیس برباد گئے۔ یہ تو یہاں کے قانون میں ہے اور قانون خدائی یہ ہے کہ اگر تیسویں روزہ میں بھی ہوش آ جائے اور اس کو باقاعدہ ادا کیا جائے اور ماضٰی (گزرے ہوؤں) سے معذرت کر لی جائے تو تیسوں ٹھکانے لگ جاتے ہیں اور مقبول ہو جاتے ہیں۔ مگر کون قدر کرے۔ چونکہ آسانی اور سہولت سے یہ نعمت میسر ہوتی ہے، یہی سبب ہو گیا بے قدری کا ؎

ہر کہ اوارزاں خرد ارزاں دہد　　　گوہرے طفلے بہ قرص ناں دہد

جو شخص کسی چیز کو ارزاں لیتا ہے وہ ارزاں دے بھی دیتا ہے اس کی قدر نہیں کرتا۔ چنانچہ بچہ نادان قیمتی موتی کو ایک قرص نان کے عوض میں دے دیتا ہے۔

اے گرانجاں خوار دیدی مستی مرا زاں کہ بس ارزاں خریدستی مرا

اے کاہل تو نے مجھ کو بے قدر سمجھ رکھا ہے وجہ یہ ہے کہ میں تجھ کو مفت مل گیا ہوں۔

روزہ دار کی فرحت

للصائم فرحتان (روزہ دار کیلئے دو فرحتیں ہیں) کا عموم بھی اس پر دال ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ روزہ دار کو دو فرحتیں حاصل ہوتی ہیں۔

فرحة عندالافطار وفرحة عندلقاء الرحمن

(ایک فرحت افطار کے وقت اور ایک فرحت اللہ تعالیٰ کے لقا کے وقت)

سو ایک تو افطار اصغر ہے جو روزانہ ہوتا ہے اور دوسرا افطار اکبر ہے جو مجموعہ رمضان کا افطار ہے یعنی عید اور ان دونوں کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جو منجملہ جوامع الکلم کے ہے شامل ہے۔ پس یوم عید جامع ہو گیا عبادات وفرح طبعی کا پھر خود ان عبادات میں بھی فرح ونشاط طبعی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جوش مسرت میں مسلمان کا طبعی امر ہے اللہ اکبر! اللہ اکبر کہنا۔ سو نماز میں یہی داخل کیا گیا۔ ولتکبروا اللہ. یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ کی یہ بھی تفسیر کی گئی ہے۔ غرض جو امر طبعی تھا اس کو جزو نماز کر دیا اور چونکہ موقع تھا اظہار سرور کثیر کا واقل الجمع ثلاث۔ کم سے کم جمع میں تین ہوا کرتے ہیں۔ تین تکبیریں ایک رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں مقرر فرمائیں اور بعض بعض صحابہؓ کے نزدیک زائد بھی ہیں مگر تین سے کم نہیں۔ پھر قرأت کے فصل سے رکوع وسجدہ کے اللہ اکبر بھی سب جمع ہو گئے کہ اظہار سرور کے کلمہ کا تواتر بھی امر طبعی ہے اور یہ رکعت ثانیہ میں تو ظاہر ہے باقی پہلی رکعت میں تعجیل اظہار کے نکتہ سے قرأت پر تکبیر مقدم ہو گئی۔ غرض امر طبعی کو جزو نماز بنا دیا گیا۔ یہ تو نماز کا بیان تھا۔ (الفطرج ۱۰)

روزہ میں گناہوں سے بچنے کا اہتمام

ہم تکمیل صوم کی فکر کریں۔ بہت لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ یہ نہایت اہم ہے۔ حدیث میں ہے: **من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة ان یدع شرابه وطعامه** جو شخص بیہودہ باتیں اور بیہودہ عمل ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہے۔

اس میں تنبیہ ہے کہ روزہ میں ترک اکل وشرب وغیرہ سے زیادہ ترک محرمات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ اکل وشرب وجماع فی نفسہٖ تو حرام نہیں بلکہ روزہ کی وجہ سے ایک وقت خاص وحد متعین تک ممنوع ہوگئے ہیں اور قول زور وعمل زور تو فی نفسہٖ حرام ہے۔ یعنی جھوٹ، غیبت، زنا سود، رشوت وغیرہ جب تم نے محرمات کا ارتکاب کرکے روزہ کو ناقص کردیا تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے بھوکے پیاسے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھوٹ اور غیبت اور سود ورشوت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ نہیں! روزہ تو نہیں ٹوٹتا مگر ان اعمال کے ساتھ جو روزہ ہوتا ہے وہ ایسا روزہ ہے جیسے تم کسی سے کہو کہ فلاں کام کے واسطے ایک آدمی کی ضرورت ہے اور وہ وکیل تمہارے سامنے ایک مضغۂ گوشت لاکر رکھ دے جو نہ حرکت کرسکے نہ کام کرسکے اور جب اس سے کہا جائے کہ میاں یہ کس کے لئے آئے تو وہ جواب میں کہے کہ آپ نے آدمی کو کہا تھا اور یہ آدمی ہے کیونکہ حیوان ناطق اس پر صادق ہے۔ پس جیسے یہ مضغۂ لحم معقول آدمی تھا مگر کام کا آدمی نہ تھا ایسے ہی آپ کا روزہ محض اصطلاحی روزہ ہوگا مگر کام کا روزہ نہ ہوگا۔ (المنسوان فی رمضان ج ۱۰)

روزہ میں وسعت

اللہ تعالیٰ روزہ میں بھی وسعت کی رعایت فرماتے ہیں۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الابيض مِنَ الْخَيْطِ الا سودِ مِنَ الْفَجْرِ

یعنی صبح ہونے سے پہلے تک کھاؤ پیو پھر فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اَتِمُّو الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامُ الرَّفَثُ

رات تک روزہ کو پورا کیا کرو تم لوگوں کے واسطے روزہ کی رات میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کردیا گیا ہے۔ فالان باشروھن سو ان بیبیوں سے اب ملو ملاؤ۔

عورتوں کو حلال کیا رات کو۔ سو رات کے شروع سے عورتیں حلال ہوگئیں اور باشروھن پر آگے عطف کیا ہے۔ کلوا واشربوا کو اور اس کو مغیا کیا ہے حتیٰ یتبین کے ساتھ اور متعاطفات متماثل ہوتی ہیں تو مباشرت کی اجازت بھی صبح تک ہوئی اسی طرح اکل وشرب کی بھی پس معنی یہ ہوئے کہ دن چھپے کے وقت سے صبح نکلنے تک دن کی کمی کا عوض اچھی طرح نکال لو سو یہ کتنی وسعت ہوگئی اور یہ اور بات ہے کہ ان میں انہاک مناسب نہیں کہ اس میں بعض مقصود روزہ کے فوت ہوتے ہیں کھانا کم ہی کھانا

مناسب ہے اور اس میں راحت روحی بھی ہے لیکن شریعت کھانے وغیرہ سے نہیں روکتی۔ بعضے حریصوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو کھانے کی اجازت دیتا ہے کہ کلوا واشربوا (تم کھاؤ اور پیو) تو بعض حکماء نے بطور لطیفے کے جواب دیا ہے۔

گرچہ خدا گفت کلوا واشربوا   لیک نہ گفت ست کلوا تا گلو

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کلوا واشربوا (تم کھاؤ پیو) فرمایا ہے لیکن یہ نہیں کہ گلو تک کھاؤ۔

جس طرح بعضے لوگ جو لاتسرفوا (اسراف مت کرو) میں مبالغہ کر کے تقلیل کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں ان کو کسی نے جواب دیا ہے۔

گرچہ خدا گفت ولا تسرفوا   لیک نہ فرمود بکلھیا وضو

یعنی اگرچہ خدا تعالیٰ نے لاتسرفوا (اسراف مت کرو) فرمایا ہے لیکن بکلھیا وضو (ایک کلھیا سے وضو) نہیں فرمایا ہے۔

البتہ کلوا واشربوا (تم کھاؤ پیو) سے محرمات خارج ہیں ولا تسرفوا (اسراف مت کرو) اس پر وال ہے جیسے کسی رند نے کہا تھا۔

ہم توبہ جب کریں گے کباب وشراب سے   قرآن میں جو آیہ کلوا واشربوا نہ ہو

ایک دیندار شاعر نے جواب دیا۔

تسلیم قول آپ کا ہم جب کریں جناب   جب آگے واشربوا کے ولا تسرفوا نہ ہو

بہر حال اعتدال ہونا چاہئے کھانے پینے میں اعتدال ہو اور امور میں بھی اعتدال ہو غرض تمام چیزوں میں ہماری طبیعت کی رعایت ملحوظ رکھی گئی چنانچہ تاخیر سحور کو مستحب فرما دیا تاکہ جسمانی راحت بھی ہو اور روحانی بھی روزہ تو شروع ہوا ہے صبح سے اگر آدھی رات سے کھانا کھا لیتے ہیں تو دن میں بھوک کی کلفت ہوتی خلاصہ یہ کہ احکام شرعیہ میں ظاہری و باطنی ہر طرح کے مصالح مرعی ہیں۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد   برنگ اصحاب صورت را ببوا ارباب معنی را

اس کے عالم حسن کی بہار اصحاب ظاہر کے دل و جان کو رنگ یعنی ظاہری حسن سے اور ارباب معنی کے دل و جان کو بو یعنی باطنی حسن و خوبی سے تر و تازہ رکھتی ہے۔ (شعبان ج ۷)

افطاری میں عجلت

تعجیل افطار کا امر فرمایا کہ زمانہ ترک اکل کا کم رہے اور پھر تاخیر سحور و تعجیل افطار میں

باطنی مصلحت حد شرعی کی رعایت ہے کہ روزہ کی ابتدا و انتہا خلط نہ ہو جائے اسی طرح اتباعاً للشرع (شرع کی اتباع کر کے) امام کو اہل صوم کی رعایت چاہئے کہ مغرب کا وقت تنگ سمجھ کر جلدی نہ کرے مغرب کا وقت عشاء کے وقت ہونے تک باقی رہتا ہے خوب اطمینان سے آدمی کھانا کھا سکتا ہے لیکن اس قدر دیر نہ ہو کہ نماز ہی خراب ہو جاوے روحانی اور جسمانی امر کی یہاں بھی رعایت فرمائی۔ (شعبان ج ۷)

سفری روزہ کی شرط

جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ سفر میں بھی روزہ رکھنا جائز ہے۔ البتہ بہت تھوڑے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح بحالت سفر نماز میں قصر واجب ہے ایسے ہی روزہ میں افطار واجب ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ "لیس من البر الصیام فی السفر" وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ روزہ رکھنا سفر میں اچھا نہیں، دیکھو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ تو بہتر ہے۔ (شرائط الطاعت ج ۷)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینادی الملک یاباغی الخیر اقبل ویاباغی الشر اقصر وللہ عتقاء من النار

(ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فرشتہ منادی کرتا ہے کہ اے خیر کے طلب گار آگے بڑھ اور اے برائی چاہنے والے رک جا اور اللہ کے لئے بہت سے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں)

ترمذی شریف کی اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ یاباغی الخیر اقبل۔ الخ۔ یعنی اے خیر کے طلب کرنے والے چل متوجہ ہو اور اے شر کے طلب کرنے والے اب تو رک جا۔ تیسرا جملہ وللہ عتقا من النار اللہ تعالیٰ بہت سے بندوں کو اس راہ کی برکت سے آزاد کر دیتے ہیں۔ محتمل ہے یعنی یا تو وہ بھی فرشتہ کی ندا ہو۔ یعنی فرشتہ کہتا ہے کہ اس وقت خدائے تعالیٰ کے یہاں عام رہائی ہو رہی ہے۔ اے شخص تو بھی مستحق رہائی ہو جا۔

دیکھو جب کوئی شاہی خوشی ہوتی ہے تو ہر قیدی کوشش کرتا ہے چھوٹنے کی، تو اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ خدائے تعالیٰ کا فضل عام ہو رہا ہے۔ قیدی چھوٹ رہے

ہیں۔تم پر بھی تعزیرات آخرت کی بہت سی دفعات لگ چکی ہیں۔اس لئے تم بھی انہی قیدیوں میں ہو۔پس تم بھی سعی کرو کہ تمہاری رہائی ہو جائے۔اور یا یہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے فرمایا ہو۔دونوں کا حاصل ایک ہوگا۔(ندا رمضان ج ۱۰)

صبر سے مراد روزہ ہے

قرآن شریف میں جو فرمایا گیا ہے: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانھا لکبیرۃ الاعلیٰ الخشعین الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون۔

یعنی مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔خشوع کرنے والے وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صبر سے مراد صوم لیا ہے اس کو آیت میں نہیں فرمایا بلکہ صرف نماز کے ساتھ اس حکم کو مخصوص کیا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں روزہ رکھنے میں بڑی مستعدی کرتی ہیں اور نماز پڑھنا ان پر قیامت ہوتا ہے۔اس لئے کہ افعال وجودی میں مشقت زیادہ ہے اور نہ کھانے میں عورتوں کا کچھ کمال بھی نہیں۔اس لئے کہ اول تو مزاج بارد جس میں تحلیل رطوبات کم ہوتی ہے دوسرے کھانے پکانے سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے اور مردوں میں یہ امور متحقق نہیں ہیں۔(ندا رمضان ج ۱۰)

روزہ کی سفارش

ایک حدیث بیہقی میں ہے کہ قرآن اور روزہ دونوں سفارش کریں گے۔قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو سونے نہیں دیا۔اس لئے میری سفارش قبول فرما کر اس کو بخش دیجئے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام تمام رات بیدار رہے کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہ تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت اور دنوں کے کم سونے دیا۔چنانچہ کلام اللہ میں ہے۔

قلیلاً من اللیل ما یھجعون۔ یعنی رات کو بہت کم سوتے تھے۔

بزہد وورع کوش وصدق وصفا ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

یعنی زہد وتقویٰ میں کوشش کرو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو۔(ندا رمضان ج۱۰)

روزہ کہے گا میں نے دن میں کھانے پینے سے روکا اس طرح دونوں شفاعت کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں صرف روزہ کافی نہیں بلکہ قرآن بھی پڑھا کرو۔جس کا سہل طریقہ اس ماہ میں تراویح ہے مگر دشواری یہ ہے کہ تراویح بھی با قاعدہ بہت کم پڑھتے ہیں ۔ یہ کمال میں شمار ہوتا ہے کہ فلاں حافظ نے ایک گھنٹہ میں اس قدر پارے پڑھے حالانکہ کلام اللہ کے الفاظ تک درست نہیں ہوتے۔نہ رکوع نہ سجود وغیرہ ٹھیک ہوتا ہے۔

گرتو قرآں بدیں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی

اگر اس طور سے قرآن پڑھتا ہے تو رونق مسلمانی کو زائل کرتا ہے۔

ادھر تو مقتدیوں کو نہایت اضطراب ہوتا ہے کہ کوئی با قاعدہ پڑھنا چاہے تو وہ چین نہیں لینے دیتے۔غرض جب فارغ ہو کر واپس ہوتے ہیں تو بجائے ثواب کے مواخذہ سر پر ہوتا ہے۔

از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم همہ شوق آمدہ بودم همہ حرماں رفتم

محبوب کے دروازے سے کیا کہوں کس طور سے میں گیا۔ پورے شوق سے آیا تھا۔ بالکل محروم ہو کر چلا۔

بعض شائقین تلاوت کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ہم پورے طور سے کلام اللہ پڑھنے پر قادر نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں۔پس وہ یہ سمجھ کر تلاوت سے بیٹھ رہتے ہیں کہ ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔تو یہ سمجھ لیجئے کہ باوجود اٹک اٹک کر بہ دشواری تلاوت کرنے سے بھی دوہرا اجر ہوگا مگر اس سے یہ نہ سمجھیں کہ صاف پڑھنے والے سے یہ بڑھ گیا۔ممکن ہے کہ اس کا اکہرا اس کے دوہرے سے بڑھ جائے۔ جیسے اشرفی اور دو روپے کہ کمیت میں تو دو روپے زیادہ ہیں اور کیفیت میں ایک اشرفی بڑھی ہوئی ہے۔اور جن کو پڑھنا نہ آئے ان کے لئے صرف سننے پر بھی ثواب مرتب ہو جاتا ہے۔وہ بھی محروم نہیں ہیں۔چنانچہ کلام اللہ میں:

واذا قرئ القرآن فاستمعو اله وانصتوا .

یعنی جب قرآن پاک پڑھا جائے تو خاموش ہو جاؤ اور اس کو سنو۔

موجود ہے۔اگر چہ تالی وتلاوت کرنے والا، کے مثل ثواب نہ ہو۔لیکن ۔

مرا از زلف تو موئے بسند است ہوس راہ رہ مدہ بوئے بسند است

یعنی اگر محبوب نہ ملے تو اس کا ایک بال ہی بہت ہے۔ اگر بال نہ ملے تو خوشبو ہی سہی جیسے قرآن کو نزول سے اس ماہ کے ساتھ مناسبت تھی ویسا ہی اس ماہ میں اس کی تلاوت وسماع کا بھی سامان کردیا کہ تراویح کا امر فرمایا تا کہ کوئی ثواب سے محروم نہ رہے۔ (الصوم ج ۱۰)

ایک لطیفہ غیبی

ایک لطیفہ ظنی طریق سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور ظالمین کی نیکیاں مظلوموں کو دی جائیں گی تو بعض اہل لطائف نے کہا ہے کہ روزہ نہ چھنے گا۔ اس لئے کہ سرکاری جائداد ہے۔ اس کو کوئی نہ لے سکے گا مگر اس کا دعویٰ لطیفہ کے درجہ میں ہے ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو اور اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی یاد آئی۔ وہ یہ ہے کہ

انا اجزی بہ ۔ میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔

ایک نسخہ انا اجزی بہ بصیغہ مجہول بھی مشہور ہے اس کے معنی مشہور یہ ہیں کہ روزہ میرا ہے اور اس کے بدلہ میں دیا جاؤں گا۔ یعنی اس کا بدلہ یہ ہے کہ میں اس کو ملوں گا۔ اور یہ مضمون گو فی نفسہ صحیح ہو کہ حق تعالیٰ اس کے بدلے میں مل جائیں گے۔ (الصوم ج ۱۰)

روزہ اور فدیہ

مجھ کو فانہ لی جب یہ فرمایا کہ روزہ میرا ہے تو جب ہم نے روزہ رکھا تو گویا ہم زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ لیجئے حضور یہ آپ کے لئے ہے۔ اب آپ یہاں سے سبق حاصل کیجئے کہ اگر حاکم ضلع کے لئے کوئی شے تحفہ کے طور پر بھی لے جاؤ خاص کر جب کہ حاکم خود فرمائش بھی کرے تو اس کا کس قدر اہتمام کرو گے۔ جہاں تک ہو سکے گا عمدہ صاف ستھری شے لے جاؤ گے۔ اور اگر احتمال بھی اس میں عیب کا ہوگا تو اس کو ردی کردو گے دوسری منگاؤ گے۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کو کہنا کہ روزہ میں بھی اتنا یا اس سے آدھا ہی اہتمام ہوا ہے بفضلہ تعالیٰ اکثر لوگ تو روزہ ہی نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ روزہ کی فلاسفی ہے کسر قوۃ بہیمیہ۔ تو جب یہ علت ہے تو ہم اپنے اندر اس قوت کو مغلوب پاتے ہیں۔ خاص کر بعض نام کے مولویوں کا ترجمہ بعض نے جب سے دیکھا ہے تو اور زیادہ دلیری بڑھ گئی۔ (الصوم ج ۱۰)

صحت روزہ کا معیار کرو

صاحبو! اگر حاکم تم سے یہ کہے کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے اور تم اندھا، بہرا لنگڑا ،لولا ، اپاہج محض لے جاؤ تو کیا حاکم اس سے خوش ہوگا ہرگز نہیں بلکہ حتی الوسع اس کی کوشش کرو گے کہ مرضی کے موافق آدمی ہو تو روزہ میں یہ قاعدہ کیوں مہمل چھوڑ دیا۔ آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں سب ہی کو گناہ سے بچانا چاہیے۔ دیکھو جب روزہ میں وہ چیزیں حرام کر دی گئی ہیں جو پہلے مباح تھیں تو جو پہلے سے حرام ہیں وہ تو بطریق اولیٰ واجب الترک ہوں گی اور اگر روزہ میں گناہ ترک نہ کئے تو اس کا روزہ کیا ہے نام کا روزہ ہے۔

اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض لوگوں کو روزہ میں سے صرف بھوک پیاس اور جاگنا ہی میسر ہوتا ہے اور بعض لوگ اطمینان حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تعلقات تو کم کر دیتے ہیں لیکن بجائے اس کے شطرنج، گنجفہ، غیبت، بدنگاہی ناول دیکھنا اختیار کرتے ہیں یاد رکھو کہ یہ افعال سم قاتل ہیں ان کو معمولی نہ سمجھیں۔ گھر پھونکنے کے لئے ایک چنگاری بھی کافی ہے۔ ظاہراً یہ افعال خفیف معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں سخت ہیں۔ (الصوم ج ۱۰)

تاثیر حق

حق تعالیٰ کی تجلی اور نظر میں یہ تاثیر ہے کہ وہ شے بابرکت ہو جاتی ہے۔ پس رمضان المبارک کی طرف بھی کسی قسم کی تجلی فرمائی ہے کہ جس سے اس میں یہ برکت آ گئی اور جس طرح زمان کی طرف یہ تجلی ہوتی ہے اور اس میں برکت آ جاتی ہے۔ اسی طرح کسی مکان کی طرف اگر تجلی ہو گی تو وہ مکان بھی متبرک ہو جائے گا۔ چنانچہ کعبہ کے اندر بھی تجلی الٰہی ہے کہ جس میں اس میں برکات اور انوار ہیں۔ اور اس کی طرف قلوب کو کشش ہوتی ہے۔

کعبہ را ہردم تجلی می فزود این ز اخلاصات ابراہیم بود

کعبہ کو جو ہردم تجلی افزوں ہو رہی ہے یہ ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی بدولت ہے۔

جس شے کو برگزیدہ کیا جاتا ہے اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس پر تجلیات خاصہ میں سے کوئی تجلی فائز ہوتی ہے (الصیام ج ۱۰)

فرضیت روزہ

یہ تو سب جانتے ہیں کہ روزہ فرض ہے اور اس فرض روزہ ہی کی فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جس شخص نے ایمان اور ثواب کی طلب کے واسطے روزہ رکھا اس کے پچھلے گناہ سب بخشے جائیں گے۔ لوگ اس فضیلت کو بھی جانتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہ کس شان کا روزہ ہے جس کی یہ فضیلت ہے اور آیا یہ خاصیت ہر روزہ میں ہے یا وہ کوئی خاص روزہ ہے۔ سو یہ بھی حدیث سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر روزہ نہیں ہے بلکہ خاص ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

رغم انفه رغم انفه رغم انفه یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ناک خاک میں مل جائے اس کی ناک خاک میں مل جائے۔ اس کی ناک خاک میں مل جائے۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ وہ کون ہے۔ فرمایا تین شخص ہیں ایک تو وہ جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے میں پایا اور اس نے جنت نہ حاصل کی (یعنی ان کی خدمت کر کے)

دوسرا وہ جس کے سامنے میرا ذکر آیا اور اس نے درود شریف نہ پڑھا۔

تیسرا وہ جس کے اوپر رمضان کا مہینہ آیا اور اس نے گناہ معاف نہ کرائے اور وہ اسی طرح نکل گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان یا روزہ میں خود معافی کا اثر نہیں بلکہ اس کے اندر خاص شان ہونا چاہیے اور وہ خاص شان وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة ان یدع طعامه وشرابه
جو شخص روزہ میں باطل بولنا اور برا کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت نہیں ہے اس بات کی کہ چھوڑ دے اپنا کھانا اور اپنا پینا۔

یہ ہے وہ شرط کہ جس کے پائے جانے سے روزہ کے اندر معافی کی شان آجاتی ہے اور اس شرط کا حاصل ہے معاصی کا چھوڑ دینا۔ سو اس کی طرف عام کا التفات نہیں یا التفات ہے تو عمل نہیں ہے۔ (الصیام ج ۱۰)

تکمیل کے دو درجے ہیں

ایک تکمیل ضروری.........دوسری تکمیل کامل

تکمیل ضروری وہ ہے جس سے شے نقصان سے نکل جائے اور اس کو ناقص نہ کہہ سکیں۔ اور تکمیل

کامل یہ ہے کہ رفع نقصان کے علاوہ اس میں کچھ حسن وخوبی اور پھول پتیاں بھی لگ جائیں۔

جیسے ایک تو حسن ہے جو قبح کے مقابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ناک اور نقشہ اچھا ہو اور رنگ نکھرا ہوا ہو۔ دوسرے زینت کا درجہ ہے کہ علاوہ حسن کے لباس اور زیور بھی بہت کچھ ہو۔ پس تکمیل ضروری تو حسن کا درجہ ہے اور تکمیل کامل زینت وآرائش کا درجہ ہے۔

اب سمجھئے کہ روزہ کی تکمیل ضروری تو کچھ بھی دشوار نہیں بلکہ بہت ہی آسان ہے کیونکہ وہ بھی عدمی ہے اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ محرمات کو ترک کردو۔ غیبت نہ کرو، جھوٹ نہ بولو، لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ نگاہ بد نہ کرو۔ رشوت نہ لو۔ سود نہ لو۔ اور یہ سب عدمیات ہیں۔ پس روزہ کی تکمیل ضروری محض سکوت اور نوم سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے نفلیں پڑھنے اور تلاوت قرآن کرنے یا درود واذکار بجالانے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی شخص دن بھر سوتا رہے صرف نماز کے وقت جاگ کر نماز پڑھ لیا کرے تو اس کا روزہ کامل ہوگا ناقص نہ ہوگا۔

فقہاء نے جو کثرت نوم کو روزہ میں مکروہ لکھا ہے وہ اس کے لئے ہے جو روزہ کا وقت کاٹنے کے لئے سوئے اور جو محرمات سے بچنے کے لئے سوئے اس کے واسطے کراہت نہیں۔ نیز وہ کراہت اس کے لئے ہے جس کو جاگنے میں ابتلاء فی المحرمات کا اندیشہ نہ ہو اور جس کو یہ اندیشہ ہو کہ میں جاگنے کی حالت میں لڑائی جھگڑے اور جھوٹ غیبت سے نہ بچ سکوں گا اس کے لئے سونا مکروہ نہیں۔ (گفتم ایں فتنہ است خوابش بردہ بہ) (الصوم فی رمضان ج ۱۰)

روزہ کا نور

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ روزہ کس طرح سے نور ہے تو روزہ کی حقیقت دیکھنی چاہیے کہ کیا ہے حقیقت یہی ہے لذات کا ترک کردینا، شہوات کا ترک کردینا۔ تو لذات کے ترک سے اور شہوات کے ترک سے خود مشاہدہ ہو سکتا ہے کہ قلب کے درمیان ایک کیفیت نور کی اور انشراح کی پیدا ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معاصی میں دو درجے ہیں۔ ایک تقاضا اور ایک اس تقاضے پر عمل۔ اور بالفعل اور عمل کا ظلمت ہونا معلوم ہی ہے۔ باقی تقاضا گو وہ بالفعل ظلمت نہیں مگر بالقوہ ظلمت ضرور ہے اور بالقوہ شرط ہے بالفعل کی اور شرط کا فوت مستلزم ہے فوت مشروط کو۔ اور روزہ سے تقاضے میں کمی آتی ہے تو فعل میں بھی کمی آئیگی تو دونوں درجے ظلمت کے اس سے منتفی ہو گئے۔ پھر نور ہونے میں کیا شبہ رہا۔ روزہ اس طرح نور ہوا۔ (رمضان ج ۱۰)

شب قدر کی فضیلت

رمضان کے عشرہ اخیرہ میں تو ضرور ہی بیدار رہنا اور عبادت کرنا چاہیے کیونکہ ان راتوں میں شب قدر کا ہونا اغلب ہے اور اگر کوئی شخص نہایت ہی کمزور اور کم ہمت ہو تو خیر وہ ستائیسویں رات کو تو ضرور ہی بیدار رہے۔ کہ وہ شب اکثر شب قدر ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اتفاق سے وہ رات شب قدر نہ بھی ہوئی۔ اور تم نے بہ گمان شب قدر اس میں عبادت کی تو ان شاء اللہ تم کو شب قدر ہی کا ثواب عطا ہوگا۔ اور یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے۔ حدیث میں اس کی اصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ **انما الاعمال بالنیات** پھر ممکن ہے کہ اس کلیہ سے کسی کی تشفی نہ ہو تو دوسری حدیث موجود ہے۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ **الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحٰی یوم تضحون**

جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص نے نہایت کوشش سے رمضان کے چاند کی تحقیق کی اور اس تحقیق کی بناء پر روزے رکھنے شروع کر دیئے پھر ختم رمضان پر عید کے چاند کی اسی طرح چھان بین کی اور اس کی بناء پر عید کرلی اسی طرح عیدالاضحیٰ میں بھی کیا اور چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ تینوں تحقیقیں خلاف واقع تھیں تو اس صورت میں دل شکستہ نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ جس دن روزہ رکھا وہی دن عنداللہ باعتبار مقبول روزہ کا تھا۔ اور جس دن عید کی وہی دن عید کا تھا یعنی روزہ اور عید دونوں مقبول ہیں۔ پس اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر شب قدر کی نیت سے عبادت ہوئی ہے اور اتفاق سے وہ شب قدر نہ ہوئی تو ثواب شب قدر کا مل جائے گا۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

ایک بہت بڑی فضیلت اعتکاف کی یہ ہے کہ معتکف کو ایام اعتکاف میں ہر وقت وہی ثواب ملتا ہے جو کہ نمازی کو نماز میں ملتا ہے دلیل اس کی یہ حدیث ہے۔ **لایزال احد کم فی الصلوٰۃ ماانتظر الصلوٰۃ** جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کیا جائے تو وقت انتظار میں بھی وہی ثواب ملتا ہے جو کہ وقت ادا الصلوٰۃ میں ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معتکف جب ہر وقت مسجد میں رہے گا تو اس کو صلوٰۃ کا انتظار ضرور رہے گا۔ اگر یہ سوئے گا بھی تو اس نیت سے کہ اٹھ کر فلاں نماز پڑھنی ہے۔ کوئی کام بھی کرے گا تو اس نیت کے ساتھ کہ فلاں نماز تک یہ کام ہے۔ غرض اس کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا ہر ہر حرکت صلوٰۃ کے حکم میں لکھی جائے گی۔

اس تقریر کے بعد خیال میں آتا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے **المعتکف یعتکف الذنوب کلها ویجری له الحسنات کلها** (معتکف تمام گناہوں سے رکا رہتا ہے اور تمام نیکیوں کا اس کو ثواب ملتا ہے) الحسنات میں الف لام عہد کا نہیں جیسا اب تک سمجھا جاتا ہے۔ جس کی بنا تھی کہ اعتکاف میں خاص حسنات کا صدور ہوتا ہے کل حسنات کا صدور خلاف مشاہدہ ہے۔ بلکہ استغراق کا ہو سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ معتکف اپنے ایام اعتکاف میں گویا ہر نیکی کر رہا ہے اس کو سب نیکیوں کا ثواب ملتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ جب انتظار الصلوٰۃ صلوٰۃ کے حکم میں ہے اور معتکف منتظر صلوٰۃ ہے تو وہ مصلی کے حکم میں ہوا اور صلوٰۃ ام العبادت ہے تو اس کا ادا کرنے والا گویا تمام عبادتیں کر رہا ہے پس معتکف بحالت اعتکاف سب عبادتیں ادا کر رہا ہے۔ صاحبو! اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

مجالس ختم قرآن

اس عشرہ میں اکثر مساجد میں قرآن شریف ختم ہوگا۔ اس میں اکثر لوگ پڑھنے والوں کو کچھ دیا کرتے ہیں۔ سو یہ لینا چھوڑ دو۔ دوسرے اکثر مساجد میں ختم کے دن شیرینی تقسیم ہوتی ہے اس میں جو گڑ بڑ ہوتی ہے سبھی جانتے ہیں اور ان گڑ بڑوں کی وجہ سے جو شرعی قباحتیں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں ان کو بھی متعدد مرتبہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس وقت ان کے دہرانے کا وقت ہے نہ چنداں ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ اس کے مفاسد پر نظر کر کے اس کو بھی چھوڑ دو۔

دیکھو! اس کی بدولت بیچارے بعض غرباء پر سخت بار ہو جاتا ہے۔ اس انتظام کے متعلق بعض غریب جلاہوں نے شکریہ میں یہ کہا کہ ہم بہت ممنون ہیں۔ کیونکہ ہم کو چندہ دینے کی مصیبت سے بچا لیا۔ معلوم ہوا کہ لوگوں پر چندہ لینے سے بار ہوتا ہے بتلایئے یہ کیونکر جائز ہوگا۔ بعض رئیسوں نے مجھ سے کہا کہ آپ غریبوں کو منع کیجئے لیکن امیروں کو منع کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ خیال بالکل لغو ہے اس لئے کہ اگر امیروں نے چھوڑ دیا تو غریبوں کو چھوڑنا کچھ مشکل نہیں۔

بعض مساجد ایسی بھی ہیں کہ ان میں چندہ سے شیرینی تقسیم نہیں ہوتی لیکن وہاں دوسری خرابیاں ہوتی ہیں مثلاً ریاء و نمود کے لئے تقسیم کرنا۔ عوام الناس اور بچوں کے ہجوم

سے مسجد کی بے حرمتی ہونا۔ لڑکوں کا حصہ مانگنے میں بلا وجہ پٹنا۔ غرض اس قسم کی بہت سی خرابیاں ہیں کہ زیرک آدمی ان کو خود سمجھ سکتا ہے۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

زبان کے گناہ

ایک زبان ہی کے بیس گناہ ہیں جیسا کہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ایک ان میں سے کذب ہے جس کو لوگوں نے شیر مادر سمجھ رکھا ہے اور کذب وہ شے ہے کہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں اور پھر اس کو مسلمان کیسا خوشگوار سمجھتے ہیں ذرا سا بھی لگاؤ کذب کا ہو جائے بس معصیت ہو گئی۔

یہاں تک کہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے ایک بچہ سے بہلانے کے طور پر یوں کہا کہ یہاں آؤ چیز دیں گے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ آجائے تو کیا چیز دو گے۔ انہوں نے دکھایا کہ یہ کھجور ہے میرے ہاتھ میں۔ فرمایا کہ اگر تمہاری نیت میں کچھ نہ ہوتا تو یہ معصیت لکھ لی جاتی۔

حضرت! کذب یہ چیز ہے۔ خیر یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر اس سے احتراز نہ ہو سکے تو کذب مضر سے تو بچنا چاہیے اور پھر روزہ میں۔

دوسرا گناہ زبان کا غیبت ہے لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم تو اس کے منہ پر کہہ دیں۔ منہ پر عیب جوئی کرو گے تو بہت اچھا کرو گے اور پیچھے تو ظاہر ہے جیسا اچھا ہے بلکہ اگر منہ پر برا کہو گے تو بدلا بھی تو پاؤ گے وہ شخص تمہیں برا کہہ لے گا یا اپنے اوپر سے اس الزام کو دفع کرے گا۔ پیچھے برائی کرنا تو دھوکے سے مارنا ہے یاد رکھو! جیسا کہ دوسرے کا مال محترم ہے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ آبرو ہے چنانچہ جب آبرو پر آبنتی ہے تو مال دولت کیا چیز ہے جان تک کی پرواہ نہیں رہتی۔ پھر آبرو ریزی کرنیوالا کیسے حق العبد سے بری ہو سکتا ہے مگر غیبت ایسی رائج ہوئی ہے کہ باتوں میں احساس بھی نہیں ہوتا کہ غیبت ہو گئی یا نہیں۔ اس سے بچنے کی ترکیب تو بس یہی ہے کہ کسی کا بھلا یا برا اصلاً ذکر ہی نہ کیا جائے کیونکہ ذکر محمود بھی اگر کیا جائے کسی کا تو شیطان دوسرے کی برائی تک پہنچا دیتا ہے اور کہنے والا سمجھتا ہے کہ میں ایک ذکر محمود کر رہا ہوں اور اس طرح ایک خیر اور ایک شر مل جانے سے وہ خیر بھی کالعدم ہو گئی۔ اور حضرت اپنے ہی کام بہتیرے ہیں پہلے ان کو پورا کیجئے دوسروں کی کیا پڑی۔ علاوہ بریں غیبت تو گناہ بے لذت بھی ہے اور دنیا میں بھی مضر ہے جب

دوسرا آدمی سنے گا تو عداوات پیدا ہو جائیگی ۔اور پھر کیا ثمرات اس کے ہوں گے ۔اسی طرح زبان کے بہت گناہ ہیں سب سے بچنا ضروری ہے ۔(تطہیر رمضان ج ۱۰)

افطار علی الحرام

ان کے علاوہ ایک گناہ جو خاص روزہ کے متعلق ہے افطار علی الحرام ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس مہینہ میں حلال کا کھانا بھی ایک وقت میں حرام ہو گیا اور پھر دن بھر تو اسے لوگ چھوڑے رہیں اور شام کو حرام سے افطار کریں ۔(تطہیر رمضان ج ۱۰)

شبینہ کے منکرات

بعضے لوگ ایک ہی شب میں ختم کرتے ہیں جسے شبینہ کہتے ہیں اس میں تو کئی بدعتیں ہیں ۔غور کر کے دیکھ لیجئے کہ اس میں نیت صرف نمود کی ہوتی ہے کیا امام اور کیا مہتمم اور کیا سامعین ۔امام تو داد ملنے کے امیدوار رہتے ہیں کہ جہاں سلام پھیرا اور لوگوں نے منہ پر تعریف کر دی تو خوش ہو گئے ورنہ پڑھا بھی نہیں جاتا۔حدیث شریف میں منہ پر تعریف کرنے والے کے لئے حکم ہے کہ اس کے منہ میں خاک جھونک دو۔اور امام صاحب کے قلب پر بھی اثر ہوتا ہی ہے اور اسی تعریف کرانے کو بعضے امام تو لقمہ بھی نہیں لیتے۔اسی وجہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ اچھا یاد نہیں اور مہتمم تو سامعین میں شامل نہیں ہوتے ۔چائے پانی سے ہی فرصت ہی نہیں ہوتی ۔

میں پوچھتا ہوں کہ شبینہ سے چائے پانی مقصود ہے یا قرات وسماعت قرآن ایک شے میں البتہ چائے سے مدد مل جاتی ہے سماعت اور قرات میں ۔مگر جب ذریعہ مقصود میں مخل ہو جائے تو ذریعہ کہاں رہا۔اور یہ بھی جانے دیجئے مہتمم صاحب کو تو یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ ہمارے یہاں فانی مسجد سے اہتمام اچھا رہا۔بس چائے پانی اچھا رہا مگر اصل شی تو اچھی نہیں رہی ۔

رہے سامعین تو انصاف سے کہہ دیجئے کہ وہ قرآن شریف سننے کے لئے آتے یا نماز کے ساتھ دل لگی کرنے کو ۔کچھ کھڑے ہیں کچھ بیٹھے ہیں ،کچھ کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں کبھی بیٹھ جاتے ہیں ۔کبھی کچھ لوگ بیٹھ بھی نہ سکے تو نیت توڑ کر لیٹے لیٹے سن رہے ہیں اور کریں بھی کیا ۔بیچارے گھنٹوں تک کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں اور بعضے جو اپنے اوپر جبر کر کے کھڑے بھی ہیں تو امام کی زلتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں ۔وہ خواہ کیسی ہی غلطی کرتا چلا جائے بتلا نہیں

سکتے کیونکہ حرج ہوگا اور قرآن شریف ختم سے رہ جائیگا۔ اور بعضے تو یہ غضب کرتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ سے لقمہ دیئے جاتے ہیں اس صورت میں اگر امام نے لیا تو نماز سب کی فاسد ہوئی اور نہ لیا تو وہ غلطی اگر مغیر معنی ہیں تو یوں نماز فاسد ہوئی۔ اب ان سامعین کا گھنٹوں سے اپنے اوپر جبر کرنا بالکل ضائع گیا۔ علیحدہ علیحدہ بیٹھ کر سننا اور یہ برابر ہوا۔ اور تکلیف مفت میں ہوئی۔ غرض لقمہ لینے کی صورت میں بھی معصیت ابطال عمل کی لازم آئی۔ اور نہ لینے سے بھی نماز فاسد ہوئی۔ اب سب صورتوں کو ملا کر آپ ہی کہہ دیجئے کہ نماز ہے یا کھیل۔ احکام ظاہری کے لحاظ سے بھی تو نماز صحیح نہ ہوئی خشوع وخضوع کا تو ذکر ہی کیا۔

ایک خرابی شبینہ کی یہ بھی ہے کہ اکثر نفل کی جماعت لازم آتی ہے کیونکہ بعض ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو تراویح کی جماعت میں کرتے ہیں کیونکہ سب مقتدیوں سے نہیں ہوسکتا کہ اول سے آخر تک شریک رہیں اور اسی کو تراویح رکھیں اس لئے تراویح علیحدہ پڑھ لیتے ہیں پھر نفلوں میں اس کو پڑھتے ہیں اور نفلوں میں نماز مکروہ ہے۔

غرض! بہت سے منکرات اس شبینہ میں لازم آتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض حفاظ اپنا پڑھنے کے بعد مغالطہ دینے آتے ہیں۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سننے کو آئے ہیں اور یہ بے ادبی نہیں ہے اور ایسے ہی بہت سے بدعات ہیں۔

ہاں اگر شبینہ میں ختم ہی مدنظر ہے (مگر اخلاص کو غور کر لیجئے گا) تو امر حسن ہے۔ اس میں اعلان کی ضرورت نہیں تاکہ ریا وسمع سے خالی رہے۔ جتنی ہمت ہو قرآن شریف پڑھو۔ امام کو گڑبڑ میں نہ ڈالو۔ اور سب منکرات مذکور سے بچو۔ (تطہیر رمضان ج ۱۰)

مساجد کی مسرفانہ تزئین

ایک بدعت رمضان میں یہ ہے کہ نامحرم حفاظ گھروں میں جا کر عورتوں کو محراب سناتے ہیں۔ اس میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجنبی مرد کی آواز جب وہ خوش آوازی کا قصد کرے عورت کے لئے ایسی ہے جیسے اجنبی عورت کی آواز مرد کے لئے۔ اور رواج یہی ہے کہ خوش آواز مرد تلاش کئے جاتے ہیں اور حافظ صاحب بھی مردوں کی جماعت میں تو شاید سادہ سادہ ہی پڑھتے ہیں یہاں خوب بنا بنا کر ادا کرتے ہیں۔ سو عورتوں کے لئے جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے اپنی اپنی الگ پڑھیں اور کچھ ضرورت محراب سننے کی نہیں ہے۔ اگر حافظ ہیں تو

فرادیٰ فرادیٰ اپنی تراویح میں ختم کرلیں اور اگر حافظ نہیں ہیں تو الم ترکیف سے پڑھ لیں اور ناظرہ جتنا ہوسکے پڑھ لیا کریں۔ کیوں روپیہ خرچ کر کے گناہ مول لیا جائے۔

ایک بدعت رمضان شریف میں چراغوں کی کثرت ہے ختم کے روز۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس میں شوکت اسلام ہے۔ ہم کہتے ہیں رمضان میں ہی اظہار شوکت اسلام کی ضرورت ہے یا باقی تمام مہینوں میں بھی۔ تو ہمیشہ چراغ بہت سے جلایا کیجئے۔ یا یوں کہئے کہ اور دنوں میں اسلام کے چھپانے کا حکم ہے۔

خوب جان لیجئے کہ شوکت اعمال صالحہ ہی میں ہے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ سنا ہوگا کہ جس وقت شام کو گئے ہیں اور نصاریٰ کے شہر کے پاس پہنچے تو کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے اور سواری میں اونٹ تھا۔ اس پر بھی خود سوار نہیں تھے۔ غلام سوار تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہاں اظہار شوکت کا موقع ہے کم سے کم گھوڑے پر سوار ہو جایئے آپ نے بہت اصرار سے منظور کرلیا جب سوار ہوئے تو گھوڑے نے کودنا، اچھلنا شروع کیا۔ آپ فوراً اتر پڑے کہ اس سے نفس میں عجب پیدا ہوتا ہے (اللہ اکبر! کیا پاکیزہ نفس حضرات تھے اپنے قلب کا خیال ہر وقت رہتا تھا) اور اظہار شوکت کے جواب میں فرمایا۔

نحن قوم اعزنا الله بالاسلام. ہم وہ قوم ہیں کہ اسلام سے ہی ہماری عزت ہے۔

چراغوں سے کہیں شوکت ہوسکتی ہے۔ شوکت اسلام تو اسلام ہی سے ہے۔ اسلام کو کامل کرو۔ میں کہتا ہوں ٹٹول کر دیکھ لو دلوں کو کہ اگر کوئی اور شخص تمہارے سوا مساجد کی زینت کر دے تو تمہیں ویسی خوشی ہوگی۔ جیسی کہ اس بات سے ہوتی کہ ہم نے اپنے خرچ یا اہتمام سے زینت کی ہے غور کر لیجئے کہ نہ ہوگی۔ (تطہیر رمضان ج ۱۰)

ختم قرآن کی مجالس کے منکرات

شیرینی کی ایجاد کی وجہ اصل میں اظہار مسرت ہے ''شکراً للہ علیٰ حصول النعمۃ''۔ لیکن مباح میں ایک منکر منضم ہو جائے بلکہ مستحب میں بھی تو اس کا ترک ضروری ہے اور اس سے تو بہتر یہ ہے کہ محتاجوں کو دیدیا جائے۔ جو روپیہ مٹھائی میں صرف ہوتا ہے محتاج کی خبر گیری بالاتفاق امر حسن ہے۔ تمام زمانہ میں کوئی بھی اس کا مخالف نہ ہوگا اور نہ منکرات لازم آئیں گے جو نماز میں مخل تھے۔

شیرینی میں فی نفسہٖ کچھ حرج نہیں ۔بلکہ حرج اس ہیئت میں ہے۔ بلکہ اس ہیئت کے ساتھ بھی فسادات دور ہو جائیں۔فساد لازم بھی فساد متعدی بھی اور اس کے لئے پچاس برس سے کم میں کافی نہیں سمجھتا جب کہ اصلاح کا سلسلہ برابر جاری رہے اور اصلاح میں اس وقت یہ کافی نہیں کہ خاص لوگ منکرات سے بچ جائیں۔ کیونکہ عوام اپنے فعل کے لئے اسی کو سند گردانیں گے اور عوام سے جلدی ازالہ منکرات کی توقع نہیں پس اس وقت اصلاح یہ ہے کہ یہ عمل بالکل ہی ترک کر دیا جائے اور پھر اصلاح عقیدہ کا سلسلہ جاری رہے۔ جب عام طور سے عقیدے درست ہو جائیں تب میں بھی اجازت دیدوں گا لیکن اب تو بس ترک ہی کرایا جائے گا ۔غور کر لیجئے اور لا تقربوا الصلوٰۃ کا قصہ نہ کیجئے۔ جہاں شیرینی کا جواز ہے وہاں ان منکرات کی حرمت بھی ہے اور جب تک دونوں جمع ہیں حرمت ہی کو ترجیح ہو گی۔ (تطہیر رمضان ج ۱۰)

روزہ کے آداب سیکھے جائیں

روزہ کے آداب سیکھو اور عورتوں کو بھی سکھلاؤ۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم من صائم (الحدیث) یعنی بہت سے روزہ رکھنے والے اور قیام اللیل کرنے والے وہ ہیں کہ ان کی بھوک اور پیاس کی طرف اللہ میاں کو کچھ حاجت نہیں۔ اور آداب کے موافق اگر ختم کر لیا تو اس کے حق میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشفعان یعنی روزہ و نماز دونوں شفاعت کریں گے۔ پس اس شخص کے ساتھ دو محافظ ہوں گے عذاب سے بچانے کے لئے۔ پھر آپ کہہ سکتے کہ جس کے دو محافظ سرکاری موجود ہوں کیا اس کی نجات نہ ہو گی۔

خدا تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔والسلام (تطہیر رمضان ج ۱۰)

حقیقت روزہ

روزہ کی حقیقت جو ترک ہے وہ بھی ترک محض نہیں بلکہ ترک بالا رادہ ہے چنانچہ اگر کوئی روزہ کی نیت نہ کرے تو دن بھر فاقہ کرنے اور پیاسا مرنے سے وہ صائم نہ ہو گا۔اسی لئے صحت صوم کے لئے نیت شرط ہے۔

اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب روزہ میں نیت بھی ضروری ہے اور بدوں نیت کے روزہ نہیں ہوتا تو پھر صوم عدمی نہ ہوا۔ بلکہ دیگر عبادات کی طرح وہ بھی وجودی ہو گیا۔ کیونکہ نیت امر وجودی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تم ذرا معقولیوں سے تو دریافت کرو کہ وہ مرکب من الوجودی والعدمی کی نسبت کیا کہتے ہیں ۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ عدمی اور وجودی سے مرکب عدمی ہوگا کیونکہ مجموعہ اخسن کے تابع ہوتا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ ہم تو خود عاقل ہیں گو معقولی نہیں ہیں اس لئے ہم معقولیوں کی بات نہیں سننا چاہتے جب تک ہماری عقل میں نہ آئے تو دوسرا جواب یہ ہے کہ نیت روزہ کی حقیقت میں داخل نہیں ۔ بلکہ وہ اس کی شرط اور اس سے مقدم ہے۔ چنانچہ جن ائمہ کے نزدیک طلوع فجر کے بعد نیت جائز نہیں ۔ اور رات ہی کو نیت کرنا لازم ہے ان کے نزدیک تو ظاہر ہے کہ نیت جزو صوم نہیں ورنہ تقدم لازم نہ ہوتا۔ باقی جن کے نزدیک مطلقاً رات سے نیت کرنا شرط نہیں ان کے نزدیک بھی نیت صوم سے مقدم ہی ہے مگر ان حضرات نے اکثر اجزائے صوم پر مقدم ہونے کو دلیل سے بمنزلہ تقدم علی الکل کے قرار دیا ہے۔ چنانچہ نصف النہار کے وقت یا اس کے بعد نیت کرنا ان کے نزدیک بھی لغو وغیر معتبر ہے۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ دن بھر روزہ کی نیت کا رہنا تو ضروری ہے اور بقاء نیت بحکم نیت ہے تو نیت صوم سے مقدم نہ ہوئی ۔ بلکہ مقترن ہوئی ۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس کا فیصلہ مسائل شرعیہ خود کر رہے ہیں کہ بقاء نیت واقتران ارادہ صوم کے لئے شرط بلکہ محض تقدم نیت شرط ہے حقیقتاً یا حکماً۔ پھر روزہ شروع ہو جانے کے بعد اگر بدوں فطر حسی یہ پختہ قصد بھی کر لے کہ میں روزہ نہیں رکھتا تب بھی روزہ باقی رہتا ہے۔ (عصم الصنوف ج ۱۰)

ماہ رمضان اور زیادتی رزق

صاحبو! اگر کوئی عاقل فلسفی روزہ کو مشروع کرتا تو یقیناً وہ یہی حکم کرتا کہ جس حکمت کے لئے روزہ مشروع ہو رہا ہے۔ اس کا مقتضا یہی ہے کہ افطار میں تاخیر اور سحر میں تعجیل کی جائے تا کہ مجاہدہ کامل ہو۔ مگر شریعت اس کو منظور نہیں کرتی ۔ وہ تعجیل افطار و تاخیر سحور ہی کو کمال صوم بتلاتی ہے۔ نیز فلسفی یہ بھی کہتا کہ سحری میں کم کھانا چاہیے ورنہ مجاہدہ ناقص ہوگا۔ وہ روزہ ہی کیا ہوا جس کے لئے رات کو خوب پیٹ بھر لیا گیا۔ مگر شریعت کہتی ہے کہ کم کھانا افضل نہیں ہے اور جن صوفیا نے کم کھانے کو افضل کہا ہے یہ ان کی رائے ہے۔ اور ہر رائے قبول نہیں ہوا کرتی ۔ اور میں بے تامل کہتا ہوں کہ ان حضرات کی اس رائے کا منشا محض اتباع

عقل ہے اتباع نقل نہیں۔ ورنہ کوئی حدیث دکھلائی جائے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کے کھانے کو معز صوم بتلایا ہو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ حدیث کے اشارہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں مومن کو زیادہ کھانا چاہیے۔ اور میں اشارہ کا لفظ بھی احتیاطاً کہہ رہا ہوں ورنہ حدیث تو قریب بصراحت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شهر يزاد فيه رزق المؤمن. کہ اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے اب بتلاؤ یہ زیادت کھانے کے واسطے ہے یا دھرنے کے واسطے ہے۔ جب حق تعالیٰ اس مہینہ میں رزق بڑھاتے ہیں تو چاہیے کہ اس مہینہ میں اور مہینوں سے زیادہ کھایا جائے اور فرماتے ہیں:

هو شهر المواساة کہ یہ مہینہ ہمدردی کا ہے

مشاہدہ ہے کہ رمضان میں خود بخود دل تقاضا کرتا ہے کہ احباب اور دوستوں کو بھی کچھ بھیجا جائے جس کے گھر میں کوئی نئی چیز پکتی ہے وہ افطار کے وقت اپنے دوستوں کو بھی کھلانا چاہتا ہے۔ کسی کے ہاں سے پھلکیاں آتی ہیں۔ کوئی جلیبی بھیجتا ہے کوئی کباب بھیجتا ہے کوئی پھل اور میوہ جات بھیجتا ہے۔

اب بتلاؤ کیا ان نعمتوں کو نہ کھائیں؟ جب خدا تعالیٰ نے یہ چیزیں کھانے کے واسطے بھیجی ہیں ہم کسی سے مانگنے نہیں گئے تھے۔ تو یہ صاف اس کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہی ہمارے واسطے **من حيث لا يحتسب** بھیجی ہیں تو ان کو نہ کھائیں اور اٹھا کر دھر دیں۔ حضرت اگر کوئی بادشاہ آپ کو امرود دے اور آپ یہ کہیں کہ میں تو زاہد ہوں میوے نہیں کھایا کرتا تو گردن نپے گی۔ ایسے ہی یہاں زہد بھگارنا اور حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمتوں کو نہ کھانا خلاف ادب ہوگا۔

اسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی حقیقت واضح ہوگئی جو حدیث میں ہے۔

كان يأكل اكلا ذريعا. کہ آپ جلدی جلدی کھایا کرتے تھے۔ اس کو بعض بدتہذیب لوگوں نے خلاف تہذیب کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بدذات نے تو صرف اس فعل ہی کو دیکھا ہے یعنی جلدی کھانے کو۔ اور اس ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کھانا دینے والے پر پہنچی ہوئی تھی۔ اگر یہ شخص اس ذات مقدس کے مشاہدہ کے لاکھویں حصہ کے برابر بھی معظم ذات کو دیکھ لیتا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تیز کھاتا۔

بتلاؤ اگر ایک بادشاہ تم کو امرود دے تو کیا اس کو وقار اور متانت سے اس طرح کھاؤ گے جس سے استغناء ظاہر ہو یا فوراً ہی شوق و رغبت ظاہر کر کے جلدی جلدی کھاؤ گے اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے اس جملہ میں کہ اکل کما یاکل العبد. یعنی میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھایا کرتا ہے

صاحبو! جو لوگ وقار و متانت و تکبر سے کھانا کھاتے ہیں ان کی آنکھیں اندھی ہیں ان پر کھانے کے وقت ذات حق کی تجلی نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ استغناء کے ساتھ کھاتے ہیں اور جس پر ذات حق کی تجلی ہوگی وہ یقیناً سراپا احتیاج اور سراپا غلام بن کر کھانا کھائے گا۔ اس کے ہاتھ سے اگر لقمہ گر پڑے گا تو فوراً صاف کر کے کھالے گا اور ہر گز اس کو پڑا ہوا نہیں چھوڑے گا۔

دیکھو! اگر بادشاہ نے تم کو ایک پھل دیا ہو اور تم اس کے سامنے قاشیں کر کے کھا رہے ہو اور ایک قاش زمین پر گر جائے تو کیا تم اس کو زمین پر ہی چھوڑ دو گے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عطیہ شاہی کی عظمت کر کے فوراً زمین سے اٹھا کر کھالو گے۔ یہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا تھا۔ (عضم الصوف ج ۱۰)

روزہ کی غرض

درحقیقت ہم نے روزہ کے معنی اور غرض ہی نہیں سمجھی۔ روزہ کی اصلی غرض تھی کسر قوت بہیمیہ کے واسطے سے معاصی سے بچنا۔ جب معاصی سے ہم عین روزہ کی حالت میں بھی نہ بچے تو بعد میں وہ غرض اور غایت اس پر کیسے مرتب ہو سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس کا روزہ جھوٹ بولنے سے نہ روکے اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پانی چھوڑے۔ یہ مطلب نہیں کہ جو جھوٹ سے بچتا ہے اس کے روزہ کی اللہ میاں کو حاجت ہے اس لئے کہ ان کی شان تو ان اللہ لغنی عن العلمین . بلکہ مقصود ناراضی اور ناخوشی ظاہر کرنا ہے پس جن کے یہاں رمضان المبارک دن کو اس شان سے آتا ہے۔ سو یہ کیا آنا ہے۔ ہاں روپیہ میں سے آنہ ہے اور رات کو تو پوچھو ہی مت۔ رات کو تو شاذ و نادر ہی کسی کے یہاں آتے ہیں اس لئے کہ جو عبادت رمضان المبارک کی راتوں میں مقرر کی گئی ہے اس کے حقوق ادا کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ عموماً بوجھ سا ٹالتے ہیں۔ (التہذیب ج ۱۰)

حکم تراویح

فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ رمضان میں نمازی ایک قرآن ہی سننے سے اکتاتے ہوں تو وہاں تراویح الم ترکیف سے پڑھ لیں۔ بعض حفاظ ایسا ستم ڈھاتے ہیں کہ پانچ پانچ پارے پڑھ جاتے ہیں۔ ان حفاظ کو مسائل جاننے کی سخت ضرورت ہے بعض حافظ بہت جاہل ہوتے ہیں عجب نہیں بلکہ غالب ہے کہ سجدہ سہو کے مسائل کی بھی ان کو خبر نہ ہو۔

بعضے نابالغوں کو تراویح میں امام بنادیتے ہیں۔ نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں اختلاف ہے۔ مختار اور مفتی بہ یہی ہے کہ ناجائز ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو بالغ تمیز دار نہ ہو اور مسائل سے واقفیت نہ رکھتا ہو اس کو بھی امام بنانا مناسب نہیں۔ امام یا تو عالم ہو یا علماء کا صحبت یافتہ ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ دونوں امر نہ ہوں تو وہ ضرور نماز کو خراب کریگا۔ (التہذیب ج ۱۰)

روزہ میں غیبت سے اجتناب

اکثر مضرتیں متعدی ہو جاتی ہیں جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کرے گا بلکہ اس سے زیادہ کرے گا، اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب عداوت ہو جاتی ہے اُٹھنے میں بیٹھنے میں سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے، نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچی جارہی ہیں یہ کیا نماز ہوئی، شغل قلب ہوا اور کا ہے سے حرام چیز ہے منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے، دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔ غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے اور صرف ایک کام کا رہ جاتا ہے مضرت رسانی آپ جانتے ہیں کہ چھوٹا سا لفظ کس قدر شر کو جامع ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں اظہر من الشمس ہے، یہ اتحاد کا ضد ہے جتنی چیز دین و دینی اتحاد میں ہیں اتنا ہی شر بمقابلہ اس کے اس میں ہے یہ سب کس سے ہوا صرف ذرا سی غیبت سے یہ معصیت کی متعدی مضرت کی مثال ہوئی یہ بھی خواہش نفسانی کا ایک فرد ہے۔ (طلب الہدیٰ ج ۱۴)

تراویح کی منکرات

دن کا عمل روزہ ہے ایسے رات کا عمل قیام ہے۔اس میں یوں خبط کر دیا کہ تراویح کی بیس رکعت گنتی میں تو پوری کر لیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان میں توریت پڑھی جاتی ہے یا انجیل پڑھی جاتی ہے۔ یا تو شروع کا حرف سمجھ میں آتا ہے یا رکوع کی تکبیر' ایک حافظ کا قصہ ہے کہ قرآن شریف پڑھتے پڑھتے جہاں بھولے وہاں کچھ اپنی تصنیف سے پڑھ دیا۔ بڑی تعریف ہوتی رہی۔ مدتوں کہ ان کو کہیں تشابہ نہیں لگتا۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ (نہیں نیکی کرنے کی طاقت سوائے توفیق خداوندی کے اور نہیں گناہوں سے بچنے کی ہمت سوائے توفیق خداوندی کے)

صاحبو! اللہ میاں کو دھوکہ مت دو۔بیس رکعتیں گنا کر ذرا ڈھنگ سر بھی تو کر لو۔ایک یہ ظلم ہوتا ہے کہ حافظ مقتدیوں کو بھگاتا ہے اس طرح کہ قراءۃ کو اتنا طول دیتا ہے کہ کوئی ٹھہر ہی نہ سکے۔ پانچ پانچ سپارے ایک ایک رکعت میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا ۔ خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ اور آسانی کرو اور تنگی میں مت ڈالو۔ ہاں ایسا ہی شوق ہے تو تہجد میں پڑھو جتنا چاہو اور اس میں اور جس کا جی چاہے شریک ہو جائے۔ مگر اس میں بھی امام کے علاوہ تین سے زیادہ جماعت میں نہ ہوں کہ فقہاء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ پھر نفل میں فرض کا سا اہتمام ہو جائے گا۔ بعضے لوگ ایک ہی شب میں ختم کرتے ہیں جسے شبینہ کہتے ہیں۔ اس میں تو کئی بدعتیں ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ اس میں نیت صرف نمود کی ہوتی ہے کیا امام اور کیا مہتمم اور کیا سامعین۔ امام تو داد ملنے کے امیدوار رہتے ہیں کہ جہاں سلام پھیرا اور لوگوں نے منہ پر تعریف کر دی تو خوش ہو گئے ورنہ پڑھا بھی نہیں جاتا حدیث شریف میں منہ پر تعریف کرنے والے کے لئے حکم ہے کہ اس کے منہ میں خاک جھونک دو' اور امام صاحب کے قلب پر بھی اثر ہوتا ہی ہے اور اسی تعریف کرنے والے کو بعضے امام تو لقمہ بھی نہیں لیتے اسی وجہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ اچھا یاد نہیں۔ اور مہتمم تو سامعین میں شامل ہی نہیں ہوتے۔ چائے پانی ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ شبینہ سے چائے پانی مقصود ہے یا قراءت وسماعت۔ قرآن میں ایک شے البتہ چائے سے مدد مل جاتی ہے۔ سماعت اور قراءت میں۔ مگر جب ذریعہ مقصود میں مخل ہوئے تو ذریعہ کہاں رہا۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

عورتوں کو نامحرم کا قرآن سنانا بھی خالی از قباحت نہیں ہے

ایک بدعت رمضان میں یہ ہے کہ نامحرم حفاظ گھروں میں جا کر عورتوں کو محراب سناتے ہیں۔اس میں چند قباحتیں ہیں۔ایک یہ کہ اجنبی مرد کی آواز جب وہ خوش آوازی کا قصد کرے عورت کے لئے ایسی ہے جیسے اجنبی عورت کی آواز مرد کے لئے۔اور رواج یہی ہے کہ خوش آواز مرد تلاش کئے جاتے ہیں۔اور حافظ صاحب بھی مردوں کی جماعت میں تو شاید سادہ سادہ ہی پڑھتے ہیں یہاں خوب بنا بنا کر ادا کرتے ہیں۔سو عورتوں کے لئے جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اپنی اپنی الگ پڑھ لیں اور کچھ ضرورت محراب سننے کی نہیں ہے اگر حافظ ہیں تو فرادیٰ فرادیٰ اپنی تراویح میں ختم کر لیں اور اگر حافظ نہیں ہیں تو الم ترکیف سے پڑھ لیں اور ناظرہ جتنا ہو سکے پڑھ لیا کریں۔

کیوں روپیہ خرچ کر کے گناہ مول لیا۔دوسری بدعت اس میں استیجار علی العبادۃ ہے۔یعنی حافظ صاحب سے اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوایا جاتا ہے اور استیجار علی العبادۃ حرام ہے۔(تطہیر رمضان ج ۱۶)

ختم قرآن کے دن کثرت چراغاں کے منکرات

ایک بدعت رمضان شریف میں چراغوں کی کثرت ہے ختم کے روز۔لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس میں شوکت اسلام ہے ہم کہتے ہیں رمضان میں ہی اظہار شوکت اسلام کی ضرورت ہے یا باقی تمام مہینوں میں بھی تو ہمیشہ چراغ بہت سے جلایا کیجئے یا یوں کہئے کہ اور دنوں میں اسلام کے چھپانے کا حکم ہے خوب جان لیجئے کہ شوکت اعمال صالحہ ہی میں ہے۔(تطہیر رمضان ج ۱۶)

ختم کی مٹھائی کے منکرات

ایک منکر ختم کے دن شیرینی کا تقسیم کرنا ہے اور اس کا منکر ہونا اگرچہ خلاف ظاہر ہے مگر میں سمجھائے دیتا ہوں یہ مٹھائی اگر ایک شخص کی رقم سے آتی ہے تو اس کا مقصود ریاء و اشتہار و افتخار ہوتا ہے اور اگر چندہ سے ہوتی ہے تو اس کی تحصیل میں جبر سے کام لیا جاتا ہے اور جبر جیسا ایلام بدن سے ہوتا ہے ایسا ہی ایلام قلب سے بھی۔جب دوسرے کو دبایا شرمایا جبر میں کیا شبہ رہا۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا حکم اسی غصب کا سا

ہے جو لاٹھی کے زور سے ہو۔ اللہ میاں اس تھوڑے ہی میں برکت دیتے ہیں جو رضا و خوشی کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا خیال بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

اہتمام شب قدر

شریعت نے ہماری راحت کی کس قدر رعایت کی ہے کہ لیالی قدر پے در پے نہیں ہیں بلکہ طاق راتیں ہیں یعنی اکیسویں اور تیئسویں اور پچیسویں اور ستائیسویں اور انتیسویں راتیں کہ بیچ میں ایک ایک رات کا فصل رکھا گیا ہے تاکہ ایک رات زیادہ جاگ کر بیچ کی رات میں زیادہ سو لو اور تہجد کے لئے جاگنا بھی مشکل نہیں کیونکہ سحری کے لئے اکثر لوگ اٹھتے ہی ہیں تو کھانے سے پہلے کچھ رکعتیں نماز کی پڑھ لینا کیا دشوار ہے۔ اس لئے جو شخص تہجد کا عادی بننا چاہے اس کو رمضان میں عادی بننا نہایت آسان ہے کیونکہ اس میں تہجد کے لئے اٹھنا مشکل نہیں سحری کھانے سب ہی اٹھتے ہیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سال بھر کے لئے عادی ہو جائے گا۔ (تقلیل المنام بصورۃ القیام ج ۱۶)

تخفیف تراویح

تعجب ہے کہ ایسے لوگ جو بارہ مہینے فرض پڑھتے چلے آتے ہیں وہ اس میں تخفیف کرنا چاہتے ہیں آج ہی میں نے ایک خط کا جواب لکھا ہے تعجب تو یہ ہے کہ وہ حضرت پڑھے جنہیں اگر کوئی جاہل ہو تو اسے سمجھانا سہل ہے مگر یہ پڑھے جن بہت مشکل سے سمجھتے ہیں اس خط میں لکھا تھا کہ آج کل کسل غالب ہے اگر ان احادیث پر عمل کر لیا جائے جن میں آٹھ یا بارہ رکعت کی تصریح ہے تو کیا حرج ہے مجھے بھی فکر ہوئی کہ اس کا کیا جواب لکھوں پھر میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس مولوی کا کوئی جواب سمجھا دے چنانچہ حق تعالیٰ نے مجھے سمجھا دیا۔ میں نے یہ لکھا کہ سیدھی سی بات ہے کہ بیس رکعت کے سنت موکدہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اجماع کی مخالفت ناجائز ہے اور یہ اجماع علامت ہے ان احادیث کے منسوخ ہونے کی اور اگر اجماع میں شبہ ہو کہ بعض علماء نے صرف آٹھ کو سنت موکدہ لکھا ہے تو جواب یہ ہے کہ اجماع اس قول سے منعقد ہے۔ پس اس کے مقابلہ میں شاذ قول قابل اعتبار نہیں ہوگا جب تاکد ثابت ہو گیا تو اس کے ترک کرنے سے مورد عتاب ہوگا۔

انہوں نے ایک اور بات لکھی تھی کہ صاحب فتح القدیر کی رائے ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھنا چاہیے میں نے لکھا کہ جمہور کے مقابلہ میں ایک صاحب فتح القدیر کی رائے نہیں چل سکتی۔خصوصاً جب کہ ان کا عمل خود ان کے خلاف ہو کیونکہ صاحب فتح القدیر کی یہ علمی تحقیق ہے مگر پڑھیں انہوں نے بھی ہمیشہ بیس۔لہذا ان کی تحقیق قابل عمل نہیں۔(روح القیام ج ۱۶)

تراویح وتہجد میں فرق

میرے پاس ایک خط آیا ہے کہ تراویح یہ وہی تہجد ہے جو پچھلی رات کو پڑھی جاتی تھی۔اس نے یہ صورت اختیار کر لی ہے میں نے لکھا کہ دلیل سے ثابت ہے کہ تہجد اور ہے اور تراویح اور ہے چنانچہ تہجد کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ہے۔(اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات کہ (اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو ۱۲) اس کی دلیل ہے پھر دوسرا رکوع گیارہ بارہ مہینے میں نازل ہوا جس کا حاصل اس فرضیت کا منسوخ کر دینا ہے اور تراویح کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سننت لکم قیامہ (سنن النسائی ۴:۱۵۸، مسند احمد ۱:۱۹۱، کنز العمال: ۲۳۷۲۲) (میں نے تمہارے لئے اس میں تراویح مسنون کی ہے ۱۲) اگر یہ تہجد ہے تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔اس سے لازم آتا ہے کہ جو خدا کی طرف منسوب ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں۔لہذا معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے جس کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہے اور تراویح اور ہے جس کی سنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتی ہے اور بڑی بات یہ ہے تعامل امت نے دونوں میں فرق کیا ہے۔غرض یہ عبادت مخصوص ہے اس کے ساتھ اور حقیقت اس کی نماز ہے۔(روح القیام ج ۱۶)

مقصود روزہ

روزہ فرض ہوا ہے تمہاری اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ گے یعنی روزہ رکھ کر یہ امید رکھو کہ متقی ہو جاؤ گے۔یہاں بھی امید وبیم میں رکھا کہ تمہیں روزہ رکھ کر متقی بن جانے کی

امید رکھنا چاہیے یقین نہ رکھنا چاہیے یہ بھی خدا کا لطف ہے کیونکہ اگر یہ فرما دیتے کہ تم متقی ہونے کا یقین رکھو تو روزہ رکھنے کے بعد تو متقی ہونے کا ناز ہی ہو جاتا جو بالکل خدا سے بعید کر دیتا کیونکہ ناز و نیاز جمع نہیں ہوتے۔ (روح القیام ج ۱۶)

مقصود روزہ

روزہ کا مقصود روح مجاہدہ ہے کہ جس کا مصداق اعظم ترک معاصی ہے اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے روزہ میں جھوٹ نہ چھوڑا بری اور بیہودہ باتیں نہ چھوڑیں خدا کو اس کے روزہ کی کچھ حاجت نہیں یوں تو خدا کو کسی کے روزہ کی بھی حاجت نہیں مطلب یہ ہے روزہ کا جو مقصود ترک معاصی جب وہ اسے نہ ہوا تو پھر روزہ کس کام کا ہوا۔ یہی مجاہدہ ہے جس کے حق تعالیٰ نے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے ۱۲) (روح القیام ج ۱۶)

اعتکاف کی صورت

اعتکاف کی صورت تو یہ ہے کہ مسجد میں جا کر بیٹھ جانا اس کے درجات مختلف ہیں۔ اگر پوری فضیلت حاصل کرنا ہو تو دس دن کا اعتکاف کرنا چاہیے۔ یوں تو ایک دن کا بلکہ ایک گھنٹہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ دس دن تک اعتکاف کرنے کے یہ معنی ہیں کہ رویت ہلال تک اب کہیں دس ہوں گے اور کبھی نو ہی دن ہوں گے۔ اگر تیس کا چاند ہے تو دس دن ہوں گے اور اگر انتیس کا ہے تو نو ہی دن کے ہوں گے مگر شارع کی کیا رحمت ہے کہ دونوں صورتوں میں خواہ دس دن ہوں یا نو دن عشرۂ اخیرہ رکھا اور فقط نام ہی نہیں رکھا بلکہ ثواب بھی دس دن کا دیا۔ (روح الجوار ج ۱۶)

روزہ میں غسل

جو فعل کہ بے صبری پر دال (دلالت کرنے والا ۱۲) ہو شریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اسی سے امام صاحب فرماتے ہیں روزہ کی حالت میں بار بار نہانا مکروہ ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں جائز ہے مگر دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ایک نہانا ایسا ہے کہ بے

صبری سے پیدا ہوا ہے مثلاً گرمی پیاس کا صبر نہیں یا بے صبری سے تو ناشی نہیں مگر دال ہے بے صبری پر کہ دیکھنے والے اس کے طرز اور اس کی ہیئت سے یہ سمجھتے ہیں کہ اسے گرمی کی برداشت نہیں ایسا نہانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کے فرض سے اظہار کراہیت ہے کہ خدا نے ایک عبادت فرض کی اور یہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اس سے ثواب جاتا رہتا ہے۔ اس سے کیا فائدہ کہ کرنا تو پڑا ہی غل مچا مچا کے اس کا ثواب کیوں کھوتے ہو۔ یہی حال ہے ان کا جو پریشان کن واقعات میں گھبرایا کرتے ہیں اور پھر طرح طرح کی شکایتیں کرتے ہیں دنیا کا تو نقصان ہوا ہی دین کا بھی نقصان کیا۔ خواہ مخواہ شکایت کرکے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ (دنیا و آخرۃ دونوں کا نقصان ہوا ۱۲) (روح الجوارح ۱۶)

احکام روزہ

اعتکاف میں تمتعات ثلثہ میں سے کھانا بھی جائز پینا بھی جائز ہے مگر مباشرت ناجائز۔ چنانچہ ارشاد ہوا لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ یعنی اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت جائز نہیں یہاں دو کی اجازت دے دی اور ایک سے منع فرما دیا۔ اور لَا تُبَاشِرُوْا فرمایا جو بشرہ سے ماخوذ ہے۔ اس لئے ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ دواعی وطی حکم وطی میں ہیں اسی لئے ان سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے اور دیکھئے کیسی خوبصورتی سے اعتدال کیا ہے کہ بالعکس کیوں نہ ہوا۔ یعنی یہ ہوتا کہ مباشرت تو جائز ہوتی اور اکل و شرب ناجائز ہوتا۔ بات یہ ہے کہ ہر ایک میں دو حیثیتیں ہیں۔ حاجت و لذت مگر فرق اتنا ہے کہ عادۃً اکل و شرب میں تو حاجت غالب ہے اور لذت مغلوب اور مباشرت میں لذت غالب ہے اور حاجت مغلوب چنانچہ کھانے پینے میں حاجت کا غالب ہونا ظاہر ہے مگر چونکہ لذت بھی ایک درجہ میں مقصود ہے اس لئے اس میں تکلفات بھی سوجھتے ہیں اور بیوی کے پاس جانا اس میں عادۃً حاجت مغلوب ہے لذت غالب ہے اگرچہ کسی معالجہ کی ضرورت سے حاجت کے پہلو کو غالب کر لینا ضروری ہو جیسا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے حدیث **ان الذی معھا مثل الذی معھا** (لم اجد الحدیث فی ''موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی شریف'') کی تفسیر میں فرمایا تھا گو اس مضمون کا یہ موقع تو نہ تھا۔ مگر ایک کام کی بات ہے اس لئے بیان کر دیا۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی عورت اجنبیہ کی طرف تم کو میلان ہو جاوے تو اپنی بی بی سے فراغت

کرلو کیونکہ دونوں کے پاس یکساں چیز ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب ان الذی معھا سے یہ ہے کہ گو عادۃً اس میں لذت کا پہلو غالب ہے مگر تم معالجہ کے لئے اس میں بھی حاجت کے پہلو کو غالب رکھو۔ بہر حال معالجہ کے سوا طبعًا مباشرت میں حاجت مغلوب ہے اور اکل وشرب میں حاجت غالب ہے۔ اب دیکھئے جذبات فطریہ کی شریعت نے کس قدر رعایت کی ہے اگر اکل وشرب دس دن چھڑا دیں تو سخت اذیت ہو اور اس میں کچھ بھی اذیت نہیں زائد سے زائد لذت نہیں اسی واسطے فرمایا لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ (عورتوں سے مباشرت نہ کرو۱۲) اور دوسرے مقام پر كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (کھاؤ اور پیو۱۲) بھی ہے یہاں فرماتے ہیں وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ - كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (یہاں نہیں فرمایا مگر اس سے اوپر اجازت آچکی ہے پھر یہاں تعرض نہ فرمانا یہ سلوک معرض بیان میں بیان ہے اس کا حاصل یہ ہوا کہ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا - وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ لہٰذا ان تینوں امر و نہی کے مجمع سے اعتدال ہو گیا سبحان اللہ کتنا صاف مضمون ہے اور کسی کا کلام اتنا صاف نہیں جتنا خدا اور رسول کا کلام صاف ہے۔ (روح الجوارح ۱۶)

احتیاج معتکف

مساجد کو اعتکاف کے واسطے اس واسطے مقرر کیا کہ فضیلت جماعت بھی منجملہ فضیلتوں کے ہے تا کہ دونوں فضیلتیں جمع ہو جائیں اعتکاف کی بھی اور جماعت کی بھی۔ اگر کوئی کوہ یا صحرا یا مکان کی کوئی کوٹھڑی اس کے واسطے تجویز کرتے تو یہ جماعت کی فضیلت سے محروم رہ جاتا۔ نیز اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ میاں تم خود اس جماعت کی برکت کے محتاج ہو۔ اگر نمازی نہ ہوتے تو تم کو یہ برکت کہاں سے حاصل ہوتی تم جماعت کی برکت سے محروم رہتے پس طاعت میں ساتھ ساتھ عجب کا بھی علاج ہو گیا۔ (روح الجوارح ۱۶)

معتکف کا سامان

معتکف کو اپنا ضروری سامان مسجد میں رکھنا جائز ہے مگر زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس سے تو وہ بھی گھر بن جائے گا۔ (روح الجوارح ۱۶)

بہر حال مسجد میں معتکف کو اس لئے لایا گیا کہ شب قدر کی تحری سہل ہو کیونکہ بہت سے آدمی ہونگے جب سب ایک ہی کام میں مشغول ہونگے تو دل بھی لگے گا۔ (روح الجوارح ۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے و یجزی لہ من الحسنات کعامل الحسنات کلھا یعنی جن حسنات پر یہ قادر تھا اور اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا گو اس نے ان کی نیت بھی نہ کی ہو ان سب کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے (اور دلیل اس عموم کی الحسنات کلھا کا عموم ہے) پس جب معتکف کے لئے تمام حسنات کا ثواب لکھا جاتا ہے تو اس سے پہلے جملہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں سے بچنے کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے گو اس نے ان سے بچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ (تقلیل الاختلاط ج ۱۶)

شب قدر کیلئے طاق راتوں کی تقسیم

رات کو کام زیادہ کرنا چاہیے لیکن رات آرام کا وقت ہے اگر دس کی دس راتیں کام کریں تو بیمار ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے ان راتوں کی حق تعالیٰ نے عجیب طریقہ سے تقسیم فرمائی کہ طاق راتوں کو شب قدر بنا کر بتلا دیا کہ ایک رات سوؤ اور ایک رات جاگو اور ان راتوں میں ایسی برکات رکھ دیں کہ الف شہر کی خلوت سے وہ بات نصیب نہیں جو ان راتوں سے ہوتی ہے۔ اگر حکماء اپنی عقل سے ہزار تدبیریں کرتے اور تدبیریں کرتے کرتے مر رہتے تو یہاں تک ہرگز رسائی نہ ہوتی۔ اس لئے کہ اس کا ادراک کیسے ہوتا۔ کون سے زمانہ میں کتنی برکت رکھی ہوئی ہے اور اسی طرح کسی زمانہ کے اندر کوئی برکت پیدا کرنے کی بھی قدرت نہ تھی یہ تو خالق الزماں کے تصرف سے برکت پیدا ہوگئی اور انہی کے بتلانے سے معلوم ہوا صاحبو! یہ برکات تم کو مفت ملتی ہیں۔ گو اب دس دن باقی نہیں رہے۔ لیکن جو باقی ہیں ان کو بھی ہاتھ سے نہ دو کم از کم تین ہی دن دنیا کے بکھیڑے چھوڑ کر مسجد میں بیٹھ جاؤ۔ تین دن نہ سہی ایک ہی دن سہی میں نے ایک جگہ دیکھا ہے کہ حضورؐ نے ابو طالب سے فرمایا تھا کہ میرے کان ہی میں کلمہ کہہ لو۔

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہنچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

اور اس سے زیادہ سنئے علماء نے لکھا ہے کہ ایک گھنٹہ کا اعتکاف بھی مشروع ہے اللہ اللہ اگر اب بھی کوئی محروم رہے تو بہت ہی خسران کی بات ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(التجدید ج ۱۶)

افطاری کا مزہ

میں نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم بھی انہی میں سے ہو جاتے تو کیا اچھا ہوتا فرمانے لگے کہ خدا نہ کرے وہ کیا جانیں جنت کا مزہ جنہوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی۔ مزہ ان کو ہی آوے گا جو یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ہمیں چین ہوگا انہیں کیا چین جس نے روزہ نہ رکھا ہو تو اس کو شام کے وقت کیا مزہ استطراداً یاد آ گیا کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ شام کے وقت روزہ داروں میں بیٹھ کر کہتے ہیں لاؤ ہم بھی روزہ افطار کرلیں مگر جب روزہ نہیں تو جانے کس چیز کو افطار کرتے ہیں۔ یہ بھلے مانس روزہ دار تو ہوتے نہیں مگر افطاری میں سب سے پہلے آ موجود ہو جاتے ہیں مگر انہیں کیا مزہ۔ مزہ تو شام کے وقت سوختہ افروختہ لوگوں کو ہوتا ہے کہ پانی کا نام لینے سے ان میں جان آتی ہے استلذاذ کے لئے پوچھا کرتے ہیں کہ یہ پانی کہاں ہے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ میں تو رمضان شریف میں اسٹیشن پر رہتا کہ وہاں کے کنوئیں کا پانی عجیب ہے اسی طرح جنت کا مزہ بھی اہل مصیبت کو ہوگا۔ یہ ایک مضمون اپنے اساتذہ سے سنا ہوا بیان کردیا۔ (مثلث رمضان ج۱۶)

حفاظ کی اقسام

آج کل حافظ دو قسم کے ہیں ایک تو بشرط شئی کے مرتبہ میں یعنی کلام اللہ سنانے پر شرط کر لیں۔ یہ صورت تو جائز نہیں کیونکہ سنانے پر اجرت لینا حرام ہے۔ اس موقع پر سنت پر عمل چھوڑ دیں گے اور دوسری شرط لاشے کے مرتبہ میں یوں کہیں کہ ہم جب پڑھیں گے کہ تم ہمیں کچھ نہ دو۔ اور گو ایک احتمال لابشرط شئے کا بھی ہے لیکن تتبع عرف سے اس کا مرجع بھی ان ہی دو قسم سے ایک قسم ہے اس لئے تقسیم واقعی ثنائی ہی رہی گو عقلی ثلاثی ہے بہر حال اگر حافظ بشرط لاشئے مل جاوے تو کلام اللہ سننے میں کاہلی نہ کرے بلکہ سننے کے لئے مستعد ہونا چاہیے خیال کرنے کی بات ہے کہ لوگ دنیا کے واسطے کتنی محنت کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں یہاں تو کچھ بھی نہیں

مگر بے رغبتی کی یہ حالت ہے کہ بعض کو تراویح ہی میں نیند آتی ہے سو اس کا علاج کرنا چاہیے آسان علاج ایک تو یہ ہے کہ سیاہ مرچ کھالو اس سے نیند جاتی رہے گی اور سیاہ مرچ نافع بھی ہے البتہ لال مرچ مضر ہے اس کے مضر ہونے پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ دماغ

سے معذور تھے جب ان کے سامنے مسلمانوں کی کسی قسم کی خرابیوں کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے جو بات بھی ہوتی یہی فرمادیتے ایک شخص کہنے لگے کہ کیا بے جوڑ بات ہے میں نے ہنس کر کہا کہ بڑی جوڑ دار ہے۔ اس طرح سے کہ مرچوں سے کھانا مزہ دار ہو جاتا ہے اور بوجہ مزہ دار ہونے کے کھایا بہت جاتا ہے اور زیادہ کھانے سے قوت بہیمیہ میں ترقی ہوتی ہے اور وہ باعث ہوتی ہے فساد کا ہم تو بزرگوں کے قول کی تاویل کریں گے گو وہ بزرگ کیسے ہی ہوں خیر یہ تو ہنسی کی بات تھی باقی نیند کا اصل علاج یہ ہے کہ پانی کم پیئو۔ ستر اہل مجاہدہ کا قول ہے کہ نیند کا مادہ پانی سے ہے اس کو امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ پھر بھی اگر نیند زیادہ آوے تو سیاہ مرچ چبالو آخر خدا تعالیٰ سے کچھ لینا بھی ہے یا نہیں حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ۝ كَلَّا کیا ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جاوے ایسا ہرگز نہیں۔ یعنی بدون کئے کچھ نہ ملے گا۔ پہلے اعمال کے ذریعہ سے جنت کے قابل تو بنو بدون اعمال کئے کیا منہ ہے جنت کے لینے کا۔ بس رمضان میں ہمت کر کے ایک قرآن تو سن ہی لو بہر حال سنت سے۔ آثار سے بزرگوں کے معمولات سے ذوق سے ثابت ہوتا ہے اس ماہ میں قرآن کی تلاوت خاص درجہ میں مطلوب ہے۔ (مثلث رمضان ج ۱۶)

بے باک لوگوں کو تنبیہ

بعضوں کے تو رمضان میں گناہ پہلے سے بھی بڑھ گئے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا مذاق یہ ہے

ہر گناہ ہے کہ کنی در شب ادینہ کن ۔۔۔ تا کہ از صدر نشیناں جہنم باشی

ترجمہ: جو گناہ کرتا ہے شب جمعہ میں کرو تا کہ جہنم میں صدر نشین تو بن سکو۔

یہ وہ بے باک لوگ ہیں جن کو متبرک زمانہ میں بھی تنبہ نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں گناہ کرنے کا وبال اور دنوں سے زیادہ ہے قاعدہ سے تو یہ چاہیے تھا کہ جن لوگوں نے ان متبرک دنوں کو یوں برباد کیا ہے ان کے لئے ان ایام کی مکافات کا کوئی طریقہ نہ ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے وہ اب بھی رحمت کرنے کو موجود ہیں اگر ان بقیہ دنوں کی درستی کر لی جائے اور اب تک کے گناہوں سے توبہ کر لی جائے۔ صاحبو! ہمیں اس رحمت کی قدر کرنا چاہیے ورنہ پھر یہ وقت شاید نہ ملے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایک اور اندیشہ ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا نہ لگ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو

بددعادی ہے جس نے رمضان میں بھی اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرائی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کو بددعادی ہے ایک وہ جس نے اپنے باپ ماں دونوں کو یا ایک کو ان کے بڑھاپے میں پایا اوران کو خدمت وغیرہ سے راضی کر کے جنتی نہ بنا دوسرے وہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا اوراس نے حضورؐ پر درود وسلام نہیں بھیجا تیسرے وہ جس نے رمضان کو ختم کردیا اوراپنے گناہوں کی مغفرت نہیں کرائی۔ کیا حضورؐ کی بددعا سے بچنا ضرور نہیں اس لئے اس کا اہتمام کیا جائے اور پچھلے گناہوں سے توبہ کی جائے مگر قربان جائیے حضورؐ کے کہ گو آپؐ نے بظاہران لوگوں کو بددعادی ہے مگر بددعا بھی ایسے عنوان سے ہے جس میں دعا کی بھی جھلک ہے کیونکہ آپ نے رغم انفہ رغم انفہ (الصحیح لمسلم کتاب البروالصلۃ: ۱۰، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۹۱۲، کنز العمال: ۴۵۴۷۸) فرمایا ہے کہ اس کی ناک خاک میں ملے یہ ایسی بددعا ہے جیسے قدسیہ بیگم والیہ بھوپال اپنی باندیوں کو غصہ میں کہا کرتی تھی کہ تمہاری چوٹی کٹواؤں گی تم کو گدھے پر سوار کراؤں گی پھر سب کو حج میں ساتھ لے گئیں اور وہاں احرام کھولتے ہوئے سب کی چوٹیاں کٹیں اور عمرہ لانے کے لئے گدھے پر بھی سوار ہونے کا موقعہ ہوا ہوگا۔ اسی طرح رغم انفہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو سجدہ کی توفیق ہو اور یہ اس موقعہ کے مناسب بھی ہے کیونکہ گناہ بعد کا سبب ہے اور سجدہ قرب کا سبب ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان کا روزہ کے ساتھ پورا ہو جانا بڑی نعمت ہے کیونکہ اس سے ہم کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے اور آخرت میں جہنم سے نجات ہوگی پس ہم کو خوش اسلوبی کے ساتھ رمضان کو پورا کرنا چاہیے اور خوش اسلوبی یہی ہے کہ گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کیا جائے۔ (اکمال العدۃ ج ۱۶)

تعیین شب قدر

ستائیسویں رات کے متعلق بہت سے حضرات صحابہؓ کا جزم ہے کہ لیلۃ القدر یہی ہے۔
(اکمال العدۃ ج ۱۶)

اختلاف تاریخ میں تلاش شب قدر

بعض لوگوں کو شاید ایک فلسفی شبہ پیدا ہوگا وہ یہ کہ چاند میں آج کل اختلاف ہے تو جو رات یہاں ستائیسویں ہوگی وہ بعض جگہ اٹھائیسویں ہوگی تو کیا لیلۃ القدر دو ہوں گی اور

ایک ہوئی تو کس کی رویت کا اعتبار ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ وہاں رات دن نہیں ہیں اور یہ تو خود سائنس والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لیل و نہار کرۃ النسیم سے نیچے ہی نیچے ہیں کرۃ النسیم کے اوپر رات دن نہیں بلکہ یکساں حالت ہے یہ جواب میرے دل میں آیا بڑی خوشی ہوئی اور اس سے ایک بات ابھی اور دل میں آئی ہے وہ یہ کہ معراج کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر بیان فرمائی ہے سیر سمٰوات کا ذکر نہیں فرمایا جس سے بعض اہل باطل نے سیر سموات کی نفی پر استدلال کیا ہے تو وہاں تو سیر سموات کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ وہاں لیلا کی قید بھی مذکور ہے پس ضروری ہوا کہ اسی قدر سیر بیان کی جائے جو لیل کے اندر واقع ہوئی اور ظاہر ہے کہ سیر سموات لیل و نہار سے باہر ہوئی ہے سمٰوات میں لیل و نہار کا تحقق ہی نہیں تو اس سے سیر سمٰوات کی نفی پر استدلال محض لغو ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیر سمٰوات رات میں نہیں ہوئی سو یہ مسلم ہے کہ بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ وہ تو نہ دن میں ہوئی نہ رات میں وہ تو ایسے ایسے مقام پر ہوئی جہاں رات ہے نہ دن بہر حال وہاں لیل و نہار ہے اس واسطے لیلۃ القدر کی جو شان و برکات ہیں وہ لیل و نہار کے ساتھ مفید بلکہ نہیں بلکہ ارادۂ حق کے تابع ہیں تو اس کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہاں کے کرۃ النسیم کے نیچے آج بارش ہے اور کلکتہ کے کرۃ النسیم کے نیچے کل بارش ہے اگر شب قدر بھی ایسی ہو کہ یہاں آج ہے اور کلکتہ میں کل ہے تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے آخر بارش میں کیا ایسا اختلاف نہیں ہوتا پھر معنوی بارش برکات میں ایسا اختلاف ہو تو کیا تعجب ہے اس لئے بے فکر ہو کر آپ اپنی ہی تاریخوں کے حساب سے کام کیجئے اللہ تعالیٰ تو سب کی نیتوں کو اور کام کو دیکھتے ہیں۔ وہ سب کو ان کے حساب کے موافق لیلۃ القدر کی برکات عطا فرما دیں گے۔ (اکمال العدۃ ج ۱۶)

فضیلت عید الفطر

ایک فضیلت یوم عید کی اور یاد آئی حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں کے عیدگاہ میں جمع ہونے کے بعد خدا تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ماجزاء اجیر وافیے عملہ یعنی اس مزدور کو کیا بدلہ دیا جاوے جس نے اپنے عمل کو پوری طرح کیا ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جزاءہ ان یوفی اجرہ کہ اس کی جزا یہ ہے کہ اسے پوری مزدوری دی جاوے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وعزتی وجلالی وارتفاع شانی لاغفرنھم

فیرجعون مغفوراً لھم (لم اجد الحدیث فی ''موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی شریف'') یعنی خدا تعالیٰ فرماویں گے کہ اپنے جلال اور عزت کی قسم آج میں ان کی مغفرت کئے دیتا ہوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس گفتگو کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ بس لوگ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں تو اس حدیث کے سننے کے بعد اب لوگوں کو غور کرنا چاہیے کہ عیدگاہ میں کیسی ہیئت بنا کر چلنا چاہیے کہ اس کرامت کے اہل تو ہوں۔

افسوس ہے کہ اکثر لوگ نافرمانوں کی صورت بنا کر جاتے ہیں بہتر بلکہ ضروری بات ہے کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں یا ترشواتے ہیں آج سے توبہ کرلیں ہمیشہ کیلئے نہ ہو سکے تو عید بقرعید کے گزرنے تک تو اس سے بچے رہیں کہ ان وقتوں میں بڑی حاضری ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر داڑھی نہ منڈائی جائے تو کوئی نقصان بھی تو نہیں اور منڈانے سے کوئی نفع بھی تو حاصل نہیں ہوتا پھر اس بے لذت گناہ سے کیا نتیجہ کہ خدا کے سامنے ذلیل بھی ہوئے دنیا میں کچھ مزا تک بھی نہ آیا۔

اسی طرح بعض لوگ ریشمی لباس پہن کر عیدگاہ میں جاتے ہیں ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔ نیز اپنے لڑکوں کو بھی ایسا لباس نہ پہناویں۔

صاحبو! کیا کسی بادشاہ کے دربار میں جاتے ہوئے کوئی شخص بغاوت کے تمغے سجا کر جا سکتا ہے پھر کیا خدا کی عظمت شاہان دنیا کے برابر بھی نہیں اس کو سوچو۔ اور خدا تعالیٰ کے عذاب کو پیش نظر رکھ کر ان سب خرافات سے باز آجاؤ۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ توفیق عمل دے۔ (اکمال الصوم والعید ج ۱۶)

روزہ اور قرآن

روزہ اور تلاوت قرآن سے اس کا ربط سمجھ میں آنا آسان ہوگا کہ حضرت حق نے اول تو رمضان میں روزہ کا حکم فرمایا کہ اپنے کو پاک صاف کرو کیونکہ روزہ سے قوت بہیمیہ منکسر ہوتی اور معاصی سے رکاوٹ ہوتی ہے اور دل میں رقت پیدا ہوتی ہے پھر تخلیہ رذائل کے ساتھ ساتھ تراویح میں تلاوت قرآن کا حکم ہے یہ تحلیہ ہے کیونکہ تکثیر صلوٰۃ سے انسان کے اندر اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے اور انوار طاعات زیادہ ہوتے ہیں اور قرآن کی تلاوت سے بھی قلب میں نور پیدا ہوتا اور زنگ دور ہوتا ہے۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

حج عرفات میں جانے کا نام ہے اور یہ ایسا رکن کہ اگر یہ فوت ہو جائے تو اس کا بدل کچھ نہیں ایک مقدمہ تو یہ محفوظ رکھئے دوسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ حج میں بعض اعمال تو ایسے ہیں جو بظاہر عبادت معلوم ہوتے ہیں جیسے طواف خانہ کعبہ مگر وہ حج نہیں۔ کیونکہ جو شخص تنگ وقت میں مکہ پہنچے اس کو حکم ہے کہ سیدھا عرفات پہنچ جائے اور طواف وغیرہ کو ترک کردے اور عرفات میں جانا ایسا عمل ہے کہ وہاں بظاہر کوئی عبادت نہیں نہ کسی خاص چیز کی تعظیم ہے نہ وہاں کوئی خاص نماز مقرر ہے پنج وقتہ نماز تو سب جگہ ہے وہاں بھی ہے مگر عرفات میں جانا ہی سب کچھ ہے حج اسی کا نام ہے کہ نویں تاریخ کو نصف النہار کے بعد سے ۱۰ ذی الحجہ کی صبح تک کسی ایک منٹ میں ایک قدم عرفات کے اندر رکھ دے بس اسی وقت مذکور میں اگر کسی وقت بھی ایک قدم عرفات میں پڑ گیا خواہ جاگتے ہوئے یا سوتے ہوئے ہوش میں یا بیہوشی میں تو حاجی بن گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف عرفات کی حقیقت حاضری دربار شاہی ہے۔ جب ہی تو اس میں اور کچھ شرط نہیں صرف ایک قدم وہاں ڈال دینا شرط ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے پاس پہنچنا کتنا آسان ہے کہ صرف ایک قدم رکھ دیا اور واصل ہو گئے اے سالکین یہ دیر جو آپ کو ہوتی ہے راستہ میں ہوتی ہے وصول میں کچھ دیر نہیں ہوتی وہ تو ایک قدم سے ہو جاتا ہے۔

ایک واعظ کے دیہاتی کو روزہ سے محروم کرنے کی حکایت:

ایک واعظ نے رمضان میں کسی دیہاتی سے کہا کہ آج روزہ رکھا ہے کہا ہاں رکھا ہے کہا نیت بھی کی تھی کہا ہاں کی تھی پوچھا کس طرح کی تھی اس نے بتلایا کہ سحری کھاتے ہوئے دل میں خیال کر لیا تھا کہ کل کو روزہ رکھیں گے واعظ صاحب بولے کہ یوں نہیں بلکہ زبان سے یوں کہنا چاہئے۔ نویت الصوم اللہ تعالیٰ غدا ۔ دیہاتی نے کہا بہت اچھا اب سے یوں کہا کروں گا۔ اگلے دن واعظ صاحب نے دیکھا کہ چودھری چوپال میں بیٹھے ہوئے حقہ بجا رہے ہیں کہا میاں یہ کیا؟ رمضان میں حقہ پیتے ہو کیا روزہ نہیں ہے کہا نہیں آج روزہ نہیں رکھا کیونکہ نیت یاد نہیں ہوئی جب نیت یاد ہو جائے گی تب روزہ رکھوں گا۔ دیکھئے اس واعظ نے بیچارے دیہاتی کا کیسا ناس کیا کہ اس کو روزہ سے محروم کر دیا بس ان کی وہ حالت ہے جو اناڑی حکیم کی حالت ہوتی چنانچہ ایسے ہی حکیم نے ایک بیمار کو مسہل دیا تھا نہ معلوم کیا خاک بلا دے دی کہ غریب کو بے انتہا دست آ گئے حکیم صاحب کو مسہل دینا تو آتا تھا مگر دست بند کرنے کی

ترکیب معلوم نہ تھی۔ تیمارداروں نے آکر اطلاع کی کہ دست بہت آرہے ہیں بند نہیں ہوتے کہا کچھ ڈر نہیں مادہ فاسد ہے نکلنے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اطلاع کی کہ بہت ضعف ہوگیا ہے کہا کہ کچھ ڈر نہیں مادہ فاسد نکلنے دو۔ پھر اطلاع کی کہ اس کو تو نزع کی سی کیفیت طاری ہے کہا مادہ فاسد ہے نکلنے دو۔ پھر اطلاع دی کہ وہ تو مر بھی گیا تو آپ فرماتے ہیں اللہ رے مادے جس کے نکلنے سے مر گیا اگر وہ اندر رہتا تو کیا ہوتا۔ یہ ویسا ہی جواب ہے جیسے بوجھ بجکو نے جواب دیا تھا جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک گاؤں میں ایک شخص تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا۔ چڑھ تو گیا مگر اترنا جانتا نہ تھا۔ لگا چلانے کہ مجھے اتارو گاؤں والے سارے بیوقوف تھے۔ کسی کے سمجھ میں تدبیر نہ آئی تو بوجھ بجکڑ کو (یعنی گاؤں کے عاقل کو) بلایا گیا۔ وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے کہ بس تدبیر سمجھ میں آگئی۔ ایک لمبا سا رسا لاؤ اور اس کے پاس پھینکو کہ اس کو اپنی کمر سے مضبوط باندھ لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کے بعد حکم دیا کہ زور سے جھٹکا دو۔ چنانچہ یہ بھی کیا گیا وہ نیچے تو آ گیا مگر روح اوپر کو اڑ گئی۔ گاؤں والے بوجھ بجکڑ کے سر ہوگئے کہ یہ کیا ہوا تو آپ جواب دیتے ہیں کہ اس کی قسمت میں نے تو بہت آدمیوں کو اسی تدبیر سے کنویں سے نکالا ہے۔ بس یہی حالت آج کل کے واعظوں کی تعلیم کی ہے تحت کو فوق پر قیاس کرتے ہیں اور عوام کا ناس کرتے ہیں ان ہی لوگوں کی نسبت عارف فرماتے ہیں

خستگاں را چو طلب باشد و قوت نبود　　گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

جب کمزوروں کو طلب کی خواہش ہو اور قوت نہ ہو۔ تو ان پر ظلم کرنا اچھا نہیں ہے۔

واقعی ایک کاروباری آدمی کو یہ مجاہدہ بتلانا کہ چالیس دن تک تجارت وزراعت واہل وعیال سے الگ ہو کر ایک کونہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے۔ بیداد و ظلم ہے بلکہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال طریقہ بتلانا چاہئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ　　بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

چوپایوں پر طاقت اور اندازہ سے بوجھ رکھنا چاہئے۔ کمزوروں سے ہمت کے موافق کام لینا چاہئے۔ (الفصل والانفصال فی الفعل والانفعال ج ۲۱)

تراویح میں قرآن سنانا بقائے حفظ کا سامان ہے

پانی پت میں شیعہ کے بعضے بچے حافظ ہو جاتے ہیں مگر رہتے نہیں اور حفظ نہ رہنے کا سبب بھی وہی عدم اہتمام ہے۔ ایک شیعی لڑکا غلام سردار نام میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ

حافظ ہوگیا تھا مگر بعد میں سُنی ہوگیا کیوں کہ جب وہ حافظ ہوگیا تو رمضان کے موقع پر اس نے اپنی جماعت سے کہا کہ تراویح میں میرا قرآن سنو انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں تو نہ جماعت ہے نہ تراویح ہے، اس نے کہا کہ جب تراویح میں میرا قرآن نہ سنا جائے گا تو مجھے محفوظ کیونکر رہے گا۔ شیعوں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو ہم تیری وجہ سے تراویح تو نہیں پڑھ سکتے اس نے کہا پھر میں سُنی ہوتا ہوں تا کہ میرا حفظ باقی رہے چنانچہ وہ سُنی ہو گیا۔ تو اس لڑکے کو دیکھ کر میرا خیال یہی ہے کہ شیعہ کے عدم تحفظ کا سبب ان کا عدم اہتمام ہے اگر وہ تحفظ کا اہتمام کریں تو حافظ ہو سکتے ہیں مگر حافظ رہیں گے نہیں کیونکہ بقاء حفظ کا سامان ان کے نہیں اور تنہا پڑھنے سے حفظ باقی نہیں رہتا۔ (استمرار التوبہ ج ۲۳)

روزہ نہ رکھنے کا اصل سبب کم ہمتی ہے:

بعض لوگ گرمی کے روزہ میں پیاس کی شدت کا عذر کیا کرتے ہیں مگر اس رمضان میں لوگوں نے دکھلا دیا کہ یہ عذر محض ایک حیلہ اور بہانہ ہے ورنہ اصلی سبب کم ہمتی ہے کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ بعض لوگ صبح صبح اٹھ کر کھیت پر بیٹھے ہوئے تربوز کھاتے تھے، بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ صبح کے وقت کون سی گرمی تھی، یہ وقت کون سی پیاس کی شدت کا تھا، گرمی اور پیاس تو عصر ہی کے وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے، تم نے روزہ رکھ کر تو دیکھا ہوتا جب عصر کے وقت پیاس کی شدت معلوم ہوتی اور صبط نہ ہو سکتا جب ہی روزہ توڑا ہوتا، مگر اس حرامزدگی کا کیا علاج کہ صبح ہی سے روزہ نہ رکھنے کا ارادہ کرلیا اور افسوس اسی بات کا ہے کہ پہلے زمانہ میں بھی لوگ گناہ کیا کرتے تھے مگر ان میں شرم اور غیرت کا مادہ بھی تھا، سب کے سامنے رمضان میں کچھ نہیں کھاتے تھے، چوری چھپے کھالیا کرتے تھے مگر آج کل شرم اور غیرت بھی جاتی رہی، سب کے سامنے کھاتے پیتے ہیں اور ذرا لحاظ ان کو نہیں ہوتا کہ آخر رمضان کا مہینہ ہے اس کا بھی کچھ احترام کرنا چاہئے۔ میں صبح کو نماز پڑھ کر جنگل کی سیر کو جایا کرتا تھا، اس وقت کھیتوں پر بہت سے لوگ تربوز کھاتے ہوئے ملتے تھے، میں خود ہی غیرت مذہبی یا یوں کہئے کہ طبعی حیاء کی وجہ سے ان کی طرف کو نہ نکلتا تھا، چکر کاٹ کر دوسری طرف کو نکل جاتا تھا کہ ان لوگوں کو تو غیرت نہ آئے گی مگر مجھے تو غیرت کرنی چاہئے کہ رمضان میں کسی کو کھاتا ہوا نہ دیکھوں۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

کھانے پینے کی حلاوت روزہ دار کو نصیب ہوتی ہے:

روزہ توڑنے والا جب کھانا کھاتا ہے تو اس کو خود یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پائخانہ کھا رہا ہو، ذرا بھی حلاوت نصیب نہیں ہوتی، روزہ میں ثواب تو ہے ہی مگر سچ یہ ہے کہ کھانے پینے کی حلاوت بھی روزہ دار ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

روزہ دار کے دل کو افطار کے وقت جو مسرت اور حلاوت نصیب ہوتی ہے روزہ خور کو قیامت تک وہ بات نہیں مل سکتی، پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ روزہ میں باوجودیکہ دنیا اور آخرت دونوں کی حلاوت ہے پھر بھی لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، یوں کہیئے کہ ثواب کی رغبت اور عذاب کا خوف تو دلوں سے نکل ہی گیا تھا ساتھ میں حس بھی خراب ہوگئی، گناہ بے لذت کے کرنے سے زیادہ اور کیا بے حسی ہوگی۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

روزہ کی حدود

روزہ کیسی عمدہ عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ جب چاہو روزہ رکھ لو سال بھر میں بعض ایام ایسے بھی ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عید کے دن اور بقرعید کے دن اور ایام تشریق میں روزہ مکروہ تحریمی ہے۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

کسی ایک حالت پر انسان کو قرار نہیں

دیکھئے پہلے رمضان سردی میں تھا تو لوگ اس سے اکتاتے تھے کہ میاں یہ بھی کوئی روزہ ہے' ادھارے ادھارے بیٹھے ہیں نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے' ذرا سا دن ہے خبر ہی نہیں ہوتی کہ روزہ بھی تھا یا نہیں' روزہ تو گرمی کے لطف کا ہے کہ ذرا خبر بھی ہو کہ ہاں روزہ ہے' پھر افطار میں شربت اور ٹھنڈے پانی کا اور بعض جگہ برف کا اہتمام ہوتا ہے' ٹھنڈے کنوؤں کی تلاش ہوتی ہے کہ جس کنویں کا پانی سب سے زیادہ ٹھنڈا ہو اس کا پانی لایا جاتا ہے' سردی میں تو یہ باتیں ہوتی تھیں' اب جب رمضان گرمی میں آیا تو اس سے بھی گھبرا گئے۔ چنانچہ اب رمضان آنے والا ہے معلوم ہو جائے گا کہ کتنے آدمی روزہ رکھتے ہیں۔ اب یوں کہتے ہیں کہ صاحب رات تو ذرا سی ہوتی ہے' تراویح پڑھنے کے بعد سونے کا موقع ہی نہیں ملتا' ادھر آنکھ لگی ادھر سحری کا وقت آیا' اتنی دیر میں افطار کے وقت کا کھانا پانی بھی ہضم نہیں ہوتا اب سحری میں کیا کھالیں' بس سحری

کالطف تو گرمیوں کی رات میں کچھ بھی نہیں۔ پھر دن ایسا پہاڑ کہ گھنٹے گنتے گنتے تھک جاؤ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا' پیاس کے مارے کلیجہ نکلا جاتا ہے پھر افطار کے وقت پانی اس بری طرح پیا جاتا ہے کہ تراویح پڑھنا محال ہو جاتا ہے بس گرمیوں میں نہ تراویح کا لطف ہے نہ روزہ کا لیجئے اب گرمیوں کے رمضان کی برائی ہونے لگی۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

ہر مقام کی شب قدر کو فضیلت حاصل ہے

ایک صاحب کہنے لگے کہ شب قدر میں فضیلت ہے تو کہاں کی شب قدر میں ہندوستان کی یا لندن کی کیونکہ غروب ہر جگہ کا مختلف ہے۔ مولانا احمد حسن صاحب نے خوب جواب فرمایا کہ بعض مواسم میں کچہری دس بجے ہوتی ہے تو کہاں کے دس بجے مراد ہوتے ہیں' ہندوستان کے یا لندن کے' جو جواب اس کا ہے وہی اس کا ہے کہ ہر جگہ کی شب قدر میں فضیلت ہے خدا تعالیٰ کے ہاں کیا کمی ہے جب یہاں غروب ہو یہاں کے لیے' جب وہاں غروب ہو وہاں کے لیے' یہ دو چار مثالیں نمونے کے طور پر بیان کر دی ہیں۔ اس قسم کے لغو شبہات بہت سے ہیں اور ان سب کی وجہ یہ ہے کہ احکام شریعت کی عظمت دلوں میں نہیں رہی اور دوسرے یہ کہ ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ انسان جس چیز کو ضروری سمجھا کرتا ہے اس میں شبہات نہیں نکالا کرتا۔ مثلاً اگر کوئی مریض طبیب کے پاس جاوے اور وہ نسخہ لکھ کر دے اور مرض سخت ہو تو اعتماد کے بعد یہ سوال نہیں کرتا کہ آپ نے فلاں دوا کیوں لکھی یا فلاں دوا کا یہ وزن کیوں لکھا' اس کا دونا یا نصف کیوں نہیں لکھا کیونکہ جانتا ہے کہ اگر ذرا بھی بے ڈھنگا پن کیا تو حکیم صاحب خفا ہو کر مطب سے نکال دیں گے اور نسخہ بھی نہ دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ میں مروں گا۔ اگر شریعت کو بھی ضروری سمجھتے تو احکام کے بتلانے والوں کا وجود غنیمت سمجھتے جیسے طبیب کا وجود غنیمت سمجھا جاتا ہے ہاں اگر نسخہ پینا ہی نہ ہو تو اس میں جتنے چاہیں عیب نکال دیتے ہیں۔ (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

حضرات فقہاء کی وسیع النظری

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امام جانے کی تراویح میں لوگ قرآن نہیں سن سکتے تو اس کو پورا قرآن پڑھنا مناسب نہیں۔ بس الم ترکیف سے تراویح پڑھ پڑھا دیا

کرے۔ تھانہ بھون کے قریب ایک گاؤں میں ایک حافظ صاحب نے گاؤں کے لوگوں سے کہا کہ کم بخت سب جگہ قرآن ہوتا ہے (نعوذ باللہ) تمہارے اوپر کیا خدا کی مار ہے تم بھی تو ہمت کر کے سن لیا کرو کہنے لگے کہ قرآن پڑھنے میں تو بڑی دیر لگتی ہے ہم سے اتنی دیر کہاں کھڑا ہوا جاتا ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ دیر کچھ نہیں لگتی بس ایک پارہ پڑھ دیا کروں گا۔ ایک پارہ تو ذرا سی دیر میں ہو جائے گا کہنے لگے کہ ایک روز پڑھ کر دکھلا دو۔ غرض حافظ صاحب مصلے پر پڑھنے کھڑے ہوئے اور وہ حقہ لے لے کر آن بیٹھے' یہ حقہ پیتے رہے اور حافظ صاحب قرآن شریف پڑھتے رہے۔ جب تراویح پوری ہو گئیں تو حافظ صاحب نے کہا کہ دیکھا تم نے' کتنی دیر لگی کہنے لگے کہ ہاں جی ہاں کچھ ایسی دیر نہیں لگتی اب سے سنا کریں گے تو فقہاء نے ایسے موقع پر تشدد نہیں کیا کیونکہ تشدد سے اصل کام بھی رہ جاتا ہے۔ (الفضل العظیم ج ۲۷)

روزہ میں شان تنزیہ کا ظہور ہے

روزہ میں شان تنزیہ کا ظہور ہے یعنی روزہ فی الجملہ تخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے اس کھانے پینے کے ساتھ جماع سے بھی روک دیا گیا کیونکہ حق تعالیٰ ان افعال سے منزہ ہیں اور اس کا مقتضا یہ ہی تھا کہ پیشاب و پاخانہ سے بھی منع کر دیا جاتا مگر اس کی ممانعت اس لیے نہیں کی گئی کہ یہ تکلیف مالا یطاق تھی۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

رمضان میں ترغیب تلاوت کا راز

رمضان میں تلاوت قرآن کا شریعت نے بہت ہی اہتمام کیا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ نزول قرآن آسمان اول پر رمضان ہی کے مہینے میں ہوا ہے پھر وہاں سے تدریجاً تیئیس سال میں نازل ہوا تو اس ماہ کو قرآن کے ساتھ خاص تعلق ہے جو دوسرے ایام کو نہیں یہی وجہ ہے کہ رمضان میں تلاوت قرآن بالمشاہدہ اور دنوں سے زیادہ آسان بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان تلاوت قرآن میں مشغول ہو گا تو لامحالہ دنیوی باتوں میں تقلیل ہو گی کیونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تو تلاوت قرآن کے

وقت اگر توجہ کے ساتھ تلاوت ہو۔ دوسری باتوں کا خیال بھی نہ آئے گا ورنہ زبان تو جب تک اس میں مشغول رہے گی۔ اس وقت تک دنیوی باتوں سے رکی رہے گی اس طرح سے تلاوت قرآن کے ضمن میں تقلیل کلام ہو جائے گی۔ پھر محض یہی نہیں کہ تقلیل کلام کا مجاہدہ حاصل ہو گیا اور کوئی نفع حاصل نہ ہو بلکہ اس میں ثواب بھی اتنا ہوتا ہے کہ کسی طاعت میں اتنا ثواب نہیں کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور رمضان میں وہ دس نیکیاں دس فرض کے برابر ہوتی ہیں یہ تو عام ثواب ہے اور جو کوئی زیادہ مخلص ہو تو اس کو ایک حرف پر سات سو نیکیاں تک ملتی ہیں بلکہ ''وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ'' یعنی سات سو پر بھی انتہا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ اب بتلایئے اگر شریعت میں تقلیل کلام کی وہی صورت تجویز کرتی جو اہل ریاضت میں مستعمل ہے کہ بس زبان کو گوند لگا دیا جائے اور بالکل خاموش بیٹھے رہا کریں تو یہ دولت بے شمار کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ شریعت کے قربان جایئے کہ اس نے مجاہدہ تقلیل کلام کی وہ صورت تجویز ہو جس سے اس مجاہدہ کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ زبان گناہوں سے بچی رہے، فضول باتیں کرنے کی عادت کم ہو جائے اور اس کے ساتھ ثواب بھی بے شمار ملتا رہے اور ثواب ہی پر بس نہیں بلکہ تلاوت قرآن میں بندے کو حق تعالیٰ کا ایک خاص قرب بھی حاصل ہوتا ہے جو خاموش رہنے میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن میں ایک خاص تجلی ہے جب اس کا ظہور قلب پر ہوتا ہے تو دل میں حق سبحانہ کے سوا کسی کی گنجائش نہیں رہتی، قلب عظمت حق سے پر ہو جاتا ہے۔ بس وہ حال ہوتا ہے:

چو سلطان عزت علم بر کشد　　　جہاں سر بجیب عدم در کشد

(جب وہ سلطان عزت جھنڈا بلند کرتا ہے تو یہ کائنات تمام عدم کے جیب میں سر ڈال دیتی ہے) (تقلیل الکلام ج ۲۷)

حکایت مومن خاں دہلوی

مومن خاں شاعر سے رمضان شریف میں ایک ڈوم نے کہا تھا کہ تراویح میں جس دن وہ سورۃ آئے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھ کو پہلے سے اطلاع کر دیجیو، اس کا یہ اعتقاد تھا

کہ سورہ یٰسین شریف سننے سے مرجاتا ہے' مومن خاں نے ایک دن براہ مزاح کہا کہ میاں وہ سورہ تورات آ چکی سنتے ہی بخار چڑھ آیا اور دو تین دن بعد مرگیا تو بعضے موت سے اتنا گھبراتے ہیں کہ اس گھبراہٹ میں ہی ان کو موت بھی آ جاتی ہے۔ بوڑھے سے بوڑھا بھی جینے کی تمنا کرتا ہے میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک بوڑھیا تھی اس کو کسی لڑکی نے کہہ دیا کہ بڑھیا مرجا بہت برا مانا اور کسی سے شکایت کی کہ سنا بھی فلانی مجھ کو یہ کہتی ہے کہ تو یوں ہو جا' اللہ اکبر کس قدر موت سے کراہت تھی کہ اس کا نام بھی نہیں لیا' بخلاف بزرگان دین کے کہ ان کو موت کا شوق ہوتا ہے۔ (خواص الخشیۃ ج ۲۹)

روزہ میں تقلیل طعام

شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ شارع علیہ السلام نے تقلیل طعام کو تجویز کیا ہی نہیں بلکہ شارع نے کھانے کے اوقات معتادہ کو بدل کر ان میں فصل زیادہ تجویز کیا ہے اور اس تبدل عادت و زیادت فصل سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اسی کو شریعت نے تقلیل طعام کے قائم مقام سمجھا ہے۔

اور یہ دوسری صورت ہے تقلیل طعام کی پس کم کھانا اور بھوکا رہنا یہ شرعی مجاہدہ نہیں اور رمضان میں پیٹ بھر کے کھانا روح صوم کو کچھ مضر نہیں میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کا قول نہیں دیکھا اور یہ مضمون اولاً خود بخود میرے قلب پر وارد ہوا تھا اس وقت تک میں نے شاہ صاحب کا قول بھی نہیں دیکھا تا اور میں نے تو کلا علی اللہ ایک وعظ میں اس کو بیان بھی کر دیا تھا بعد میں شاہ صاحب کے قول سے تائید ملی تو میں بہت خوش ہوا کہ الحمد للہ میں اس قول میں متفرد نہیں ہوں بلکہ امت کا ایک بہت بڑا محقق میرے ساتھ ہے ممکن ہے کسی اور نے بھی اس کی تصریح کی ہو مگر میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کے کلام میں یہ مضمون نہیں دیکھا اور میری نظر کتابوں پر زیادہ ہے بھی نہیں صرف درسیات پر تھوڑی بہت نظر ہے اور درسیات بھی میں نے اس طرح ختم کی ہیں کہ ایک کتاب جماعت نے ختم کر لی اور میں زیادہ غیر حاضر رہا تو جماعت کے ختم کرنے سے میرے حق میں بھی وہ کتاب ختم ہوگئی بہر حال میرے نزدیک تقلیل طعام کی صورت شریعت میں یہ نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہو اور تم پیٹ بھر کے نہ کھاؤ بلکہ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اوقات

طعام میں فصل کردو جیسا کہ روزہ میں ہوتا ہے پھر افطار وسحر میں پیٹ بھر کے کھالو تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ تجربہ ہے کہ سحر میں پیٹ بھر کے کھانے سے بھی دوپہر کو اپنے وقت پر بھوک کا تقاضا ضرور ہوتا ہے اور روزہ کی وجہ سے جب نہیں کھا سکتے تو نفس کو کلفت ہوتی ہے بس یہی شرعی مجاہدہ ہے۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

من لم یدع قول الزور و العمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه و شرابه (سنن ابی داؤد: ۲۳۶۲، سنن الترمذی ۷۰۷)

یعنی (جو شخص جھوٹ بولنا اور غلط باتوں پر عمل کرنا نہ چھوڑے (اس میں سب معاصی آ گئے ۱۲) تو خدا کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ تو دیکھئے قول زور مفطر صوم نہیں جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر چونکہ روح صوم کو مضر تھا اس لئے شارع نے اس کا مضر ہونا ظاہر کر دیا اگر شبع بھی روح صوم کو مضر تھا تو شارع نے اس سے کیونکر تعرض نہیں فرمایا جب شارع نے اس سے تعرض نہیں کیا تو ہم دل کھول کر کہتے ہیں کہ شبع روح صوم کو کچھ مضر نہیں جس کو غلاف کعبہ کے اندر سے کعبہ نظر آ رہا ہو وہ تو کعبہ ہی کی طرف منہ کرے گا اس کو غلاف کی طرف منہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ایسے ہی جب مجھ کو حقیقت منکشف ہوگئی تو میں وہی کہوں گا جو میں سمجھا ہوں ممکن ہے کسی محقق کے نزدیک یہ تحقیق صحیح نہ ہو تو ان کو وہ علم مبارک ہو جو ان کے پاس ہے اور چونکہ وہ ان کا اجتہاد ہے اس لئے اجر ان کو بھی ملے گا۔ (تقلیل بصورۃ الصیام ج ۳۰)

زکوٰۃ

☆ اسلام کا اہم رکن

☆ زکوٰۃ کی فضیلت واہمیت

☆ زکوٰۃ کی حدود ومصارف

زکوٰۃ کی خوبی

ایک خوبی اسلام میں یہ ہے کہ غرباء کے لئے امراء پر زکوٰۃ کو فرض فرما دیا جس میں صرف چالیسواں حصہ دینا پڑتا ہے اور کھیتی میں دسواں یا بیسواں حصہ۔ یہ ایسی مقدار ہے جس میں دینے والے پر کچھ بھی بار نہیں اور اگر پابندی سے سب ادا کریں تو اہل اسلام کے تمام فقراء و معذورین کے لئے کافی ہے۔ کوئی بھی بھوکا ننگا نہ رہے مگر افسوس لوگ پابندی سے زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ پھر لطف یہ کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے۔ کمی نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختگی کے ساتھ فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔ آخرت کا ثواب تو ملے ہی گا۔ زکوٰۃ سے دنیا میں بھی مال بڑھتا ہے آفات سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جاوے۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

مساکین کی اعانت

زکوٰۃ کے اسرار بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس میں عقلیت کی شان اغلب ہے اس لئے کہ مالی اعانت مساکین کی کیسی شے ہے کہ اس کے استحسان میں کسی عاقل کو کلام نہیں ہے اور نیز اس میں یہ کسی مکان یا زمان خاص کی بھی قید نہیں یعنی کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے کہ اس وقت اگر ادا نہ کریں تو یہ عبادت قضا ہو جائے۔ باقی چالیسویں حصہ کی تعیین یہ سہولت کے لئے ہے اس لئے کہ چالیس روپیہ میں سے ایک روپیہ دیدینے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ نصاب مقرر فرمانا بہ معنی سہولت کے لئے ہے مصارف جو مقرر فرمائے ہیں کہ نہ بیٹا ہو نہ پوتا نہ باپ نہ دادا ہو یہ اس لئے ہے تاکہ نفس پر گراں ہو اس لئے کہ ان لوگوں کو دینے سے نفس کو کچھ گرانی نہ ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ اول تو اس میں بہ نسبت اور مجاہدات کے قیدیں ہی کم ہیں اور جو قیدیں ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ اجمالاً ہر شخص ان کا راز سمجھ سکتا ہے گو تفصیلاً اس میں بھی بعض قیود تعبدی ہیں اور ایسا ہونا بھی

چاہیے تاکہ اس میں بھی مثل نماز کے عقلیت غالب اور دوسری حیثیت مغلوب ہو مگر چونکہ زیادہ حصہ اس میں معقول ہے اس لئے اس کو مستقل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ۔ (التهذيب ج ۱۷)

تملیک زکوٰۃ

تملیک زکوٰۃ کا مشروع طریقہ بتلاتا ہوں سو جو لوگ زکوٰۃ یا چرم قربانی کا روپیہ ایسے مواقع میں دینا چاہیں ان کیلئے ایک خاص تدبیر ہے اور جو لوگ اسے نہ سمجھ سکیں وہ میرے پاس روپیہ بھیج دیں۔ میں درست کر کے بھیج دوں گا۔ مگر وہ طریقہ بتلائے بھی دیتا ہوں تاکہ سمجھدار لوگ اس پر عمل کر لیں وہ تدبیر یہ ہے کہ اول کسی غریب آدمی کو ترغیب اور مشورہ دو کہ اگر مفت کا ثواب لینا چاہتے ہو تو تم دس روپے مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں چندہ میں دیدو پھر ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔ جب وہ غریب کسی سے قرض لے کر چندہ میں دیدے تم اس غریب کو وہ زکوٰۃ کا روپیہ دیدو کہ اس کو اپنے قرضہ میں ادا کر دے تو سارا کام ہو گیا۔ چندہ بھی جمع ہو گیا اور زکوٰۃ اور چرم قربانی کی قیمت بھی جائز طور پر ادا ہو گئی۔ یہ نہایت آسان ترکیب ہے۔ مگر کسی کی سمجھ میں اگر اب بھی نہ آئی ہو تو وہ زکوٰۃ اور قربانی کا روپیہ میرے پاس بھیج دیں میں اسی ترکیب سے درست کر دوں گا۔ (بمواساۃ المصابین ج ۱۹)

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے دل پر بوجھ ہونے کا سبب:

ادائیگی زکوٰۃ میں ہماری یہ حالت ہے کہ روپیہ نکالتے ہوئے جان نکلتی ہے کہ ہائے ہم تو اڑھائی روپے اس میں اور ڈالتے یہ تو اور اسی میں سے نکلنے لگے، میں کہتا ہوں کہ اگر روپیہ یوں ہی رکھا رہے اور اس میں سے خرچ نہ کیا جائے، فائدہ ہی کیا؟ روپیہ تو خرچ ہی کے واسطے ہے، ضرورت میں صرف کرنے ہی سے روپیہ کی راحت معلوم ہوتی ہے تو لامحالہ دینوی ضرورت میں صرف کرنے ہی سے روپیہ کی راحت معلوم ہوتی ہے، لامحالہ دینوی ضرورت میں تم یقیناً صرف کرو گے، پھر اس وقت یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ہائے ہم تم اس میں اور ڈالتے یہ تو اور اس میں نکلنے لگے، معلوم ہوا کہ تم دینوی ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہو اور ان میں خرچ کرنا تم پر گراں نہیں ہے اور زکوٰۃ کو تم ضروری نہیں سمجھتے، اس لئے دل پر بوجھ ہوتا ہے تو پھر صاحبو! اس کا علاج کرنا چاہئے، آخر اس کی کیا وجہ کہ زکوٰۃ حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرض کی اس کو تم ضروری نہیں سمجھتے اور اپنی دینوی ضرورتوں کو جن کو تم نے اپنے اوپر

لازم کر رکھا ہے ضروری سمجھتے ہو اور اگر آپ زکوٰۃ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں تو پھر اس کی گرانی کی کیا وجہ دینوی کاموں میں تم صدہا روپے خرچ کر دیتے ہو بلکہ فضولیات میں بہت سا روپیہ اڑا دیتے ہو اور اس وقت تمہارے دل پر ذرا بھی گرانی نہیں ہوتی ۔(رجاء اللقاء ج ۲۴)

ادائیگی زکوٰۃ کیلئے دل سے گرانی دور کرنے کا طریقہ:

جو شخص روپیہ کو بالکل ہی خرچ نہیں کرتا اس سے تو یہ کہا جائے گا کہ روپیہ صرف جمع کرنے کے واسطے نہیں ہے، ایسے روپیہ میں اور ٹھیکروں میں کیا فرق ہے اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اور بڑے بڑے خرچ کرتے ہیں ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ سو روپیہ میں اڑھائی روپے کا خرچ ہی کیا ہے جو اس سے تمہارے دل پر گرانی ہے، بس اس کی بھی وہی علت ہے کہ دل میں خوف اور رغبت نہیں ہے ورنہ جس طرح دینوی راحت کے لئے خوشی سے خرچ کرتے ہیں اسی طرح آخرت کی راحت اور عذاب سے بچنے کے لئے زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں، دنیا کے کاموں میں امید اور اندیشہ ہے اس لئے دل پر خرچ کا تقاضا بھی ہوتا ہے اور آخرت کی رغبت اور خوف نہیں اس لئے زکوٰۃ کا دل پر تقاضا نہیں ہوتا، تقاضا ہوتا تو خوشی سے زکوٰۃ نکالا کرتے ۔(رجاء اللقاء ج ۲۴)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ فرض کیا گیا، اس میں بھی لوگوں کی جان نکلتی ہے۔ پہلی امتوں پر علماء نے لکھا کہ چوتھائی حصہ نکالنا فرض تھا اگر تمہارے واسطے بھی ایسا ہی ہوتا تو کیا کرتے؟ حق تعالیٰ کا دیا ہوا مال ہے۔ اس میں وہ جو چاہیں حکم فرماویں ان کو اختیار ہے جب تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اس وقت تمہارے ہاتھ میں کیا تھا، کچھ بھی نہ تھا، خالی ہاتھ آئے تھے، بعد میں یہ سب مال و دولت حق تعالیٰ نے تم کو دیا ہے تو اس میں اگر کچھ غریبوں کا حق رکھا گیا تو جان کیوں نکلتی ہے۔ بلکہ اس امت پر بہت ہی رحمت ہے کہ چالیسواں حصہ فرض ہے، حق تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں ویضع عنھم اصرھم کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اوپر سے وہ بوجھ ہلکا کرتے ہیں جو پہلے ان کے اوپر تھا، جس کو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ پہلے لوگوں پر زکوٰۃ میں چوتھائی مال کا نکالنا فرض تھا، اس کے علاوہ اور بہت سی آسانیاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوگئی ہیں، اس نعمت کی ہم کو قدر کرنی چاہئے، بھلا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو اس کا صدمہ نہ ہوگا کہ میری وجہ سے حق تعالیٰ نے امت پر اس قدر آسانی فرمائی اور پھر بھی میری امت نے احکام میں سستی کی، ہم کو چاہئے کہ پہلی امتوں سے زیادہ کام کریں کیونکہ ان پر احکام سخت تھے اور ہمارے لئے بہت سہولتیں کردی گئی ہیں۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

زکوٰۃ میں درحقیقت ہمارا ہی نفع ہے:

اگر غور کیا جائے تو زکوۃ میں درحقیقت ہمارا ہی نفع ہے، ثواب آخرت کے علاوہ دنیا کے بھی بہت سے منافع ہیں، ایک منفعت تو بہت بڑی یہ ہے کہ زکوۃ کی وجہ سے مال محفوظ رہتا ہے کیونکہ غریب لوگ جو چوریاں کرتے ہیں ان کی زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ وہ افلاس سے پریشان ہوتے ہیں اگر مالدار لوگ زکوۃ نکالتے رہیں اور ہر شہر میں اس کی پابندی ہو جائے تو غرباء کو چوری کا خیال بھی پیدا نہ ہو وہ چوریاں اسی لئے کرتے ہیں کہ تم گھر میں مال جمع کر کے رکھتے ہو اور ان کو نہیں پوچھتے، اگر تم ان کی خبر گیری بھی کرتے رہو تو تمہارے احسان کا خیال کر کے یا اپنی ضروریات پوری ہوتے دیکھ کر وہ اس قسم کے ارادے کبھی نہ کریں۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

شریعت کی نظر بہت دقیق ہے

لوگ مال کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے قفل لگاتے اور چوکی پہرہ مقرر کرتے ہیں مگر شریعت کی نظر بہت دقیق ہے اس نے اس راز کی کیسی رعایت کی ہے کہ مال کی حفاظت اس طرح نہیں ہوسکتی، بلکہ اسکی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے اندیشہ ہے ان کا پیٹ بھر دو، پھر چاہے قفل بھی نہ لگاؤ، مال محفوظ رہے گا کیونکہ اس طرح سارا شہر بے فکری سے گزرنے لگے گا اور تم اگر زکوۃ میں سو روپے میں سے اڑھائی روپے بھی نہ نکالو گے تو کسی وقت تمہاری ساری جمع پونجی نکل جائے گی اس وقت ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے تو درحقیقت زکوۃ نکالنا اپنے مال کو محفوظ کرنا ہے، اگر زکوۃ نہ دو گے تو کسی اور بہانہ سے نقصان ہو جائے گا اور یہ حکمت زکوۃ کی میں نے طریق تبرع بیان کردی ہے ورنہ ہم کو حق تعالیٰ کا منقاد ہونا چاہئے، اگر کوئی بھی مصلحت اس میں نہ ہوتی تب بھی ہم کو خدا کا حکم سمجھ کر خوشی سے زکوۃ دینی چاہئے چہ جائیکہ اس میں دنیوی اور اخروی فوائد بھی ہیں۔ بتلاؤ کہ آخر ہم کس کے ہیں، خدا ہی کے تو ہیں، تو ہمارا مال بھی اسی کا ہے جس کے ہم ہیں بعض لوگ زیور کی زکوۃ میں یہ عذر کرتے ہیں کہ صاحب اس طرح تو ہر سال زکوۃ نکالتے ہی نکالتے زیور ختم ہو جائے گا۔ سارا سرمایہ برابر ہو جائے گا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

زکوٰۃ کے حدود

نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے زکوٰۃ میں حدود وقیود ہیں کہ نصاب فاضل شرط ہے۔ حولان حول شرط ہے۔ مصرف میں بہت سی قیود ہیں روزہ کو لیجئے تو اس میں بھی حدود وقیود ہیں کہ رات کو روزہ حرام ہے دن میں ہی ہونا ضروری ہے۔ صوم وصال مکروہ ہے۔ غروب سے ایک منٹ پہلے افطار ہو جائے تو روزہ فاسد ہے طلوع صبح کے ایک منٹ بعد سحری کھائے تو روزہ فاسد ہے ایام منہی عنہا میں روزہ حرام ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل خداوندی

زکوٰۃ میں گرانی ہوتی ہے چالیس ہزار میں سے جب ایک ہزار روپیہ نکلتا ہے تو گراں گزرتا ہے حالانکہ چالیسواں حصہ بہت ہی کم ہے امم سابقہ پر چوتھائی حصہ مال کا فرض تھا یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ چالیسواں حصہ ہی فرض کیا گیا یہ بھی لوگوں پر بھاری ہے۔ آج کل کے نوتعلیم یافتہ اس فکر میں ہیں کہ احکام شرعیہ ہماری عقل کے موافق ہوتے واللہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ عقل کے فتوے پر حکم شرعی نہیں ہے عقل تو یوں چاہتی ہے کہ اگر کسی کے پاس چالیس ہزار روپیہ ہو تو ۳۹ ہزار بلکہ زیادہ زکوٰۃ میں دیا جائے اور ایک ہزار خود رکھا جائے اس لئے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ غرباء ومستحقین زکوٰۃ کی تعداد زیادہ ہے اور اغنیاء کی کم ہے اور ادھر یہ ثابت ہے کہ بنی آدم اعضائے یک دیگر اند اور نیز مساواۃ بین الاقوام آج کل کے اصول عقلیہ سے ہے تو ایک شخص کو کوئی حق اس بات کا نہیں ہے کہ اس کے پاس ۴۰ ہزار روپیہ ہوں اور دوسرا نان شبینہ کو محتاج ہو پس یہ رحمت نہیں تو کیا ہے ایک ہزار زکوٰۃ کے واجب ہوئے اور ۳۹ ہزار رکھنے کی اس کو اجازت ہوئی۔ (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

طاعت نفاق

ایک خاص عبادت اور مجاہدہ ہے جس کو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے جو کہ ایک شہوت کا علاج ہے اور وہ طاعت انفاق ہے۔ بہت لوگوں کے کچھ معمولات نماز روزہ اور ذکر وتلاوت وغیرہ میں مقرر ہیں مگر طاعت انفاق کا کوئی معمول کسی نے مقرر نہیں کیا۔ اسی طرح اس انفاق کی ایک خاص فرد کو کہ امر بالمعروف ہے جس کا ایک خاص معنی کہ انفاق کی فرد ہونا عنقریب مذکور ہوتا ہے۔

لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا ہے اس کے متعلق بھی کسی نے کچھ معمول مقرر نہیں کیا بلکہ لوگوں نے اس کے متعلق تو یہ سبق یاد کرلیا ہے "عیسیٰ بدیں خود موسیٰ بدیں خود"۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

صاحبو! ہم کو انفاق کا بھی معمول کچھ ضرور مقرر کرنا چاہئے ایک معمول تو حق تعالیٰ کا بتلایا ہوا ہے یعنی چالیسواں حصہ اس سے کم تو کیا ہو مگر بعض لوگ اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جب تک مال تھوڑا رہتا ہے اس وقت تک تو بہت لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب بڑھ جاتا ہے تو پھر بہت کم زکوٰۃ دیتے ہیں لوگوں کو چالیس میں سے ایک دے دینا یا سو میں ڈھائی نکال دینا تو آسان ہے مگر چالیس لاکھ میں سے ایک لاکھ دینا مشکل ہوتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ زکوٰۃ نکال کر بقیہ کو نہیں دیکھتے خود زکوٰۃ کی رقم کو دیکھتے ہیں اگر وہ قلیل ہوئی تو دینا آسان ہوتا ہے اور اگر زیادہ ہوئی تو دینا مشکل ہوتا ہے حالانکہ جہاں زیادہ ہے وہاں بقیہ کس قدر زیادہ ہے اس کو دیکھو تو نفس خوش ہو جاوے کہ نکال کر بھی اتنا بچ گیا پھر دینا مشکل نہ ہوا اور بقیہ کو نہ دیکھنا نہایت بے انصافی ہے تو اس بے انصافی کی کیا وجہ باقی کو کیوں نہیں دیکھتے اگر اس کو دیکھو وہ تو اتنا ہے کہ اس کے ورق کی روٹیاں بنا کر کھایا کرو تب بھی عمر بھر کے لئے کافی ہو جاوے۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کرنے کی ضرورت

بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو زیادہ مال میں سے بھی زکوٰۃ نکالتے ہیں مگر وہ موقعہ پر صرف نہیں کرتے کہیں اسکول میں دے دیتے ہیں کہیں کسی شاہ صاحب کو دے دیتے ہیں گو وہ مالدار ہی ہوں غرباء کو تلاش کر کے نہیں دیتے بعضے قومی چندوں میں دے دیتے ہیں جہاں تملیک وغیرہ کی بھی رعایت نہیں ہوتی۔ اگر امراء اپنی زکوٰۃ موقع پر صرف کیا کریں تو مسلمانوں میں افلاس بہت کچھ کم ہو جاوے زکوٰۃ کا قانون شرعی یہ ہے کہ پہلے اپنے غریب عزیزوں کو دی جائے ان سے فاضل ہو تو اور غرباء کو دی جائے اس لئے اس کی بہت ضرورت ہے کہ امراء زکوٰۃ کے معاملہ میں علماء سے مشورہ کرلیا کریں گو زکوٰۃ کا روپیہ ان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے مگر مشورہ ضرور کرلیا جائے تاکہ زکوٰۃ موقع پر صرف ہو بعضے مدعیان علم وعمل ایسے بھی ہیں کہ ان کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے گا تو وہ اپنے گھر ہی میں دھر لیں گے۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

سیرۃ النبی ﷺ

☆ رسالت کی ضرورت واہمیت

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل
کمالات، برکات اور اخلاق حسنہ پر مشتمل واقعات

☆ اسوہ حسنہ کے دینی ودنیاوی فوائد وثمرات

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیر دعوت کے عالمی اثرات

حکمت رسالت

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہؓ نے اس کو گھورا اور دھمکانا چاہا۔ حضورؐ نے فرمایا اس کا پیشاب قطع نہ کرو۔ سبحان اللہ کیسی حکمت کی بات ہے۔ اس لئے کہ یا تو وہ پیشاب روکتا یا بھاگتا۔ روکنے میں تو اس کو سخت تکلیف ہوتی اور بھاگنے سے مسجد اور زیادہ خراب ہوتی۔ جب وہ باطمینان پیشاب کر چکا تو آپؐ نے ایک ڈول اس جگہ بہا دینے کا حکم صادر فرمادیا؟ کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں عبادت کی جاتی ہے۔ اس کو ناپاکی سے ملوث نہیں کرنا چاہئے۔

(الصحیح للبخاری، کتاب الوضوء باب: ۵۵، الصحیح لمسلم کتاب الطهارة باب: ۳۴ البول فی المسجد)

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ مسلمان کی وقعت خدا اور رسولؐ کے نزدیک مسجد سے زیادہ ہے کہ آپؐ نے اس مسلمان کی رعایت مسجد سے زیادہ فرمائی۔

(الدین الخالص ج ۳)

قوت حافظہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اس مکان پر پہنچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے مخفی تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے کواڑ کھلوانے چاہے تو کواڑوں کی درزوں سے ان کی صورت دیکھ کر حضرات صحابہ ڈر گئے اور کہا، یا رسول اللہ! یہ عمرؓ تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں اور کواڑ کھلوانا چاہتے ہیں۔ ہم کو ان سے خطرہ ہے (کذا فی سیرۃ ابن ہشام ۱۲)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کواڑ کھول دو، وہ کیا کرلیں گے۔ اگر اچھی نیت سے آئے ہیں تو خوشی کی بات ہے اور برے ارادے سے آئے ہیں تو اپنی سزا کو پہنچ کر رہیں گے۔ چنانچہ کواڑ کھولے گئے۔ اور جب حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ نے ان کی چادر کا کونہ

پکڑ کر نہایت زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا، اے عمر! کیا تیری بھلائی کے دن نہیں آئے، تو کب تک اللہ ورسول کا مقابلہ کرتا رہے گا۔ اس سے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص سے اتنے آدمی ڈرتے اور کواڑ کھولنے میں تامل کرتے تھے، اس کی آپ نے کچھ بھی پروانہ کی اور اس طرح دھمکایا جیسے معمولی آدمی کو دھمکالیا کرتے ہیں۔

اور سیرت ابن ہشام میں ایک واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے تنہا ملنے کا اور نہایت بے فکری سے ان کو دھمکا دینے کا مذکور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا تو کیا پوچھنا۔ آج کل سے تو اس زمانہ کے سب ہی لوگ قوی تھے۔ حضرات صحابہ کا حافظہ بھی ہم لوگوں سے زیادہ قوی تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو سب ہی سے زیادہ قوی تھا۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

واقف و ناواقف سے سلوک

حضورؐ ایک مرتبہ مسجد شریف میں تشریف لائے اور دیوار مسجد پر تھوک لگا دیکھا تو حضورؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپؐ نے اس کو لکڑی سے کھرچ دیا۔ ایک صحابی خوشبو لائے اور اس جگہ مل دی۔ اب دیکھئے کہ وہی ذات بابرکات جنہوں نے وہاں سختی نہیں کی جب کہ ایک شخص نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا یہاں صرف تھوکنے پر آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا تو فرق یہ تھا کہ پہلا آدمی دیہاتی تھا اور یہ دوسرے شخص آپ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے تو معلوم ہوا کہ غیر واقف سے دوسرا برتاؤ ہوتا ہے اور واقف سے دوسرا پس اگر ہر سختی بدخلقی ہوتی تو حضورؐ سے کبھی صادر نہ ہوتی جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ کا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

(بلاشک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں) اور لیجئے ایک مرتبہ ایک صحابی لقطہ کے بارہ میں حضورؐ سے سوال کر رہے تھے کہ اگر بکری جنگل میں ملے تو اس کو حفاظت کے لئے اپنے قبضہ میں کر لیا جاوے یا نہیں حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں اس کو لے آنا چاہئے ورنہ درندے اس کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر کسی نے پوچھا کہ اگر اونٹ ملے تو اس کو بھی ایسا ہی کیا جائے۔ اس پر آپ کو غصہ آ گیا اور چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا کہ اس کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے وہ خود موذی جانوروں کے دفع کرنے پر قادر ہے۔ درختوں سے پتے کھاتا ہوا اپنے مالک سے آ ملے گا۔

اس بات پر حضور کو غصہ اس لئے آیا کہ اس سوال سے حرص اور طمع مترشح ہو رہی تھی۔ کیا اب بھی یہ کہا جائیگا کہ بد خلقی مطلق سختی اور غصہ کا نام ہے۔ آج علماء پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ذرا سی بات میں خفا ہو جاتے ہیں۔ انکے اخلاق عمدہ نہیں سو بحمد اللہ ان واقعات کے معلوم کرنیکے بعد یہ الزام رفع ہو گیا ہوگا۔

اس سے ایک اور بات بھی نکل آئی۔ وہ یہ کہ بعض طلباء استادوں کی شکایت کیا کرتے ہیں کہ بڑے سخت ہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ سنت ہے کہ بے موقع بات پر غصہ کیا جائے اور بعض طالب علم بھی بہت بکھیڑے نکالا کرتے ہیں اور استاد کو تنگ کرنا چاہتے ہیں یہ بڑی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اگر استاد سے غلطی بھی ہو جائے تو اس وقت خاموش ہو جانا چاہئے دوسرے وقت ادب سے عرض کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر اپنی غلطی ہو تو فوراً رجوع کرنا چاہئے اب تو طالب علم ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے خواہ مخواہ غصہ ہی آوے اور سچ یہ ہے کہ طالب علم ہی کم رہ گئے ہیں۔ چنانچہ بعضے طالب علم استاد کی تقریر بہت بے پروائی سے سنا کرتے ہیں اور جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو استاد سے جھگڑتے ہیں۔ اس کو غصہ کیسے نہیں آئے گا؟ (الدین الخالص ج۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اور اپنے رشتہ داروں کو آتش دوزخ سے ڈرایئے)

تو حضورؐ نے اپنے سب خاندان کو جمع کیا اور سب کے ساتھ صاحبزادی صاحبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا۔

(یافاطمة بنت محمد انقذی نفسک من النار لااغنی عنک من الله شیئاً سنن الترمذی: ۳۱۸۵)

اے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کو آتش دوزخ سے رہا کر میں تجھ کو کسی چیز سے اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ نہیں کر سکتا۔

اور اپنی پھوپھی صاحبہ کو خطاب کر کے فرمایا۔

یا صفیة عمة رسول الله انقذی نفسک من النار لااغنی عنک من الله شیئاً (الصحیح للبخاری ۴:۸، ۶:۱۴۰)

اے صفیہ رضی اللہ عنہا پھوپھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کو اعمال صالحہ کر کے دوزخ سے بچا میں کسی چیز سے تجھ کو اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ نہیں کر سکتا۔

اسی طرح سب اعزہ سے فرمایا کہ اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔ میں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔یعنی اگر نرے میرے بھروسہ پر رہو گے۔تو اس صورت میں میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ہاں خود بھی کچھ سرمایہ جمع کرلو تو بے شک آپ کام آئیں گے۔

بس یہ درجہ ہے انتساب اور تبرکات کا کہ وہ بدون اپنے عمل کے تنہا کافی نہیں ہوتے۔ باقی اپنے پاس کچھ عمل ہو تو پھر وہ ضرور نافع ہیں۔ ان کی برکت کا انکار نہیں ہوسکتا۔ اگر تبرکات نافع نہ ہوتے تو سلف صالحین اس کا اہتمام نہ کرتے۔ حالانکہ سلف سے اس کا اہتمام منقول ہے۔خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرکات دیئے ہیں۔ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چادرہ مبارک ایک صحابی کو عطا فرمایا اور حج کے موقع پر اپنے بال تقسیم فرمائے اور بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تبرکات واقعی کام بھی آتے ہیں مگر نرے تبرکات کام نہیں آتے۔ بلکہ اصل سرمایہ کے ساتھ یہ بھی مل جائیں تو نفع بڑھ جاتا ہے۔

اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کھانے کے ساتھ چٹنی اور مربہ کہ اس سے کھانے کا لطف بڑھ جاتا ہے۔اب اگر کوئی شخص دوستوں کی دعوت کرے اور سارا دستر خوان چٹنی اور مربہ ہی سے بھر دے تو کیا یہ دعوت ہوگی۔ یہ تو مسخرا پن ہوگا۔

اسی طرح جو چیزیں زوائد میں سے ہیں وہ سب ایسی ہی ہیں کہ ان پر حصول مقصود موقوف نہیں ہوتا اور وہ تنہا مقصود سے مغنی نہیں ہوتیں۔ ہاں ضروریات کے ساتھ جمع ہو جائیں تو مفید ہوتی ہیں۔ دیکھو اگر دستر خوان پر چٹنی مربے نہ ہوں تو وہ دعوت ضرور ہے اور اگر چٹنی مربا ہی ہو کھانا نہ ہو تو اسے دعوت نہیں کہہ سکتے اور دونوں جمع ہو جائیں تو اعلیٰ درجہ کی اور لذیذ دعوت ہوگی۔ (تفصیل الدین ج ۳)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فقر

سلف صالحین نے تو یہاں تک کہا کہ ایک درزی کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی۔ درمیان میں ایک جملہ معترضہ یاد آیا کہ ہماری شان خدا جانے کیا بڑھ گئی ہے کہ ہم غریبوں کے ہاں جاتے ہوئے عار کرتے ہیں بلکہ ان کو بلاتے ہوئے بھی عار آتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا کہ جو لوگ ذرا معزز عہدوں پر فائز ہیں وہ اپنی برادری کے غریب لوگوں کو اپنے پاس بلاتے ہوئے اور ان کے پاس بیٹھتے ہوئے عار کرتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ ایک غریب آدمی کے ہاں تشریف لے گئے اور اگر کوئی کہے کہ حضورؐ غریب تھے (نعوذ باللہ) تو سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا۔ اضطراری نہ تھا فقر وہ ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو۔

شریف گر متواضع شود خیال بند　　　　که پائگاه رفیعش ضعیف خواهد شد

شریف متواضع نہ ہو تو خیال مت کر اس کا بلند مقام کمزور ہو جاتا ہے۔ (ضرورۃ الاعتناء بالدین ج ۳)

باطنی کائنات

ایک بار آپؐ دعوت اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے رئیسوں نے آپ کو سخت جواب دیا اور اتباع سے انکار کیا اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے حضورؐ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ کی ایڑی مبارک سے خون بہنے لگا اس وقت غضب الٰہی جوش میں آیا اور حق تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام ملک الجبال کو ساتھ لیکر حاضر ہوئے اور فرمایا اے محمدؐ! حق تعالیٰ نے آپؐ کی قوم کا جواب سنا اور ان کا معاملہ آپؐ کے ساتھ دیکھا اب یہ ملک الجبال آپ کے حکم کے تابع ہے آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں اگر آپ چاہیں تو یہ اسی وقت مکہ اور طائف کے پہاڑوں کو باہم ٹکرا کر سب آدمیوں کو پیس ڈالے گا صاحبو! تم دنیا کے محکموں کو دیکھتے ہو حق تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا محکمہ ہے پہاڑوں کا بھی ایک محکمہ ہے جس پر فرشتے مقرر ہیں اور پہاڑ ان کے حکم کے تابع ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں فرشتے پہاڑوں کو ہلا دیتے ہیں جس سے زلزلہ آ جاتا ہے بعضے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں کسی سے چشمے ابلنے لگتے ہیں اسی طرح ہوا کا ایک محکمہ ہے اس پر بھی فرشتے مقرر ہیں پانی کا بھی ایک محکمہ ہے پھر ایسے محکمے باطنی کائنات میں بھی ہیں اسی کو سنائی کہتے ہیں۔

آسماں ہاست در ولایت جان　　　　کار فرمائے آسمان جہان

در رہ روح پست وبالا ہاست　　　　کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست

ترجمہ:۔ ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کارفرما ہیں روح (باطن) کے راستہ میں نشیب وفراز کوہ صحرا موجود ہیں۔ (العبد الربانی ج ۴)

تبلیغی کاوش

حضور کی شفقت کی یہ شان ہے کہ میں نے تیئیس برس میں اس قدر تبلیغ کی اور اس قدر

جانفشانی برداشت کی کہ کوئی نہیں کرسکتا کلیات کی علیحدہ تبلیغ فرمائی اور جزیات کی علیحدہ پھر جزئیات میں ایک ایک جزئی کی تبلیغ فرمادی یہ تو تبلیغ قولی تھی پھر اس پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ تبلیغ عملی بھی فرمائی یہ سب حضورؐ کی شفقت ہے نیز صحابہؓ کا خلوص بھی قابل نظر ہے کیونکہ اگر صحابہؓ کی طلب کامل نہ ہوتی اور ان میں خلوص نہ ہوتا تو وہ علوم محفوظ نہ رہتے۔ مگر بحمد اللہ آج حضورؐ کے تمام علوم محفوظ ہیں، جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپؐ نے اس قلیل عرصہ میں اس قدر علوم کیونکر بیان فرمادیئے خصوصی جبکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ آپ محض تعلیم ہی کے کام کے لئے فارغ نہ تھے بلکہ اس کے ساتھ انتظام ملکی اور تدابیر غزوات کا کام بھی آپ کو بہت زیادہ کرنا پڑتا تھا حضورؐ کی اس شفقت کا خیال تو کیجئے کہ باوجود اس قدر مشاغل کثیرہ کے آپ نے کس قدر اور کس درجہ ہم کو معاشرت سکھلائی اور کس درجہ آداب مجالس سکھلائے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی ہم کو ایک دوسرے کو اذیت دینے سے بچایا ایک دو نمونہ بتلاتا ہوں غور کیجئے! کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب کسی مجمع میں تین آدمی ہوں تو دو آدمی علیحدہ سرگوشی نہ کریں جب تک کہ چوتھا آدمی نہ ہو دیکھئے آداب مجالس کی کس قدر رعایت فرمائی سلف صالحین کا معمول تھا کہ جب کسی مجلس میں چوتھا آدمی نہ ہوتا اور دوسرے آدمی سے تنہائی میں بات کرنی منظور ہوتی تو چوتھے آدمی کے آنے کا انتظار کرتے تاکہ وہ اس سے ہم کلام رہے اور اس کو توحش نہ ہو نہ تفرد سے اس خیال سے کہ مجھ سے ہی اخفاء راز تو مقصود ہے اور دیکھئے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے لقمہ گر پڑے تو اس وقت یہ خلاف ادب ہے کہ اس کو چھوڑ دے بلکہ **فلیمطط عنه اذی** ''اس کو صاف کر کے کھالے''

دیکھئے کیسے چھوٹے چھوٹے اور دقیق دقیق امور پر آپ کی نظر تھی کسی بات کو چھوڑا نہیں اس تعلیم میں آپ نے کھانے کا کس قدر ادب تعلیم فرمایا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

(علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

سادگی ومتانت

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت سادہ زندگی تھی۔ آپ میں تکلف اور ظاہری وضع میں کوئی شان وشوکت نہ تھی کیونکہ آپؐ سچے تھے۔ باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے باوقار اور انتہا درجہ کے متین تھے مگر ساتھ ہی اس کے نہایت بے تکلف تھے۔

حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو نو برس کی عمر میں بیاہ کر آ گئی تھیں ان کی دل جوئی کے لئے فرمایا: کہ آؤ مسابقت کریں (یعنی دوڑیں) دیکھیں آگے کون نکل جاتا ہے۔ آپ کا سن شریف بھی زیادہ تھا اور جسم مبارک بھی بہ نسبت ان کے بھاری تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک تو کمسن لڑکی دوسرے چھریرا بدن، وہ آپ سے آگے نکل گئیں۔ ایک مرتبہ پھر کئی سال بعد آپ نے فرمایا کہ آؤ مسابقت کریں، اس مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں کیونکہ عورتوں کا بدن مردوں کے مقابلہ میں بہت جلد لٹک جاتا ہے اور اس سے جسم میں سستی پیدا ہو جاتی ہے (آج کل لوگ دونوں میں مساوات چاہتے ہیں، انہیں چاہیے پہلے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اس تفاوت کو موقوف کریں) غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں بچپن کی سی چستی نہ رہی تھی اور آپ اس وقت بھی ویسے ہی تھے جیسے پہلے مسابقت میں تھے۔ اس لیے اس مرتبہ آپ آگے نکل گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرمندگی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا تلک بتلک یہ آگے نکلنا اس وقت کے تمہارے آگے نکلنے کے بدلے میں ہے۔ یعنی ہم تم دونوں برابر ہو گئے۔ آج کل کے وقار میں اور کبر میں کچھ بھی فرق نہیں رہا۔ چنانچہ آج کل مدعیان وقار کبھی ایسا نہ کریں گے حالانکہ یہ وقار کے منافی نہیں البتہ کبر کے مناقض ضرور ہے کہ شان کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ (اصلاح الیتمیٰ ج ۴)

فضائل خیرات

حدیث شریف میں اس کی نظیر ایک واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف فرما تھے تو آپ کی خدمت میں چند آدمی قبیلہ مضر کے حاضر ہوئے۔ بیچارے کمبلوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس بے سروسامانی پر ترس آیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ "فتمعر وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک رنج سے متغیر ہو گیا)۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ ہماری ذرا سی تکلیف بھی گوارہ نہ تھی۔ جب دنیا کی تکلیف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوتا تھا تو بھلا آخرت کی تکالیف سے کیونکر اثر نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ خدا نے ان کو ایسا پیغمبر دیا کہ ہماری خراب وخستہ حالت دیکھ کر ان کو بے چینی ہو جاتی ہے۔

نماند بعصیاں کسے در گرد — کہ دارد چنیں سید پیشرو

(وہ شخص گناہوں کے باعث رہن رہے گا جو ایسا پیشتر دسردار رکھتا ہو) (حقوق السراء والضراء ج ۴)

مقام واخلاق محمدی

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپؐ سے سوائے خدا کے کون اشرف واعلیٰ ہو گا، کسی نے خوب کہا ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر　　من وجھک المنیر لقد نور القمر

(اے صاحب جمال اور اے تمام لوگوں کے سردار یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رخ روشن سے چاند منور ہو گیا)

لایمکن الثناء کما کان حقہ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(آپ کے لائق تعریف کرنا ممکن نہیں، قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں)

اس مصرعہ پر (بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر) بہت عمدہ عمدہ تضمینیں ہیں۔

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر　　آبا از و مکرم و ابناء عزیز تر

(اس صدف کو شاباش کہ ایسا گہر پالا، آباؤ اجداد اس سے مکرم اور بیٹے عزیز تر ہیں)

صلو اعلیہ ما طلع الشمس والقمر　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(یعنی جب تک سورج اور چاند طلوع ہوں یعنی قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجو۔ قصہ مختصر خدا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بزرگ ہیں)۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بزرگ ہیں)

اور کسی نے خوب کہا ہے

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(جو کمالات تمام انبیاء علیہم السلام میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں)

باوجود اتنے کمالات اور خوبیوں کے آپ کی حالت یہ تھی کہ اگر چھوٹے سے چھوٹے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی مشورہ دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرما لیتے تھے۔ مثلاً حدیبیہ کا واقعہ ہے کہ باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے لوگ احرام نہیں کھولتے

تھے۔ حضور اُم سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا کروں، لوگ احرام نہیں کھولتے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) سب سے پہلے آپؐ احرام کھول کر قربانی کر دیجئے پھر سب احرام کھول دیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے قربانی کر دی۔ پھر کیا تھا تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ٹوٹ پڑے اور احرام کھول کر قربانی کرنے لگے۔

اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ! جاؤ اور جو تمہیں ملے بشارت دو کہ جو لا الہ الا اللہ پڑھتا ہوگا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ تو بڑی بات ہے۔ میرے کہنے کا کون یقین کرے گا، آپؐ نے فرمایا کہ میری نعلین مبارک لے جاؤ اور یہ دکھا کر کہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ بہت خوشی خوشی آ رہے تھے کہ سب سے پہلے راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور پوچھا کہ اے ابو ہریرہؓ یہ نعلین کیسی ہیں۔ عرض کیا کہ یہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں، مجھ کو دے کر بھیجا ہے کہ جو شخص تمہیں ملے اور یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے اسے بشارت دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے دھکا دیا اور فرمایا کہ لوٹ جاؤ کیسی بشارت۔ یہ روتے روتے گئے اور سارا بیان کیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عمرؓ! تم نے ایسا کیوں کیا، عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں کیا آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین دے کر بھیجا تھا کہ جو لا الہ الا اللہ کہے اسے جنت کی بشارت دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے نماز روزہ نہ چھوڑ بیٹھیں۔ اس لیے بہتر ہے چندروز اوران لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بہتر ہے اور چندروز اسی حالت میں رہنے دو۔

یہ تو بھلا خیر دوستوں سے برتاؤ تھا، آپؐ کا تو دشمنوں سے بھی یہی برتاؤ تھا اور آپؐ کی تو بڑی شان ہے آپؐ کے غلاموں کا یہی برتاؤ تھا۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا　　دل دشمناں ہم نکردند تنگ

(ہم نے اہل اللہ کے قصے سنے ہیں کہ انہوں نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ ہونا گوارا نہیں کیا)

ترا کے میسر شود ایں مقام　　کہ با دوستانت خلافست و جنگ

(تم کو یہ مرتبہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ دوستوں کے ساتھ تمہارا اختلاف ولڑائی سے دشمن تو رہے درکنار) (الوقت ج ۴)

حیاۃ النبی کی تفصیل

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اول معلوم ہو چکا ہے قسم معمولی شے کی نہیں کھائی جاتی۔ مقسم بہ کوئی عجیب اور ذی شرف شے ہونا چاہئے۔ اب دیکھنا چاہئے مقسم بہ یہاں کیا ہے تو مقسم بہ یہاں حضور کی حیات ہے اس لئے کہ عمر بفتح وضم نام ہے حیات اور بقاء کا اور حیات کہتے ہیں ذی حیات کی اس حالت کو جو تولد سے لے کر وفات تک ہے اور اگر نظر کو اور وسیع کیا جاوے تو حضور کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں۔ دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، حضور کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔ سو یہ تحقیقات ہیں اہل اسرار کی۔ اس سے اصلی راز ان احکام یعنی **لاتنکحوا ازواجہ من بعدہ** اور **لانورث ماترکناہ صدقۃ** کا معلوم ہو گیا پھر حیات برزخی کے بعد حیات اخروی ہے۔ وہ تو سب کو شامل ہے تو انبیاء کو بطریق اولیٰ حاصل ہو گی پس حیات کا مصداق حضور کی ولادت شریف سے لے کر جنت کے دخول وخلود تک ہے یہ کلام تو منتہی کی جانب میں ہے اور اگر ابتداء کی جانب نظر کو وسعت دی جاوے تو آپ کی نوریت کی جو حالت عالم ارواح سے بھی پہلے تھی اس کو بھی حیات کہہ سکتے ہیں جس کی نسبت ارشاد ہے **کنت نبینا و آدم بین الروح والجسد** میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے۔ اور عالم ارواح میں جب الست کا عہد لیا گیا اور پوچھا گیا الست بربکم، تو سب نے حضور کی طرف دیکھا کہ دیکھیں آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے اول حضور نے جواب دیا بلی انت ربنا۔ اس کے بعد اوروں نے بلی کہا اوروں کی علم ومعرفت کے مربی بھی حضور ہوئے

اور تربیت فی العلوم حیات پر موقوف ہے پس جب سے نور مخلوق ہوا ہے اس وقت سے حیات لی جاسکتی ہے پس اس تقریر پر حضور کی حیات کی چار حالتیں ہوں گی۔

ایک تو نور شریف کے پیدا ہونے سے ولادت شریف تک۔

دوسرے ولادت شریفہ سے وفات تک۔

تیسرے وفات شریفہ سے حشر ونشر تک۔

چوتھے اس سے خلود جنت تک۔(الظہور ج ۵)

جمال محمدی

چوں جمال احمدی در ہر دو کون　　　　کے بدست اے فریز دانش عون

(یعنی جمال احمدیؐ کے برابر دونوں جہاں میں کہاں ہے یعنی آپ اس اجمال میں یکتا ہیں۔آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ وجہ اس یکتائی کی یہ ہے کہ شان یزدانی آپ کی معین ہے یعنی آپؐ شان یزدانی کے مظہر اکمل ہیں۔) قال

ناز ہائے ہر دو کون اورا رسد　　　　غیرت آں خورشید صد تو را رسد

(یعنی دونوں عالم کے اسباب ناز (بتقدیر مضاف) آپ کو پہنچتے ہیں۔یعنی آپ کے اندر ہر جہت سے ناز کے اسباب موجود ہیں۔)

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حسن یوسف (علیہ السلام) دم عیسیٰ (علیہ السلام) اور ید بیضا رکھتے ہیں جو تمام اوصاف حضرات انبیاء علیہم السلام رکھتے ہیں وہ سب اوصاف تنہا آپ میں ہیں۔)

اتباع رسول

ابو طالب حضورؐ کے چچا تھے مگر چونکہ اتباع سے ان کو عار آیا اس سے استعداد ان کی فاسد ہوگئی اس لئے محروم رہے۔قال

خود یکے ابو طالب آں عم رسول　　　　می نمودش شنعت عریاں مہول

”یعنی وہ جو ابو طالب حضور کے چچا تھے ان کو اسلام لانے پر عرب کا تشنیع ہولناک نظر آتا تھا قال۔

کہ چہ گویندم عرب کز طفل خود　　او بگر دانید دین معتمد

منصب اجداد و آباء ایماند　　در پیئے احمد چنیں بے راہ براند

کہ بیانیہ شنعت کا بیان ہے یعنی اگر اسلام لے آؤں گا تو عرب کے لوگ مجھ کو کیا کہیں گے کہ اپنے لڑکے کے سبب سے اس نے اپنے پرانے دین کو بدل دیا اور احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایسا بے راہ چلا کہ باپ دادا کے منصب کو چھوڑ دیا۔ طریق مذہبی کو منصب سے اس لئے تعبیر کیا کہ بنی ہاشم میں ریاست وامارت تھی اور وہ ظاہر ہے کہ اسی حالت میں قائم رہ سکتی تھی کہ یہ اپنی قوم کے مذہبی طریقہ پر قائم رہیں جیسے اس زمانہ میں بہت سے اہل بدعت پیرزادگان کو حق واضح ہوگیا ہے لیکن اپنے بدعت کے طریقوں کو صرف اس لئے نہیں چھوڑتے کہ منصب پیرزادگی اور خانقاہ کے اوقاف اسی شرط سے مشروط ہیں کہ وہ بدعت کے طریق کو نہ چھوڑیں۔ پس یہ عار اور ننگ ایسی شے ہے کہ حق سے دور کر دیتی ہے۔ قال

آں رسول پاک باز مجتبے　　از پئے آں تا رہاند مرورا

گفتش اے عم یک شہادت تو بگو　　تا کنم باحق شفاعت بہر تو

یعنی محض ابوطالب کی خلاصی کے واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا! ایک مرتبہ تم کلمہ شہادت میرے سامنے کہہ لو تا کہ حق تعالیٰ کے سامنے تمہارے لئے شفاعت کروں۔ جو جواب انہوں نے دیا وہ آگے مذکور ہے قال

گفت لیکن فاش گرد داز سماع　　کل سر جاوزا لاثنین شاع

ابوطالب نے جواب دیا کہ کہتا تو ضرور لیکن جب آپ سنیں گے تو ظاہر ہو جاوے گا اور پھر مخفی رہنا مشکل ہے اس لئے جو راز دو سے گزرا وہ پھیل جاتا ہے دو سے مراد یا تو دو شخص ہیں اگر دو شخص مراد ہوں تب تو یہ حکم ظاہر ہے کیونکہ جب دو شخصوں سے آگے بات چلے گی یعنی تیسرے کو بھی خبر ہو جاوے تو وہ پھر عام میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اور یا مراد دو سے دولب ہیں اس صورت میں یہ حکم ذرا مخفی ہے کیونکہ اس صورت میں تیسرے کا سننا تو فرض نہیں کیا گیا تو مطلب یہ ہوگا کہ عادت یہی ہے کہ جب دو شخصوں میں بات ہوتی ہے اس کی خبر تیسرے کو بھی ہو جاتی ہے قال

من بمانم در زبان ایں عرب　　پیش ایشاں خوار گردم زیں سبب

’’یعنی میں عرب کی زبان میں رسوا ہوں گا اور ان کے نزدیک اس سبب سے ذلیل ہو جاؤں گا قال

لیک اگر بودیش لطف ما سبق　　کے بدے ایں بددلی با جذب حق

''یعنی اگر ابو طالب پر لطف ازلی ہوتا تو جذب حق کے ہوتے ہوئے راہ حق سے یہ بد دلی کیسے ہوتی'' غرض اس حکایت سے معلوم ہوا کہ فساد استعداد اتباع سے عار اور ننگ کا سبب ہو جاتا ہے۔ (الظہور ج ۵)

فاتح استعداد

معنی نختم علی افواہہم — ایں شناس این است راہرو را ہم
تاز راہ خاتم پیغمبراں — بوکہ برخیزد زلب ختم گراں

فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ (ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے) آیا ہے اس کے معنی فساد استعداد کے ہیں اس کو پہچانو کہ یہ راہرو یعنی سالک کے لئے ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم اس کے منہ پر تکلم سے مہر لگا دیں گے فساد استعداد تو اس کے معنی نہیں ہیں پس تحقیق اس کی یہ ہے کہ ایک تو تفسیر ہے اور ایک تعبیر۔ تفسیر تو یہ ہے کہ مدلول قرآنی کو بیان کیا جاوے اور تعبیر یہ ہے کہ مدلول حقیقی سے بوجہ تشابہ کے بطور تمثیل کے دوسرے مقام کی طرف ذہن کو عبور کرنا اور منتقل ہونا۔ اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ قرآن شریف میں یہ مراد ہے بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر دوسری حالت کو جو اس کے مشابہ ہے قیاس کرو۔ پس نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ کی تفسیر تو یہی ہے کہ ہم تکلم سے ان کے منہ پر مہر کر دیں گے مگر مولانا فرماتے ہیں کہ اس مہر سے ذہن منتقل کرو۔ دوسری مہر کی طرف جو کہ اس مہر کا سبب اصلی ہوئی ہے۔ وہ کیا ہے؟ فساد استعداد کی مہر۔ پس اس کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کو پہچانو کہ مہر کا سبب فساد استعداد ہے تا کہ لب سے یہ مضبوط مہر خاتم پیغمبران کی راہ کا اتباع کرنے سے ٹوٹے۔ اور اس لب کھلنے اور مہر کے ٹوٹنے سے مراد یہ نہیں کہ بولنے کے لئے کھل جاویں بلکہ مطلب یہ ہے کہ باطنی لب و دہان کھلنے سے غذائے روحانی فیوض کی پہنچنے لگے۔ آگے آپ کی مہر اٹھانے کی شان بیان فرماتے ہیں۔ قال

ختمہائے کانبیا بگذاشتند — آں بدین احمدی برداشتند

''یعنی وہ مہریں نقصان استعداد کی جو انبیاء چھوڑ گئے تھے آپ کا دین ایسا کامل ہے کہ اس کی برکت نے وہ سب نقصان اٹھا دیئے'' اور یہاں مہر سے یہی نقصان مراد ہے نہ کہ فساد کیونکہ فساد استعداد تو ہر نبی کے اتباع سے مرتفع ہوتا رہا ہے البتہ جس درجہ کا

کمال استعداد آپ کی برکت سے نصیب ہوا وہ آپ کے ساتھ خاص اس خاص کمال کے مقابل استعداد سابقہ کو ناقص کہا جا سکتا ہے۔ قال

قفلہائے ناکشاندہ ماندہ بود از کف انا فتحنا برکشود

''یعنی استعداد کے بہت سے قفل بے کھلے رہ گئے تھے۔ انا فتحنا یعنی صاحب انا فتحنا کے ہاتھ مبارک سے کھلے اور آپ کو بالخصوص صاحب انا فتحنا کہنے میں ایک نکتہ ہے۔ ورنہ یوں تو آپ کو صاحب ق ص صاحب الم بھی کہہ سکتے ہیں اور وہ نقطہ یہ ہے کہ یہاں قفلوں کے کھولنے کا چونکہ بیان ہے اس لئے صاحب انا فتحنا کہنا مناسب ہوا اور نیز آپ کا لقب بھی فاتح ہے۔ یہ تو لفظی وجہ ہوئی اور معنوی نکتہ یہ ہے کہ انا فتحنا کو عام لیا جاوے فتح مکہ ہی کے ساتھ خاص نہ کیا جاوے خواہ فتح مکہ ہو یا فتح باطنی ہو اور آگے جو مضمون ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمائے اور آپ پر احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے۔

وہ واقع میں بھی فتح باطنی ہے۔

یہاں پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوا کرتا ہے اس کا حل کر دینا بھی جملہ معترضہ کے طور پر ضرور ہے۔ وہ یہ ہے کہ انا فتحنا پر لیغفر لک اللہ الخ کیسے مرتب ہوا۔ کہاں فتح مکہ اور کہاں مغفرت وغیرہ۔ فتح کو مغفرت وغیرہ میں کیا دخل؟ مفسرین نے مختلف اور بعید از بعید توجیہیں اس مقام کی لکھی ہیں مگر الحمد اللہ! میری سمجھ میں جو آیا ہے وہ بے تکلف اور دلپذیر بات ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام عرب کے لوگ اس کے منتظر تھے کہ فتح مکہ ہو تو ہم مسلمان ہوں چنانچہ فتح مکہ پر جوق در جوق اسلام لانے لگے اور لوگوں کے اسلام لانے سے حضورؐ کے مراتب قرب بڑھتے ہیں نفس تبلیغ سے تو اور طرح کا ثواب ہوتا ہے اور اس تبلیغ سے اسلام لانے کا ثواب اور نوع کا ہے۔ ورنہ تبلیغ تو تمام انبیاء نے کی ہے۔ نفس تبلیغ میں سب انبیاء برابر ہیں۔ حضورؐ جو فخر فرمادیں گے وہ کثرت امت پر ہوگا فتح مکہ سبب ہے اسلام لانے کا اور اسلام لانا لوگوں کا سبب ہے۔ آپ کی زیادت قرب کا اور زیادت قرب سبب ہے لیغفر لک اللہ (الی) ینصرک اللہ کا۔ اور سبب کا

سبب یا سبب السبب کا سبب اس مسبب کا بھی سبب ہوتا ہے پس فتح مکہ کو مغفرت وغیرہ میں اس طرح دخل ہوا اور ترتیب بے تکلف درست ہوگیا۔ (الظہور ج ۵)

فیوض وعلوم

قال مولانا الرومی رحمۃ اللہ علیہ

باز گشتہ ازدم او ہر دو باب   ہر دو عالم دعوت او مستجاب

''آپ کے دم یعنی کلام سے دونوں دروازے کھل گئے یعنی دنیا میں تو علوم کے دروازے جن کا بیان قفلہائے ناکشادہ الخ میں آچکا ہے اور آخرت میں لقائے حق اور دخول جنت کا دروازہ جس کا بیان مقدمہ میں آچکا ہے۔ پس دونوں جہاں میں آپ کی دعا مستجاب ہے۔ آگے آپؐ کے اس فیض کا اکمل ہونا بیان فرماتے ہیں۔ قال

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود   مثل اونے بودو نے خواہند بود

آپؐ اس سبب سے خاتم ہوئے ہیں کہ فیوض وعلوم کے جودوعطا میں آپ کا مثل نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ کمالات کے تمام مراتب آپؐ پرختم ہوگئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خاتم زمانی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ خاتم مطلق ہیں زمانا بھی اور کمالا بھی اور خاتمیت کے یہ معنی جو اس شعر میں مع شعر مابعد کے مذکور ہیں' وہ ہیں جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس میں بیان فرمائے ہیں جس پر مبتدعین نے مولانا پر بے حد شور مچایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو یہ اشعار ملے نہیں ورنہ سہولت کے ساتھ فرمادیتے کہ خاتمیت کے یہ معنی بیان کرنے میں میں تنہا نہیں ہوں۔ مولانا روم نے بھی اس کو لیا ہے قال

چونکہ در صنعت بروداستا دوست   نے تو گوئی ختم صنعت برتوست

تمثیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھو جب کسی صنعت میں استاد سبقت لے جاتا ہے تو تم اس کو کہتے نہیں۔ یعنی یہ کہتے ہو کہ یہ صنعت تجھ پر ختم ہے اسی طرح حضور خاتم کمالات ہیں یعنی آپ کا مثل کمالات میں کوئی نہیں۔ پس یہ معنی ہیں خاتمیت کے یعنی ختم زمانہ کے ساتھ آپ اس طرح بھی خاتم ہیں۔ قال

در کشاء و ختمہا تو خاتمی   در جہان روح بخشاں خاتمی

اول تو قوت فیضان کے اندر آپ کا خاتم ہونا بیان فرمایا تھا۔ اس شعر میں نقصان استعداد

کی مہروں کے فاتح ہونے کے اعتبار سے آپ کا خاتم ہونا ظاہر فرماتے ہیں کہ آپ مہروں کو کھولنے میں خاتم ہیں اور روح بخش حضرات یعنی انبیاء کے عالم میں آپ بمنزلہ خاتم کے ہیں اور اس تقریر میں عجیب لطیفہ ہے یعنی آپ فاتح ہونے میں بھی خاتم ہیں وجہ لطافت کی یہ ہے کہ فاتح اور خاتم کے معنی میں ظاہراً تقابل ہے اور یہاں بجائے تقابل کے ایک دوسرے کا مکمل ہے۔ قال

ہست اشارات محمد المراد کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد

یعنی آپ کی تصریحات تو علوم کا خزانہ ہیں ہی حضورؐ کے تو اشارات سے علوم کے دریا کھلتے ہیں المراد کے معنی ہیں الحاصل۔ یعنی حاصل یہ ہے کہ حضورؐ کے اشارات سے اتنا بڑا دریا علوم کا کھلتا ہے کہ فتوح در فتوح ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ احادیث کے چھوٹے چھوٹے اشاروں سے بڑے بڑے علوم کھلتے ہیں اور وہ مثال ہو جاتی ہے کہ

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

یہ ہے غایت حضورؐ کے تولد شریف کی اور نبوت شریف کی اے مدعیان محبت تم لوگوں نے اس غایت پر بھی نظر کی ہے یا خالی زبانی محبت ہی ہے۔ یاد رکھو! زبانی محبت بلا اس غایت کی تحصیل کے کارآمد نہیں ہے۔ آپ لوگ تو صرف ایک چیز یعنی ذکر ولادت کا اہتمام کرتے ہو اور ہم اس ذکر کے ساتھ اس فکر کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ غایت اس کی کیا ہے۔ (الظہور ج ۵)

متاخرین کے لئے رحمت ہونا تو بعید نہیں لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لئے بھی حضور کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا۔ پس حضور اولاً و آخراً تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں۔ پس حضور کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہوا تو ایسا کون مسلمان ہو گا کہ جو حضور کے وجود باجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے۔ (السرور ج ۵)

ختم نبوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ یا سیرت میں اول کمالات نبوت کا ذکر ہو گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا کمال یہی ہے کہ آپ نبی ہیں اور خاتم النبیین و سید المرسلین ہیں۔ جن میں اول احکام بیان کئے جائیں گے تاکہ معلوم ہو کہ آپ ایسی معتدل اور کامل اور سہل

شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں جس کے بعد واقعی کسی اور شریعت کی ضرورت نہیں۔ پھر معجزات کا ذکر ہوگا کیونکہ عقلاء تو احکام و شریعت کی خوبی سے کمال کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر متوسط العقول کی فہم وہاں تک دیر میں پہنچتی ہے اور کم عقل کی تو پہنچتی ہی نہیں اور نبی عامہ مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتا ہے تو چاہیئے کہ اس میں وہ کمالات بھی ہوں جن کو ہر شخص سمجھ سکے وہ معجزات ہیں اس کے بعد پھر حسن و جمال ظاہری کا تذکرہ ہوگا اور یوں کہا جائے گا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن یوسف علیہ السلام دم عیسیٰ علیہ السلام اور ید بیضا رکھتے ہیں تمام اوصاف جو انبیاء رکھتے ہیں وہ تنہا آپ میں موجود ہیں۔) (نور النور ج ۵)

سیرت میں کیا بیان کرنا چاہیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حالات و کمالات زیادہ بیان کرنے چاہئیں جو بعد از نبوت ظاہر ہوئے ہیں کیونکہ انہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا اور سردار عالم ہونا ظاہر ہو سکتا ہے۔ نیز ان کے ذکر سے حضور کا اتباع بھی ہو سکتا ہے باقی جو حالات قبل از نبوت ہیں ان میں اتباع نہیں ہو سکتا۔

مثلاً آپ کی ولادت کے وقت ایوان کسریٰ میں زلزلہ آ گیا تھا یا ستارے زمین کی طرف جھک آئے تھے اس میں کوئی اتباع کیوں کر کر سکتا ہے یہ کس کے اختیار میں ہے کہ اپنی پیدائش کے وقت بادشاہوں کے ایوان کو ہلا دیا کرے۔ (المورد الفرخی فی المولد البرزخی ج ۵)

ایمان اور نبوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔ آپ کے اندر اور کمالات کا مادہ بھی سب موجود تھا۔ آپ ابتداء ہی سے معرفت و انوار کے جامع تھے مگر آپ کو اس کی خبر نہ تھی۔ بعد نبوت کے حق تعالیٰ نے ان کمالات سے واقف کر دیا' تب معلوم ہوا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دولت دے رکھی ہے اور اب خبر ہوئی کہ جو کیفیت میرے اندر ابتداء سے موجود ہے اس کا نام ایمان و معرفت وغیرہ وغیرہ ہے۔ (المورد الفرخی فی المولد البرزخی ج ۵)

صدمہ وفات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تلوار نکال کر سب کو دھمکایا خبردار کوئی شخص زبان

سے یہ لفظ نہ نکالے کہ حضور کی وفات ہوگئی بلکہ آپ پر غشی طاری ہوگئی اور درگاہ قرب میں روحانی طور پر تشریف لے گئے ہیں۔ ابھی واپس آ کر منافقوں کو قتل کریں گے۔ حضور کی وفات ابھی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اسلام کی تکمیل نہ ہو جائے۔

یہ کوئی پالیسی نہیں تھی جیسا کہ بعض اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ واقعی اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ہی یہ تھا کہ یہ حالت جو حضور پر طاری ہے موت نہیں ہے بلکہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے۔ اگر ان کو یہ شبہ ہوتا کہ یہ حالت موت ہے ان کو اپنے ہوش بھی نہ رہتے۔ چہ جائیکہ پالیسی اور تدبیر سوچتے۔ چنانچہ جس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے ان کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے اس وقت ان سے کھڑا بھی نہ ہوا گیا۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ اور سکتہ کی حالت میں رہ گئے بھلا عاشق کو محبوب کی مفارقت کے وقت کہیں پالیسی کی سوجھتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقۃً ان کا خیال یہ تھا کہ حضور دین کی تکمیل فرما کر دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔

اس پر شاید اہل علم کو یہ شبہ ہو کہ دین کی تکمیل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو چکی تھی۔ چنانچہ حج وداع میں آیت۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔)

نازل ہو چکی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ کو کس تکمیل کا انتظار تھا۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں جس تکمیل کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ احکام کے اصول وقواعد ہر بات میں مکمل ہو چکے' ایسے ایسے قاعدے بتلا دیئے گئے کہ اب قیامت تک کے واقعات کا حکم انہیں سے معلوم ہوسکتا ہے اور حقیقی تکمیل اسلام یہی ہے بھی مگر حضرت عمر کا خیال یہ تھا کہ فروعی تکمیل بھی حضور ہی کے ہاتھوں سے ہوگی جس کے بعد کسی کے اجتہاد کی ضرورت نہ رہے گی۔ جیسا مسئلہ ربوا میں تبیین کامل منصوص کی تمنا ان سے منقول ہے۔ یا اشاعت اسلام کی تکمیل بھی آپ ہی کے ہاتھوں ہوگی۔ جس کی صورت یہ ہے کہ تمام عالم کی فتوحات آپ کے سامنے ہوں۔ جیسا ان کا قول وارد ہے کہ جب تک منافقین کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں

گے آپ کی وفات نہ ہوگی۔ گو اصولاً یہ تکمیل بھی ہو چکی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نقشہ بھی صحابہ کو بتلا دیا تھا کہ اول شام کی طرف پیش قدمی کرنا' پھر فارس کی طرف۔ چنانچہ مرض وفات ہی میں جیش اسامہ کو تیار فرما کر شام کی طرف جانے کا حکم فرمایا تھا اور کنوز کسریٰ وخزائن فارس کے فتح ہونے کی پیشین گوئی صحابہ سے کئی بار فرمائی۔ تو اصولاً فتوحات کی بھی تکمیل آپ فرما چکے تھے۔ صرف اتنی دیر تھی جیسے انجینئر اعظم نہر کھدا کر لیول درست کر دے اور تمام مقامات سے اس کو ہموار کر کے چلا جائے کہ اب صرف اتنا کام باقی ہے کہ اس میں پانی چھوڑ دیا جائے۔ سو یہ کچھ کمی نہیں محض ظاہری کمی ہے۔ حقیقت میں تو نہر کا کام ختم ہو گیا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتوحات کا کام بھی حقیقت میں ختم فرما چکے تھے۔ نقشہ سب تیار ہو چکا تھا صرف فوجوں کا اس پر چلانا باقی تھا۔ سو یہ کچھ کمی نہیں تھی' مگر حضرت عمر کا خیال یہ تھا کہ یہ ظاہری کمی بھی حضور ہی کے سامنے پوری ہوگی (یہ خبر نہ تھی کہ یہ کام میرے ہی ہاتھوں سے خدا تعالیٰ کو لینا منظور ہے اور مجھے فاتح اعظم اسلام کا لقب دینا ہے)

غرض جب تک حضرت عمر کا یہ خیال رہا کہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے اس وقت سنبھلے رہے۔ نہ رونا آیا نہ رنج وفکر ہوا بلکہ دلیری کے ساتھ منافقوں کو دھمکاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کی اطلاع ہوئی۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں تھے۔ کیونکہ صبح کی نماز کے وقت وہ حضور کو اچھا دیکھ گئے تھے کہ نماز کے وقت آپ بستر سے اٹھ کر دروازہ مکان تک بھی تشریف لائے جس سے صحابہ کو گمان ہوا کہ شاید آپ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں اور اس خوشی میں قریب تھا کہ نماز درہم برہم ہو جائے کہ حضور پردہ چھوڑ کر بستر پر تشریف لے آئے۔ اس حالت کو دیکھ کر گمان نہ ہوتا تھا کہ آپ کا آج ہی وصال ہو جائے گا۔ اس لئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بے فکر ہو کر کسی ضرورت سے مکان پر چلے گئے کہ پیچھے آپ پر حالت نزع طاری ہو گئی اور وصال ہو گیا)

یہ خبر سن کر حضرت صدیق جلدی سے تشریف لائے تو مسجد میں صحابہ کو حیران وپریشان اور حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ خبردار! حضور کی نسبت وفات کا لفظ کسی کی زبان سے نہ نکلنے پائے ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ حضرت صدیق نے کسی کی بات پر التفات نہ کیا اور سیدھے حجرہ عائشہ صدیقہ میں تشریف لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اطہر سے چادر

مبارک کھول کر حضور کو دیکھا تو دیکھتے ہی یقین آ گیا کہ حضور کا وصال ہو گیا۔ اس وقت سب سے زیادہ حضرت صدیق مضبوط رہے کہ وفات کا یقین ہو جانے کے بعد اتنا تو منہ سے نکلا۔

والخليلاه و احبيباه طبت حيا و ميتا والله لا يجمعن الله عليه موتين ابدااما الموته التي كتب عليك مقدمتها

واہ خلیل واہ حبیب آپ کی حیات وممات دونوں احسن ہیں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی بھی دو موتیں آپ پر جمع نہیں کرے گا ایک موت جو آنی تھی وہ آ چکی۔

اس کے بعد نہایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے۔ اس وقت صحابہ کی عجیب حالت تھی کہ سب حضرت صدیق کے منہ کو تکتے تھے کہ دیکھئے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے۔ حضرت صدیق نے اول تو حضرت عمر کو پکار کر فرمایا علی رسلک یا رجل۔ اے شخص ٹھہر جا خاموش ہو جا۔ مگر حضرت عمر جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ خاموش نہ ہوئے۔ تو حضرت صدیق سیدھے ممبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا۔ اس وقت سب صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تو آپ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اما بعد۔ **فمن كان يعبد محمدا فان محمدا قدمات و من كان يعبدالله فان الله حيي لايموت** (الصحيح للبخاري ۱:۲۶، ۵:۴، مسند الإمام أحمد ۳:۱۸، كنز العمال: ۳۲۵۹۰، فتح الباري لابن حجر: ۱:۵۵۸، ۱۲:۷).

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ

یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود سمجھتا ہو وہ سن لے کہ حضور کا تو وصال ہو چکا اور جو خدا کی عبادت کرتا ہو (اور یہی سمجھ کر اسلام لایا ہو) تو حق تعالیٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے۔ اس میں بتلا دیا کہ تکمیل اسلام کے لئے حق تعالیٰ کا حی لا یموت ہونا کافی ہے۔ حضور کے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ سن کر حضرت عمر بالکل ٹھنڈے ہو گئے اور اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ کھڑے رہ سکیں۔ ایک آہ بھر کر تلوار کے سہارے سے بیٹھ گئے۔

سو بتلایئے! حضرت عمر کو یہ صدمہ پہلے کیوں نہ ہوا۔ حالانکہ معراج روحانی میں بھی

مفارقت موجود تھی اور وہ بھی بالکل مشابہ موت کے تھی۔ اب کیوں صدمہ ہوا تو بات یہ ہے کہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ مفارقت دائمہ نہیں۔ تھوڑی دیر کی ہے ابھی حضور تشریف لے آئیں گے۔ اور اب یقین ہوگیا کہ حضور اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ جو کہ بمنزلہ مفارقت دائمہ کے ہے۔ اس لئے رنج ہوا پس ثابت ہوگیا کہ اصل سبب رنج کا موت نہیں بلکہ مفارقت دائمہ ہے۔ (السرور الفرنجی فی المولد البرزخی ج ۵)

برکات نبوت

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوگئے اور حضور ہم سے جدا ہوگئے اور وہ برکات نبوت منقطع ہوگئیں۔ فبکیٰ لذالک الشیخان. یہ سن کر حضرات شیخینؓ بھی رونے لگے۔

یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہوگا کہ یہ حضرات کیوں رونے لگے۔ یا تو ان کو بھی رونے سے منع کرتے تھے یا خود بھی رونے لگے۔

صاحبو! یہ رونا بھی ان کے محقق ہونے کی دلیل ہے۔ حضرات صحابہ عارف تھے اور عارف بھی کامل۔ اور عارف کامل کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر چیز کا حق ادا کرتا ہے عقل کا بھی طبع کا بھی۔ تو حضرات شیخین نے اول تو عقل کا حق ادا کیا کہ عقلاً عاشق کو محبوب کے لئے وہی بات پسند کرنا چاہئے جس کو محبوب خود پسند کرتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت ہی محبوب ہے چنانچہ (حدیث متفق علیہ میں ہے کہ) وصال سے پہلے ایک بار حضور نے فرمایا۔

ان الله خير عبدا بين الدنيا و بين ماعنده فاختار ما عندالله فبكىٰ ابوبكر وقال نفديك بابائنا و امهاتنا يا رسول الله. (۱- المعجم الكبير للطبرانی ۳: ۱۴۰ ' إتحاف السادة المتقين ۱۰ : ۲۹۴ ' ۲۹۶.)

یعنی حق تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے دنیا میں رہیں یا خدا تعالیٰ کے پاس جائیں تو اس بندہ نے خدا تعالیٰ کے پاس جانا پسند کیا۔ حضرات صحابہ اس کا مطلب نہ سمجھے۔ یہ خیال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور شخص کا قصہ بیان فرما رہے ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق سمجھ گئے کہ حضور اپنا ہی واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں صحابہ اس قصہ میں فرماتے ہیں فکان ابوبکر اعلمنا ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے کہ وہ مطلب سمجھ گئے۔

اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضور کو آخرت پسند تھی۔ اس کے علاوہ وہ اور بھی احادیث ہیں جن میں یہ امر مصرح ہے۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث میں ہے جب وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بدوں آپ کی اجازت کے کچھ نہ کروں۔

فنظر الی جبرئیل فقال یا محمد ان اللہ قداشتاق الی لقائک فقال امض ما امرت بہ. (۲-الصحیح للبخاری۲:۱۸، ۱۹، ۸:۹۴، ۱۳۳، الصیح لمسلم ۱۸۹۴، مسند الإمام أحمد ۶:۸۹، المغني عن حمل الأسفار للعراقي ۴:۱۵۸، إتحاف السادۃ المتقین ۹:۲۱۰، ۱۰:۲۸۸)

یعنی اس وقت حضور نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف نظر کی (کہ بتلاؤ میں کونسی حالت اختیار کروں) انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! حق تعالیٰ آپ کے ملنے کے مشتاق ہیں۔ اس کے معنی میں بیہقی نے کہا ہے۔

قد ارادلقائک بان یردک من دنیاک الی معادک زیادتہ فی قربک

تو آپ نے فرمایا، بسم اللہ! اے عزرائیل! اپنا کام شروع کرو (کہ مجھے بھی اپنے پروردگار کے لقاء کا اشتیاق ہے) نیز عین وصال کے وقت آپ یہ فرما رہے تھے۔

اللھم الرفیق الاعلیٰ. اور یہ بھی فرما رہے تھے۔

مع الذین انعمت علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین

یعنی اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کو تلاش کرتا ہوں جہاں ان لوگوں کا ساتھ ہوگا۔ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے سمجھ لیا کہ حضور کو اس وقت اختیار دیا گیا تھا اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو پسند فرمایا۔ فاذا لا یختار نابس اب ہمارے پاس رہنا آپ کو منظور نہیں۔ (المورد الفرحی فی المولد البرزخی ج ۵)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حدیث میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کے مرض وفات میں مزاج پرسی کے لئے تشریف لائیں۔

فسارھا فبکت فلما رای حزنھا سارھا الثانیۃ فضحکت

یعنی حضور نے خفیہ طور سے کوئی بات ان سے کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ کوئی بات چپکے سے فرمائی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھ کو تعجب ہوا کہ ایک ہی جلسہ میں روتی بھی ہیں ہنستی بھی ہیں۔ ان کو کیا ہو گیا اور فرماتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں تو فاطمہ کو ایک بڑی عاقلہ جانتی تھی یہ تو معمولی عورت نکلیں۔ پھر دوسرے وقت اس کا سبب پوچھا کہ تم ایک ہی جلسہ میں روتی اور ہنستی کیوں تھیں۔ تو انہوں نے فرمایا یہ حضور کا ایک راز ہے جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ حضرت عائشہ نے حضورؐ کے وصال کے بعد پھر دریافت فرمایا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ ہاں اب بتلانے میں کوئی عذر نہیں۔ بات یہ ہے کہ حضور نے اول تو مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں مجھ سے ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے۔ اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ اس کو میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ سن کر تو میں رونے لگی۔ اس پر دوسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہ میرے متعلقین میں سب سے پہلے تم میرے پاس آ ؤ گی یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔ (المورد الفرحی فی المولد البرزخی ج ۵)

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ تو تمام جماعت مومنین کو حاصل ہے جس کے ذریعے سے نعیم قبر کی ہر مسلمان کو حس ہوگی۔

دوسری حیات شہداء کی ہے یہ عام مومنین کی حیات برزخیہ سے اقوی ہوگی۔ عام مومنین کی حیات برزخیہ بہ نسبت شہید کے کمزور ہوتی ہے اگر چہ اس حیات ناسوتیہ سے وہ بدرجہا اعلیٰ ہو۔ پس یہ کوئی نہ سمجھے کہ عام مومنین کی حیات برزخیہ اس حیات دنیوی سے بھی کمزور ہوگی اور حیات شہید کے اقوی ہونے کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ زمین اس کی لاش کو نہیں کھاتی۔ اور یہ نہ کھانا ایک اثر ہے حیات کا پس شہید میں اس اثر کا ظاہر ہونا اور عام مومنین کا ہونا یہ دلیل ہے شہید کی حیات کے اقوی ہونے کی بہ نسبت عام کی حیات کے۔

بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہوا ہے مگر یہ کوئی انکار کی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ جس طرح اس کے خلاف مشاہدہ ہوا ہے اس کے موافق بھی مشاہدہ ہوا ہے جب دونوں طرح مشاہدہ موجود ہے تو سرے سے اس کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے بہت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلی نہیں اکثری ہے اور نصوص کا محمل بھی اسی کو کہا جاوے گا۔ باقی مطلقاً انکار تو صحیح نہیں ہو سکتا۔

یہ تو جواب سلیمی ہے اس تقدیر پر جب کہ ہم مان لیں کہ جہاں تم نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید ہی تھا مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ معرکہ میں قتل ہو جائے بلکہ حقیقی شہادت کے لئے کچھ باطنی شرائط بھی ہیں مثلاً نیت کا خالص ہونا لوجہ اللہ جس کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کو آپ نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید حقیقی نہ تھا صرف شہید احکام تھا اور یہ حیات کا قوی درجہ صرف شہید حقیقی کے ساتھ خاص ہوگا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حقیقی شہید تھا تو ممکن ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے کہ اس کی لاش گل گئی۔ مثلاً اس جگہ کی مٹی تیز ہو۔ ہم نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ شہید کی حیات ایسی ہوتی ہے کہ اگر جلاؤ بھی تو اس کی لاش نہ جلے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اگر شہید کو موافق عادت کے دفن کر دیا جائے جیسا کہ عموماً مردے دفن ہوتے ہیں کہ اس کی قبر میں کوئی خاص عارض دوسروں سے زیادہ مثل شوریت زمین وغیرہ کی نہ ہو تو اس کی لاش مثل دوسرے مردوں کے نہیں گلے گی۔ بعینہ محفوظ رہے گی۔

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لئے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی۔ حدیث میں ہے۔

حرم الله اجساد الانبياء على الارض (١۔تهذيب تاريخ دمشق لابن عساكر ٣:١٥٧)

(اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو کھانا حرام کر دیا ہے)۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

نحن معاشر الانبياء لانورث ماتر كنا صدقة (٢۔فتح البارى لابن حجر ١٢:٨، تفسير زادالمسير لابن الجوزى ٥:٢٠٩)

(ہم حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے ہمارا سارا ترکہ صدقہ ہے۔)

انبیاء علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے یہ باتیں شہید کے لئے شریعت نے مشروع نہیں کیں۔ تو اگرچہ شریعت نے اس کا خاص کوئی راز نہیں بیان کیا۔ مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں

اس کاراز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے اور گو از واج نبی سے بعد وفات نبی کے نکاح حرام ہونا تمام انبیاء کے بارہ میں منقول نہیں ہوا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ خصوصیت قرآن میں ذکر کی گئی ہے مگر علماء حکم میراث پر قیاس کر کے اس حکم کو بھی عام جملہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لئے سمجھتے ہیں اور میراث کا تقسیم نہ ہونا حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام کے لئے عام طور پر معلوم ہو چکا ہے تو ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے قوی ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال خاص بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور کے بارہ میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں۔ ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے۔

چنانچہ اس واقعہ سے ان کا اقرار معلوم ہو جائے گا۔ تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ لکھا ہے اور میں نے خود اس تاریخ میں دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند صدی بعد (یاد نہیں رہا کس بادشاہ کے وقت میں) دو شخص مدینہ میں حضور کے جسد اطہر کو نکالنے کے لئے آئے تھے مسجد نبوی کے پاس ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا اور دن بھر نماز و تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ لوگ ان کے معتقد بھی ہو گئے تھے۔ زاہد مشہور ہو گئے تھے۔ وہ کم بخت رات کے وقت اس مکان سے قبر شریف کی طرف سرنگ کھودتے تھے اور جس قدر سرنگ کھود لیتے تھے راتوں رات مٹی مدینہ سے باہر پھینک آتے تھے اور جگہ برابر کر دیتے تھے تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ کئی ہفتہ تک وہ لوگ سرنگ کھودنے میں مشغول رہے۔

جب ادھر ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا حق تعالیٰ نے اس زمانہ کے سلطان کو (نام یاد نہیں رہا) بذریعہ خواب کے متنبہ کر دیا۔ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ مبارک پر حزن و غم کے آثار ہیں اور آپ اس بادشاہ کا نام لے کر فرمارہے ہیں کہ مجھے ان دو شخصوں نے بہت ایذا دے رکھی ہے جلد مجھے ان سے نجات دو۔ خواب میں دونوں شخصوں کی صورت بھی بادشاہ کو دکھلا دی گئی۔ خواب سے بیدار ہو کر بادشاہ نے وزیر سے اس کا تذکرہ کیا۔ وزیر نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ آپ جلد مدینہ تشریف لے جاویں۔ بادشاہ نے فوراً فوج لے کر بہت تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف سفر شروع کیا اور بہت جلد مدینہ پہنچ گیا۔

اس عرصہ میں وہ لوگ بہت سرنگ کھود چکے تھے اور بالکل جسد اطہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک دن کی بادشاہ کو اور تاخیر ہو جاتی تو وہ لوگ اپنا کام پورا کر لیتے بادشاہ نے مدینہ پہنچ کر تمام لوگوں کی مدینہ سے باہر دعوت کی اور سب کو مدینہ سے ایک خاص دروازے سے باہر نکالنے کا حکم کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہو کر ہر شخص کو خوب غور سے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ مدینہ کے سب مرد شہر سے باہر نکل آئے مگر ان دو شخصوں کی صورت نظر نہ پڑی جن کو خواب میں دیکھا تھا اس لئے بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی اور لوگوں سے کہا کہ کیا سب لوگ باہر آ گئے لوگوں نے کہا اب کوئی اندر نہیں رہا۔ بادشاہ نے کہا' یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ضرور کوئی اندر رہا ہے لوگوں نے کہا کہ دو زاہد اندر رہ گئے ہیں وہ کسی کی دعوت میں جایا نہیں کرتے اور نہ کسی سے ملتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا مجھے ان ہی سے کام ہے۔

چنانچہ جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو وہ بعینہ وہ دو صورتیں نظر پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں۔ ان کو فوراً قید کر لیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے حضور کو کیا ایذا دی ہے چنانچہ بڑی دیر کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہم نے جسد اطہر کو نکالنے کے لئے سرنگ کھودی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے وہ سرنگ دیکھی تو معلوم ہوا کہ قدم مبارک تک پہنچ چکی ہے بادشاہ نے قدم مبارک کو بوسے دے کر سرنگ بند کرا دی اور زمین کو پانی کی تہ تک کھدوا کر قبر مبارک کے چاروں طرف سیسہ پلا دیا تاکہ آئندہ کوئی سرنگ نہ لگا سکے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح و سالم ہونے کا ایسا پختہ اعتقاد ہے کہ کئی سو برس کے بعد بھی اس کے نکالنے کی کوشش کی۔ اگر ان کو جسد اطہر کے محفوظ نہ ہونے کا یقین ہوتا تو وہ سرنگ کیوں لگاتے۔ محض وہم و شبہ پر اتنا بڑا خطرہ کا کام کوئی نہیں کرتا وہ لوگ اہل کتاب ہیں وہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ نبی کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی۔ (راس الاربعین ج ۵)

واقعہ بعد وصال

سب سے بڑا واقعہ وفات کا تھا۔ ایسے عشاق کو تو حس بھی نہیں رہنی چاہئے تھی مگر وہی ہیں کہ ثابت قدم رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ کس قدر پریشان ہو گئے۔ اسی میں ان کو اجتہادی غلطی ہو گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض صحابہ وفات ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا سمجھتے تھے کہ یہ ایسا ہی ہو گا جیسے معراج میں (کہ حضور جا کر واپس آ گئے تھے۔

اسی طرح یہاں بھی ہوگا کہ گو وفات ہوگئی مگر پھر زندہ ہو جاویں گے) اس وقت ایک عارضی غیبت ہے اس کے مرتفع ہونے پر آپ زندہ ہو جاویں گے۔ یہ خیال تھا۔ بعض صحابہ کا یہی حال تھا حضرت عمر کا۔ یوں کہتے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ اسی حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں تشریف لے گئے اور چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا طبت حیا و میتا۔ یعنی آپ حیات اور موت دونوں حالت میں پاک ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اس سے منزہ ہیں کہ حق تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع کریں۔ نہیں کبھی نہیں ایسا ہوگا اور باہر آ کر فرمایا حضرت عمر سے' اے بھلے مانس بیٹھ! پھر جا کر خطبہ پڑھا۔

من كان منكم يعبد محمدا فان محمدا قدمات و من كان يعبد الله فان الله حي لايموت

اور یہ آیت پڑھی۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اور یہ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

اور صحابہ کا جو یہ خیال ہوگیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت میں محبوب کی موت کا خیال بھی لانا ناگوار نہیں ہوتا اس لئے صحابہ کبھی سوچتے بھی نہ تھے کہ موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگی۔

مجھ کو اس امر پر تعجب ضرور ہوتا تھا مگر ایک واقعہ دیکھ کر یقین ہوگیا قریب کا واقعہ ہے۔ ایک بی بی کی شادی ہوئی ایک عالم سے وہ عالم مر گئے۔ شدید صدمہ ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ تحقیق ہوئی کہ اس بی بی کا گمان یہ تھا کہ عالم مرا نہیں کرتے اور یوں کہا کرتی تھی کہ میں بڑی خوش قسمت ہوں جوان سے شادی ہوئی کہ کبھی مریں گے نہیں۔ ان کا طاعون میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ بی بی کہتی تھیں کہ میں نے سنا ہی نہ تھا کہ مولوی مرتے ہیں۔ (الربیع فی الربیع ج ۵)

عشق و محبت

ایک عاشق صحابی فرماتے ہیں۔

رايته صلى الله عليه وسلم ليلة في حلته حمراء والقمر طالع فكنت ارى الى القمر مرته والى وجهه صلى الله عليه وسلم مرته فوالله كان وجهه احسن منه او كمال قال

یعنی ایک رات میں حضور کو سرخ (دھاری دار) جوڑے میں دیکھا۔ اس وقت چاند نکلا

ہوا تھا تو میں کبھی آپ کے چہرہ پر نظر کرتا کبھی چاند کو دیکھتا۔ بخدا آپ کا چہرہ مبارک چاند سے زیادہ خوبصورت تھا اسی کو کسی شاعر نے عجیب لطیف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

کند مقابلہ چوں کس کتاب را تنہا گہے بروئے تو گاہے بسوئے مہ نگرم

(یعنی کتاب کے مقابلہ کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے میں تنہا کیونکر مقابلہ کر سکتا ہوں) (الرفع والوضع ج ۵)

جامعیت

جامعیت لجمیع کمالات انبیاء علیہم السلام ہے' وہ ہے جو مولانا رومی (قدس اللہ سرہ) نے خاتم النبیین سے مستنبط کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت جس طرح زمانی ہے اسی طرح آپ کو خاتمیت رتبی بھی حاصل ہے کہ کمالات انبیاء کے تمام مراتب آپ پر ختم ہو گئے ہیں۔ یعنی آپ میں تمام کمالات سب سے اعلیٰ درجہ کے مجتمع ہیں۔ مولانا نے اس مضمون کو بہت اشعار میں بیان فرمایا۔ وعظ الظہور میں وہ سب اشعار مفصل مذکور ہیں۔ اور اس سے مولانا کا یہ مقصود نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپ خاتم زمانی نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم رتبی بھی ہیں۔ یعنی تمام مراتب کمالات آپ پر ختم ہو گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس تفسیر پر آپ کی خاتمیت اور زیادہ اکمل ہو گی خاتمیت زمانی و خاتمیت رتبی دونوں آپ کے لئے ثابت ہوں گی۔

یہی وہ مضمون ہے جو مولانا محمد قاسم صاحب نے ظاہر فرمایا تھا تو لوگوں نے اس پر بہت شور مچایا مگر مولانا رومی کو کوئی کچھ نہیں کہتا کیونکہ لوگ ان کو درویش سمجھتے ہیں۔ اور درویش بھی مجذوب۔ اس لئے ان سے ڈرتے ہیں۔ لوگ درویشوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ یہ زبان سے کہہ دیں گے وہی ہو جائے گا بلکہ ان کی مخالفت سے وبال آ جانے کا خوف کرتے ہیں اس لئے ان پر زبان درازی نہیں کرتے۔ خصوصاً مجذوبوں پر کیونکہ سالک تو پھر کچھ سوچ سمجھ کر کہتا ہے اور مجذوب تو بے باک ہوتا ہے جو جی میں آتا ہے بے دھڑک کہہ ڈالتا ہے خواہ بددعا سے کوئی ہلاک ہی ہو جاوے۔ (الرفع والوضع ج ۵)

کمالات و فیوض

تمام کمالات کا فیض حضرات انبیاء علیہم السلام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے پہنچا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں ایک حدیث ہے

یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ (الحدیث)

اے جابرؓ! حق تعالیٰ نے سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ آگے طویل حدیث ہے۔ اب یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہوگئی ہے اول ما خلق اللہ نوری۔ مضمون تو صحیح ہے مگر حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔ سو اول تو اس حدیث جابر میں تنصیص ہے کہ بقیہ سب مخلوقات کی تکوین میں جن میں حضرات انبیاء اور ان کے کمالات بھی آگئے آپ کو دخل ہے اور یہی حاصل ہے استفادہ کا آپ سے۔

دوسرے یہاں بھی جس طرح مولانا رومی نے خاتمیت کی دو قسمیں کی ہیں اولیت انبیاء کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اولیت زمانیہ کہ حضور زماناً سب سے مقدم ہیں۔ ایک اولیت ذاتیہ کہ آپ ذاتاً سب سے مقدم ہیں کہ تمام مخلوقات اپنے وجود اور کمالات میں حضور کی محتاج ہیں جن میں انبیاء بھی داخل ہیں مگر اولیت ذاتیہ کے وہ معنی مراد نہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے جس میں مقدم کی ذات مستلزم ہے متاخر کے وجود کو بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ میں اولیت زمانیہ کے ساتھ اولیت علیت بھی ہے کہ آپ دوسری مخلوق کے لئے علت ثبوت کمالات ہیں مگر نہ علت بمعنی موثر بالاضطرار بلکہ علت بمعنی توسط کے ہیں۔ جیسے فلاسفہ باری تعالیٰ کو عقل اول کے اعتبار سے مقدم بالذات کہتے ہیں کہ عقل کو مخلوق بالاختیار نہیں کہتے بلکہ مجعول بالاضطرار کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ سے بالاضطرار موجود ہوگئی۔ پھر وہ اپنے ماتحت کے لئے اسی طرح علت موثرہ ہے بلکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق بالاختیار ہیں۔ جس سے آپ کا حدوث لازم ہے اور پھر آپ دیگر مخلوق کے وجود کمالات میں بھی اس طرح موثر نہیں ہیں محض باختیار حق واسطہ ہیں۔

غرض اس حدیث سے آپ کے دو کمال ظاہر ہوئے۔ ایک اولیت زمانیہ دوسرے اولیت بالعلیۃ۔ آپ کا زمانہ سب سے اول ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ میں استفادہ فیض وجود و کمالات وجود کی قابلیت تمام مخلوق سے زیادہ ہے اور اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ وہ قابلیت آپ کے اندر از خود بلا جعل حق تھی بلکہ وہ قابلیت بھی آپ کے اندر مشیت الٰہی و عطاء خداوندی سے آئی ہے۔ قابلیت بھی آپ کے لئے بالاضطرار ثابت نہیں بلکہ بالقصد والاختیار ثابت ہوئی ہے۔ یہاں سے اس شعر کا اگر اس میں تاویل ہو جائے غلط ہونا واضح ہوگیا۔

نقصاں ز قابل است وگرنہ علی الدوام　　　فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است

اس کا مدلول یہ ہے کہ مخلوق میں جو بعض کامل اور بعض ناقص ہیں اس اختلاف کا منشا قابل کی استعداد کا ناقص و کامل ہونا ہے ورنہ حق تعالیٰ کا فیض سعادت سب کے لئے یکساں ہے۔ گویا فیض الٰہی کی مثال نور آفتاب جیسی ہے کہ وہ تو اپنی طرف سے نور افشانی سب پر یکساں کرتا ہے کسی پر کم زائد نہیں کرتا مگر قابل کے اختلاف سے آثار تنویر مختلف ہو جاتے ہیں (کہ سیاہ توے میں تنور کی قابلیت کم ہے اس لئے وہ زیادہ روشن نہ ہو سکا اور آئینہ میں قابلیت زیادہ ہے وہ زیادہ منور ہو گیا) یہ ہے مدلول اس شعر کا۔

سو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر شخص میں جو قابلیت مختلف ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے بالاضطرار ثابت ہے۔ بالاختیار ثابت نہیں اور اسی وجہ سے باوجودیکہ سب کو فیض برابر پہنچاتے ہیں مگر کہیں زیادہ پہنچتا ہے کہیں کم۔ اور یہ لازم بالکل باطل ہے کیونکہ وہ قابلیت فی نفسہ امر ممکن ہے تو بعض ممکنات کا قدیم و مستغنی عن الجاعل ہونا لازم آئے گا جو بالکل غلط ہے۔ ممکن کوئی ایسا نہیں جو جاعل سے مستغنی ہو یا حق تعالیٰ سے بطریق ایجاب و اضطرار کے صادر ہوا ہو۔ یہ مذہب فلاسفہ کا ہے جو مادہ کو اور اس کی استعداد کو قدیم اور صادر بالاضطرار کہتے ہیں اہل اسلام کا یہ مذہب نہیں ہے اور فلاسفہ کے قول کا غلط ہونا متکلمین نے خوب ثابت کر دیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ نقصان کا منشاء استعداد کا نقص ہے بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی نے کسی کی استعداد کامل اور کسی کی ناقص بنائی ہے اور وہی خود سب کو یکساں فیض پہنچانا نہیں چاہتے اگر وہ سب کو یکساں فیض پہنچانا چاہیں تو استعداد ناقص کی کیا مجال ہے جو اس کو قبول نہ کرے اس لئے صحیح مضمون اس شعر کا ہے۔

داد ار را قابلیت شرط نیست　　　بلکہ شرط قابلیت داد اوست

یعنی حق تعالیٰ کی عطا قابلیت پر موقوف نہیں بلکہ قابلیت خود عطا پر موقوف ہے اگر حق تعالیٰ کسی کو کمالات عطا کرنا چاہیں تو اس میں قابلیت بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ (الرفع والوضع ج ۵)

جامع الکمالات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمالات انبیاء میں واسطہ فی الثبوت ہیں اس لئے جتنے کمالات انبیاء میں موجود ہیں وہ سب آپ میں مجتمع ہیں اور آپ ہی سے انبیاء کو حاصل ہوئے ہیں۔ اس

کی مزید تائید نشر الطیب کی چھٹی روایت منقولہ من المواہب سے ہوتی ہے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم میثاق میں یہ اقرار لیا کہ الست بربکم سب سے پہلے آپ ہی نے فرمایا۔ بلیٰ۔ گویا اور حضرات اس جواب کی آپ سے تلقی کی۔ (الرفع والوضع ج ۵)

واقعہ معراج کا حاصل

واقعہ معراج سے جو سبق ہم کو حاصل ہوا وہ دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ معراج کی حقیقت قرب الٰہی ہے اور وہ سب انبیاء کو حاصل ہے تو یہ نہ کہنا چاہئے کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے اور کسی کو نہیں ہوئی۔ نہیں بلکہ معراج سب کو ہوئی ہے۔ ہاں اجمالاً اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ حضور کی معراج اوروں کی معراج سے افضل واکمل ہے۔ وہ بھی اس طرح سے کہا جاوے جس میں دوسرے انبیاء کی معراج کی تنقیص نہ ہو بلکہ صرف حضور کی افضلیت واکملیت کا بیان ہو اور معراج ہی کی کچھ تخصیص نہیں مطلقاً تمام احوال ومقامات انبیاء میں تفصیلی فضیلت جب تک منصوص نہ ہو بیان نہ کرنا چاہئے جیسا عام لوگوں کی عادت ہے

دوسرا سبق اس واقعہ معراج سے سالکین کو یہ حاصل ہوا کہ وہ جو اپنے حالات کا فیصلہ خود کر لیا کرتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے مثلاً پہلے ذکر میں جی لگتا تھا خطرات نہ آتے تھے انوار کی کثرت تھی اس کو وہ افضل حالت سمجھتے ہیں پھر خطرات آنے لگے انوار میں کمی ہوگئی تو اب سمجھتے ہیں کہ ہم مردود ہو گئے خبر بھی ہے کہ وہ عروج کی حالت تھی اور یہ نزول کی حالت ہے اور معراج کی حقیقت آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ معراج کبھی عروج سے ہوتی ہے کبھی نزول سے ہوتی ہے اور دونوں حالتیں مقبول ہیں پھر تم نزول کو ادون کیوں سمجھتے ہو پس سالک کی تو یہ حالت ہونا چاہئے۔

تو بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن　　　　که خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تو گداگروں کی طرح مزدوری کی شرط پر بندگی مت کر اس لئے کہ آقا خود بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے۔)

چاہے قبض ہو یا بسط ہر حال میں خدا سے راضی رہے اور اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے۔ اگر قبض کسی معصیت کی وجہ سے نہ ہو تو پھر اس کو نزول پر محمول کرنا چاہئے جو کہ صوفیہ کے نزدیک عروج سے افضل ہے مگر اپنے لئے تجویز اس کو بھی نہ کرے بلکہ جب بسط عطا ہو تو اسی میں خوش رہے حق تعالیٰ نے قبض وبسط ونزول وعروج تمہاری مصلحت کے لئے عطا فرمایا ہے۔ وہی مصلحت کو خوب جانتے ہیں ایک عارف فرماتے ہیں۔

بگوشِ گل چہ سخن گفت کہ خنداں است | بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

(گل سے کیا کہہ دیا کہ خنداں ہے بلبل سے کیا فرمایا دیا کہ نالاں ہے۔)

گل سے صاحب بسط مراد ہے اور عندلیب سے صاحب قبض۔ مطلب یہ ہے کہ سب اسی کے باغ کی پروردہ ہیں گل بھی اور عندلیب بھی کسی کا خندہ ان کو پسند ہے اس کو بسط عطا فرمادیا یا کسی کا نالہ وگریہ پسند ہے اس کو قبض عطا فرمادیا تم کو تجویز کا کوئی حق نہیں ہر حال میں راضی رہنا چاہئے اصل مقصود معیت ہے اور وہ سب ان احوال میں حاصل ہے صرف لون مختلف ہے۔ اسی کو مولانا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

گر بعلم آئیم ماایوان اوست | در بجہل آئیم مازندان اوست

گر بخواب آئیم مستان وئیم | ور بہ بیداری بدستان وئیم

(اگر علم تک ہماری رسائی ہو جائے تو یہ ان ہی کا ایوان ہے کہ درج علم تک ان سے تصرف عطا ہوا اور اگر ہم جہل میں مبتلا رہیں تو ان ہی کا زندان ہے یعنی حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ مجلس جہل سے نہیں نکلے اگر سورہیں تو ان ہی کے بے ہوش کئے ہوئے ہیں اور اگر جاگ اٹھیں تو انہی کی گفتگو میں ہیں یعنی یہ قوت بیانیہ بھی انہی کی عطا کی ہوئی ہے۔) (الرفع والوضع ج ۵)

جمالِ محمدی

زلیخا نے زنان مصر سے ان کی ملامت کے جواب میں کہا تھا کہ لو دیکھ لو میرا محبوب یہ ہے جسے دیکھ کر تم نے مبہوت ہو کر بجائے نارنگی کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ عورتیں اگر حضورؐ کو دیکھ لیتیں تو اپنے دل وجگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن میں فرق یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کے حسن کا رعب اول وہلہ میں زیادہ ہوتا تھا کہ تحمل نہ ہوسکتا تھا پھر رفتہ رفتہ تحمل ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت زلیخا کو تحمل ہو گیا تھا اور حضورؐ کے حسن کا اول وہلہ میں تحمل ہو جاتا تھا مگر جوں جوں غور کیا جاتا دل قابو سے نکلا جاتا اور تحمل دشوار ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پر مرد بھی عاشق تھے اور بچے بھی عاشق تھے اور حضرات صحابہؓ نے کیسی کیسی جانبازی اور جانثاری سے آپؐ کے عشق میں جان دی ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

بشریت انبیاء

استاد مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس ایک سوال آیا تھا کہ کیا حضورؐ بشر تھے؟ اس شخص کو حضورؐ کے بشر ہونے پر تعجب تھا اور اس تعجب کا منشاء یہی ہوا کہ آپؐ میں بشریت کے علاوہ بعض وہ کمالات بھی تھے جو دوسرے انسانوں میں نہیں جس سے ناواقف کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ آپؐ بشر نہیں ملک بصورت بشر ہیں۔ یا نعوذ باللہ الٰہ بصورت بشر ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ جرات تو نہ ہوئی مگر انہوں نے آپ کی ولادت شریفہ کے متعلق ایک مضمون اختراع کیا ہے جس سے گویا آپ کو بشریت سے جدا کرنا چاہا ہے بلکہ آپؐ سے تجاوز کر کے اہل بیت وائمہ اطہار کی نسبت بھی یہ اختراع کیا ہے کہ ان کی ولادت موقع معتاد سے نہیں ہوئی بلکہ حضورؐ اور ائمہ اطہار ان سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس اختراع کی طرف داعی یہ ہوا کہ ان لوگوں نے حضورؐ کی ولادت کو موضع نجاست سے مستبعد سمجھا مگر ان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں سوائے گستاخی کے پھر حضورؐ کے متعلق تو علماء کا یہ قول بھی ہے کہ آپؐ کے تمام فضلات پاک ہیں۔ اس لئے آپؐ کے متعلق محل نجاست سے پیدا ہونے میں اگر کسی کو استبعاد بھی ہو تو کسی درجہ میں ایک وجہ استبعاد اس کے پاس موجود بھی ہے کہ جب علماء آپؐ کے فضلات تک کو پاک کہتے ہیں تو ایسے پاک صاف ذات کو محل نجاست سے نہ پیدا ہونا چاہئے بلکہ موضع طاہر سے پیدا ہونا چاہئے مگر ائمہ اطہار کی بابت تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کے فضلات بھی پاک ہیں۔ ان کے متعلق یہ اختراع کیوں کیا گیا۔

اب میں حضورؐ کے متعلق اس استبعاد کا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ رحم محل نجاست ہے۔ بلکہ رحم موضع بول و براز سے بالکل الگ ہے اور نجاست اصلیہ بول و براز میں ہے کہ یہ دونوں نجس العین ہیں۔ سو رحم کو ان سے کوئی تعلق نہیں پس موضع معتاد سے ولادت میں اشکال لازم نہیں آتا کہ اس میں محل نجاست سے خروج ہے کیونکہ وہ محل نجاست ہی نہیں بلکہ محل طاہر ہے۔ ولادت کے وقت جو رطوبت جسم جنین کے ساتھ لگی ہوتی ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ طاہر ہے۔

وقال فی الشامیة رطوبة الولد عندالولادة طاهرة و كذاالاسخلته اذا خرجت من امهاو كذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولاالماء اذا وقعت فيه

رطوبت بچے کی پیدائش کے وقت پاک ہے۔

اور اگر کسی کے نزدیک وہ رطوبت ناپاک بھی ہو تو اس کی ناپاکی عارضی ہے جو دھونے سے زائل ہو جاتی ہے دھونے کے بعد جسم پاک ہو جاتا ہے اور ایسی عارضی ناپاکی کا جسم کو لگ جانا کچھ محل استبعاد نہیں حضورؐ کے جسم ولباس پر بعض دفعہ بچوں کا پیشاب کر دینا اور آپ کا اس کو دھلوانا ثابت ہے۔ بس اس سے زیادہ یہ رطوبت نہیں ہو سکتی وہ بھی عارضی طور پر جسم کو لگ گئی جو دھلنے سے پاک ہو گئی اور یہ بھی علی سبیل التنزل ہے اگر اس رطوبت کا ناپاک ہونا تسلیم کیا جائے ورنہ امام صاحب کے نزدیک تو رطوبت ولد جو ولادت کے وقت جسم سے لگی ہوتی ہے پاک ہے اس قول پر تو کچھ اشکال ہی نہیں۔

مجھے اتنی تقریر اس مسئلہ میں محض ان گستاخ لوگوں کے اس اختراع کی وجہ سے کرنا پڑی تاکہ ان کے استبعاد کا جواب ہو جائے ورنہ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا میرے پاس خود ایک سوال آیا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ حضورؐ معتاد پیدا ہوتے تھے میں نے بڑا تعجب کیا کہ یہ شخص اپنے کو حضورؐ کا محب کہتا ہے اور ایسی بحث لے کر بیٹھا ہے جس میں ولادت کے اترے پترے کھولتا ہے اس کو ایسی گفتگو کرتے ہوئے شرم نہیں آتی کیا اپنی ماں کے متعلق بھی وہ ایسی گفتگو کر سکتا ہے میرا دل نہ چاہتا تھا کہ اس کو جواب دوں مگر غلطی کی اصلاح ضروری تھی۔ اس لئے میں نے جواب دیا کہ احادیث میں وارد ہے ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ کذا کہ حضورؐ کی ولادت فلاں شب کو ہوئی اور ولادت کی حقیقت یہی ہے کہ بطریق معتاد پیدائش ہو اور الفاظ میں اصل معنی حقیقی ہی ہوتے ہیں۔

فلا یصرف عنہ الا بدلیل یعنی حقیقت سے بدوں دلیل کے عدول نہیں ہو سکتا۔

لہذا ہم کو دلیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو شخص حقیقت کو چھوڑ کر ولادت کے دوسرے معنی بیان کرتا ہے اس کو دلیل قائم کرنا چاہئے جواب تو میں نے لکھ دیا مگر میرا قلم کانپتا تھا۔ (الیسر مع العسر ج ۶)

کمال استقامت

او ذیت فی اللہ مالم یو ذاحد (فتح الباری لابن حجر ۷: ۱۲۶)

"یعنی مجھ کو اللہ کے راستے میں اس قدر ایذا پہنچی ہے جو کسی کو نہیں پہنچی"

بظاہر اس پر حیرت ہوتی ہے اور یوں شبہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کو نوح علیہ السلام کے برابر تو تکلیف نہیں پہنچی نوح علیہ السلام کا صرف زمانہ وعظ ساڑھے نو سو برس تھا۔ اتنی مدت تک وہ کفار کی تکلیفیں سہتے رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ۲۳ سال ہی تبلیغ فرمائی تو کیا ۲۳ سال میں حضورؐ کو اتنی تکلیف پہنچی جو نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو برس میں بھی نہیں پہنچی پھر نوح علیہ السلام کو کفار نے بہت تنگ کیا تھا سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار وعظ کے وقت ان کو لہولہان کر دیتے تھے اللہ اکبر! پھر ان کی شفقت و ہمت کا یہ حال تھا کہ لہولہان ہو کر بھی تبلیغ سے نہ رکتے تھے ساڑھے نو سو برس تک یہی حال رہا۔

اوذیت فی اللّٰہ مالم یوذاحد (فتح الباری لابن حجر ۷:۱۶۶)

یعنی مجھ کو اللہ کے راستہ میں اس قدر تکلیف پہنچی جو کسی کو نہیں پہنچی ہے۔

جب حضورؐ کے خدام ایسے ایسے لطیف المزاج گزرے ہیں تو پھر حضورؐ کی لطافت کا تو کیا پوچھنا۔ حدیثوں میں یہ تو تصریح ہے۔

ماانتقم رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم لنفسہ فی شیء قط (متفق علیہ)

(أخرجہ البخاری ومسلم، وابن عبدالبر فی التمہید ۶:۲۵۹)

حضورؐ نے اپنے نفس کا کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔

اور طائف کے واقعہ میں وارد ہے کہ جب وہاں آپؐ کو کفار نے تکلیف دی تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا ان **اللہ قد سمع قول قومک ومار دواعلیک** اور یہ بھی کہا کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے آپ اس کو جو حکم دیں گے عمل کرے گا خود اس فرشتہ نے عرض کیا کہ میں ان کو پہاڑوں کے درمیان دبا دوں آپؐ نے فرمایا۔

بل ارجوان یخرج اللّٰہ من اصلابہم من یعبداللّٰہ (تفسیر ابن کثیر ۳:۲۵۹، مشکوۃ المصابیح ۵۸۴۸)

بلکہ امید رکھتا ہوں میں کہ حق تعالیٰ ان کی اولادوں میں سے ایسی اولاد پیدا فرما دے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی وجہ سے بھی کسی کی تکلیف گوارا نہیں تھی اور بعض جگہ جو آپؐ سے بددعا منقول ہے وہ کسی عارض سے ہے۔ اصل و غالب مذاق

حضور اقدسؐ کا یہی تھا شاید کسی ذہن کو یہاں یہ شبہ ہو کہ اس میں غم کی بات تھی یہ تو حق العبد تھا آپ معاف فرما دیتے تو کچھ بھی مواخذہ نہ ہوتا۔

تو بات یہ ہے کہ اول تو آپؐ کی ایسی مخالفت درجہ کفر میں تھی آپؐ کافر کو کیسے معاف فرما دیتے دوسرے یہ کہ محبوبیت کے درجے ہوتے ہیں ایک درجہ محبوبیت کا یہ کہ محبوب کے ایذا دینے والے سے ہر حال میں مواخذہ ہوتا ہے محبوب معاف بھی کر دے جب بھی جرم معاف نہیں ہوتا علاوہ ازیں یہ کہ حق العبد میں حق اللہ بھی ہوتا ہے وہ عبد کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا اس نکتہ سے اکثر لوگ غافل ہیں عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا۔ یہ غلط ہے کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے۔ (الیسر مع العسر ج ۶)

حقیقت معراج

حقیقت کے اعتبار سے ہر پیغمبر کو معراج ہوئی ہے کیونکہ معراج کی حقیقت ہے قرب حق اور ظاہر ہے کہ قرب حق جملہ انبیاء کو حاصل تھا اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ قرب حق کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول ہوتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

قرب نیز پستی؟ ببالا رفتن است قرب حق از قید ہستی خود رستن است

اور قرب بصورت نزول کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے حدیث میں آتا ہے سب سے زیادہ قرب بندہ کو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے وہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے نیز قرآن میں ہے واسجدو اقترب یعنی سجدہ کرو اور مقرب بن جاؤ۔

جس سے سجدہ کا محل قرب ہونا معلوم ہوا حالانکہ ظاہر میں وہ پستی ذلت اور نزول کی حالت ہے اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کو اس واقعہ میں معراج بصورت نزول ہوئی تھی تو یہ واقعہ منافی کمال نہ تھا بلکہ عین کمال تھا کیونکہ معراج کا کمالات سے ہونا مسلم ہے۔

باقی ہمارے حضورؐ چونکہ صورت و حقیقت کے جامع ہیں اس لئے آپؐ کو معراج بصورت عروج ہوئی جس میں حقیقت اور صورت دونوں کو جمع کر لیا گیا پھر آپؐ کو معراج میں

جس طرح عروج تھا نزول بھی تھا اور نزول میں بھی صورت معنی دونوں مجتمع تھے۔ صورت تو یہ کہ آپؐ بلندی سے زمین کی طرف تشریف لائے اور حقیقت یہ کہ فنا کے بعد بقا حاصل ہوا اور یہ نزول ہے جس کو اہل سلوک جانتے ہیں۔ (الیسر مع العسر ج ۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس سال کی عمر تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، یہ بیوہ تھیں اور بہت مال دار چنانچہ اپنے تمول ہی کی وجہ سے ملکہ عرب مشہور تھیں اور یہاں سے مخالفین اسلام کو شرم کرنا چاہیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی۔ اس واقعہ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی۔ حضورؐ کو جوان کنواری لڑکی ملنا کیا دشوار تھا، اگر آپ چاہتے تو بوجہ عالی خاندان ہونے کے کہ بنی ہاشم مکہ کے سردار تھے، آپ کو کتنی ہی لڑکیاں مل سکتی تھیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کبھی اس امر پر توجہ ہی نہیں کی پھر علاوہ عالی خاندان ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت بھی بہت زیادہ تھی کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ کو تیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی۔

وفی روایة اربعین وقال مجاهد اعطی قوة اربعین من رجال الجنة

حدیث کو کوئی نہ مانے تو حضرت رکانہ کا واقعہ اس کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ وہ عرب کے مشہور پہلوان تھے جن کی طاقت وقوت ہزار مردوں کے برابر شمار کی جاتی تھی۔ ان کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کی تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات دکھلاؤ تو میں ایمان لاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتلاؤ کیا چاہتے ہو کہنے لگے کہ مجھ سے زیادہ طاقتور عرب میں کوئی نہیں۔ اگر آپ کشتی میں مجھے پچھاڑ دیں تو ایمان لے آؤں گا۔ حضورؐ نے فرمایا بہت اچھا: چنانچہ کشتی ہوئی اور حضورؐ نے رکانہ کو پچھاڑ دیا، وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے یہ اتفاقی بات ہے، دوبارہ پھر کشتی ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر رکانہ کو پچھاڑ دیا تو وہ اسلام لے آئے۔ (اصل العبادة ج ۷)

ختم نبوت

اصل کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ سو آپ کا اصل کمال یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بھی نبی ہیں اور سب کے آخر بھی، کسی نے اس اولیت و آخریت میں نکتہ خوب نکالا ہے:

پیش از ہمہ شاہاں غیور آمدۂ ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختم رسل قرب تو معلوم شد دیر آمدہ از راہ دور آمدۂ

(پہلے تمام بادشاہوں سے آپ غیور آپ ہر چند ظہور میں آئے، اے ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا قرب تو مجھ کو معلوم ہے، دیر میں آئے دور راستے سے آئے)

واقعی نکتہ ہے عجیب و غریب کہ آپ چونکہ بہت دور سے آرہے ہیں اس لیے آنے میں اتنی دیر لگی۔ دوسرے انبیاء مسافت قریبہ سے آئے ہیں اس لیے جلدی آ گئے۔ ان کو علمی دلیل نہ سمجھے۔ نشاط کے لیے لطیفہ کے طور پر بیان کر دیا ہے۔

اس پر حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق بعض نکات یاد آ گئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے "خیر القرون قرنی" (سنن الترمذی:۲۳۰۲) لفظ قرنی میں نکتہ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے زمانہ خلافت نبوت کی طرف کیونکہ خلفاء اربعہ کے نام کے آخری حروف میں یہ ترتیب آ گئے ہیں۔ یعنی صدیقؓ کا ق اور عمرؓ کی را اور عثمانؓ کا ن اور علیؓ کی ی اور ایک نکتہ اردو میں بھی کسی نے نظم کیا ہے۔

ابوبکر یکسو علی ایک جانب خلافت کو گھیرے ہیں باصد صفائی
الف اور ی کی طرح ان کو جانو کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ میں الف اور ی نے یہ ترتیب پائی
وہ اول خلیفہ کے اول میں آیا یہ آخری خلیفہ کے آخر میں آئی

بھلا کوئی شعر کہے ایسے تو کہے۔ غرض بادشاہی سے اغراض نبوت کی تکمیل مقصود تھی وہ خود مقصود نہ تھی اور وہ نبوت کی غرض اصلاح خلق ہے اور اصلاح خلق دو صورتوں سے ہو سکتی ہے۔ ایک حکومت سے دوسرے عقیدت سے یعنی ایک تو یہ کہ بادشاہ کی عقیدت ہے کہ لوگ اسے بزرگ اور نیک سمجھ کر بڑا مانتے ہیں اور ایک یہ کہ اگر نہ مانیں گے تو تلوار کے زور سے منوایا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حق تعالیٰ نے

اصلاح خلق کے لیے بھیجا تو دونوں قوتیں آپ میں جمع کردیں کہ جو اہل بصیرت ہیں وہ تو عقیدت سے مانیں گے اور آپ کے کمالات ذاتیہ کو پہچانیں گے اور جو اہل بصیرت نہیں ہیں وہ تلوار کے زور سے مانیں گے کیونکہ تلوار بھی بڑا واعظ ہے۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

تدبیر کی ضرورت

ایک معرکہ میں حضورؐ تشریف لے گئے اور دو زرہ آپ پہنے ہوئے تھے۔ اوروں کے پاس تو ایک ایک زرہ ہی تھی اور حضورؐ کے پاس دو زرہ تھی کوئی ناواقف ہو تو یہ کہے کہ حضورؐ (نعوذ باللہ) بڑے ڈرپوک تھے کہ سب کے پاس تو ایک ایک زرہ تھی یا بالکل نہ تھی اور آپ نے دو زرہ پہنی تھیں حالانکہ یہ اظہار ہے اپنے عجز کا ہاں غلبہ حال کا قصہ جدا ہے غلبہ حال میں تو بعض اوقات دعا بھی چھوٹ جاتی ہے لیکن باوجود غلبہ حال نہ ہونے کے تدبیر نہ کرنے کا گویا یہ مطلب ہے کہ اے اللہ ہم ایسے مضبوط ہیں کہ ہم کو تدبیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ صبر کے یہ معنی نہیں ہیں۔ (الصبر ج ۹)

فضیلت انبیاء

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی فرماتے ہیں: "**لا تفضلوا بین الانبیاء**" کہ انبیاء علیہم السلام میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اور فرماتے ہیں "**لاینبغی لعبد ان یقول انی خیر من یونس ابن متی**" اس میں انا سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہر متکلم مراد نہیں (کما قیل ۱۲) یعنی کسی کو میری نسبت یہ کہنا لائق نہیں کہ میں یونس علیہ السلام سے افضل ہوں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء پر قطعی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تفضیلی گفتگو سے منع فرمادیا (نیز اس سے بھی منع فرمادیا کہ کسی نبی کا نام لے کر یہ کہا جائے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں نبی سے افضل ہیں، بس اجمالاً ہی کہنا چاہیے کہ آپ سب سے افضل ہیں ۱۲) کیونکہ تفصیل سے دوسرے نبی کی تنقیص ہوجاتی ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہیں جو تفضیلی کلام کے مقابلہ میں تنقیص سے بچ سکیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غایت رحمت ہے کہ آپ نے ہم کو اس بات میں تفضیلی گفتگو سے بالکل منع فرمادیا اور اگر کسی کا اس باب میں تفضیلی گفتگو کر کے یہ خیال ہو کہ میرے کلام سے کسی نبی کی تنقیص لازم نہیں آتی تو میں اس کے سامنے ایک معیار بیان کرتا

ہوں اس پر اپنی تقریر کو پرکھ لیا جائے وہ یہ کہ تفاضل انبیاء پر تقریر کرنے کے قبل یہ سوچ لے کہ اس مجلس میں سارے انبیاء علیہم السلام مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہیں اور میں سب کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ظاہر کر رہا ہوں۔ اس وقت معلوم ہو جاوے گا کہ کس مضمون کے بیان کی جرأت ہوتی ہے اور کس کی نہیں ہوتی۔ اس معیار سے اپنی اکثر تقریروں کا حدود سے متجاوز ہونا معلوم ہو جاوے گا اور اس کی فکر ہوگی کہ کسی لفظ سے ایہاماً بھی کسی دوسرے نبی کی تنقیص لازم نہ آ جائے ورنہ وہ حضرات تو شاید خفا نہ ہوں مگر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جائیں گے کیونکہ حدیث میں ہے: "الانبیاء اخوۃ من علات وامہاتھم شتی ودینھم واحد" یعنی انبیاء میں باہم علاتی بھائیوں جیسا تعلق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ حضرات کیسے بھائی ہیں دنیاداروں کی طرح نہیں بلکہ ان میں باہم پورا اتحاد و اتفاق و محبت ہے تو ایسے بھائیوں میں سے ایک کو اپنے دوسرے بھائی کی تنقیص کب گوارہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ (التحصیل والتسہیل ج ۱۱)

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے بڑھ کر عاقل سید العقلاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار نعوذ باللہ مجنوں کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جابجا ان کے یہ اقوال موجود ہیں: "اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ" (یا یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جنون کے قائل ہیں (نعوذ باللہ) اور کہتے ہیں آپ مجنوں ہیں) اور خدا تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے: "مَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ" (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں) گو یہ احتمال بھی ہے کہ اور کچھ تو بن نہ پڑتا تھا محض جل کر یہ کہہ دیتے ہوں کوئی اور منشاء نہ ہو اس قول کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے چنانچہ شاعر اور ساحر بھی تو کہتے تھے تو وہ لوگ یہ تینوں لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق کرتے تھے۔ یعنی شاعر ساحر اور مجنوں اور شاعر اور ساحر کا منشاء ہمیں معلوم ہے چنانچہ میں ابھی عرض کروں گا۔ جب دو کا منشاء معلوم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ تیسرے لقب کا منشاء بھی ضرور ہوگا۔ شاعر اور ساحر کہنے کا منشا سنئے وہ ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے کہ معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است۔ شاعر اور ساحر اس لیے کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں ایسا اثر

تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان تبدیلی واقع ہو جاتی تھی۔ پس طرز بیان کی تاثیر کو تو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے۔ اسی لیے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ سنیں۔ چنانچہ ڈرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ان کا کلام مت سنو "لاتسمعوا القرآن" خبردار قرآن مت سننا' بس اس کا سننا ہی غضب ہے والغوافیہ اور اگر وہ پڑھنے ہی لگیں تو تم شور وغل مچانا' گیڑ پیڑ کرنا شروع کر دو' **لعلکم تغلبون** شاید اسی سے جیت جاؤ (اس طرح سے کہ وہ مجبور ہو کر خاموش ہو جائیں) یہ تہذیب تھی ماشاء اللہ۔ غرض وہ بہت ہی ڈرتے تھے کہ یہ تو شاعر اور ساحر ہیں' ان کا کلام سنا نہیں اور اثر ہوا نہیں' بس اسی واسطے شاعر اور ساحر کہتے تھے۔ غرض کلام کی قوت تاثیر اس کا منشاء تھا۔ اسی طرح مجنوں جو کہتے تھے تو اس کا بھی ایک منشاء تھا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے مقابلہ میں ساری دنیا کی مصلحتوں کو چھوڑ دیا' یعنی ان بیوقوفوں کے نزدیک نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عقل کے خلاف بات کی۔ چنانچہ سب نے مل کر ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک سفیر بھیجا جو حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں منافع ومصالح پیش کرے اس نے آ کر عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم لوگ سب آپ کو بخوشی اپنا سردار بنالیں کیونکہ آپ نہایت شریف النسب ہیں' آپ جس قبیلہ میں پیدا ہوئے ہیں وہ حسب نسب میں سب سے بڑھ کر ہے' آپ کو اپنا سردار بنا لینے میں ہم کو کوئی عار نہیں مگر ہمارے بتوں کو برا نہ کہیے' اگر آپ عورتیں چاہتے ہیں تو قریش کی ساری لڑکیاں حاضر ہیں' ایک سے ایک حسین موجود ہے' جتنی چاہیں پسند کر لیجیے' اپنی بہنیں اور لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینا ہمارے لیے فخر ہے بلکہ انہیں خود آپ کی لونڈیاں بننا باعث عزت ہے اور اگر مال کی خواہش ہے تو ہم ابھی ایک بڑا خزانہ آپ کے لیے فراہم کر دیں بس آپ قرار وسکون سے بیٹھے رہیے اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجیے۔ جب سفیر یہ سب باتیں کہہ چکا تو آپ نے بجائے جواب دینے کے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ حم سجدہ کا شروع کا حصہ تلاوت فرمایا:

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰيَاتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ.

(یہ کتاب رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان

کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لیے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے ڈرانے والا ہے مگر اکثر لوگ روگردانی کرتے ہیں اور سنتے نہیں) الی اخرالآیات اور اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل ساکت اور صامت تھا جیسے کہ نقش دیوار۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھتے پڑھتے یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ" (پھر یہ اعراض کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آئی تھی) تو گھبرا کر کہنے لگا بس کیجئے بس کیجئے اب سننے کی تاب نہیں، اس قدر اثر ہوا کہ سنا نہیں گیا اور اٹھ کر بھاگا اور بھاگ کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا جنہوں نے اسے بھیجا تھا یعنی ابوجہل وغیرہ، وہ سب منتظر بیٹھے تھے، ابوجہل بڑا ذہین تھا اس نے دور ہی سے دیکھ کر تاڑ لیا کہا کہ بھائی یہ گیا تو تھا اور چہرہ سے ایسا شریر تھا کہ دور ہی سے پہچان گیا کہ ارے یہ تو ڈھیلے ڈھیلے گھٹنوں سے آ رہا ہے اس کے چہرہ کا تو کچھ رنگ ہی بدلا ہوا ہے، گیا تھا اور چہرہ سے آ رہا ہے اور چہرہ سے، جب پاس پہنچا تو سب نے پوچھا ارے یار کہہ تو سہی کیا گزری، اس نے کہا کہ اجی کیا پوچھتے ہو جب میں سب باتیں پیش کر چکا تو انہوں نے ایک ایسا کلام پڑھا کہ واللہ اگر میں وہاں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا تو سخت اندیشہ تھا کہ کوئی بجلی میرے اوپر آ گرتی۔ کیا پوچھتے ہو کیا کیفیت تھی اثر کی۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کہ عاد اور ثمود پر گرائی گئی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بجلی گری۔ خدا جانے کیا کلام تھا اور کس غضب کا اس میں اثر تھا۔ واللہ اگر اور تھوڑی دیر بیٹھوں اور سنوں تو بجز اس کے مسلمان ہو جاؤں اور کوئی صورت نہ تھی، مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔ تو یہ حال تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر کا چونکہ وہ لوگ رات دن دیکھتے تھے کہ یہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں ایک جلسہ میں تمام قوموں کو (قوم جمع ہے قومہ کی بمناسبت مقابلہ لفظ جلسہ جامع ۱۲) اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شاعر اور ساحر کہتے تھے۔

جب اس قوم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری مل رہی ہے وہ نہیں لیتے، اونٹ مل رہے ہیں وہ نہیں لیتے، مال مل رہا ہے وہ نہیں لیتے، حسین حسین عورتیں مل رہی ہیں وہ نہیں لیتے تو وہ نامعقول سمجھے کہ بھلا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔ جب دنیا کی ساری نعمتیں

مل رہی ہیں تو پھر خواہ مخواہ انکار ہے۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ میاں جب چندہ اور روپے مل رہے ہیں تو لے لو کام آویں گے' احمقوں نے اپنے اوپر قیاس کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ایک مقام پر میری ایک انگریز سے جو کہ اجنٹ تھا اس کی خواہش پر ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے میں نے کہا ہاں صاحب لکھی ہے۔ تو آپ کیا کہتے ہیں آپ کو کتنا روپیہ ملا۔ میں نے دل میں کہا کہ واہ واہ بس یہ ہے آپ کا مبلغ پرواز اور مطمح نظر۔ جب میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ملا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کتاب لکھی اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ ہوا اتنی محنت ہی پھر کیوں کی اس کے نزدیک جسے روپیہ نہ ملے وہ کوئی دین کا کام ہی نہ کرے' خیر میں نے اسی کے مذاق کے موافق اسے سمجھایا' میں نے کہا کہ اس سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ علاوہ اس زندگی کے ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق ایک دوسری زندگی بھی ہے جس کو ہم لوگ آخرت کہتے ہیں' وہاں ایسے کاموں کا عوض ملنے کی ہمیں توقع ہے اور دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے وہ یہ کہ میں نے جو یہ تفسیر لکھی ہے اپنے بھائی مسلمانوں کے فائدہ کے لیے لکھی ہے اور یہ ایک قومی خدمت ہے۔ جب میں اس تفسیر کو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ میری قوم کو اس سے نفع پہنچ رہا ہے چونکہ یہ تقریر اس کے مذاق کے موافق تھی اس کو سن کر اس کی نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی تو جو روپیہ پیسے اور جاہ کو مقصود سمجھے گا وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا کہ بڑا بیوقوف ہے کہ اس نے محض دین کے لیے اپنا جاہ مال سب برباد کر دیا۔ (طریق القلندر ج ۱۱)

کمال عقل و دانش

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاقل پر ایک لطیفہ بیان کیا کرتا ہوں وہ یہ کہ مسلمان تو آپ کو عاقل مانتے ہی ہیں وہ تو غلام ہیں اپنے آقا کو اچھا کہیں ہی گے اور جتنا کچھ کہیں تھوڑا ہے۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں سے زیادہ آپ کو عاقل مانتے ہیں کیونکہ اس کا اقرار کفار کو بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مدت میں اتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں جو دوسرا نہیں کر سکتا۔ عرب کے جاہلوں کو تھوڑے ہی دنوں میں ایسا شائستہ اور مہذب بنا دیا کہ تمام تعلیم یافتہ قومیں اُن کے سامنے پست ہو گئیں پھر اس کے ساتھ قواعد متعلقہ معاش و معاد ایسے مہذ

کیے جن کی نظیر نہیں مل سکتی یہ سب باتیں کفار کو تسلیم ہیں مگر ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض سلطان نہیں کہتے بلکہ نبی بھی کہتے ہیں اور ان فیوض و برکات کو تائید من اللہ اور نبوت کی برکت سمجھتے ہیں اور کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب کارناموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل سے ناشی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بڑے عاقل انسان تھے کہ تھوڑی سی مدت میں آپ نے ایسے ایسے کام انجام دیئے تو وہ آپ کو ہم سے زیادہ عاقل مانتے ہیں کہ جو کام ہمارے نزدیک خدا کے کرنے کا تھا۔ اُن کے نزدیک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کا نتیجہ ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عاقل تھے کہ موافق و مخالف سب کو آپ کا عاقل کامل ہونا مسلم ہے۔ (فناء النفوس ج ۱۵)

مقام صدیق

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نظر حق تعالیٰ پر استقلالاً تھی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرمایا تھا۔

الا ان من کان منکم یعبد محمدًا فانه قد مات و من کانَ یعبد اللّٰہ فانه حی لا یموت ط

کہ جو تم لوگوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ تو آپ کی تو وفات ہوگئی اور جو خدا کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہیں کبھی نہ مریں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات نبوی کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا جس سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر استقلالاً خدا تعالیٰ کی طرف تھی۔ صوفیہ کرامؒ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حکایت بھی نقل کی ہے کہ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ

هَلْ عَرفت ربک بمحمد ام عرفت محمدابربک

کہ آپ نے خدا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پہچانا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے ذریعہ سے پہچانا۔ ارشاد فرمایا کہ بل عرفت محمدا بربّی ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی وجہ سے پہچانا۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت من حیث الاستقلال نہیں بل من حیث انہ رسول اللہ ہے تو توحید کامل یہی ہے۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ ہے۔ عارف کسی چیز پر بالاستقلال نظر نہیں کیا کرتا نہ استقلالاً کسی چیز کو سمجھتا ہے۔ بلکہ ہر چیز کو خدا تعالیٰ کے ملک سمجھتا ہے۔ اور ہر چیز میں اول

خدا کو دیکھتا ہے۔ پھر اُس شئے کو دیکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر سر میں درد اور ضعف ہو تو اس حیثیت سے خمیرہ گاؤزبان کھانا بھی ثواب اور اجر رکھتا ہے کہ یہ ہمارا سر نہیں۔ بلکہ سرکاری مشین ہے۔ پس اس حیثیت سے تمام لذات وتمتعات میں ثواب ہے۔ صرف حیثیت اور جہت کا فرق ہے۔ اسی فرق سے اجر اور عدم اجر کا فرق ہو گیا۔ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

ایک اشکال کا حل

یہ تو محال ہے کیونکہ سب سے پہلے نبی پر اپنی نبوت پر ایمان لانا لازم ہے بلکہ منشا اس کا وہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے آثار وعلامات کی تفصیلی اطلاع نہ تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سب وحی سے ماخوذ ہیں نہ کہ کتب سے تو اوّل وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ آثار و کیفیات کیسے معلوم ہو جاتے۔ اور ورقہ بن نوفل کُتب سماویہ کے عالم تھے وہ کتابوں کے ذریعے سے آثار وعلاماتِ نبوت کی تفصیل معلوم کئے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ سُن کر فوراً سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تفصیلی حالات عرض کئے۔ چنانچہ ان حالات میں یہ بھی عرض کیا کہ نبوت کے لئے قوم کی مخالفت کرنا۔ ایذاء پہنچانا ضروری ہے۔ مگر انجام کار نبی کو غلبہ ہوا کرتا ہے۔ اور یہ بھی عرض کیا۔

یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ فِیْھَا جَذَعًا یَا لَیْتَنِیْ اَکُوْنُ حَیًّا اِذْ یُخْرِجُکَ قَوْمُکَ قَالَ اَوَمُخْرِجِیَّ ھُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ یَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِہٖ اِلَّا عُوْدِیَ ۔

(ترجمہ) کاش! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہور نبوت کے وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قوم (مکہ سے) نکالے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کیا وہ مجھ کو نکالنے والے بھی ہیں۔ ورقہ نے کہا ہاں جو کوئی بھی نبوت سے ممتاز ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ عداوت ضرور کی جاتی ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے کہنے سے ورقہ کے پاس اس غرض سے چلے گئے تھے کہ یہ کتب سماویہ کے عالم ہونے کی وجہ سے آثار نبوت وحالات انبیاء کو زیادہ جانتے ہیں۔ ان سے کچھ معلومات زیادہ حاصل ہوں گی جو موجب زیادت طمانیت وسکون ہوں۔

مگر اس سے ورقہ کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم نہیں آتی۔ نعوذ باللہ! کیونکہ

اس کی تو بلا تشبیہ ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کو دفعۃً ڈپٹی کلکٹر بنا دیا جائے اور وہ کسی قانون داں سے جو کسی عہدہ سے ممتاز نہیں۔ اس منصب کے لوازم و وظائف کی تحقیق کرے کہ فلاں کام کس طریقہ سے اور فلاں انتظام کس صورت سے کرنا چاہئے۔ مگر کیا محض اتنی بات سے وہ قانون داں درجہ میں اُس سے افضل ہو سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ (الصحات فی الاوقات ج ۱۵)

شان رسالت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان حدیث شریف میں وارد ہے

کان اجود الناس بالخیر وکان اجودما یکون فی رمضان کان جبریل یلقاہ کل لیلۃ فی رمضان یعرض علیہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم القرآن فاذالقیہ جبریل کان اجود بالخیرمن الریح المرسلۃ (الصحیح للبخاری ۱:۵، الصحیح لمسلم کتاب الفضائل:۴۸، مسند احمد ۱:۳۶۳، مشکوٰۃ المصابیح:۲۰۹۸)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہر وقت ہی سب سے زیادہ سخی تھے مگر سب سے بڑھ کر رمضان میں آپ سخی ہوتے تھے۔ اور جبرئیل علیہ السلام ہر شب میں آپ سے ملتے تھے۔ ان کی ملاقات کے وقت آپ ہوا سے بھی زیادہ فیض رساں ہوتے تھے۔ (ہوا کی فیض رسانی کہ اس سے بارش ہوتی ہے معلوم ہے اس جود میں سے بعض کی تصریح بھی وارد ہے مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابن عباس آیا ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذادخل شہر رمضان اطلق کل اسیروا عطے کل سائل (الدر المنثور ۱:۱۸۵، کنز العمال: ۱۸۰۶۰)

(جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو چھوڑ دیتے اور ہر سائل کو عطا فرماتے) اس میں آپ نے عملی تعلیم فرمائی ہے کہ رمضان میں اور دنوں سے زیادہ فیض رساں ہونا چاہیے اور قولاً یہ کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ ھذا شہر المواساۃ ھذا شہر یزاد فیہ رزق المؤمن من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ (کنز العمال: ۲۳۲۹۴) یعنی یہ مہینہ ہمدردی کا ہے اس مہینہ میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے جو اس میں نفل کام کرے اس کو اور دنوں کے فرض کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس میں فرض ادا کرے اس کو اور دنوں کے ستر

فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ اس میں کس قدر ترغیب وتحریض ہے صدقہ، خیرات اور اعمال صالحہ کی کہ رمضان میں رکعات نافلہ کا ثواب فرض نمازوں کے برابر ملتا ہے اور جو فرض کو اس ماہ میں ادا کرتے ہیں ان کو ستر فرضوں کا ثواب ملتا ہے۔ (تقلیل السنام بصورۃ انقیام ج ۱۶)

قوت وشجاعت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت بھی دیکھئے کہ تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے حالانکہ اس کے ذبح کرنے میں نہایت دشواری ہے اور جانور کے ذبح میں تو سہولت ہے کہ لٹا کر ذبح کر لیا۔ اس کو اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ پاؤں اس کا خاص طریقہ سے باندھ دیتے ہیں تاکہ بھاگ نہ سکے۔ پھر اس کے سینہ پر ایک خاص رگ ہے اس پر برچھا مارتے ہیں اسے نحر کہتے ہیں مشک کی طرح رگوں کا منہ کھل جاتا ہے۔ تمام خون بہہ کر وہ گر پڑتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نشانہ میں بھی بڑے مشاق تھے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قوت جسمانی بھی بہت تھی۔ چنانچہ ایک شخص رکانہ بہت بڑے پہلوان تھے کہ ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کرنے والے سمجھے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ۔ وہ آئے آپ نے انہیں پچھاڑ دیا۔ عرض کیا یہ تو اتفاقاً پچھاڑ دیا اب کے پچھاڑ یئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا پھر سہی پھر آئے پھر اٹھا کر پھینک دیا۔ پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ غرض سو اونٹوں کی قربانی اور اس میں سے تریسٹھ کے دست مبارک سے نحر کرنے سے آپ کی ثروت قوت پر استدلال ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفلس نہ تھے ہاں فقیر تھے کیونکہ مفلس تو وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور آپ کے پاس تھا سب کچھ مگر دے دیا کرتے تھے۔ (روح الجوارح ۱۶)

مقررین کو انتباہ

محققین نے مشورہ دیا ہے کہ عوام کم فہم جہلاء کے مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ وغیرہ کا بیان نہ کرے بلکہ ایسے عوام کے سامنے وہی مضامین بیان کرنا چاہئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہو۔ ان کے سامنے فقر وفاقہ کے مضامین نہ بیان کرنا

چاہیے کیونکہ اس میں احتمال ہے ان کے قلوب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نکل جائے میرے ایک دوست تھے۔ مولوی منت اللہ انہوں نے ایک قریہ (گاؤں ۱۲) میں یہ بیان کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی مع نعلین مبارک نماز پڑھتے تھے ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ نعلین مبارک میں نجاست بھری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال ڈالا۔ فی نفسہ واقعہ تو صحیح ہے مگر لوگ بگڑ گئے کہ تو کیسا بد عقیدہ ہے کہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک نجس ہو سکتی ہے خیر تھا تو ان کا جہل مگر ناشی تھا اعتقاد عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ مولوی صاحب نے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے کہا ایسی جگہ آپ کو ایسی بات کہنا چاہیے نہ تھی۔ اس میں فتنہ کا احتمال ہے۔ غرض علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ عوام کے مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کو نہ بیان کرنا چاہیے تا کہ قلوب میں عظمت باقی رہے مگر جہاں فہیم ہوں کچھ مضائقہ نہیں۔ (روح الجوارح ۱۶)

شان محبوبیت

حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک دفعہ مکہ میں ایک اونٹ ذبح ہوا تھا آپس میں کفار کا مشورہ ہوا کہ کوئی شخص اس کی الائش آپ پر رکھ آوے۔ ایک بدبخت اٹھا اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ سجدہ میں تھے اس نے آپ پر وہ الائش رکھ دی کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ ایسے رسول ہیں کہ نماز توڑ کے تھپڑ نہیں ماریں گے۔ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ (یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے ۱۲) حضرت فاطمہ کو علم ہوا آئیں۔ اور اس الائش کو ہٹایا اور خوب کوری سنائیں اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ منہ سے کہہ سکے۔ حدیث میں آیا ہے کہ فاقبلت فاطمة و هي جويرية حضرت فاطمہ (آئیں آپ ۱۲) اس وقت بچی تھیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد بد دعا کی۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ مقابلہ میں آ کر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ یہ تھا آپ کا رعب حتیٰ کہ بالمشافہ (روبرو ۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کلام کی بھی کسی کو جرأت نہ تھی آپ خود فرماتے ہیں نصرت بالرعب (رعب کے ذریعہ سے میری مدد کی گئی ہے ۱۲) ورنہ آپ تو اکیلے تھے جو کچھ وہ چاہتے کر سکتے کمیٹیاں ہوتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکال دیں مگر آپ کو خدا نے رعب اتنا دیا تھا کہ اس کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ الغرض جب ورقہ بن نوفل نے کہا کاش میں اس وقت جوان ہوتا

جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی آپ نے تعجب سے فرمایا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی میری اس قدر قدر اور اتنی وقعت میں اتنا محبوب ہوں میں نے کبھی کسی کے ساتھ برائی بھی نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ جتنے نبی آپ سے پہلے ہوئے ہیں وہ سب انہیں اوصاف سے موصوف تھے مگر جب انہوں نے تبلیغ شروع کی ان کے ساتھ یہی ہوا۔ اسی طرح آپ کے ساتھ بھی ہوگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ کی توقع کے خلاف آپ کو بہت پریشان کیا۔ آپ نے سب برداشت کیا۔ (روح الجوارج ۱۶)

بشریت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مگر آج کل بعض لوگوں کی جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت لفظ بشر کو نہیں سن سکتے۔ چنانچہ کاٹھیاواڑ میں ایک دفعہ کسی مسافر امام نے نماز میں یہ آیت پڑھ دی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ (آپ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا بشر ہوں) تو نماز کے بعد ایک جاہل نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی اعادہ کرنا چاہیے کیونکہ امام نے ایسی آیت پڑھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا گیا ہے میں کہتا ہوں کہ صرف بشر ہی نہیں کہا بلکہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تم جیسے ہی آدمی ہیں۔ بھلا یہ تو اس کے نزدیک بہت ہی بڑا مفسدہ صلوٰۃ ہوگا۔

اس جاہل سے کوئی پوچھے کہ تو نے اعتراض کس پر کیا؟ امام پر یا خدا تعالیٰ پر؟ امام پر تو اعتراض ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کا تم کو بھی اقرار ہے کہ اس نے قرآن ہی کی آیت پڑھی تھی۔ بس خدا ہی پر اعتراض ہوا تو کچھ ٹھکانا ہے اس غلو کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں حق تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگے گویا حق تعالیٰ نے اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (میں تم جیسا آدمی ہوں) فرما کر نعوذ باللہ آپ کو کذب کی تعلیم دی ہے کہ تم واقع میں تو بشر نہیں ہو مگر لوگوں سے یوں ہی کہو کہ میں بشر ہوں۔

مگر اسے یہ خبر نہیں کہ یہ اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پہنچتا ہے کہ آپ نے اس مضمون کی تبلیغ کیوں کی۔ اور وہاں جن نمازوں میں آپ نے ایسی آیتوں کو پڑھا ہے کیا آپؐ کی بھی (معاذ اللہ) وہ نمازیں فاسد ہوئیں اور ان کا اعادہ آپ سے ثابت نہیں تو بس آپ کی وہ نمازیں یوں ہی رہیں۔ استغفر اللہ العظیم۔ واقعی یہ جہالت بری بلا ہے۔ خدا بچائے اس سے۔

ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سوال بھیجا تھا کہ کیا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔اس بیوقوف کو بھی آپ کی بشریت میں تردد تھا۔بعض لوگوں نے اس مضمون کی احادیث بھی گھڑی ہیں جن سے معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہونا ثابت کیا ہے چنانچہ ایک حدیث یہ گھڑی ہے انا عرب بلاعین (میں عرب بلاعین ہوں یعنی رب ہوں) اس کے الفاظ ہی بتلا رہے ہیں کہ کسی جاہل نے فرصت میں بیٹھ کر گھڑی ہے۔بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیستاں کی کیا ضرورت تھی آپ نے صاف ہی کیوں نہ فرمادیا انا رب (میں رب ہوں) ہیر پھیر کے ساتھ انا عرب بلاعین کہنے کی کیا ضرورت؟

پھر اس سے مدعا کیونکر حاصل ہوا۔ کیونکہ عرب میں باء مشدد نہیں ہے مخفف ہے۔تو عین نکال کر رب (بلا تشدید) باقی رہا اور یہ کوئی لغت نہیں رب (بالتشدید) تو ثابت نہ ہوا۔دوسرے آپ عرب کہاں تھے۔آپ تو عربی تھے۔پھر انا عرب میں حمل کیونکر صحیح ہوگا۔حدیث بھی گھڑی تو ایسی جس کے سر نہ پاؤں جس میں ایک ادنیٰ طالب علم بھی غلطیاں نکال سکتا ہے۔حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فصیح بلیغ تھے کہ آپ کے کلام میں کسی کی مجال نہیں کہ انگلی بھی دھر سکے۔(تحصیل المرام ج ۱۷)

غلو فی التعظیم

بہرحال جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں غلو کرکے آپ کو بشریت سے نکالنا چاہتے ہیں وہ آپ کی توہین کرتے ہیں اور ان واقعات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔

اس غلو کا ایک اثر یہ ہے کہ شعراء تو بہت حد سے نکل گئے وہ آپ کی تعریف میں دوسرے انبیاء کی توہین کرتے ہیں۔خصوصاً موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام تو ان کے تختہ مشق ہیں چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

؎ برآسمان چہارم بیمار است ۔۔۔ تبسم تو برائے علاج در کار ست

(عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر بیمار ہیں۔علاج کے لئے آپ کا تبسم درکار ہے)

کیا اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبض دیکھی تھی آخر اسے ان کا بیمار ہونا کیسے معلوم ہوا اگر آسمان پر بھی وبا پھیلنے لگی تو خدا خیر کرے فرشتوں کی۔واہیات ایک کہتا ہے

؎ موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات ۔۔۔ تو عین ذات می نگری در تبسمی

(ایک تجلی صفاتی سے موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوگئے آپ تجلی ذاتی کو تبسم میں دیکھ رہے

تھے) کتنا بڑا فیصلہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ذاتی نہ ہوئی تھی صفاتی ہوئی تھی، پھر موسیٰ کے بیہوش نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر دنیا میں تجلی ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیہوش نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے آخرت میں حق تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ آخرت میں تو موسیٰ علیہ السلام بھی بیہوش نہ ہونگے اور دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غالباً بے ہوش ہو جاتے کیونکہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ خدا کا دیدار دنیا میں ہوتا تو نہ معلوم کیا حال ہوتا۔ بھلا اگر کوئی مخالف اس شاعر پر اعتراض کرے کہ موسیٰ علیہ السلام تو حق تعالیٰ ہی کی تجلی سے بے ہوش ہوئے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے جو ایک مخلوق ہیں تو اس کے پاس کیا جواب ہوگا؟

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مقامات ذوقی ہیں۔ اور ناقص کا ذوق کامل کے مقام ذوق کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم کو مقامات انبیاء میں کلام نہ کرنا چاہیے ہمارا ذوق نبی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ غضب ہے کہ شیخ ابن عربی تو اتنے بڑے صاحب کشف ہو کر بھی مقامات انبیاء میں سکوت کی تعلیم دیتے ہیں اور آج ہر بیضاوی وجلالین پڑھنے والا بلکہ ہر شاعر مقامات انبیاء کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی رائے سے وجوہ فضیلت بیان کرتا ہے۔ امت میں چند لوگ بڑے صاحب کشف ہوئے۔ ایک شیخ ابن عربی ان کا صاحب کشف ہونا سب کو مسلم ہے۔ (تحصیل المرام ج ۱۷)

ولایت و بزرگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شامل رہتے تھے اور ان لوگوں کے تذکروں کو سن کر آپ تبسم فرماتے تھے اور آپ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہ ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ کی نہیں سنی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تجربہ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی۔ اگرچہ کم وبیش تبسم کی حالت ہو جائے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو تجربہ سے ثابت ہوتا ہے اور ایک مقدمہ شمائل ترمذی سے ملایئے۔ شمائل میں ہے: "كان دائم الفكرة متواصل الا حزان" (حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکرمند رہتے اور آپ پر غم یکے بعد دیگرے آتے رہے) اور وجہ اس کی خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کیونکر چین سے رہوں حالانکہ صاحب صور تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہو اور صور پھونک دوں۔ گویا یہ حالت تھی کہ

مرادر منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہردم — جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

(مجھے محبوب کے گھر پہنچ کر بھی امن وعیش نہیں ملا، وجہ یہ ہے کہ گھنٹہ ہر وقت کوچ کی خبر دے رہا ہے)

ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں۔ سو اللہ والوں کو بے فکری کہاں؟ البتہ دوسروں کی خاطر سے کبھی کچھ ہنس دیتے ہیں۔ اس کے مناسب حکایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کثیر التبسم تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کثیر البکا تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ! کیا تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی سی آتی رہتی ہے۔ آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ علیہ السلام جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو لیکن خلوت میں یحییٰ کی طرح گریہ وزاری کیا کرو اور اے یحییٰ علیہ السلام خلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی علیہ السلام کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا امید ہے۔

اور یہ حکایت اس لیے بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم جو کچھ تھا وہ محض اس لیے تھا کہ آپؐ کے مصالح خلق کے وابستہ تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا' غرض جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم باتوں میں مشغول ہوتے تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی عام کو کیا خبر ہوتی ہوگی۔ اس لیے کافر کہتے ہیں: "مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ...... الخ" (یہ کیسا رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے (ان کے زعم میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف تھا) اور بازار میں بھی چلتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسی ز ابدال حق آگاہ شد

(تمام عالم اسی سبب سے گمراہ ہو گیا کہ بہت کم لوگ خدا کے نیک بندوں سے مطلع ہوتے ہیں)

ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

(اپنے کو انبیاء کے برابر رکھتے ہیں' اولیاء اللہ کو اپنی ہی طرح سمجھتے ہیں)

گفت اینک مابشر ایشاں بشر ماؤ ایشاں بستہ خوابیم و خور

(کہتے ہیں کہ ہم بھی انسان اور یہ بھی انسان ہم اور وہ دونوں خواب اور کھانے میں فطرتاً مجبور ہیں)

ایں ندانستند ایشاں زاعمی درمیاں فرقے بود بے منتہا

(یہ ان کو عدم بصیرت کی وجہ سے پہچان ہی نہیں سکتے جبکہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے

(تفاضل الاعمال ج ۱۸)

ایک واقعہ

ایک حدیث میں ہے کہ بعض عورتیں آپ سے کہتی تھیں کہ ہم نے اپنے نفس کو آپ کیلئے ہبہ کیا یعنی اپنے کو بلا مہر کے آپ کے نکاح میں دیتی ہیں کیونکہ آپ کا نکاح بلا مہر بھی صحیح ہوجاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے ان عورتوں کو ایک بار بے حیا کہہ دیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وامرأة مومنة ان وهبت نفسها للنبي الى قوله ترجي من تشاء منهن وتؤى اليک من تشاء.

اس پر حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا **ماارى ربک الايسارع في هواک**. یہاں بھی لفظ ھَوَا آیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش محمود ہی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ھَوَا کا اطلاق ہوائے محمود پر بھی ہوتا ہے اس صورت میں بغیر ھدی من اللہ قید احترازی ہوگی۔ فیصلہ یہ ہوگا کہ ہوی دو قسم کا ہے ایک وہ جو تابع ہدیٰ کے ہو اور ایک وہ جو تابع ہدیٰ کے نہ ہو پس جو ہویٰ تابع ہدیٰ کے ہے وہ ہویٰ اہل اللہ کی ہے ان کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے جس کا تعلق رضاء حق سے ہو چکا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو بہلولؒ کی حکایت میں ہے کسی بزرگ سے انہوں نے پوچھا کہ کس حال میں ہو ان بزرگ نے فرمایا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی خواہش کے خلاف دنیا میں کچھ بھی نہ ہوتا ہو کہا یہ کیسے؟ فرمایا یہ ایسے کہ میں نے اپنی خواہش کو حق تعالیٰ کی خواہش میں فنا کردیا ہے۔ اب کوئی واقعہ میری خواہش کے خلاف ہوتا ہی نہیں پھر مجھے راحت ہی راحت ہے رنج کیوں ہو۔ (الهوى والهدى ج ۱۹)

صحابہ کی جانثاری

صحابہ رضی اللہ عنہم حضور کے اس قدر جاں نثار تھے کہ اشاروں پر جان دیتے تھے وہاں اس کی ضرورت کب تھی کہ کسی بات کو دوبار کہا جاوے۔ احادیث سے سیکڑوں واقعات ایسے معلوم ہوتے

ہیں کہ جن سے صحابہ کی بے حد اطاعت اور محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مترشح ہوتی ہے۔ عام حدیبیہ میں جب حضور مکہ معظمہ تشریف لائے اور کفار نے بیت اللہ شریف سے آپ کو روک دیا۔ اور کفار نے بڑے بڑے عقلاء اور رؤسا کو صلح کیلئے بھیجا۔ جب وہ لوگ واپس ہو کر مکہ معظمہ آئے تو ان میں سے بعض نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ ان سے مت لڑو۔ ہم نے بڑے بڑے ملوک کی مجلس دیکھی ہے ایسی محبت اور ادب کسی بادشاہ کے خدم حشم میں نہیں دیکھا جس قدر کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا لایجدون النظر الیه یعنی نظر بھر آپ کی طرف نہیں دیکھتے دز دیدہ نظر سے دیکھتے ہیں کسی شخص نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے حضور کا حلیہ شریف پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میاں بیان تو وہ کرے جس نے حضورؐ کو نظر بھر کر دیکھا ہو اور یہاں تو یہ کیفیت رہی کہ۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم — گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

بعض خشک مغز اہل ظاہر اس شعر کو مجنوں غیر عاقل کا کلام جانتے ہوں گے لیکن ہم ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم کو اس کا ذوق نہیں ہے جو شخص عنین ہو وہ کیا جانے کہ عورت میں کیا لطف ہے۔

تو مشو منکر کہ حق بس قادر ست

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس شعر کے مضمون کو کر کے دکھلا دیا۔ الحاصل وہ رئیس مکہ کے لوگوں کو کہتا ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی یہ حالت ہے کہ ذرا ان کے منہ سے کوئی بات نکلتی ہے تو اسکی بجا آوری کے لئے چاروں طرف سے سب دوڑ پڑتے ہیں اور جس وقت وہ تھوکتے ہیں تو آب دہن زمین نہیں گرتا سب ہاتھوں میں لے کر منہ کو اور آنکھوں کو مل لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ ان لینے والوں کے ہاتھوں کو مس کر کے ایسا ہی کرتے پس ان کی وہ حالت ہے۔

مرا از زلف تو بوئے پسند است — ہوس را ہ مدہ بوئے پسند ست

اور وہ رئیس کہتا ہے کہ جب آپ وضو کرتے ہیں تو جو پانی اعضاء وضو سے چھوٹتا ہے اس پر اس قدر لڑائی ہوتی ہے کہ قریب ہے کہ آپس میں تلوار چلنے لگے۔ سبحان اللہ! یہ کیا اچھی لڑائی ہے ایسی لڑائی جنت میں بھی ہوگی۔ ارشاد ہے یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ۔ اگر جنت میں یہ لڑائی نہ ہوتی تو وہاں کچھ مزہ نہ تھا اس کو اہل محبت سمجھ سکتے ہیں۔ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا یہ کیفیت تھی صحابہ کی محبت کی۔ (الغضب ج ۱۹)

رعب و دبدبہ

صاحبو! یہ وہ تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض دفعہ ازواج مطہرات ناز میں آ کر برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کون ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے کوئی آپ کے برابر نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ آپ صاحب سلطنت تھے رعب سلطنت بھی آپ میں بہت زیادہ تھا (چنانچہ حدیث میں ہے کہ مہینہ بھر کی مسافت تک آپ کے رعب کا اثر پہنچتا تھا کہ سلاطین آپ کا نام سن سن کر کانپتے تھے ۱۲ جامع) مگر بایں ہمہ بیبیوں پر آپ نے کبھی رعب سے اثر نہیں ڈالا بلکہ ان کے ساتھ آپ کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے تعلق حکومت کا تو یہ اثر تھا کہ ازواج مطہرات حضور کے احکام کی مخالفت کبھی نہ کرتی تھیں آپ کی تعظیم اور ادب اس درجہ کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی کی عظمت بھی ان کے دل میں حضورؐ کے برابر نہ تھی اور تعلق دوستی کا یہ اثر تھا کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ پر ناز کرتیں مگر کبھی آپ کو ناگوار نہ ہوتا تھا مثلاً جس وقت قصہ اِفک ہوا اور منافقین نے حضرت صدیقہؓ پر بہتان باندھا تو اول اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دلگیر رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر پر تھیں یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم بالکل بَری ہو تو حق تعالیٰ تمہاری براءت ظاہر کر دیں گے۔ اور اگر واقعی تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو حق تعالیٰ سے توبہ واستغفار کر لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے بہت رنج ہوا، (کیونکہ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا تھا کہ حضور کو بھی (نعوذ باللہ) میری نسبت کچھ احتمال ہے ۱۲) تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتی کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بالکل بَری ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بالکل بَری ہوں تو اس کو آپ لوگوں کے دل قبول نہ کریں گے۔ اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بَری ہوں تو اس بات کو آپ فوراً تسلیم کر لیں گے پس اس وقت میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمائی تھی **فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ**۔ (پس صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اور جو باتیں تم بناتے ہو اس میں اللہ ہی مدد کرے) یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرطِ غم سے

بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں۔ تو اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور مکان میں سناٹا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی ختم ہو چکی تو پہلی بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی اَبشِرِی یَا عَائِشَۃُ فَقَد بَرَّاکِ اللّٰہُ یعنی اے عائشہ خوشخبری سن لو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری براءت ظاہر کر دی پھر آپ نے وہ آیات پڑھ کر سنائیں جو اس وقت نازل ہوئیں تھیں۔ اس بات کے سنتے ہی سب کو ایسی خوشی ہوئی کہ سارے گھر میں ہر شخص کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اور حضرت عائشہ کی والدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قُومِی یَا عَائِشَۃُ اِلَیہِ وَقَبِّلِی (ای الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی اے عائشہ اٹھو یعنی حضور کو سلام کرو، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، وَاللہِ لَا اَقُومُ اِلَیہِ وَاِلَیَّ لَا اَحمَدُ اِلَّا اللہَ عَزَّوَ جَلَّ. بخدا میں آپ کے پاس اٹھ کر نہ جاؤں گی اور میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ نے تو مجھے آلودہ سمجھ ہی لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بری کیا۔

اب مردوں کو سمجھنا چاہئے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ بات کس بنا پر تھی اس کا منشاء وہی ناز تھا جو بی بی کو تعلق دوستی کی وجہ سے شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے عورتوں کی اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ اگر عورت کو ناز کا حق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو اس بات پر ضرور تنبیہ فرماتے کیونکہ ظاہر میں یہ کلمہ نہایت سخت تھا اور یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت فرمائیں۔ چنانچہ ایک عورت نے چوری کی تھی جن کا نام فاطمہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ شرعی کے موافق ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، لوگوں نے سفارش کرنا چاہی اور حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کو سفارش کے لئے تجویز کیا۔ کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور محبوب زادے تھے چنانچہ وہ بھولے بھالے سفارش کرنے بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت برہم ہوئے۔ اور فرمایا کہ حدود میں سفارش کرنا پہلی امتوں کو ہلاکت میں ڈال چکا ہے۔ اس کے بعد ایسی بات فرمائی کہ ہم تو اس کو نقل بھی نہیں کر سکتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھ کر نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی (نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، نعوذ باللہ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا (پھر فاطمہ مخزومیہ تو کیا چیز ہیں۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹا گیا (کذا فی ابوداؤد ص ۲۵۳، جلد ۲) اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول خلاف شریعت ہوتا تو آپ ان کی ہرگز رعایت نہ فرماتے اور ضرور تنبیہ فرماتے یہ بات بیشک ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی خصوصیتیں ہیں کہ ان میں کوئی ان کا شریک نہ تھا اور برتاؤ میں ان خصوصیتوں کا زیادہ ظہور ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر میں تشریف لے جاتے تو جاتے ہوئے سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے اور واپسی میں سب سے پہلے ان سے ملتے تھے۔ تا کہ جدائی کا زمانہ کم ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی نیز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت محبت سے ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو ان کی محبت کے ساتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بھی رعایت نہ کر سکتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو کیا رعایت فرماتے پس ثابت ہوا کہ ان کا یہ کہنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھ کر نہیں جاتی اور اپنے خدا کے سوا کسی کا شکر یہ ادا نہیں کرتی خدا اور رسول کے خلاف نہ تھا۔ تو بی بی کا شوہر سے وہ تعلق ہے۔ جس میں اتنی بڑی بات کو خدا اور رسول نے گوارا کر لیا۔ ورنہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفت فرماتے یا اس پر کوئی آیت ضرور نازل ہوتی (حقوق البیت ج۲۰)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کے واقعات پیش آئے مگر ذرا بھی نہیں گھبرائے۔ چنانچہ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ پیش آیا کہ دوپہر کو آرام فرمانے کیلئے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے صحابہ آپ سے ذرا فاصلہ پر تھے اتفاق سے ایک کافر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے اس موقع کو بہت ہی غنیمت سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا سو رہے ہیں اور تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ بس اس وقت جو ہو سکے کر لینا چاہئے۔ مگر اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ اور تلوار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا تو سخت مشکل ہو گی پھر اپنی ہی جان بچانی دشوار ہو گی۔ اس لئے اس نے پہلے آپ کی تلوار پر قبضہ کر لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگایا۔ اور کہا من یمنعک منی اب آپ کو مجھ سے کون بچاوے گا یہ ایسا وقت

تھا کہ شجاع سے شجاع آدمی بھی گھبرا جاتا کیونکہ اول تو ننگی تلوار سر پر دیکھ کر آدمی ویسے ہی بد حواس ہو جاتا ہے خاص کر جب نیند سے جاگ کر ایسا واقعہ ہو وہ وقت کتنا وحشت کا ہوتا ہے مگر آپ پر ذرا بھی وحشت کا اثر نہیں آیا اور آپ نے بالکل بے دھڑک جواب میں فرمایا کہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ بچاویں گے کیونکہ آپ کو تو پورا بھروسہ تھا خدا تعالیٰ پر ہم تو اسباب کو دیکھتے ہیں۔ اور آپ کی نظر تھی مسبب پر پھر آپ کو اس سے کس طرح خوف ہو سکتا تھا۔

عقل در اسباب میدارد نظر　　عشق میگوید مسبب رانگر

(اجابۃ الداعی ج ۲۱)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جامعیت

اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں ذرہ پہنتے تھے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو اندیشہ تھا یا اسباب پر نظر تھی سو آپ توکل اور تدبیر دونوں کو جمع فرماتے تھے اور واقعی تدبیر کو کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے خوان لگا ہے۔ اس میں توکل بھی ہے تدبیر بھی ہے قسم قسم کی نعمتیں اس میں موجود ہیں۔ پس سب ہی سے متمتع ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ ایک کو لے کر دوسری کو چھوڑ دیں۔

دیکھو اگر کوئی حاکم ہماری دعوت کرے اور چار طرح کے کھانے دستر خوان پر لگائے اور ہم ان میں سے بعض کھائیں اور بعض نہ کھائیں تو اس پر ضرور عتاب ہوگا۔ ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ روٹی کھا رہے تھے اس میں ایک ٹکڑا جلا ہوا تھا۔ اس کو اٹھا کر انہوں نے علیحدہ رکھ دیا۔ فوراً آواز آئی کہ کیوں صاحب کیا یہ فضول ہی بنا ہے۔ تمام آسمانوں کو چکر ہوا فرشتوں کو چکر ہوا۔ کرۂ ہوا کو حرکت ہوئی۔ تب یہ بنا آپ کے نزدیک یہ فضول ہی ہے۔ یہ آواز سن کر وہ بزرگ ڈر گئے اور اس جلے ہوئے ٹکڑے کو بھی کھا لیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جلے ہوئے ٹکڑے بھی کھایا کرو کیونکہ ہم کو اجازت دی ہے کہ جو مضر ہو اس کو نہ کھائیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس کو حقیر نہ سمجھو، غرض یہ کہ اس کا تو اختیار ہے کہ جو مضر ہو اس کو نہ کھاؤ۔ لیکن حقیر سمجھ کر نہ چھوڑو۔ جیسے کہ اگر کسی کے ہاتھ کا ٹکڑا گر جاتا ہے تو اس کو یہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اگر ہم اس کو کھا لیں گے تو لوگ ہم کو ندیدہ کہیں گے لوگوں کے ندیدہ سمجھنے کی پرواہ نہ کرنی چاہئے بلکہ یوں سمجھو کہ ہاں ہم ندیدہ ہیں۔ جب حق تعالیٰ ہی کو یہ پسند ہے کہ ہم ان کی نعمتوں کے ندیدہ ہوں پھر ہم کیوں ندیدہ نہ ہوں۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　خاک برفرق قناعت بعد ازیں

(یعنی جب حق تعالیٰ ہی ہم سے طمع خواہاں ہوں تو پھر قناعت پر خاک ڈالنی چاہئے)
اور جو چیز تم کو مضر ہو اس کو بھی اگر چھوڑ دو تو یوں سمجھو کہ یہ تو فی نفسہٖ ہی بڑی نعمت ہے لیکن ہم اس کے متحمل نہیں ہیں یہ دقیق ادب ہے۔(اجابۃ الداعی ج۲۱)

کھانے میں برکت کا معجزہ

حدیثوں میں موجود ہے کہ حضرت جابرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی انہوں نے غزوہ خندق میں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بھوک لگی ہے۔بس وہ جا کر اپنی بیوی سے کھانا پکانے کو کہہ آئے۔اور آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے آپؐ کیلئے کچھ کھانا تیار کرایا ہے تشریف لے چلئے،آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جابرؓ نے دعوت کی ہے ان کے یہاں کھانے کیلئے یہ سن کر جابرؓ بہت گھبرائے۔کیونکہ انہوں نے کھانا تھوڑا ہی تیار کرایا تھا۔اور آکر بیوی سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ کے تشریف لا رہے ہیں۔اور کھانا تھوڑا،اب کیا کرنا چاہئے۔بیوی نے کہا تم گھبراؤ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری حالت خوب معلوم ہے۔آپ نے کچھ سمجھ کر ہی صحابہ کو ساتھ لیا ہوگا۔غرض آپ تشریف لائے اور اپنا لعاب دہن آٹے میں اور ہنڈیا میں ڈالدیا پھر فرمایا اب پکانا شروع کر دو غرض روٹیاں پکتی گئیں اور سب لوگ کھاتے گئے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تمام آدمی کھانا کھا چکے اور جتنا کھانا تھا اس میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔یہ معجزہ ہے لیکن اس میں بھی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر دعا فرماتے کہ ویسے ہی روٹیاں پیدا کردے تو کیوں قبول نہ ہوتی ضرور ہوتی،چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی تھی رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ.(اے رب!آسمان سے ہم پر مائدہ نازل کیجئے)اور وہ قبول ہوئی تھی تو اسی طرح اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تو روٹیاں یہاں بھی غائب سے آتیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ انہیں روٹیوں میں سے نکلیں اور اسی سالین میں سے تو دیکھئے کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں کی آپ نے کتنی رعایت کی ہے کہ معجزہ میں بھی ایک گونہ تدبیر کی رعایت فرمائی تو چونکہ تدبیر خدا تعالیٰ کی مشروع کی ہوئی ہے اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں زرہ پہنتے تھے۔نہ اس وجہ سے کہ آپ کو اندیشہ تھا یا اسباب پر نظر تھی۔غرض کہ اس کافر نے جب آپ سے کہا کہ **من یمنعک منی** (اب آپ کو میرے ہاتھ

سے کون بچائے گا) تو آپ نے بے دھڑک فرمایا اللہ۔اس کہنے سے کافر کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا من یمنعک منی کہ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔مگر اس کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ بچائیں گے اس کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ یہ جواب دے حالانکہ اگر وہ کہہ دیتا کہ اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا نام سنکر آپ اس کو قتل کرتے ہرگز نہیں۔اور آپ کی بڑی شان ہے بعض اولیاء اللہ کی آپ کو حکایت سناتا ہوں۔(اجابۃ الداعی ج۲۱)

عبدیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال ہے

حدیث عائشہ ہے ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الااختار اھونھا (متفق علیہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ آسان کو اختیار فرماتے تھے اس میں ایک حکمت تو یہ تھی تاکہ ضعفاء امت کا عمل بھی موافق سنت ہو جائے اور وہ آسان صورت کو اختیار کر کے بھی اتباع سنت کا ثواب حاصل کر سکیں اور ایک لطیف حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں تمام کمالات ہیں وہاں سب سے زیادہ عبدیت کی شان ہے اور یہ آپ کا سب سے بڑا کمال ہے۔اور قوی شق کے اختیار کرنے میں گویا قوت کا دعویٰ ہے اور شق اھون کے اختیار کرنے میں عبدیت کا اظہار ہے کہ میں عاجز ہوں۔(التیسیر للتیسیر ج ۲۱)

حکایت حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ:

حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ کی مجلس میں ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی گئی کہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں چھلنی نہ تھی بس آٹے کو پیس کر یوں یہ پھونک مار دیا کرتے تھے۔جو بھوسی اڑ گئی اڑ گئی باقی گوندھ لیا اور پکا لیا۔شیخ نے حدیث سن کر فرمایا کہ آج سے ہماری خانقاہ میں اسی کے موافق عمل ہونا چاہئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔مگر رات کو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔اب عارفین کی عقل دیکھئے واللہ ان کی عقل بوجہ تعلق مع اللہ کے مطہر بھی ہو جاتی ہے اور معطر بھی اور منور بھی اور کیا کہوں سب قافئے ختم ہو گئے ہاں مدور بھی ہو جاتی کیونکہ مدور کی کوئی نہایت نہیں ہوتی (لتساوی اجزاء ۱۲۵) اگر اس وقت ہم وہاں ہوتے تو معاذ اللہ یوں کہتے اچھا اتباع سنت کیا مگر شیخ نے یوں فرمایا کہ ہم نے بڑی گستاخی کی حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ مساوات کا قصد اور دعویٰ کیا بھائی ہم لوگ ضعیف ہیں، ہم ان حضرات کے ساتھ مساوات نہیں کر سکتے بس آج سے چھلنی کا چھنا ہوا آٹا دستور سابق کے موافق پکایا کرو۔ سبحان اللہ کس قدر ادب کی رعایت کی اور کتنی جلدی عبدیت کی طرف مائل ہوئے۔ واللہ عشق نے ان کی عقول کو منور کر دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق سے عقل زائل ہو جاتی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ محبت و عشق ہی سے عقل کامل ہوتی ہے ۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　　وہ دیوانہ ہے جو دیوانہ نہیں

(التیسیر للتیسیر ج ۲۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنس بشر سے ہونا ایک نعمت ہے:

ایسی ذات مقدس کو بھیجا جن کی شان یہ ہے لقد جاء کم رسول من انفسکم یعنی تمہارے پاس ایک رسول آئے ہیں تمہاری جنس سے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہماری جنس سے ہونا ایک نعمت تو یہ ہے اس لئے اگر کسی فرشتہ یا جن کو بھیج دیتے تو سب ہیبت ہی کے مارے مر جاتے اور آپس میں کچھ مناسبت بھی نہ ہوتی آج کل لوگ اس فکر میں ہیں کہ پیغمبر کو عبدیت اور بشریت کے مرتبہ سے گزار کر الہ تک پہنچا دیں گویا اس صفت کو مٹانا چاہتے ہیں کہ جو ہمارے اور ذات حق میں واسطہ اضافی ہے حالانکہ یہ عین رحمت الٰہی اور عین کمال نبوی بھی ہے کہ بشر ہو کر قرب کے ایسے درجہ پر تھے کہ تو یہ کمال تھا اور رحمت اسلئے کہ بشریت کی مناسبت سے بے راہوں کو راہ پر لا دیں سو ان عبدیت کو مٹانے والوں کی وہی حالت ہے۔ ؎

یکے برشاخ بن مے برد

کہ ایک شخص شاخ پر بیٹھا تھا اسی کو کاٹتا تھا۔

اسی صفت کے ذریعہ سے تو ہم کو ہدایت ہوئی اور یہ ظالم اسی کو اڑانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے نزدیک اس کو مدح اور شان بڑھانا سمجھتے ہیں اور بشریت کے اثبات کو تنقیص کہتے ہیں نعوذ باللہ۔ الحاصل اثبات میں ایک نعمت تو یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بنایا دوسرے یہ کہ عزیز علیه ماعنتم یعنی ارشاد ہے کہ امتیو تمہاری مشقت ان پر بہت شاق ہے حریص علیکم بالمؤمنین رؤف الرحیم . تم پر حریص اور مومنین کے ساتھ شدت سے رحمت فرمانے والے ہیں۔ کیا ٹھکانا ہے آپ کی شفقت کا ہم تو تمام رات آرام سے سوویں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے تمام رات کھڑے ہو کر گزار دیں۔ (الشکر ج ۲۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت:

ایک مرتبہ ایک آیت میں صبح ہوگئی وہ آیت یہ ہے۔ **ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم** ۔ (یعنی اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب کر دیں تو آپ کے بندے ہیں اور اگر ان کے لئے بخشش فرما دیں تو آپ غالب ہیں حکمت والے ہیں، اور ہم تو سوتے بھی نہ تھے بلکہ معدوم محض تھے سو ہم ناکاروں کیلئے جن کا اس وقت وجود بھی نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعب اٹھاتے تھے اور فکر میں گھلے جاتے تھے چنانچہ ارشاد ہے۔ **لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین** یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاید اس غم میں ہیں کہ یہ مومن نہیں ہوئے آپ اپنی جان ہلاک کر دیں گے اور یہ سب مجاہدہ اور محنت ہمارے لئے تھی ورنہ خود تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی۔ **لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر** ۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دیں) تو آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ اتنا تعب برداشت فرماویں۔) غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہمارے لئے سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے حاصل یہ کہ نعمتیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی ہم پر ہر وقت بے شمار نعمتیں ہیں اسی لئے ارشاد ہے۔ **فان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا** ۔ یعنی اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرو تو احاطہ نہیں کر سکتے اور بعض نعمتیں وہ ہیں جن کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا وہ بھی ملا تو یہ مضمون اور بھی مؤکد ہوتا ہے۔ (الشکر ج ۲۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج میں حکمت:

یہ بھی ایک حکمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بیبیاں کیں کیونکہ وہ ان احکام کو جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں مشاہدہ کے سبب دوسروں سے زیادہ سمجھ سکتی تھیں اور دوسری عورتیں تو صرف سوال اور استفتاء کر کے معلوم کر سکتی تھی پھر اول تو سوال ہر ہر چیز کا دشوار ہوتا ہے گاہ گاہ کسی بات کو پوچھ سکتے ہیں۔ دوسرے استفتاء کرنے والا اس بات کو پوچھے گا جو اس کے نزدیک سوال کے قابل ہوں گی تو ایسا بہت ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور باتیں بھی دریافت کے قابل ہوں جن کی طرف اس کو التفات بھی نہ ہو۔ اس لئے استفسار کے ذریعہ سے ہر حال کو معلوم نہیں کیا جا سکتا بخلاف اس کے جو شخص ہر وقت پاس رہتا ہے اس کو بدوں پوچھے ہی بہت

سی باتیں خود بخود معلوم ہوتی رہیں گی اس لئے بھی آپ نے متعدد نکاح کیئے تا کہ ایسے احکام کا بھی اور آپ کی اندرونی حالت کا بھی علم ان متعدد بیبیوں کو ہو جائے تو وہ بآسانی بہت زیادہ عورتوں کو تبلیغ کر سکیں گی۔ چنانچہ اسی قرب وخصوصیت کی وجہ سے عورتوں میں تو ازواج مطہرات کا علم زیادہ تھا بہت سے مردوں سے بھی زیادہ تھا چنانچہ بہت دفعہ اکابر صحابہؓ کو ان کی احتیاج پڑتی تھی بالخصوص حضرت عائشہؓ کا علم تو بہت ہی زیادہ تھا صحابہؓ مشکل مسائل میں بکثرت آکر تشفی و تسلی حاصل کرتے تھے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ازواج میں یہ بھی حکمت تھی کہ اس کے گھر والے زیادہ ہوں گے تو احکام مخصوصہ کا علم بھی ان کو پوری طرح ہوگا ایک یا دو عورت سے اس قدر مسائل کا احاطہ عادۃً ضرور دشوار ہوتا۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کا سبب

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سورہ ہود میں ایک آیت ایسی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سخت حکم کیا گیا ہے **فاستقم کما امرت** کہ جس طرح آپ سے کہا گیا ہے اسی طرح مستقیم ہو جایئے اور حق تعالیٰ کے ارشاد کے موافق استقامت بڑی بھاری چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں **استقیموا ولن تحصوا** . کہ مستقیم رہو مگر استقامت کا حق ادا نہیں کر سکتے تو جیسی استقامت حق تعالیٰ کو محبوب ہے ویسی انسان سے عادتاً دشوار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ جس استقامت کا آپ کو امر ہوا ہے ویسے ہی مستقیم رہیئے اس بار عظیم نے آپ کو بوڑھا بنا دیا بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایسا مشکل حکم نہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو استقامت پر جمے ہوتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور حکم ہے وہ بالکل ہی کمر توڑ دینے والا ہے **فاستقم کما امرت ومن تاب معک** کہ جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اسی طرح مستقیم رہیئے اور آپ کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں وہ بھی مستقیم رہیں۔ اس جملہ نے آپ کو کمزور بنا دیا کیونکہ دوسروں کی ذمہ داری بڑی مشکل ہے آپ اپنی ذات پر پورا اختیار رکھتے تھے مگر دوسروں کو بھی ویسا ہی مستقیم بنا دیں جیسا کہ حکم ہوا ہے یہ بڑا بار عظیم تھا اس فکر میں آپ گھلتے رہتے تھے کہ میری طرح سب ہی لوگ پوری طرح مستقیم ہو جائیں۔ تحصیلدار کو اپنی فکر تو ہوتی ہے اپنے عملہ کی بھی فکر ہوتی ہے اگر عملہ میں کوئی خرابی ہوتی ہے تو اس سے تحصیلدار کو بھی ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے اسی لئے حدیث میں ہے

لا تسودوا وجهي یوم القیمۃ کہ قیامت کے دن میرا منہ کالا مت کر دینا یعنی مجھ کو شرمندہ مت کرنا ہمارے اعمال بد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرمندگی کیسی آپ کو یہ ندامت کیوں ہو گی یہ وہی سنت الٰہی ہے جس کو سعدیؒ اس شعر میں فرماتے ہیں

کرم بیں ولطف خداوندگار گنہ بندہ کردہ است واو شرمسار

یعنی حق تعالیٰ کا لطف وکرم دیکھو کہ بندہ گناہ کرے اور حق تعالیٰ شرمندہ ہوں اور حق تعالیٰ کو یہ حیا اس سے ہے کہ ہمارا ہو کر یہ حرکت یہی سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم کو قیامت کے دن شرمندہ نہ کرنا یعنی شرمندگی کہ ہمارے کہلا کر یہ حرکت غرض کہ آپ کو اس فکر نے گھلا دیا تھا کہ میں اپنے آپ تو مستقیم بن سکتا ہوں مگر ساتھیوں کا ذمہ دار کون ہو اس غم نے آپ کو بوڑھا کر دیا پھر یہ غم زندگی ختم ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت شفقت:

حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری تمہاری ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی ہو اور پروانے گرتے ہوں وہ شخص ان پروانوں کو ہٹاتا ہو لیکن وہ اس پر غالب آ جاتے ہوں۔ اسی طرح تم لوگ دوزخ کی آگ میں جان جان کر گرتے ہو اور میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر ہٹاتا ہوں لیکن تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہو اور اس میں گھسے جاتے ہو۔ ان الفاظ سے ہر زبان دان کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ یہ لوگ آگ سے بچیں اور یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی ایسی تجویز آپ کے روبرو پیش کی جاتی جس سے آپ کو اپنے مقصود حاصل ہونے کی امید ہوتی ہو تو آپ اس کو بہت جلد قبول فرما لیتے تھے۔ (فوائد الصحبہ ج ۲۱)

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبو! سب سے بڑے اللہ والے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اٹھا کر دیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل کیا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بیبیاں تھیں، کتنے مکان تھے، کتنے خادم تھے، کتنے سواری کے جانور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس تسبیح کے لیے مسجد ہی میں بیٹھے رہتے تھے یا لوگوں سے ملتے جلتے بات

چیت بھی کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلمانوں سے کیا کفار سے بھی بات چیت کرتے تھے۔ گھر میں بھی رہتے تھے وعظ و تلقین بھی فرماتے تھے لوگوں کے مکانوں پر بھی جاتے تھے مریضوں کی عیادت کرتے' جنازوں کی نماز پڑھتے' دفن میں شرکت فرماتے تھے کیا یہ سب کام دنیاداری کے ہیں۔ خیر یہ تو جہالت کی باتیں ہیں کہ ہر وقت تسبیح گھماتے رہنا ہی کمال ہے اور بلا اس کے کمال ہوتا ہی نہیں۔ صاحبو! کمال ہوتا ہے اتباع شریعت سے ہر حالت میں بولنے میں چالنے میں' کھانے میں' پینے میں' لینے میں' دینے میں' ملنے میں' جلنے میں اور یہ سب باتیں جبھی حاصل ہو سکتی ہیں جب شریعت کا علم ہو تو علم مقدم ہوا تسبیح گھمانے اور وظیفہ گھونٹنے پر۔ اسی بناء پر میں نے ان مہمان صاحب سے کہا کہ جو تسبیح ہر وقت تمہارے ہاتھ میں رہتی ہے اس کی ضرورت نہیں' نماز درست کرو' اس کے مسئلے پڑھو یا پوچھو۔ غرض آج کل بعض لوگ اس مذاق کے ہیں کہ ذکر اور وظیفوں ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور بعضے اس مذاق کے ہیں کہ ذکر اور وظیفوں کو بیکار سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اصل چیز علم اور ہمت ہے اور ذکر اس کا معین ہے اس نفع کے لیے ضرور کرنا چاہیے ذکر سے قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: "اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ" یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے اس سے زیادہ کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ ذکر سے حق تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی حاصل ہوتی ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خطبہ صدیق اکبرؓ

یہ خبر سن کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے عوالی سے تشریف لائے اور سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جا پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو ہی چکا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر چہرہ مبارک سے ہٹائی اور بے اختیار پیشانی انور کا بوسہ لیا۔ اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ مضبوط نکلے' ان کی زبان سے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین ہو جانے کے بعد کوئی بات نہیں نکلی سوا اس کے کہ ایک دو دفعہ اتنا کہا:

وَاخَلِیْلَاہُ وَاحَبِیْبَاہُ لَقَدْ طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتًا وَلَاَنْتَ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ اَنْ یُذِیْقَکَ الْمَوْتَ مَرَّتَیْنِ٥

(رواہ کما قال) (ہائے خلیل ہائے محبوب آپ زندگی میں خوشبودار تھے، موت میں بھی خوشبودار ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم اس بات سے کہ دو مرتبہ موت کا ذائقہ چکھیں) اس کے بعد غایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام کے تمام حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ کو تک رہے تھے کہ دیکھئے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے اور یہ کیا خبر سناتے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''علٰی رِسْلِکَ یَا رَجُلُ'' اے شخص! بس ٹھہر جا مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور برابر اپنی اس بات کو پکارتے رہے۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے ممبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لے گئے اور خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ○ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ فَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا ط وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَرَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ○

یعنی اے لوگو! جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود سمجھتا ہو تو وہ سن لے کہ آپ کا تو وصال ہو گیا اور جو خدا تعالیٰ کو معبود سمجھتا ہو اس کی عبادت کرتا ہو تو وہ سن لے کہ خدا حی لا یموت ہے وہ کبھی نہ مرے گا۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ'' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم دین حق سے الٹے پاؤں ہٹ جاؤ اور جو اس طرح ہٹے گا وہ خدا تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا (اپنا نقصان کرے گا) اور حق تعالیٰ (ایسے وقت میں) شکر وحمد کرنے والوں کو جزا دیں گے اور یہ آیت بھی پڑھی ''اِنَّکَ مَیِّتٌ'' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ آپ بھی ایک دن مرنے والے ہیں اور یہ کفار بھی پھر تم سب قیامت کے دن اپنا جھگڑا خدا کے پاس لے جاؤ گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ مضمون اور یہ آیتیں سنیں تو سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا۔ اب ان سے کھڑا بھی نہ ہوا گیا، مارے غم کے

تلوار ٹیک کے بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے ذہن سے اس وقت بالکل غائب ہوگئی تھی جس وقت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر ان کو پڑھا ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی اتر رہی ہیں۔ یہ سب کچھ ہوا مگر تھوڑی ہی دیر میں سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنبھل گئے اور دین کے کاموں میں مشغول ہوگئے مگر جیسے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل الصحابہ تھے ویسے ہی اس وقت سب سے زیادہ صاحب ضبط واستقلال بھی نکلے۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے وقت دوسرے انبیاء کی تنقیص جائز نہیں

حضرت نوح علیہ السلام کی بابت بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ رحم سے خالی تھے اور دلیل میں یہ واقعہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے سخت بددعا کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (اے پرودگار زمین پر کفار میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑیے سب کو تباہ کر دیجئے ۱۲ جامع) یہ کتنی بڑی گستاخی ہے کہ نبی کو رحم سے خالی کہا جائے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ رہی دلیل تو اس کا جواب خود نص میں موجود ہے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو سمجھایا۔ غور کیجئے کہ سمجھانے کی بھی کوئی حد اتنی مدت تک ان کی اذیتوں پر صبر کرنا تھوڑی بات ہے ذرا کوئی کر کے تو دکھلائے نو سو برس تو کیا نو ہی برس میں حقیقت معلوم ہو جائے گی تو نوح علیہ السلام کا یہ تھوڑا رحم ہے کہ اتنی مدت تک قوم کی بدحالی اور ایذا رسانی پر صبر کرتے رہے اور بددعا نہ فرمائی۔ اس مدت کے بعد اگر وہ از خود بھی بددعا فرماتے تو اس کو بے رحمی نہیں کہہ سکتے تھے چہ جائیکہ انہوں نے خود بددعا نہیں فرمائی بلکہ جب ان کو وحی سے معلوم ہو گیا کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہ لائے گا اور ان کی تقدیر میں کفر ہی پر خاتمہ لکھا ہے اس وقت دعا فرمائی بتلائیے جب ایک قوم کی اصلاح سے مایوسی ہو جائے تو اس وقت ان کا باقی رہنا بہتر ہے یا ہلاک ہو جانا۔ ظاہر ہے کہ ایسی قوم کی بقا میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ اندیشہ فساد ہے کہ یہ دوسروں کو بھی غارت کریں گے۔ اس وقت ان پر بددعا کرنا بے رحمی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے حق میں رحم ہے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنی

بددعا میں اس بات کو ظاہر فرمادیا تھا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (خدا وندا اگر آپ ان کو زندہ چھوڑیں گے تو یہ آپ کے دوسرے بندوں کو بھی گمراہ کردیں گے اور کافر فاجر کے سوا کسی کو نہ جنیں گے) اور یہ بات نوح علیہ السلام نے اپنے قیاس سے نہیں فرمائی بلکہ وحی سے ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب ان میں یا ان کی اولاد میں کوئی بھی ایماندار انہ ہوگا وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو ایمان لا چکے ہیں اور کوئی تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لائے گا سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں غم نہ کرو)۔

تو بتلایئے اس حالت میں اگر نوح علیہ السلام ان کے لئے بددعا نہ فرماتے تو اس کا انجام کیا ہوتا، ظاہر ہے کہ اس وقت تمام دنیا کافروں سے بھری ہوئی تھی مسلمان بہت ہی کم معدودے چند تھے اور کفار کے متعلق معلوم ہو چکا تھا نہ یہ خود ایمان لائیں گے نہ ان کی اولاد میں کوئی مومن ہوگا اور مسلمانوں کی اولاد کے متعلق یہ یقین نہ تھا کہ سب ایمان دار ہی ہوں گے بلکہ ان میں بھی ایمان دار اور کافر دونوں قسم کے لوگ ہونے والے تھے بلکہ مسلمانوں کی اولاد میں بھی غلبہ کفار ہی کو ہونے والا تھا۔ اب اگر اس زمانہ کے کافر غرق نہ کئے جاتے اور ان کی اولاد بھی اس وقت موجود ہوتی تو مسلمانوں کو دنیا میں زندہ رہنا دشوار ہو جاتا۔

(احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جتنے لوگ موجود ہیں وہ نوح علیہ السلام کے صرف تین بیٹوں کی اولاد ہیں، جب تین آدمیوں کی اولاد میں کفار کا اس قدر غلبہ ہے جو مشاہدہ میں آرہا ہے تو دنیا بھر کے آدمیوں کی اولاد میں کفار کا کیا کچھ غلبہ نہ ہوتا، خصوصاً جب کہ ان کفار کی اولاد میں مسلمان کوئی نہ ہوتا سب کافر ہی ہوتے اس مقدمہ کے ملانے کے بعد تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نوح علیہ السلام نے مسلمانوں کے حال پر بہت ہی رحم فرمایا جو اپنے زمانہ کے کافروں پر بددعا کی ورنہ آج کفار کا وہ غلبہ ہوتا کہ مسلمانوں کو حقیقت نظر آجاتی اور ان کو جینا محال ہو جاتا ۱۲)۔

غرض اس سیرت کے مصنف نے صرف ایک پہلو کو دیکھا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے واسطے ایسی سخت بددعا کی جو بے رحمی معلوم ہوتی ہے مگر اس نے دوسرے پہلو کو نہ دیکھا کہ ان کی یہ بددعا مسلمانوں کے حق میں خود جن میں یہ مصنف بھی داخل ہے سراسر رحم تھی ورنہ میاں کو آج دنیا میں رہنا اور کفار سے جان بچانا دوبھر ہو جاتا۔ یہ اعتراض تو نوح علیہ السلام پر تھا۔ (العمرہ یذبح البقرہ ج ۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ رجولیت

قوت رجولیت کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت زیادہ تھی چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ کے اندر سو مردوں کی قوت تھی اور یہ معلوم ہے کہ ایک مرد کو چار بیبیاں تک رکھنے کی اجازت ہے پس جب آپ میں سو مردوں کی قوت تھی۔ اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ آپ چار سو بیبیاں رکھتے آپ نے چار سو میں سے نو پر اکتفا فرمایا کہاں چار سو کہاں نو یہ کمی نہیں تو اور کیا ہے اس لئے میں نے کہا ہے کہ آپ نے بہت کم بیبیاں رکھیں سو اس کا سبب بھی وہی فکر اور غم تھا آپ کو ایسے افکار لگے ہوئے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے آپ کا قلب مبارک حظوظ کے لئے کیسے خالی ہو سکتا تھا۔ پس یہ حال تو تھا ان کا جن کو مستثنٰی کیا گیا تھا اور ہم تو مستثنٰی بھی نہیں پھر کیسے بے فکر ہو گئے اسی طرح بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ ان کو دنیا ہی میں بشارت جنتی ہونے کی دی گئی تھی چنانچہ ان میں سے دس تو ایسے تھے کہ ان کو ایک مجلس میں خوشخبری دی گئی تھی مگر وہ سب سے ہی زیادہ خائف اور سب سے ہی زیادہ کام کرنے والے تھے ہمارے لئے تو اگر کوئی حدیث ضعیف بھی آجاتی تو حلال و حرام کی تمیز نہ رہتی۔ اور ان کی حالت یہ تھی کہ ان کو اس خبر نے مطمئن نہیں بنایا ہر وقت فکر اور غم ہی میں رہتے تھے۔ (الظلم ج ۲۳)

حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے معنیً اقویٰ تھی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی نہیں ہوا اور نہ ہوگا کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ صاحب سلطنت بھی تھے اور سلطنت بھی آپ کی سب سے زیادہ تھی بظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بڑھی ہوئی تھی لیکن میں ایک قصہ عرض کرتا ہوں اس سے معلوم ہوگا کہ حضور کی سلطنت معنیً سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر تھی۔ گو صورۃً سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اشد تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور نماز پڑھتے تھے شیطان ایک آگ کا شعلہ لے کر اس طرف چلا۔ اللہ اکبر اس کی جسارت تو دیکھئے کہ بارگاہ نبوی میں بھی اس کی یہ ہمت ہوئی حضورؐ نے فرمایا اعوذ باللہ منک (میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں) یہ فرمانا تھا بھاگ گیا۔ بعد نماز کے حضورؐ نے یہ قصہ بیان فرمایا اور یہ فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو اس کو پکڑ لیتا اور ستون سے

باندھ دیتا کہ صبح مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلتے۔ مگر مجھ کو اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے یہ دعا فرمائی تھی قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ یعنی اے رب میرے مجھ کو ایسی سلطنت بخش کہ میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو۔ اس قصہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی سلطنت معنیً اقویٰ تھی کیونکہ کسی کو پکڑ کر وہ چھوڑ سکتا ہے جس کو پورا اطمینان ہو کہ جب چاہوں گا پھر پکڑ لوں گا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا شیطان کو قید کر دینا صورۃً تسلط عظیم ہے مگر یہ چھوڑ دینا معنیً تسلط اعظم ہے۔ (الظلم ج ۲۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ مبشراً ونذیراً کہ آپ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہیں یعنی بندوں میں رغبت اور خوف پیدا کرنے والے ہیں جس پر تمام دین کا مدار ہے اس کے بدون دین کامل نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ طبائع مختلف ہیں کہیں زیادہ خوف انفع ہوتا ہے کہیں زیادہ رغبت زیادہ نافع ہوتی ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان دو شانوں کے ہونے کا راز وہی ہے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی عاقل نہیں:

کفار بھی اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی عاقل نہیں ہوا۔ یہ ایک شبہ کا جواب استطراداً بیان کر دیا گیا ہے باقی اصل جواب ان شبہات کا وہ ہے جو میں نے چھتاری کے ایک بیان میں عرض کیا تھا جس میں علی گڑھی جنٹلمین بہت تھے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ جو دین میں شبہات کرتے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لئے یہ صورت آپ نے اختیار کی ہے کہ جہاں کوئی مولوی صاحب ملیں ان پر مشق کرنے لگے تو یہ تدبیر اچھی نہیں کیونکہ اس طرح تو ساری عمر شبہات ہی میں گزر جائے گی کیونکہ عقلی شبہات کے جوابات بھی عقلی ہوتے ہیں اور عقلی جواب کے مقدمات بھی عقلی ہوتے ہیں۔ آپ کو ان مقدمات عقلیہ میں بھی شبہات ہوں گے پھر ان کا جواب بھی عقلی ہوگا جو مقدمات عقلیہ ہی پر مبنی ہوگا، ممکن ہے اس جواب کے مقدمات میں شبہ ہو جائے تو یہ سلسلہ غیر متناہی ہے جیسے بچوں کی کپاس کہانی، یہ کمبخت ختم ہی نہیں

ہوتی بس ہر بات کے بعد یوں ہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ کیا س کہانی بوجھو گے، دوسرا کہتا ہے بوجھیں گے، مجھے تو اس کی تفصیل یاد بھی نہیں آتی بچپن کی باتیں اب کہاں یاد آئیں۔

وقت پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

دوسرے اگر فرض کر لیا جائے کہ عقلی جواب کے مقدمات پر آپ شبہ بھی نہ کر سکے اور سلسلہ اعتراض کا ختم ہو گیا جب بھی اس تدبیر سے قلب میں سے شبہات کی جڑ نہیں کٹ سکتی اور شفاء نہیں ہو سکتی۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

اللہ تعالیٰ کی اُمت محمدیہ پر عظیم شفقت:

میں کہتا ہوں کہ اگر مریض یوں کہے کہ طبیب کو میری علت کی کیا ضرورت ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بیمار کبھی اچھا ہوگا اور یہ خیال اس کا اچھا خیال ہے۔ مریض کبھی خیال نہیں کرتا کہ میں طبیب پر بڑا احسان کرتا ہوں اور عابد کو یہ خیال ہوتا ہے۔ تو وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عبادت اللہ میاں کا کام ہے، پھر یہ عنایت دیکھو کہ اللہ میاں نے پہلی اُمتوں کو ایک ہی مرتبہ ایک کتاب جامع دے دی کہ جس میں تمام امراض لکھے ہوئے تھے اور یہ بندوں کے سپرد کر دیا کہ حسب ضرورت اس میں سے نکال لو۔ اور اس اُمت کو ایک ایک نسخہ کر کے مرحمت فرمایا۔ مرض مرض کے موافق جیسے ایک طبیب کہ ابتدائے علاج سے انتہا تک حسب ضروریات جزئیہ ایک ایک نسخہ مریض کو دیتا ہے۔ یہ زیادہ شفقت ہے اور زیادہ رحمت ہے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ رحمت کہ ہماری نگرانی معالجہ کے لئے کیسے شفیق پیغمبر کو مبعوث فرمایا (فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ) آپ صرف خدائے تعالیٰ کی رحمت سے اس قدر مہربان ہیں پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت کی کیا قدر کی۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت ورحمت:

بے حد شفیق اور نرم تھے آپ۔ حد ہے اس کی کہ اللہ میاں نے آپ کو جاہد الکفار کا اَمر فرمایا کہ بہت نرمی نہ کیجئے۔ کچھ تو شدت وغلظت چاہئے۔ کبھی برائی تو کسی کی چاہی ہی نہیں۔ اگر کبھی مقتضائے بشریت تمہارے نقصان کی دعا مانگی بھی تو پہلے عہد کر لیا ہے خداوند تعالیٰ سے کہ اس دعا کو موجب رحمت کر دیا کریں، نہ کہ موجب نقصان، آپ کی

دعا تو دعا، بد دعا بھی دعا ہے اور یہ حضور کی رحمت ہے کہ صرف زبانی اصلاح نہیں فرمائی بلکہ خود مشقت اُٹھائی۔ آپ کو کبھی یہ خیال نہ ہوا کہ عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ ماتقدم وماتأخر سب حضور کو عفو کر دیئے تھے۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال:

حدیث شریف میں ہے کہ آپ اس قدر قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک ورم کر جاتے اور فرماتے: افلا اکون عبدًا شکورًا. (کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں) حضور کا باوجود مغفور ہونے کے یہ حال تھا، پھر ہمیں کیا ہوا، حالانکہ ہم مغفور قطعی ہیں بھی نہیں۔ حضور کے شکراً عبادت کرنے پر قصہ یاد آیا۔ ایک بزرگ نے ایک پتھر کو دیکھا، رو رہا تھا۔ بہت رحم آیا اور بذریعہ کشف معلوم کیا کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا کہ جب سے یہ آیت اُتری ہے: وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ تب سے برابر رو رہا ہوں۔ ان بزرگ نے دعا مانگی کہ اللہ میاں اس پتھر کو تو دوزخ سے بچا۔ دعا قبول کر لی گئی۔ اس پتھر کا آپ نے اطمینان کر دیا۔ پھر ایک مرتبہ جو گزر ہوا، دیکھا کہ اور زیادہ رو رہا ہے۔ بڑا تعجب ہوا۔ پوچھا کہ اب بھائی کیوں رو رہا ہے؟ اب تو تیری نجات ہوگئی تو جھٹ سے کہا وہ جس عمل سے ایسا بڑا ثمرہ ہوا اس کو اور زیادہ کیوں نہ کروں۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

دبدبہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے آپ کو رُعب جلال اس درجہ عطاء فرمایا تھا کہ ہرقل وکسریٰ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ کے نام سے تھراتے تھے۔ حدیث میں ہے نصرت بالرعب مسیرة شهر (سنن النسائی' الجہاد ب ۱- مسند احمد ۲: ۲۶۸) کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے یعنی اس مخلوق پر بھی آپ کا رعب طاری تھا جو بقدر ایک مہینہ کی مسافت کے آپ سے دور تھے۔ پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے۔ جیسے حضرت عمرؓ و حضرت خالدؓ اور یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان نہ تھے بلکہ رسول بھی تھے اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری باطنی اصلاح کرے جس کے لئے

افادہ واستفادہ کی ضرورت ہے اور افادہ واستفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین کا دل مربی سے کھلا ہوا ہوتا کہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کر کے اصلاح کر سکیں اور جس قدر رعب وجلال خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہؓ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہ کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کو باتوں کے بیان کرنے سے رکیں اور یہ مسلم نہیں کہ مزاح خلاف وقار ہے خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت وحکمت نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح سے آپ کے وقار وعظمت میں کمی نہ آتی تھی بلکہ اس کا اثر صرف یہ تھا کہ صحابہؓ کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا اور وہ انقباض جاتا رہتا تھا۔ جو غایت اور رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃً پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ کی محبت جاگزیں ہوتی تھی اگر آپ مزاح نہ فرماتے تو صحابہؓ کے اوپر آپ کا خوف ہی خوف غالب ہوتا محبت غالب نہ ہوتی۔ اور جب مزاح سے آپ کی محبت غالب ہوئی تو آپ کے وقار وعظمت میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ کیونکہ پہلے تو وقار وعظمت کا منشا صرف خوف تھا اب محبت وخوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہوسکتا چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہؓ کے قلوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس قدر تھی اور جب کبھی کسی بات پر آپ کو غصہ آگیا تو صحابہ کی کیا حالت ہوتی تھی۔ کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی القلب شجاع بھی تھرا جاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔ اس جواب کے بعد ملکہ نے کہا کہ اب میرا اطمینان ہوگیا اور اب مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں رہا یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ ہم دعوی کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان بھی کوئی فعل عبث نہیں کرتے ان کے ہر فعل میں نیت صالح ہوتی ہے اور اگر کسی فعل میں کوئی خاص نیت نہ ہو۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے دلائل

اور حضور کی محبوبیت کے مستقل دلائل تو ہیں ہی خود اس آیت میں اس محبوبیت پر ایک عجیب دلالت ہے وہ یہ کہ اس آیت میں یعنی فَلَا وَرَبِّکَ میں مقسم بہ ذات حق ہے اور انہوں نے اپنی ذات کی قسم کھائی مگر ایک عجیب عنوان سے جو حضور کی محبوبیت پر دال ہے کیونکہ قسم کے لئے تو اور بھی الفاظ ہو سکتے تھے مثلاً واللہ تاللہ جیسا کہ اور دوسرے مقامات پر موجود ہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

تسبیحات سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شان ورود

حدیث شریف میں قصہ وارد ہوا ہے کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دست مبارک میں چکی پینے سے چھالے پڑ گئے تھے ان سے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں غلام باندی بہت آتے ہیں ایک آپ بھی مانگ لیں۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں اس وقت تشریف نہ رکھتے تھے۔ جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صاحبزادی صاحبہ کا تشریف لانا ذکر فرمایا۔ حضور خود ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت لیٹی تھیں۔ اٹھنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسی حالت سے رہو۔ فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا تم لونڈی غلام کی درخواست کرتی ہو کیا تم کو اس سے اچھی اور بہتر شئے نہ بتاؤں۔ جب تم سونے لگو تو سبحان اللہ (۳۳ بار) الحمد للہ (۳۳ بار) اور اللہ اکبر (۳۴ بار) پڑھ لیا کرو۔ یہ لونڈی غلام سے بہتر ہے سیدۃ النساء اس پر راضی ہو گئیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے تنعم اور دنیا کو مطلقاً پسند نہیں فرمایا۔ (اشرف المواعظ ج ۲۶)

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں پر بہت شفقت تھی حالانکہ اس قدر شفقت اور اتنا اہتمام اور اس قدر دل سوزی و ہمدردی آپ پر واجب تو کیا ہوتی اس سے تو براہ رحمت آپ کو روکا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاید آپ اپنی جان کھپائیں گے اس غم سے کہ یہ مومن نہیں ہیں۔ اور

ارشاد ہے فاعرض عنھم آپ ان سے اعراض کیجئے اور فرماتے ہیں وَّ لَاتُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ یعنی آپ سے سوال نہ ہوگا دوزخیوں سے۔ مگر باوجود اس کے حضور کو وہ شفقت تھی کہ امت کے لئے کھڑے ہوکر دعا فرمارہے ہیں اور قدم مبارک ورم کر گئے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات کامل حضور کو ایک آیت کے تکرار میں گزر گئی وہ آیت یہ ہے اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یعنی اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب کریں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ بخشیں تو بیشک آپ غالب ہیں حکمت والے ہیں۔ اور یہ بھی احتمال نہیں ہے کہ آپ نے جو علاج تجویز فرمایا ہے اس میں حضور کی کوئی غرض وابستہ ہو حضور کے برتاؤ کو حدیثوں کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے کبھی اپنے یا اپنی اولاد کے لئے دنیا کی فلاح نہیں چاہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسی پیاری بیٹی تھیں کہ باوجود اس کے کہ حضور کی عادت شریفہ نہ تھی کہ کسی کے لئے کھڑے ہوں مگر جب یہ تشریف لاتی تھیں تو حضور بے چین ہوکر جوش محبت میں کھڑے ہوجاتے تھے اور جب حضور سفر میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں ان سے ملتے تھے اور جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو سب سے اول ان سے ملتے تھے ایسی چہیتی بیٹی کام کاج کے لئے ایک لونڈی مانگنے تشریف لائیں حضور اس وقت دولت خانہ تشریف نہ رکھتے تھے جب آپ تشریف لائے اور صاحبزادی صاحبہ کے اس غرض سے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اس وقت وہ لیٹی ہوئی تھیں اٹھنے لگیں تو حضور نے فرمایا کہ تم لیٹی رہو حضور ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بیٹی لونڈی لیتی ہو یا لونڈی سے بہتر چیز۔ بیٹی بھی ایسی باپ کی چاہنے والی اور مطیع تھیں عرض کیا کہ لونڈی سے اچھی شے دیجئے فرمایا کہ سوتے وقت سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو یہ تم کو لونڈی غلام سے بہتر ہے ایسے پیغمبر پر کسی کو غرض کا کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ (السوال ج۲۶)

کمال سادگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تکیہ میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ حدیث میں رث البیت رث الاھیئت کا لفظ آیا ہے یعنی آپ کی وضع بھی سادی تھی اور بود وباش بھی سادی تھی ممتاز جگہ پر بھی

آپ نہ بیٹھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں باہر کے لوگ آتے تھے تو پہچان نہیں سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں اور پوچھنا پڑتا تھا کلہ من محمد فیکم (تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں) جب صحابہ بتلاتے تھے ھذا الابیض المتکی (یہ گورے چٹے تکیہ کا سہارا لگانے والے) تب پہچان ہوتی تھی (صلی اللہ علیہ وسلم) متکی کے معنی تکیہ پر بیٹھنے والے کے نہیں بلکہ ہاتھ کا یا دیوار وغیرہ کا سہارا لگانے والے ہجرت کے واقعہ میں آتا ہے کہ مسجد قبا میں انصار حضرت ابوبکرؓ سے بہت دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دھوکہ میں مصافحہ کرتے رہے کچھ ٹھکانا ہے جانبین سے سادگی اور بے تکلفی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع میں کسی بات کا امتیاز نہ تھا ورنہ لوگ پہچان ہی نہ لیتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ کہ آپ نے اس کو خلاف ادب نہیں سمجھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کے لئے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مصافحہ کرتے رہے یہ ہے مساوات اب کوئی آج کل کے لوگوں سے پوچھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو ایسا برتاؤ کیا کیا ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تھی۔ دیکھئے کس قدر سادگی ہے اس برتاؤ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت کو سب جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دو برس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زندہ رہے مگر روایات میں آیا ہے کہ کبھی ہنسی نہیں آئی کیا اس کی کوئی نظیر دکھلا سکتا ہے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

حضرت سیدۃ النساء کا جہیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز دیا مگر نہ اتنا کہ گھر لٹا دیا نہ کسی کو دکھایا جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا۔ ہاں جس طرح دیتے ہیں وہ بیشک منع ہے۔ ایک ایک عدد اٹھا اٹھا کر سب کو دکھایا جاتا ہے جوڑوں پر گوٹہ لپیٹا جاتا ہے کہ جو کوئی نہ بھی دیکھتے تو اس کی چمک ہی سے نگاہ اٹھ جائے بیبیو! یہ تو جائز نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگوں نے آج کل اس کی یہ اصلاح کی ہے کہ جہیز کھول کر دکھاتے اور گنواتے نہیں صندوقوں میں بند کر کے برادری کے سامنے رکھ دیتے ہیں میں کہتا ہوں یہ اس سے بھی بدتر ہے کھول کر دکھانے سے تو ایک حد اور مقدار اس کی ذہنوں میں آجاتی ہے اسی کے موافق تحسین و آفرین ہوتی ہے اور بند چیز کی نسبت یہی خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کیا کیا کچھ ہوگا اس سے دینے والے کے نفس کو اور زیادہ بڑائی کا

موقع ملتا ہے۔ جہیز کو رخصتی کے وقت بالکل بھیجو ہی مت گھر میں رکھا رہنے دو جب لڑکی کا گھونگھٹ کھل جائے تب لے جاؤ اور اس کے ہاتھ میں فہرست دو اور گنوادو اور کنجیاں اس کے حوالے کردو کہ یہ تیرا جہیز ہے یہ طریقہ تو ہے محبت سے دینے کا باقی سب ریاء ونمود ہے۔ یہ طریقہ اس رواج سے بہتر ہے کہ جس کا جہیز ہے اس کو خبر بھی نہیں ہوتی سسرال والوں کو کنجی دے دیجاتی ہے اگر کوئی چیز جاتی آتی رہتی ہے تو تمام عمر کی لڑائی بندھ جاتی ہے اور ایسا ہوا ہے کہ سسرال والوں کی بدنیتی سے یا غفلت سے چیزیں ضائع ہوگئی ہیں۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا"، یعنی اگر ہم آپ کو نہ سنبھالے رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر حق کی طرف کبھی میلان نہیں ہوا تو اب کیا شبہ رہا۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں کبھی ذرا بھی فتور نہیں پڑا، اس وقت مختصراً میں نے بیان کر دیا ہے اپنی تفسیر میں میں نے اس کو مفصل لکھا ہے۔ یہ تو پہلا رکوع ہے اور دوسرا رکوع ہے "وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ اَنْ یُّضِلُّوْکَ" (اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا) اس سے بھی آپکی عصمت میں شبہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ "وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ لَھَمَّتْ" فرماتے ہیں یعنی اگر حق تعالیٰ کا آپ پر فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ارادہ کرتا ایک گروہ یہ کہ آپ کو غلطی میں ڈال دے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ کا مرتبہ بھی نہیں ہوا کیونکہ ہم اس کو کہتے ہیں جس کے بعد صدور فعل کا ہو جاوے اور وہ مرتبہ عزم کا ہے اور بعض نے ہم کو عزم سے قبل کہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن میں "وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا" (اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال عزم کے درجہ میں جم رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) بھی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ھم بالمراۃ (آپ کے دل میں اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) اور انبیاء چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے عزت معصیت ان سے محقق نہیں ہوسکتا اس لیے وہ اس کے قائل ہوگئے کہ ہم عزم سے پہلے ہوتا ہے۔ (بفضل العظیم ج ۲۷)

تمام کمالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں

نصوص سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات میں انبیاء علیہم السلام سے اکمل ہیں اس لیے یہ شبہ نہیں ہوسکتا الغرض ترک لذات لازم زہد نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرتے بلکہ تقلیل لذات زہد کے لیے کافی ہے سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے نکاح کئے ہیں آپ کی اصلی قوت کے اعتبار سے وہ تقلیل لذات ہی میں داخل ہیں کیونکہ احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اندر تیس مردوں اور بعض روایات میں ہے کہ چالیس مردوں کی قوت کا اندازہ کرتے تھے اور ایک مرد کی قوت چار عورتوں کے لیے کافی ہے۔ اسی لیے شریعت نے چار نکاح تک کی اجازت دی ہے۔ اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی قوت تھی جو ایک سو بیس عورتوں کو اور دوسری روایت کے موافق ایک سو ساٹھ عورتوں کے لیے کافی تھی بلکہ شرح شفاء میں ابو نعیم سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ چالیس مرد جنت کے مردوں میں سے ہیں اور ان میں ہر مرد کی قوت حسب روایت ترمذی ستر مردوں کے برابر ہوگی اور ایک روایت میں سو مردوں کی برابر آیا ہے تو ایک حساب سے آپ میں قریب تین ہزار مرد کے برابر اور ایک حساب سے چار ہزار مرد کے برابر قوت ہوئی۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال زہد

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نو پر صبر کرنا یہ کمال زہد تھا اور آپ اس پر بھی قادر تھے کہ بالکل صبر کر لیتے چنانچہ جوانی میں آپ نے پورا صبر کیا کہ پچیس سال کی عمر میں چالیس سال کی بیوہ عورت سے نکاح کیا' بھلا کنوارا مرد ایسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے جو اس کی ماں بن سکے' ہرگز نہیں۔ پس جوانی میں آپ کا چالیس سالہ عورت سے نکاح کرنا اور ساری جوانی اسی کے ساتھ تیر کر دینا اس کی کافی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبع شہوات ہرگز نہ تھے بلکہ آپ اعلیٰ درجہ کے زاہد تھے مگر بوڑھاپے میں آپ نے نو نکاح کئے تو ضرور آپ کے ان نکاحوں میں کوئی حکمت تھی۔

چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یاد فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ

ان بڑھیا کو کیا یاد فرمایا کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اچھی آپ کو دیدی۔ حدیث میں ہے: "فغضب حتیٰ قلت والذی بعثک بالحق لااذکرھا بعد ھذا الا بخیر" یعنی آپ کو غصہ آ گیا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ڈر گئیں اور بقسم عرض کیا کہ اب سے جب کبھی ان کا ذکر کروں گی بھلائی سے کروں گی۔ یہ حالت رعب کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تھی جن کو سب سے زیادہ ناز تھا تو دوسرے ازواج کی تو کیا حالت ہوگی تو ناز برداری کے ساتھ رعب کا جمع کرنا سرسری بات نہیں۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

حسن و جمال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا حسن تو عجیب وغریب تھا جو ہزاروں لاکھوں میں نہ چھپتا تھا اگر یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب آپ کا حسن ایسا تھا تو پھر نوواردوں کو پوچھنے کی کیوں نوبت آتی تھی حسن تو سب کو معلوم ہو جاتا ہے تو بات یہ ہے کہ (حسن بے شک چھپ نہیں سکتا مگر اس سے اتنا ہی تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ شخص سب سے زیادہ خوبصورت اور جمال میں بے نظیر ہے لیکن جو نووارد آپ کو سلطان سمجھ کر آتا تھا اسے سامان سلطنت واسباب امتیاز نہ دیکھ کر بلکہ آپ کو سب کے ساتھ ملا جلا دیکھ کر حیرت ہوتی ہی تھی کہ میں ان میں سے کس کو بادشاہ سمجھوں کیونکہ حسن و جمال بدوں سامان سلطنت کے کسی کو سلطان سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ) آپ کا حسن ایسا لطیف تھا کہ دیکھنے والے کو فوراً اس کے تمام کمالات کا احاطہ نہ ہوتا تھا بلکہ آپ کے حسن کی یہ شان تھی۔

یزیدک وجھہ حسناً اذا مازدتہ نظراً

(تیرے چہرہ میں حسن زیادہ ہی ہوتا ہے جس قدر اس پر نظر زیادہ ڈالتا ہوں) (اسباب الغفلۃ ج ۲۸)

اہل کمال کو تصنع کی ضرورت نہیں

چلنے پھرنے میں آپ کی یہ عادت تھی کہ نہ سب سے آگے چلتے تھے نہ سب کے پیچھے بلکہ ملے جلے بیچ میں چلتے تھے اور بیچ میں اس طرح کہ کبھی دائیں کبھی بائیں غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی تھی حالانکہ آپ کی شان یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(قصہ مختصر آپ کا رتبہ خدا کے بعد بزرگ تر ہے)

اور یہ بزرگی ہی تو وجہ تھی اس حالت کی کیونکہ اہل کمال کو تصنع کی ضرورت نہیں ہوتی تصنع اور تکلف وہ کرتا ہے جس میں ذاتی کمال نہ ہو اور جس میں ذاتی کمال ہوتا ہے وہ اسباب کمال سے مستغنی ہو جاتا ہے آپ کا ذاتی کمال خدا کی معرفت و محبت ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی تصنع کی آپ کو ضرورت نہ تھی اور یہ کمال آپ کی برکت سے بحمد اللہ ہر مسلمان کو حاصل ہے اور جس پر اس کی عظمت منکشف ہو گئی ہے وہ بھی آپ کی طرح سب چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے چنانچہ ایک کابلی کہا کرتا تھا کہ ہم بڑے امیر ہیں ہم سے بڑھ کر دولت کسی کے پاس بھی نہیں ہے ہمارے پاس **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی دولت ہے مگر ہم نے اس دولت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اس کے اثر کو دیکھا نہیں اس کی قدر کو جانا نہیں اس لئے ہم تکلف اور تصنع میں مبتلا ہیں واللہ یہ وہ دولت ہے کہ جس کے پاس یہ ہے اس کو کسی سامان کی ضرورت نہیں مگر ہماری وہ حالت ہے۔

جوئی لب ناں دربدر — یک سبد پرناں ترا بر فرق سرتو ہمی
تابزانوئی میاں قعر آب — وزعطش وزجوع گشتستی خراب

(تمہارے سر پر ایک ٹوکرا روٹیوں کا دھرا ہوا ہے اور تم روٹی کے ٹکڑے کو دربدر مارے پھرتے ہو تم دریا میں زانو تک پانی میں کھڑے اور بھوک اور پیاس سے مر رہے ہو) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہوئی

دراصل اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کے رؤسا نے آپ کو سخت جواب دیا اور قبول اسلام سے انکار کر دیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بستی کے شریروں کو بھڑکا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھیلے پتھر پھینکیں اس وقت غیرت خداوندی کو جوش ہوا اور بحکم الٰہی حضرت جبرئیل علیہ السلام ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) کو ساتھ لے کر آئے اور عرض کیا حق تعالیٰ نے سلام کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی قوم کا برتاؤ آپ کے ساتھ دیکھا اور ملک الجبال کو حکم دے دیا ہے کہ آپ جو کچھ اس سے فرمائیں اس کی تعمیل کرے۔ اگر آپ حکم دیں تو یہ اسی وقت طائف کے دونوں پہاڑوں کو باہم ملا دے۔ جس سے ساری آبادی پس کر رہ جائے گی مگر آپ کی رحمت

آپ نے فرمایا کہ چھوڑ دو مجھ کو اور میری قوم کو میں ان کی تباہی نہیں چاہتا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ان کی آنکھیں کھل جائیں اور اگر یہ اسلام نہ لائیں تو مجھے امید ہے کہ شاید ان کی اولاد میں سے کوئی شخص خدا کی توحید کا اقرار کرلے۔ آپ کی دلجوئی کی یہ حالت تھی کہ جب بنو ثقیف کے کفار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اتارا کہ پاس کے پاس ان کی خاطر مدارات اچھی طرح ہوسکے (اور یہ بھی مصلحت تھی کہ وہ مسلمانوں کی عبادات اور نماز وغیرہ کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ چنانچہ ان پر اس کا اثر ہوا اور وہ اسلام لانے پر آمادہ ہوگئے) پھر یہ بھی دلجوئی کی کہ بعض نے اسلام لانے کے لئے یہ شرط پیش کی تھی کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے بعض نے کہا کہ ہم جہاد نہ کریں گے آپ نے فرمایا اچھا بہتر ہے تم زکوٰۃ نہ دینا نہ جہاد کرنا۔ صحابہ کو اس شرط کی منظوری پر حیرت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جب یہ اسلام لے آئیں گے تو سب کچھ کریں گے کیونکہ جب اسلام دل میں آجاتا ہے تو یہ حالت ہوجاتی ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

(جس شخص نے تجھ کو پہچان لیا وہ جان کو کیا کرے گا اہل وعیال مال واسباب کو لے کر کیا کرے گا) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

حکام تہمت سے بچنا چاہیے

تہمت اور بدگمانی کے موقع سے بچنا بھی سنت ہے۔ چنانچہ حضور کی شان اس باب میں یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضور مسجد میں معتکف تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ ازواج مطہرات میں ہیں وہاں تشریف لائیں واپسی کے وقت حضور ان کے پہنچانے کے لئے ان کے ساتھ دروازے تک کہ وہ مسجد ہی کی طرف تھا تشریف لائے سامنے دیکھا کہ دو شخص آرہے ہیں فرمایا کہ علی رسلکما یعنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ یہاں پردہ ہے اور اس کے بعد فرمایا ایھا صفیہ یعنی یہ عورت صفیہ تھی اور کوئی اجنبیہ نہ تھی فکبر علیھما ذالک یعنی یہ بات ان دونوں پر بہت بھاری ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ پر ایسا گمان ہوسکتا ہے فرمایا شیطان ابن آدم کے اندر بجائے خون کے دوڑتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کبھی وہ تمہارے ایمان کو نہ تباہ کردے پس جو لوگ ارشاد کی شان لئے ہوئے ہیں وہ تو ابہام سے بھی بچتے ہیں۔ ایسے حضرات قابل بیعت ہیں باقی جن کا ظاہر شریعت کے موافق نہ ہو ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ مکار ہیں باطن بھی ان کا

موافق نہیں ہے وہ مردود ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ باطن ان کا بالکل شریعت کے موافق ہوتا ہے۔لیکن ظاہران کا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ان پر اعتراض نہ کرے اور نہ ان کا اتباع کرے غرض مرشد ایسے کو بنادے جو ظاہراً باطناً پاک صاف ہو۔(غض البصر ج ۲۸)

کفار کی ایذائیں

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھ رہے تھے جب آپ سجدہ میں گئے تو چند کفار نے آپ کی گردن پر گندگی رکھ دی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تلویث ثیاب کے اندیشہ سے دیر تک سجدہ ہی میں رہے یہ حال دیکھ کر کفار ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گر رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی یہ اس وقت بچی سی تھیں فوراً دوڑی ہوئی آئیں اور رؤساء کفار کو ان کے منہ پر برا بھلا کہا اور گندگی کو اٹھا کر پھینک دیا اب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سجدہ سے سر اٹھایا اور ان کافروں کے نام لے لے کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بددعا فرمائی حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان سے بددعا نکلی تو کفار کے رنگ فق ہوگئے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ جو کچھ کہہ دیں گے ضرور ہو کر رہے گا حالانکہ مسلمانوں کا تو خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کے ارشاد سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہر بددعا کا لگنا ضروری نہیں چاہے لگے یا نہ لگے مگر کفار کا تو یہی خیال تھا کہ آپ جو کچھ کہہ دیں گے ضرور پورا ہو کر رہے گا پس اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کو نہ پہچانتے تھے تو آپ کی بددعا سے اتنے خائف کیوں تھے؟ معلوم ہوا کہ پہچانتے تھے مگر عناد و عار کی وجہ سے انکار کرتے تھے چنانچہ اسی عار کی بناء پر کہا کرتے کہ کیا رسالت کے لئے یتیم ابی طالب ہی رہ گئے تھے اگر خدا تعالیٰ کو رسول ہی بھیجنا تھا تو مکہ اور طائف کے کسی مالدار دولت مند کو رسول ہونا چاہیے تھا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٌ (اور انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اس قرآن کو دونوں مقاموں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے مالدار پر کیوں نہیں اتارا) حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ یعنی کیا یہ لوگ نبوت کو بانٹتے ہیں کیا اس کی تقسیم ان کے ہاتھ میں ہے جو اپنی طرف سے تجویزیں پاس کرتے ہیں ہم نے ایک

ذلیل چیز معیشت دنیا کی تقسیم کا تو اختیار ان کو دیا ہی نہیں بلکہ اس کو بھی ہم نے خود ہی تقسیم کیا ہے پھر نبوت کو یہ لوگ کیا بانٹیں گے غرض ان کو محض عار مانع تھی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں ان کو شبہ نہ تھا چنانچہ بعض نے مرتے ہوئے اقرار کیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور آپ کا دین حق ہے مگر مجھے اسلام لانے میں اس کا خوف ہے کہ قریش کی بوڑھی عورتیں یہ کہیں گی کہ دوزخ کے خوف سے اپنے باپ دادا کا دین بدل دیا گویا کفر پر جمے رہنے کا منشا بہادری تھی کہ لوگ یوں کہیں بڑے بہادر ہیں کہ دوزخ سے بھی نہیں ڈرتے واقعی بڑا بہادر تو وہی ہے جو یوں کہے کہ میں دزخ سے بھی نہیں ڈرتا فَمَا اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں) (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب

حدیث میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں اس طرح بیٹھتے کہ کوئی ناواقف آتا تو اس کو پوچھنا پڑتا من محمد فیکم صحابہ کہتے هذا لابيض المتكئی متکے کے معنی ٹیک لگانے والے کے ہیں کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ ٹیکے بیٹھے ہوں گے اس وقت یہ لفظ کہا گیا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیے پر بیٹھے تھے۔ کیونکہ عربی زبان میں اتکا کے معنے مطلب ٹیک لگانے کے ہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ اور مسند پر بیٹھا کرتے تو آنے والا شناخت ہی نہ کر لیتا کیونکہ ظاہر ہے کہ مجلس میں جو تکیہ پر بیٹھا ہوتا ہے وہی بڑا ہوتا ہے۔ اور ہجرت کے واقعہ میں ہے کہ جب مسجد قبا میں آنے والے حضرت صدیق اکبرؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دھوکہ میں مصافحہ کرتے رہے جب دھوپ چڑھ آئی تو حضرت صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے تب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر سادگی سے رہتے تھے اب یہاں قابل لحاظ یہ بات ہے کہ معلوم ہونے پر دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے مصافحہ نہیں کیا نیز یہ کہ حضرت صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کے لئے خود ہی سب سے مصافحہ کیا کہئے کیا ادب ہے حقیقی ادب اس کو کہتے ہیں کس جان نثاری سے لوگ آئے تھے اور ان کے لئے مصافحہ کس درجہ نعمت غیر مترقبہ تھی مگر اپنی خواہش پوری کرنے کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا زیادہ پاس کیا آج کل کا مصافحہ نہ

تھا۔ آج کل تو لوگ غضب ہی کرتے ہیں ایک مرتبہ میں گردن جھکائے وظیفہ پڑھتا تھا ایک شخص آئے اور مصافحہ کے لئے کھڑے رہے میں نے آنکھیں بند کر لیں تا کہ وہ چلے جائیں مگر وہ اس پر بھی نہ گئے اور پکار کر کہا کہ مصافحہ میں نے بھی کہہ دیا کہ وظیفہ اور بعض لوگ کندھا پکڑ پکڑ کر کھینچتے ہیں کہ مصافحہ کر لیجئے مصافحہ کیا ہوا کہ بلائے جان ہو گیا اور پھر کتنا ہی کہیئے کوئی سنتا نہیں ابھی ایک شخص کو منع کیا اور دوسرا اسی طرح مصافحہ کرنے کو تیار فرمایا اور یہ رسم بھی قابل اصلاح ہے کہ مسافر چلتے وقت جبکہ اسباب باندھتا ہوتا ہے اس وقت اس کو گھیرتے ہیں اس وقت اس کو مخلی بالطبع چھوڑ دینا چاہئے جب تک اسباب باندھے اس سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ جانا چاہئے ہاں اس کی اعانت کے واسطے اگر ایک دو آدمی پاس رہیں جن سے بے تکلفی ہو تو خیر جب تہیہ سفر کر چکے تو اطمینان سے مل لیں فقط۔ (ادب العشیر ج ۲۸)

شان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھئے کہ آپ لباس ہمیشہ موٹا پہنتے تھے اور کمبل اوڑھا کرتے تھے مگر اس کمبل ہی میں رعب وجلال کی یہ حالت تھی کہ سفراء دول آپ سے کانپتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی بادشاہ کا سفیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو صورت دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی یہ حالت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت کہ آپ اپنے رعب کو کم کرنا چاہتے تھے' کوئی دنیا کا بادشاہ ہوتا تو اس حالت سے خوش ہوتا کہ مجھے دیکھ کر سفراء دول کانپتے ہیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو دین کے بادشاہ تھے' آپ خود اس کی خواہش کیوں کرتے۔ چنانچہ سفیر کی یہ حالت دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ بھائی مجھ سے کیوں ڈرتے ہو' میں تو ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یعنی غریب تھی جو گوشت کو سکھا کر دوسرے اوقات کے لیے رکھتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی تواضع کو ظاہر فرمایا' شاید کوئی کہے کہ گو لباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سادہ تھا مگر شاید کوئی اور ہیبت رعب کی ہو گی تو سنئے! حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ نو وارد کو یہ بھی خبر نہ ہوتی تھی کہ ان میں سردار کون ہیں اور خادم کون ہیں۔ کوئی صورت امتیاز کی نہ تھی اسی لیے نو وارد کو پوچھنا پڑتا تھا۔ "من محمد فیکم" تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ صحابہ

فرماتے: "هذا الابيض المتكني" (یہ گورے چٹے جو سہارا لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ تو نشست و برخاست کی سادگی تھی اور گفتگو کی سادگی یہ تھی کہ دیہات والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا محمد ابن عبدالمطلب کہہ کر گفتگو کرتے تھے' صاف نام لیا کرتے تھے' القاب و آداب کچھ نہ استعمال کرتے تھے' اس میں کچھ تو ان کے دیہاتی ہونے کا اثر تھا اور کچھ عرب میں سادگی ہے۔ بھئی سنا ہے کہ اب تک بھی ان کی یہی معاشرت ہے کہ وہ اپنے امراء و سلاطین کو نام لے کر خطاب کرتے ہیں۔ شیوخ عرب شریف مکہ کو یا حسین یا حسین کہہ کر خطاب کرتے ہیں اور آج کل ابن مسعود کے متعلق بھی سنا گیا ہے کہ ان کے بعض آدمی یا ابن مسعود کہہ کر ان سے خطاب کرتے ہیں اور چلنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی تھی کہ آپ اکثر صحابہ کے پیچھے چلتے تھے اور کبھی درمیان میں ہو جاتے تھے۔ غرض میمنہ میسرہ اور مقدمہ ساقہ کی کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ کبھی کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہو جاتا کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو جاتے اور کبھی سب سے پیچھے ہو جاتے۔ شاید کوئی کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن ایسا تھا جس سے دیکھنے والے پر رعب پڑتا ہوگا کیونکہ حسن کا بھی رعب ہوتا ہے تو سنئے حسن کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اول نظر میں دیکھنے والے کو مغلوب کر دے مگر بار بار دیکھنے سے رعب کم ہو جائے' دوسرے وہ جو اول نظر میں مرعوب نہ کرے اور جوں جوں نظر کرتا جائے دل میں کھبتا چلا جائے۔

یزیدک وجه حسناً اذا ما زدته نظراً

(جبکہ اس کو تم جس قدر زیادہ دیکھو گے اس کے چہرہ میں حسن زیادہ نظر آئے گا)

(الرحیل الی الخلیل)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسی باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

"کان دائم الفکرة متواصل الاحزان" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر و سوچ میں اور رنج و غم میں رہتے تھے اور اس فکر و غم ہی کا یہ اثر تھا کہ آپ کبھی کھل کر ہنستے نہ تھے۔ حدیث میں ہے: "کان جل ضحكه التبسم" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا کہ تبسم فرما لیتے تھے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر سے تبسم بھی فرما لیتے

تھے ورنہ جس کے سامنے وہ احوال شدیدہ ہوں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف تھے اس کو تو تبسم بھی نہیں ہوسکتا۔ شاید کوئی اس پر یہ شبہ کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا خوف تھا' آپؐ سے تو سب ذنوب کے بخش دیئے جانے کا وعدہ ہو چکا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ بس آپ کے نزدیک جہنم ہی تو ایک خوف کا سبب ہے۔ صاحب اس سے بڑھ کر عظمت حق کا انکشاف خوف کا سبب ہے' جس پر عظمت حق کا انکشاف ہوگیا ہے' وہ جہنم کو تو تصور میں بھی نہیں لاتا' پھر اس سے آگے ایک اور مقام ہے جس میں باوجود مغفرت ذنوب کے بھی جہنم سے اطمینان نہیں۔ "وھو انکشاف قدرۃ الحق" (وہ قدرت حق کا منکشف ہونا ہے) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لو علمتم مااعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً" یعنی اگر تم وہ باتیں جانتے جو مجھے معلوم ہیں تو بہت کم ہنستے اور زیادہ رویا کرتے۔ اس جگہ کم ہنسنے کے معنی یہ ہیں کہ بالکل نہ ہنستے مگر یہ محاورہ ایسا ہے جیسا اردو میں آپ کہا کرتے ہیں کہ میں ایسا روگ کم پالتا ہوں یعنی نہیں پالتا اور محاورات اکثر تمام زبانوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ بھی یہ استعمال آیا ہے جہاں قلت کے معنی ہو ہی نہیں سکتے' عدم ہی کے معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی: فَقَلِیْلاً مَّا یُؤْمِنُوْنَ. (سو وہ ایمان نہیں لاتے ہیں) (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

خاصہ بشریہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر جو امور عظام واحوال شدیدہ تھے ان کے ہوتے ہوئے کسی کو ہنسنے کی تاب نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ تھا کہ آپ اس کے باوجود بھی تبسم فرمالیتے تھے' اس پر اگر یہ سوال ہو کہ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم بھی کیوں فرماتے تھے اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ ہماری خاطر سے تاکہ لوگوں کا کلیجہ نہ پھٹ جائے اور وہ یوں نہ کہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت غمگین رہتے ہیں تو ہمارے تو پھر کہاں ٹھکانا ہے' لوگ اس سے مایوس ہوجاتے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہ گاہ تبسم فرمالیا کرتے۔ دوسرے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ضحک وتبسم خاصہ بشریہ ہے کہ ہنسی کی بات پر ہنسی آ ہی جاتی ہے چاہے اندر سے دل پر کیسا ہی غم کا پہاڑ ہو مشہور ہے کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے کیونکہ خاصہ بشریہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی حالت تھی کہ آپ ہمیشہ فکرمند اور اندوہگیں رہتے تھے تو ہم آخر کس بات پر بے فکر ہیں۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

کمال شفقت

حضرت اویسؓ سے بڑھ کر حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے یہ حالت کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے بعد میں اسلام لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا **هل تستطیع ان تغیب وجهک عنی** (**الصحیح للبخاری ۵: ۱۲۹**) اے وحشی! کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے غائب رکھ سکتے ہو۔ یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ تم عمر بھر میرے سامنے نہ آؤ۔ واللہ! یہ واقعہ تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے لئے کافی ہے کہ آپ کو قاتل حمزہ کی صورت دیکھنے سے طبعاً ملال و کوفت ہوتا تھا بے تکلف آپ نے اس طبعی اثر کو ظاہر فرمادیا کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور بناوٹ کرتا اور اپنے رنج کو چھپاتا کہ ایسی بات کیا کہوں جس سے دوسروں کو یہ خیال ہوگا کہ معافی کے بعد بھی ان کے دل میں غبار ہے اور یوں کہے گا کہ اسلام سے خدا تعالیٰ نے تو پہلے گناہوں کو معاف فرمادیا اور ان کے دل میں ابھی تک پہلی باتوں کا اثر باقی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی مطلق پروانہ تھی کہ کوئی معتقد رہے گا یا نہیں اس لئے صاف صاف فرمادیا کہ اے وحشی اگر تم عمر بھر کے لئے مجھ سے اپنا منہ چھپالو تو اچھا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طریق میں تکدر قلب شیخ مانع و حاجب ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے آنے سے روک دیا کہ روز روز دیکھ کر انقباض ہوگا اور میرے انقباض سے ان کو ضرر ہوگا کہ فیوض و برکات سے حرمان ہو جائے گا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ہی راحت کا سامان نہیں کیا بلکہ ان کی راحت کا بھی سامان تھا کہ ان کو بعد ہی میں ترقی ہوسکتی ہے قرب میں نہ ہوگی۔ اسی لئے صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ بعض مریدوں کے لئے شیخ سے بعد ہی مفید ہے ان کو قرب میں زیادہ نفع نہیں ہوتا۔

دوسرے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی اس قسم کے امور طبعیہ اور جذبات بشریہ کی رعایت و موافقت کی اجازت دے دی اور بتلا دیا کہ مجرم کی خطا معاف کر دینا اور ہے اور دل کھل جانا اور ہے یہ ضرور نہیں کہ خطا معاف کر دینے کے ساتھ فوراً ہی دل بھی کھل جائے اس واقعہ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے جو خطا ہوئی تھی یعنی قتل حمزہ وہ اسلام سے پہلے ہوئی تھی اور اسلام لانے سے گزشتہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو یقیناً ان کی خطا معاف کر دی گئی تھی مگر خطا معاف کر دینے سے وہ طبعی اثر معاً کیوں کر دل سے

زائل ہو جاتا کہ صورت دیکھ کر قاتل ہونے کا بھی خیال نہ آتا اس لئے آپ نے حضرت وحشی کو اپنے سامنے آنے سے منع فرما دیا۔ لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں کہ خطا کی معافی اور دل کی صفائی کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے خطا معاف کر دینے سے فوراً دل صاف نہیں ہو جاتا دیکھو اگر تم کسی کے نشتر چبھا دو پھر معافی چاہو اور وہ اسی وقت معاف بھی کر دے تو کیا معاف کر دینے سے زخم بھی فوراً اچھا ہو جائے گا ہرگز نہیں بلکہ اس کا علاج معالجہ مہینوں ہفتوں کرو گے تب کہیں اچھا ہوگا یہی حال دل کے زخم کا ہے کہ خطا معاف کر دینے سے وہ معاً مندمل نہیں ہو جاتا بلکہ دیر میں اچھا ہوتا ہے اور کبھی خطا کار کے بار بار سامنے آنے سے دل کا زخم چھلنے لگتا ہے تو اس وقت اس کی اجازت ہے کہ اس کو اپنے سامنے آنے سے منع کر دو تا کہ دل کا زخم زیادہ نہ بڑھے اور جلدی اچھا ہو جائے مگر بعض لوگ اس حالت کے ظاہر کرنے سے شرماتے ہیں کہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے دل میں معافی کے بعد بھی غبار ہے یہ محض تصنع ہے اور بعضے اس سے تو نہیں شرماتے مگر دوسرے شخص کی دل شکنی کے خیال سے اس کو سامنے آنے سے منع نہیں کرتے اور اپنے دل پر جبر کئے رہتے ہیں کہ یہ عزیمت ہے مگر کبھی اس رخصت پر بھی عمل کرنا چاہئے جس پر حضرت وحشی کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے اگر رخصت شرعیہ سے ہم انتفاع نہ کریں گے تو کیا فرشتے انتفاع کریں گے اور میرے نزدیک اس کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ جس شخص کے سامنے آنے سے کلفت قابل برداشت ہوتی ہو وہاں عزیمت پر عمل کرلے اور جہاں کلفت نا قابل برداشت ہوتی ہو وہاں رخصت پر عمل کرے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت لوگوں نے ایذا دی مگر چونکہ وہ ایذائیں آپ کی ذات تک محدود تھیں اس لئے ان کو آپ بہت جلد دل سے بھلا دیتے تھے اور ان ایذا دینے والوں کے اسلام کے بعد ان کی پہلی ایذا کا آپ کو خیال بھی نہ رہتا تھا اور حضرت وحشی کی ایذا کا اثر آپ کی ذات ہی تک نہ تھا بلکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو قتل کیا تھا اور بری طرح قتل کیا تھا جس کا صدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور حضرت حمزہ کے سب عزیزوں کو بہت تھا جس کی وجہ سے حضرت وحشی کی صورت دیکھنے کا آپ کو تحمل نہ تھا اس لئے یہاں آپ نے رخصت پر عمل فرمایا ۱۲) (انفاق المحبوب ج ۳۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت جسمانی

خاندان بنی ہاشم تھا ہی بہت قوی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہلوان کو پچھاڑا تھا ان کا نام رکانہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں آپ نے ان کو پچھاڑ دیا انہوں نے کہا کہ یہ اتفاقی بات تھی کہ میں پچھڑ گیا۔ اب کے پچھاڑے تو جانوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو اٹھا کر پھینک دیا یہ صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں قوت بدنی بھی بہت تھی۔ غرض یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔

یہاں سے ملحدوں کے تعدد ازواج پر اعتراض کا جواب بھی نکلتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کے برابر قوت تھی اور ایک آدمی کو ایک بیوی رکھنے کی اجازت تمام دنیا دیتی ہے تو اس حساب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس بیویاں رکھنے کی گنجائش تھی تیس کی جگہ اگر نو ہی رکھیں تو اس تعدد ازواج پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کمی کی حساب سے ایک تہائی سے بھی کم پر بس کیا' ذرا انصاف سے کام لینا چاہئے اور یوں کوئی بک بک کرتا پھرے تو اس کا کیا علاج اور یہ تعدد ازواج بھی بطور نفس پروری نہ تھا کیونکہ اس کے خلاف پر بہت سے قرائن ہیں۔

دیکھئے سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سب بیواؤں سے عقد کیا اور سب سے اول جو شادی کی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس کی تھی یہ وقت عین شباب کا تھا اس وقت میں تو کنواری سے کرنا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا ان کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی اور بیوہ تھیں دیکھئے یہ نفس پروری ہے یا نفس کشی اور جب تک وہ زندہ رہیں ان کے سامنے اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ یہاں سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورتوں سے اس واسطے عقد کئے کہ کنواری ملتی کہاں آپ کوئی گھر کے امیر نہ تھے اور شبہ اسطرح رفع ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ملکۃ العرب کہلاتی تھیں انہوں نے خود اپنی خواہش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تھا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت لوگوں کے دلوں میں یہ تھی کہ ملکۃ العرب نے خود خواہش کی تو غریب غربا کنواریوں کا ملنا کیا مشکل تھا۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

خاندانی اور غیر خاندانی میں فرق

خاندانی اور غیر خاندانی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند تعالیٰ نے ایسے خاندان میں پیدا کیا تا کہ کسی بڑے سے بڑے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے میں عار نہ ہو اسی واسطے حق تعالیٰ نے سب انبیاء کو خاندانی بنایا ہے۔ اگر چہ خدائے تعالیٰ کے یہاں نسبت کا چنداں اعتبار نہیں بلکہ کسب کا اعتبار ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ مگر لوگوں کے مذاق کا اعتبار کیا تا کہ کسی کو بھی اتباع سے عار نہ ہو۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

شریعت کی وسعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ فرماتے ہیں اوتیت علم الاولین والاخرین (مجھ کو اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے) اور فرماتے ہیں ادبنی ربی فاحسن تادیبی و علمنی ربی فاحسن تعلیمی (کشف الخفاء للعجلونی ۱: ۷۲، کنز العمال ۱۳۹۹۵) (مجھ کو میرے رب نے ادب دیا پس میرا ادب دینا اچھا ہوا مجھ کو میرے رب نے تعلیم دی پس اچھی ہوئی تعلیم میری) اور یہاں سے شریعت کی وسعت معلوم ہوگئی ہوگی کہ شریعت اسلامی کے سوا کوئی قانون ایسا نہیں کہ جس میں تمام واقعات جو قیامت تک ہونے والے ہیں سب کا حکم موجود ہو اگر کوئی کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مسائل کے متعلق لا ادری (مجھ کو معلوم نہیں) فرمایا ہے تو جواب یہ ہے کہ لا ادری اس وقت تک تھا کہ جب تک شریعت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔

اور جب آیۃ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (میں نے آج کے دن تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا) نازل ہوئی اور شریعت من کل الوجوہ مکمل ہوگئی پھر کوئی حکم غیر مبین نہیں رہا سب مبین ہو گئے اور مبین ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالتخصیص ہر ہر واقعہ کا حکم بیان فرمایا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ قواعد کلیہ ایسے فرمائے جن سے تمام واقعات کے احکام مستنبط ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدن گودنے والے پر جو لعنت فرمائی تو ایک

عورت نے دریافت کیا کہ قرآن میں تو یہ حکم ہی نہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو قرآن پڑھتی تو اس میں یہ حکم پاتی کیا تو نے قرآن میں پڑھا نہیں وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمادیں) اس کو لو اور جس شے سے منع فرماویں اس سے باز رہو۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن گودنے والے پر لعنت فرمائی ہے پس یہ حکم بھی من اللہ ہوا اسی طرح سے آج کل جو اخباروں میں لکھا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں ہی نہیں یہ مولویوں کی گھڑت ہے یہاں سے اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ اگرچہ قرآن میں تصریحاً نہیں ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امر فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا اللہ تعالیٰ ہی کا فرمایا ہوا ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(انکا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگرچہ اللہ کے بندہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلا ہے)

آپ کی شان یہ ہے

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ اوستاد ازل گفت بگو آں گویم

(آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)

پس اس قاعدہ سے داڑھی رکھنے کا حکم بھی قرآن میں مذکور ہوگیا اور یہاں سے ایک اور ضروری بات ثابت ہوئی وہ یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا گویا اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کاملین کی حالت

انبیاء اور کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گو ان سے خطائیں نہیں ہوتیں مگر بات بات پر ان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کہیں ناراض نہ ہوگئے ہوں اسی لئے حق تعالیٰ نے سورہ فتحنا میں فرمایا ہے۔ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیں) حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذنب سے پاک تھے مگر پھر بھی ذنب اس لئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تسلی ہو

جائے کیونکہ آپ تو اس بے گناہی میں بھی اپنے کو گنہگار سمجھتے تھے آپ کے خیال کے موافق فرمادیا کہ اچھا اگر آپ اپنے کو گنہگار ہی سمجھتے ہیں تو لو ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔ اب تو آپ کو تسلی ہو جانی چاہیئے۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے عاشق محبوب سے رخصت ہوتے ہوئے کہا کرتا ہے کہ میری خطائیں معاف کر دو وہاں خطا کا نام کہاں محبوب کہتا ہے کہ تم تو جان نثار ہو تم سے خطا کیسی؟ مگر وہ آگے ہاتھ جوڑتا ہے خوشامدیں کرتا ہے کہ ایک بار تم زبان سے کہہ دو کہ میں نے سب خطائیں معاف کیں چنانچہ وہ محض اس کی تسلی کے لئے کہہ دیتا ہے مگر واقع میں خطا کا نام بھی وہاں نہیں ہوتا۔ اس عشق کی بھی عجیب کیفیات ہیں بس عاشق کا حال یہ ہوتا ہے کہ بعد میں تو چین کہاں ہوتا قرب میں بھی بے چین ہی رہتا ہے۔

من شمع جانگدازم و تو صبح دل کشائی　　سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

نزدیک آں چنانم و دور آں چنانم کہ گفتم　　نے تاب وصل دارم و لے طاقت جدائی

(میں شمع ہوں تو صبح ہے اگر تجھے دیکھوں تب بھی موت ہے کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہے کہ جل جاؤں گا اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہے اور جدائی ایسی جیسا اوپر کے شعر میں ذکر کیا نہ جدائی کی طاقت نہ وصل کی تاب) نہ اس کو وصل میں چین ہے نہ فصل میں چین ہے جتنا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ بے چین ہوتا ہے۔ (ابواوالیتامیٰ ج ۳۰)

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جب حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ چاہے نبی ملک (بادشاہ) ہونا اختیار کر لیں یا نبی عبد ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کے مشورہ سے نبی عبد ہونا اختیار کیا اگر آپ بھی نبی ملک ہونا چاہتے تو آپ سے بھی یہی ارشاد ہوتا **هذا عطاء نا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَاب** (یہ بے شمار ہماری عطا ہے دو یا نہ دو) اور اس سے آپ کی بھی تسلی کر دی جاتی مگر آپ نے سلطنت پر عبدیت کو ترجیح دی اور غنائے ظاہری کو اختیار نہیں فرمایا دوسرے اگر غنائے ظاہری ہی مراد لی جائے جیسا مشہور مفسرین میں یہی ہے تو گو آپ کے پاس مال جمع نہ رہتا تھا اور اسی سے شبہ عدم غنائے ظاہری کا ہو سکتا ہے مگر جو مقصود ہے غنائے ظاہری سے کوئی مصلحت ان کی نہ رہے وہ مقصود اس

طرح حاصل تھا کہ وقتاً فوقتاً اس طرح مال آتا تھا کہ سلاطین وامراء کی طرح آپ خرچ فرماتے تھے جس میں یہ بھی حکمت تھی کہ آپ مقتدا تھے اور مقتدا کے لئے وقعت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ عرفاً تمول سے ہوتی ہے بشرطیکہ تمول پر تحول بھی مسلط ہو (یعنی سخاوت بھی ہو کہ لوگوں کو دیتا دلاتا رہے جس سے مال چلتا پھرے) (ایواء الیتامیٰ ج ۳۰)

ظاہری غنا

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری غنا کی بھی یہ حالت تھی کہ آپ نے حج وداع میں سو اونٹ قربان کئے جن میں تریسٹھ اپنے دست مبارک سے نحر کئے جس کی کیفیت حدیث میں آتی ہے کلھن یز دلفن الیه کی ہر اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی گردن بڑھاتا تھا گویا ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی۔

ہمہ آہون ان صحرا سر خود نہادہ بر کف　　　بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(جنگل کے تمام ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے اس امید پر کہ کسی دن تو شکار کو آوے گا)

یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں زیادہ چسپاں ہے واقعی آپ تو ایسے ہی تھے کہ جانور اپنی گردنیں خود آگے بڑھاتے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ کاش پہلے میں آپ کے ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں اتنے اونٹوں کا ذبح ہونا بدون ظاہری غنا کے کب ممکن ہے اسی طرح آپ کی عطاء اور سخاوت کی یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ نے سو سو دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا فرمائے ایک اعرابی کو بکریوں کا بھرا جنگل عنایت فرمادیا۔

بحرین سے جب مال آیا تو وہ اتنا تھا کہ مسجد میں سونے چاندی کا ڈھیر لگ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا سب ایک دم سے بانٹ دیا اور بعض صحابہ کو اتنا دیا جتنا وہ اٹھا سکتے تھے ایسی نظیریں تو سلاطین کے یہاں بھی نہیں سنی جاتیں اس سے آپ کا غنائے ظاہری بھی ظاہر ہے کیونکہ غنائے ظاہری کی حقیقت مال کا رکھنا نہیں ہے بلکہ مال کا خرچ کرنا ہے وہ بوجہ اکمل ثابت ہو گیا۔ (ایواء الیتامیٰ ج ۳۰)

کمال ہدایت

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی (اور آپ کو بے خبر پایا تو راستہ بتلا دیا) میں آپ کی کمال ہدایت کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے خود آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا تو ضرور ہے کہ اس کا درجہ بھی کامل ہو چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کتنا کچھ کامل تھا۔ بھلا جس نے بچپن میں کسی استاد سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو نہ ایک حرف لکھا ہو اس کے علم کی یہ حالت کہ تمام دنیا کو علم سکھلا دیا عرب کے جاہلوں کو ارسطو و افلاطون سے زیادہ حکیم بنا دیا یہ کمال ہدایت نہیں تو کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا اندازہ احادیث کے پڑھنے سے اور قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ قرآن کے مطالب کو ایسا کوئی شخص حل نہیں کر سکا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جانتے تھے ادھر احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح اخلاق و تہذیب نفس و حسن معاشرت و تمدن و قضاء و امارات و سلطنت کے جو اصول و قواعد بیان فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر آپ کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے بھلا کوئی شخص بھی ایسا جامع ہو سکتا ہے جو عبادات کی بھی کامل تعلیم دے اخلاق کی بھی معاملات کی بھی معاشرت کی بھی اور تمدن و سیاست کی بھی پھر تعلیم بھی کیسی پاکیزہ جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقائص کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ آپ کے احوال کی تکمیل و کمال کو بیان فرمایا ہے خوب سمجھ لو اشکال کا جواب تو ہو گیا۔ (ابواء الیتامیٰ ج ۳۰)

قوت و شجاعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بھی اپنی کوئی خصوصیت نہیں رکھی جس طرح دوسروں کو سلام کیا جاتا تھا ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا جاتا تھا اور نہ سلاطین کا سلام تو سب سے الگ ہوتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کچھ امتیاز نہ رکھا تھا رہا نکاح میں آپ کا تو نو بیبیاں کرنا اور امت کے لئے چار سے زیادہ کو حرام کرنا اس کی وجہ علاوہ خاص حکمتوں کے ایک یہ بھی تھی کہ آپ میں قوت اتنی تھی کہ یہ عدد بھی اس قوت کے اعتبار سے کم ہی تھا۔ تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نو نکاحوں پر

اعتراض کرتے ہیں پہلے وہ یہ تو معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں قوت کتنی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس مردوں کی قوت ہے اور یہ محض خوش اعتقادی نہیں بلکہ اس کے دلائل موجود ہیں ایک دلیل حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ عرب میں یہ بڑے زبردست پہلوان تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کشتی میں مجھ کو پچھاڑ دیں تب میں آپ کی نبوت تسلیم کرسکتا ہوں کیونکہ ان کو اپنی قوت پر ناز تھا کہ مجھے کوئی نہیں پچھاڑ سکتا عرب میں قوت کا بھی وزن کیا جاتا تھا تو اہل عرب حضرت رکانہ کو ہزار مردوں کے برابر سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے کشتی میں رکانہ کو پچھاڑ دیا ایک دفعہ کو انہوں نے اتفاق پر محمول کیا اور کہا ایک دفعہ اور کشتی ہو آپ نے پھر بھی پچھاڑ دیا تب وہ اسلام لے آئے تو جب ایسے شخص سے بھی آپ کی قوت زیادہ تھی جو ہزار مردوں کے برابر شمار ہوتا تھا تو اس میں کیا شک ہے کہ آپ میں تیس مردوں کی قوت ہو بلکہ اس کو تو صحابہ کی احتیاط کہنا چاہئے ورنہ رکانہ کے واقعہ سے تو آپ میں اس سے زیادہ قوت معلوم ہوتی ہے۔
دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض دفعہ آپ سب بیبیوں سے یکے بعد دیگرے ایک ہی دن میں فارغ ہولیا کرتے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں قوت بہت تھی پھر نو نکاح آپ کے لئے کیا زیادہ تھے کچھ بھی نہیں ہیں۔ (ایواء الیتامیٰ ج ۳۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر

حضرات صحابہ نے ہرقل اور مقوقس کے دربار میں جو حکیمانہ کلام کیا ہے اس کو سن کر سلاطین بھی حیرت میں رہ جاتے تھے کہ ان پڑھ لوگوں کے یہ علوم ہیں یہ محض حضور کی صحبت کا اثر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی۔

نگار من کہ بمکتب نرفت و درس نکرد ... بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اس لئے پڑھ نہ سکنے کا عذر تو فضول ہے آپ سن سن کر ہی علم حاصل کر لیجئے اور اگر آج بڈھوں کو گورنمنٹ کی طرف سے قانون یاد کرنے کا حکم ہو جائے تو اس وقت یہ بوڑھے طوطے سب جوانوں کی طرح قانون یاد کرنے لگیں گے یہ بہانہ محض دین کے کاموں میں ہے دنیا کے کاموں میں بوڑھے بھی جوان ہو جاتے ہیں۔ غرض علم جس

طرح سے بھی ہو حاصل کرنا ضروری ہے۔ بدون علم کے ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ بعض لوگ عمر بھر نماز غلط ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

احسانات رسول اکرمؐ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے: "انا رحمة مهداة" کہ میں ایک رحمت ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو رحمت فرمایا۔ دوسرے قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "وما ارسلنک الا رحمة للعالمين" کہ ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ غرض حدیث وقرآن دونوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر ایک شبہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ "وما ارسلنک الا رحمة للعالمين" (ہم نے تمام جہان والوں پر آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالم کے لیے رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے اور "بالمؤمنين رؤف رحيم" (مسلمانوں پر بڑے شفیق اور مہربان ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں پر رحمت فرماتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ "بالمؤمنين رؤف رحيم" میں رحمت خاص مراد ہے کہ وہ مسلمانوں کے سوا کسی پر نہیں اور "وما ارسلنک الا رحمة للعالمين" میں رحمت عامہ مراد ہے رحمت عامہ کفار کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رحمت ایک تو ہے کہ تمام عالم کا وجود آپ کی برکت سے ہوا کہ آپ کے نور کی شعاعوں کی برکت سے تمام عالم کا مادہ بنا۔ دوسری رحمت عامہ یہ ہے کہ یوم میثاق میں تمام جہان کو توحید کی تعلیم فرمائی۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پشت آدم علیہ السلام سے ظاہر فرما کر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ "الست بربكم" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف تکنے لگے کہ آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیٰ ہاں (بیشک ہمارے رب ہیں) فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب نے بلیٰ کہا۔ تیسرے یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے آپ ہی کی برکت سے نجات پائی۔ یہ بھی

تمام عالمین پر رحمت ہے کیونکہ نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں کہ ان کے بعد سلسلہ بنی آدم انہیں کی اولاد سے جاری ہوا۔ اس وقت جس قدر انسان ہیں وہ سب ان کے تین بیٹوں ہی کی نسل سے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے: ”وجعلنا ذریته هم الباقین“ کہ ہم نے نوح علیہ السلام ہی کی اولاد کو دنیا میں باقی رکھا (باقی سب کو ہلاک کر دیا)۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو حضرت عباس بن عبد المطلب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خود طاعت ہے اس لیے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے۔ انہوں نے یہ اشعار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے:

من قبلها طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لابشر انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفیر وقد الجم نسرا وُ اهلها الغرق
تنقل من صالب الٰی رحم اذا مضی عالم بد اطبق
وردت نار الخلیل مکتتماً فی صلبه انت کیف یحترق
حتّٰی احتوی بیتک المهیمن من خندف علیاء تحتها النطق
و انت لما ولدت اشرق الارض وضاء ت بنورک الافق
فنحن فی ذالک الضیاء وفی النور سبل الرشاد تخترق

ترجمہ: زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت کے سایہ میں خوش حالی (اور راحت) میں تھے اور نیز (اس) ودیعت گاہ میں تھے جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے (یعنی آپ صلب آدم علیہ السلام میں تھے) سو زمین میں آنے سے پہلے جب آدم علیہ السلام جنت کے سایوں میں تھے آپ بھی تھے اور پتوں کا جوڑنا اشارہ ہے اس قصہ کی طرف کہ جب آدم علیہ السلام نے اس منع کیے ہوئے درخت سے کھالیا اور جنت کا لباس اتر گیا تو درختوں کے پتے ملا ملا کر بدن ڈھانکتے تھے یعنی اس وقت بھی آپ ان کی پشت میں تھے (اور آپ ہی کی برکت سے آدم علیہ السلام کی یہ خطا معاف ہوگئی اور

حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی) اس کے بعد آپ نے بلاد (زمین) کی طرف نزول فرمایا اس وقت آپ نہ بشر تھے نہ مضغہ نہ علقہ (کیونکہ یہ حالتیں پیدائش کے بہت قریب ہوا کرتی ہیں اور اس وقت آپ کی پیدائش قریب کہاں تھی اور یہ زمین کی طرف نزول فرمانا بواسطہ آدم علیہ السلام کے ہوا کہ جب وہ زمین پر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ زمین پر نزول فرمایا مگر اس وقت آپ نہ بشر تھے اور نہ مضغہ نہ علقہ) بلکہ (پشت آباء میں محض ایک مادہ مائیہ بصورت نطفہ تھے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس طرح بصورت نطفہ تو تمام انبیاء بلکہ تمام عالم آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کونسی فضیلت ثابت ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دوسروں کے وجود سے ممتاز تھا کہ دوسرے تو محض بصورت نطفہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کی پشت میں بصورت نطفہ تشریف فرما ہوئے تھے اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو بھی کچھ تعلق ہوتا تھا کہ اس تعلق روحی کی برکتیں آپ کے ان اجداد میں ظاہر ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگلے شعر میں ابراہیم علیہ السلام کے سوزش نار سے بچ جانے کی نسبت یہ بات فرمائی ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت میں تھے وہ کیونکر جل سکتے تھے تو یہ برکتیں اس تعلق روح ہی کی وجہ سے تو ظاہر ہوئیں) کبھی وہ مادہ کشتی نوح میں سوار تھا اور حالت یہ تھی کہ نسر بت اور اس کے ماننے والوں کے لبوں تک طوفان غرق پہنچ رہا تھا۔ مطلب یہ کہ بواسطہ نوح علیہ السلام کے وہ مادہ راکب کشتی تھی، مولانا جامیؒ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

زجودش گر نگشتے راہ مفتوح بجودی کے رسیدے کشتی نوح

(شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمہ ج ۳۱)

کفار کے حق میں رحمت

کہ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن گنہگار مسلمانوں کے لیے جو کہ جہنم میں جائیں گے سفارش فرمائیں گے اگر یہ شفاعت نہ ہوتی تو ان کی میعاد اور زیادہ ہوتی تو میعاد کی کمی یہ رحمت ہوئی کوئی ہزار برس کے عتاب کا مستحق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

سفارش سے اس میں کمی کردی جائے۔ مثلاً پانچ سو برس کے بعد وہ جہنم سے نکال دیا جائے
تمت ہونا اس کا ظاہر ہے اور کفار کے حق میں یہ تو نہیں ہوسکتا کہ میعاد میں کمی کردی
عذاب تو ان کو ابدالآباد تک ہوگا مگر بقول شیخ عبدالحق محدثؒ جو عنقریب آتا ہے
عذاب میں تخفیف کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تخفیف عذاب کا ذکر تو صحاح میں بھی آتا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کو کچھ آپ کی خدمت سے نفع بھی ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب سر سے پاؤں تک آگ میں غرق ہوتے مگر میری وجہ سے یہ ہوا کہ ان کو صرف دو جوتیاں آگ کی پہنائی جائیں گی جس سے ان کا بھیجا مثل ہانڈی کے پکے گا اور اس پر بھی وہ یہ سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں۔ ابولہب کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ چونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کی خوشی میں بشارت لانے والی باندی کو آزاد کردیا تھا ہر پیر کے دن ذرا سا ٹھنڈا پانی پینے کو مل جاتا ہے باقی عام کفار کے حق میں تخفیف کی شفاعت مجھے کسی حدیث سے تو نہیں معلوم ہوئی مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک کتاب اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت دس طرح کی ہوگی ان میں ایک شفاعت یہ بھی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام کفار کے لیے شفاعت فرمائیں گے کہ یہ لوگ جس سخت عذاب کے مستحق ہیں اس میں کچھ کمی کردی جائے۔ چنانچہ آپ کی برکت سے ان کے عذاب میں کمی کردی جائے گی گو کم ہونے کے بعد بھی وہ اس قدر سخت ہوگا کہ وہ اس کو بھی بہت سمجھیں گے۔ خدا محفوظ رکھے وہاں کا تو ذرا سا عذاب بھی ایسا ہوگا کہ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ ج ۳۱)

تمت بحمد اللہ